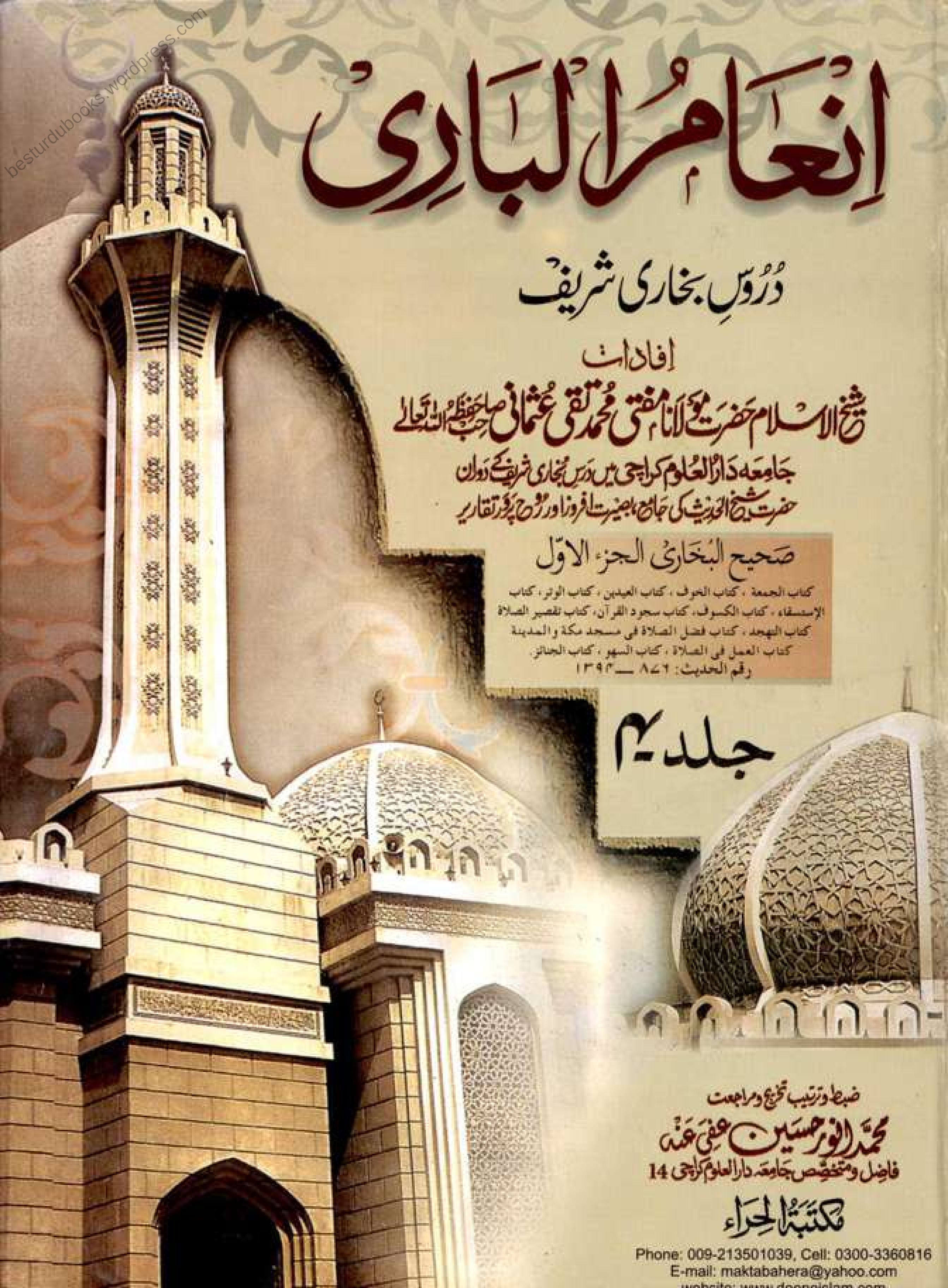
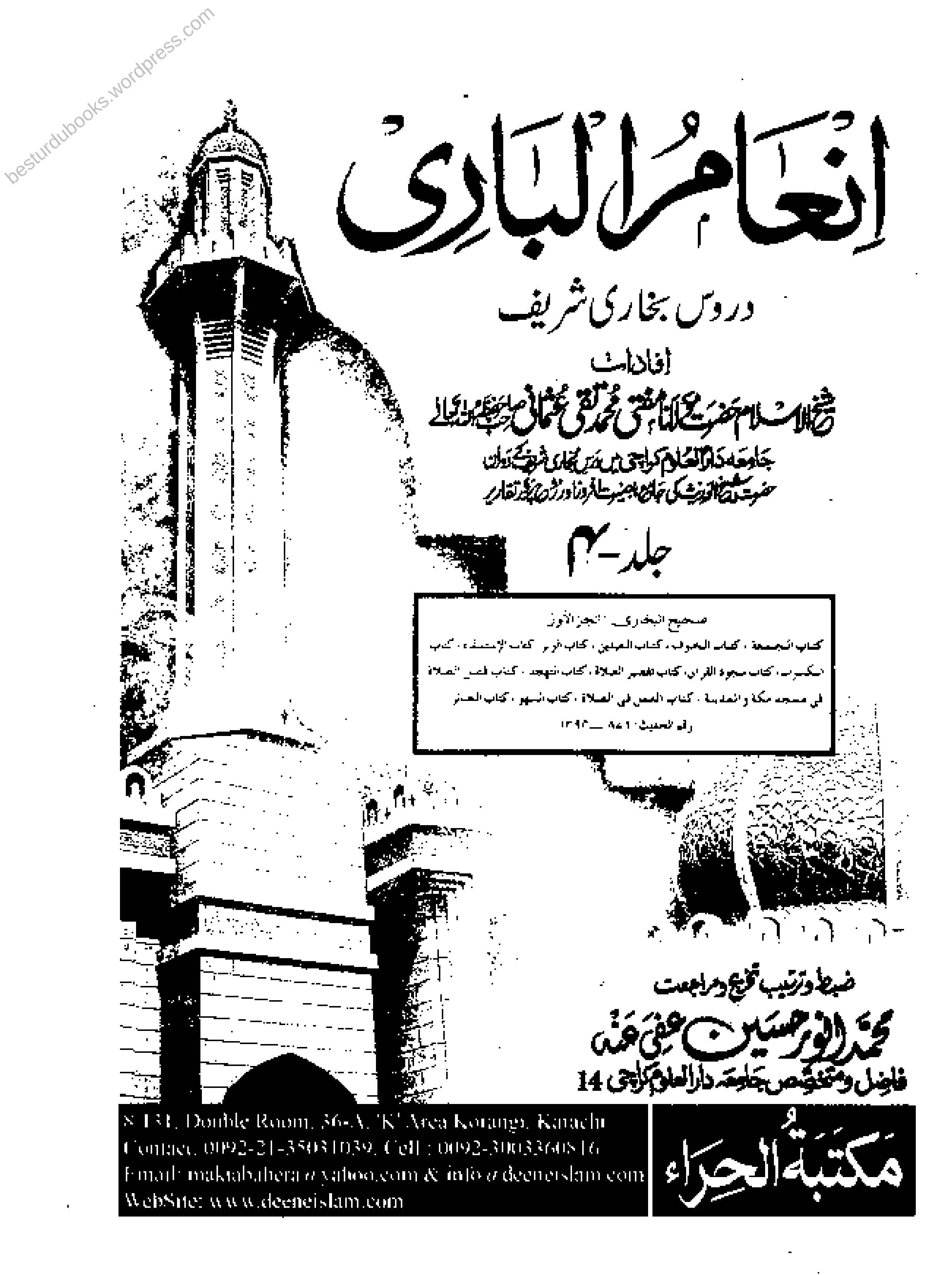

besturdubooks.wordpress.com
اِنعامُ الباری
دُروسِ بخاری شریف
افادات
شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہم اللہ تعالیٰ
جامعہ دارالعلوم کراچی میں درسِ بخاری شریف کے دوران
حضرت شیخ الحدیث کی جامع، بصیرت افروز اور روح پرور تقاریر
صحیح البخاری الجزء الاول
كتاب الجمعة ، كتاب الخوف ، كتاب العيدين ، كتاب الوتر ، كتاب
الإستسقاء ، كتاب الكسوف ، كتاب سجود القرآن ، كتاب تقصير الصلاة
كتاب التهجد ، كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة
كتاب العمل في الصلاة ، كتاب السهو ، كتاب الجنائز
رقم الحديث: ٨٧٦ ـــ ١٣٩٤
جلد ۴
ضبط و ترتیب تخریج و مراجعت
محمد انور حسین عفی عنہ
فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی 14
مکتبۃ الحراء
Phone: 009-213501039, Cell: 0300-3360816
E-mail: maktabahera@yahoo.com


besturdubooks.wordpress.com
إنعام الباری
درس بخاری شریف
افادات
شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی
جامعہ دارالعلوم کراچی میں درس بخاری شریف کے دوران
حضرت شیخ الحدیث کی جامع، بصیرت افروز اور روح پرور تقاریر
جلد-۴
صحیح البخاری – الجزء الأول
كتاب الجمعة، كتاب الخوف، كتاب العيدين، كتاب الوتر، كتاب الاستسقاء، كتاب الكسوف، كتاب سجود القرآن، كتاب تقصير الصلاة، كتاب التهجد، كتاب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، كتاب العمل في الصلاة، كتاب السهو، كتاب الجنائز
رقم الحديث: ۸۶۱ ـــ ۱۳۹۳
ضبط و ترتیب تخریج و مراجعت
محمد انور حسین عفی عنہ
فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی 14
S-131, Double Room, 36-A, 'K' Area Korangi, Karachi
Contact: 0092-21-35031039, Cell : 0092-3003360816
Email: maktabahera@yahoo.com & info@deeneislam.com
WebSite: www.deeneislam.com
مکتبۃ الحراء

نام کتاب	انعام الباری دروس صحیح البخاری جلد ۴
افادات	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ
ضبط و ترتیب و تخریج احادیث	محمد انور حسین (فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴)
ناشر	مکتبۃ الحراء، ۸/۱۳۱، ۳۶-A، گلی نمبر، "K" ایریا کورنگی، کراچی، پاکستان
باہتمام	محمد انور حسین عفی عنہ
کمپوزنگ	ادارہ کمپوزنگ مکتبۃ الحراء فون نمبر 0092 21 35031039

ناشر : مکتبۃ الحراء

8/131 سیکٹر 36-A، گلی نمبر "K" ایریا کورنگی کراچی، پاکستان۔

فون: 35031039 موبائل: 03003360816

E-Mail: maktabahera@yahoo.com&info@deeneislam.com

website: www.deeneislam.com

.... ملنے کے پتے ....

مکتبۃ الحراء فون: 35031039 ، موبائل: 03003360816

E-Mail: maktabahera@yahoo.com

☆ ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار، کراچی۔ فون: 021 32722401

☆ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان۔ فون: 042 3753255

☆ ادارہ اسلامیات، دینا ناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور۔ فون: 042 37324412

☆ مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ فون: 021 35031565-6

☆ ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴۔ فون: 021 35032020

☆ دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی۔





افتتاحیہ

از شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی
شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد خاتم النبیین وإمام المرسلین وقائد الغر المحجلین، وعلی آلہ وأصحابہ اجمعین، وعلی کل من تبعھم باحسان إلی یوم الدین.

اما بعد:

۲۹ / ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو بندے کے استاذ معظم حضرت مولانا "سحبان محمود" صاحب قدس سرہ کا حادثۂ وفات پیش آیا تو دار العلوم کراچی کے لئے یہ ایک عظیم سانحہ تھا، دوسرے بہت سے مسائل کے ساتھ یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ صحیح بخاری کا درس جو سالہا سال سے حضرت کے سپرد تھا، کس کے حوالہ کیا جائے؟ بالآخر یہ طے پایا کہ یہ ذمہ داری بندے کو سونپی جائے۔ میں جب اس گرانبار ذمہ داری کا تصور کرتا تو وہ ایک پہاڑ معلوم ہوتی۔ کہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ پرنور کتاب، اور کہاں مجھ جیسا مفلس علم اور تہی دست عمل؟ دور دور بھی اپنے اندر صحیح بخاری پڑھانے کی صلاحیت معلوم نہ ہوتی تھی۔ لیکن بزرگوں سے سنی ہوئی یہ بات یاد آئی کہ جب کوئی ذمہ داری بڑوں کی طرف سے حکماً ڈالی جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق ملتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر یہ درس شروع کیا۔

عزیز گرامی مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہ مالک مکتبۃ الحراء، فاضل ومتخصص جامعہ دار العلوم کراچی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ تقریر ضبط کی، اور پچھلے چند سالوں میں ہر سال درس کے دوران اس کے مسودے میری نظر سے گزرتے رہے۔ کہیں کہیں بندے نے ترمیم واضافہ بھی کیا ہے۔ طلبہ کی ضرورت کے پیش نظر مولانا محمد انور حسین صاحب نے اس کے "کتاب بدء الوحی" سے "کتاب البیوع" آخر تک کے حصوں کو نہ صرف کمپیوٹر پر کمپوز کرالیا، بلکہ اس کے حوالوں کی تخریج کا کام بھی کیا جس پر ان کے بہت سے اوقات، محنت اور مالی وسائل صرف ہوئے۔

دوسری طرف مجھے بھی بحیثیت مجموعی اتنا اطمینان ہوگیا کہ ان شاء اللہ اس کی اشاعت فائدے سے خالی نہ ہوگی، اور اگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں گی تو ان کی تصحیح جاری رہ سکتی ہے۔ اس لئے میں نے اس کی اشاعت پر رضامندی ظاہر کردی ہے۔ لیکن چونکہ یہ نہ کوئی باقاعدہ تصنیف ہے، نہ میں اس کی نظر ثانی کا اتنا اہتمام کرسکا ہوں جتنا کرنا چاہئے تھا، اس لئے اس میں قابلِ اصلاح امور ضرور رہ گئے ہوں گے۔ اہل علم اور طلبہ مطالعے کے دوران جو ایسی بات محسوس کریں، براہ کرم بندے کو یا مولانا محمد انور حسین صاحب کو مطلع فرمادیں تاکہ اس کی اصلاح کردی جائے۔

تدریس کے سلسلے میں بندے کا ذوق یہ ہے کہ شروع میں طویل بحثیں کرنے اور آخر میں روایت پر اکتفا کرنے کے بجائے سبق شروع سے آخر تک توازن سے چلے۔ بندے نے تدریس کے دوران اس اسلوب پر عمل کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ نیز جو خالص کلامی اور نظریاتی مسائل ماضی کے ان فرقوں سے متعلق ہیں جواب موجود نہیں رہے، ان پر بندے نے اختصار سے کام لیا ہے، تاکہ مسائل کا تعارف تو طلبہ کو ضرور ہوجائے، لیکن ان پر طویل بحثوں کے نتیجے میں دوسرے اہم مسائل کا حق تلف نہ ہو۔ اسی طرح بندے نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جو مسائل ہمارے دور میں عملی اہمیت اختیار کرگئے ہیں، ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ تعارف ہوجائے، اور احادیث سے اصلاحِ اعمال واخلاق کے بارے میں جو عظیم روایات ملتی ہیں اور جو احادیث پڑھنے کا اصل مقصود ہونی چاہئیں، ان کی عملی تفصیلات پر بقدرِ ضرورت کلام ہوجائے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ بندۂ ناکارہ اور اس تقریر کے مرتب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہٗ نے اس تقریر کو ضبط کرنے سے لیکر اس کی ترتیب، تخریج اور اشاعت میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی بہترین جزا انہیں دنیا وآخرت میں عطا فرمائیں، ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر اسے طلبہ کے لئے نافع بنائیں، اور اس ناکارہ کے لئے بھی اپنے فضلِ خاص سے مغفرت ورحمت کا وسیلہ بنادے۔ آمین۔

جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴
۱۲ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ
۱۲ فروری ۲۰۰۹ء بروز جمعرات

بندہ محمد تقی عثمانی
جامعہ دارالعلوم کراچی

عرضِ ناشر

نحمده و نصلّی علی رسوله الکریم

امّا بعد ۔ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیث کا سانحہ ارتحال پیش آیا یہ درس ۴/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اُسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سال تک کے یہ درس ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کیا جاتا رہا، یہ سب کچھ احقر نے اپنی ذاتی دلچسپی اور شوق سے کیا، استاد محترم نے جب یہ صورت حال دیکھی تو خواہش کا اظہار کیا کہ اگر یہ مواد کتابی شکل میں آجائے تو بہتر ہوگا اور یہ کہ ٹیپ ریکارڈر سے نقل کر کے تحریر شدہ شکل میں مجھے دکھایا جائے تاکہ میں اس پر سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، چنانچہ ان دروس کو تحریر میں لانے کا۔ بنام باری تعالیٰ آغاز ہوا اور اب بحمد اللہ اس کی سات جلدیں ''انعام الباری'' کے نام سے طبع ہو چکی ہیں۔

یہ کتاب ''انعام الباری'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ بڑا قیمتی علمی ذخیرہ ہے، استاد موصوف کو اللہ ﷻ نے جس تبحر علمی سے نوازا ہے اس کی مثالیں کم ملتی ہیں، حضرت جب بات شروع فرماتے ہیں تو علوم و معارف کے دریا بہنا شروع ہو جاتے ہیں، ان علوم کا جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد عطر نکلتا ہے وہ ''انعام الباری'' میں دستیاب ہے، آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاد موصوف کا بصیرت افروز تفقہ، علمی تشریحات اور ائمہ اربعہ کے فقہی اختلاف پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

صاحبان علم کو اگر اس کتاب میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کی جائے اور از راہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمایا جائے۔

دعا ہے کہ اللہ ﷻ اسلاف کے ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور ''انعام الباری'' کے بقیہ جلدوں کی تکمیل کی بآسانی اور توفیق عطا فرمائے تاکہ حدیث و علوم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یارب العالمین ۔ و ما ذلک علی اللّٰہ بعزیز

بندہ محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۲۰/ صفر المظفر ۱۴۳۱ھ بمطابق ۵/ فروری ۲۰۱۰ء۔ جمعہ

خلاصة الفهارس

عنوان	صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى.

عرض مرتب

اساتذۂ کرام کی درسی تقاریر کو ضبط تحریر میں لانے کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آرہا ہے ابنائے دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں **فیض الباری ، فضل الباری ، انوار الباری ، لامع الدراری ، الکوکب الدری ، الحل المفھم لصحیح مسلم ، کشف الباری** ،تقریر بخاری شریف اور درس بخاری جیسی تصانیف اکابر کی ان درسی تقاریر ہی کی زندہ مثالیں ہیں اور علوم نبوت کے طالبین ہر دور میں ان تقاریر دل پذیر سے استفادہ کرتے رہیں اور کرتے رہیں گے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کی مسند تدریس پر رونق آراء شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم (سابق جسٹس شریعت اپیلٹ بینچ سپریم کورٹ آف پاکستان) علمی وسعت ،فقیہانہ بصیرت، فہم دین اور شگفتہ طرز تفہیم میں اپنی مثال آپ ہیں، درس حدیث کے طلبہ اس بحر بے کنار کی وسعتوں میں کھو جاتے ہیں اور بحث ونظر کے نئے نئے افق ان کے نگاہوں کو خیرہ کر دیتے ہیں، خاص طور پر جب جدید تمدن کے پیدا کردہ مسائل سامنے آتے ہیں تو شرعی نصوص کی روشنی میں ان کا جائزہ، حضرت شیخ الاسلام کا وہ میدان بحث ونظر ہے جس میں ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔

آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند کی دعاؤں اور تمناؤں کا مظہر بھی ہیں، کیونکہ انہوں نے آخر عمر میں اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں انگریزی پڑھوں اور یورپ پہنچ کر ان دانایان فرنگ کو بتاؤں کہ حکمت وہ نہیں جسے تم حکمت سمجھ رہے ہو بلکہ حکمت وہ ہے جو انسانوں کے دل ودماغ کو حکیم بنانے کے لئے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے مبارک واسطے سے خدا کی طرف سے دنیا کو عطا کی گئی۔

افسوس کہ حضرتؒ کی عمر نے وفا نہ کی اور یہ تمنا تشنۂ تکمیل رہی، لیکن اللہ رب العزت اپنے پیاروں کی تمناؤں اور دعاؤں کو رد نہیں فرماتے ،اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تمنا کو دور حاضر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی صورت میں پورا کر دیا کہ آپ کی علمی وعملی کاوشوں کو دنیا بھر کے مشاہیر اہل علم وفن میں سراہا جاتا ہے خصوصاً اقتصادیات کے شعبہ میں اپنی مثال آپ ہیں کہ قرآن وحدیث ،فقہ وتصوف اور تدین وتقوی کی جامعیت کے ساتھ ساتھ قدیم اور جدید علوم پر دسترس اور ان کو دور حاضر کی زبان پر سمجھانے کی صلاحیت آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئی ہے۔

جامعہ دار العلوم کراچی کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب یہ میرے پاس پڑھنے کے لئے آئے تو بمشکل ان کی عمر گیارہ/بارہ سال تھی مگر اسی وقت سے ان پر آثار ولایت محسوس ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی صلاحیتوں میں ترقی و برکت ہوتی رہی، یہ مجھ سے استفادہ کرتے رہے اور میں ان سے استفادہ کرتا رہا۔

سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مجھ سے مجلس خاص میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا ذکر آنے پر کہا کہ تم محمد تقی کو کیا سمجھتے ہو، یہ مجھ سے بھی بہت اوپر ہیں اور یہ حقیقت ہے۔

ان کی ایک کتاب علوم القرآن ہے اس کی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی حیات میں تکمیل ہوئی اور چھپی اس پر مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے غیر معمولی تقریظ لکھی ہے۔ اکابرین کی عادت ہے کہ جب کسی کتاب کی تعریف کرتے ہیں تو جانچ تول کر بہت بچے تلے انداز میں کرتے ہیں کہ کہیں مبالغہ نہ ہو مگر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں کہ:

> یہ مکمل کتاب ماشاء اللہ ایسی ہے کہ اگر میں خود بھی اپنی تندرستی کے زمانے میں لکھتا تو ایسی نہ لکھ سکتا تھا، جس کی دو وجہ ظاہر ہیں:
>
> پہلی وجہ تو یہ کہ عزیز موصوف نے اس کی تصنیف میں جس تحقیق وتنقید اور متعلقہ کتابوں کے عظیم ذخیرہ کے مطالعہ سے کام لیا، وہ میرے بس کی بات نہ تھی، جن کتابوں سے یہ مضامین لئے گئے ہیں ان سب مأخذوں کے حوالے بقید ابواب وصفحات حاشیہ میں درج ہیں، انہی پر سرسری نظر ڈالنے سے ان کی تحقیقی کاوش کا اندازہ ہو سکتا ہے۔
>
> اور دوسری وجہ جو اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے وہ یہ کہ میں انگریزی زبان سے ناواقف ہونے کی بناء پر مستشرقین یورپ کی ان کتابوں سے بالکل ہی ناواقف تھا، جن میں انہوں نے قرآن کریم اور علوم قرآن کے متعلق زہر آلود تلبیسات سے کام لیا ہے، برخوردار عزیز نے چونکہ انگریزی میں بھی ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا، انہوں نے ان تلبیسات کی حقیقت کھول کر وقت کی اہم ضرورت پوری کر دی۔

اسی طرح شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے بارے میں

تحریر کیا:

لقد من الله تعالى بتحقيق هذه الأمنية الغالية الكريمة ، وطبع هذا الكتاب الحديثي الفقهي العجاب ،في مدينة كراتشي من باكستان ،متوجا بخدمة علمية ممتازة ، من العلامة المحقق المحدث الفقيه الأريب الأديب فضيلة الشيخ محمد تقي العثماني ،نجل سماحة شيخنا المفتي الأكبر مولانا محمد شفيع مد ظله العالي في عافية وسرور.

فقام ذاک النجل الوارث الألمعي بتحقيق هذا الكتاب والتعليق عليه،بما يستكمل غاياته ومقاصده،ويتم فرائده وفوائده ، في ذوق علمي رفيع ،وتنسيق فني طباعي بديع ،مع أبهى حلة من جمال الطباعة الحديثة الراقية فجاء المجلد الأول منه تحفة علمية رائعة .تتجلى فيها خدمات المحقق اللوذعي تفاحة باكستان فاستحق بهذا الصنيع العلمي الرائع : شكر طلبة العلم والعلماء .

کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی کتاب شرح صحیح مسلم جس کا نام **فتح الملهم بشرح صحيح مسلم** اس کی تکمیل سے قبل ہی اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ تو ضروری تھا کہ آپ کے کام اور اس حسن کارکردگی کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں اسی بناء پر ہمارے شیخ، علامہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ نے ذہین وذکی فرزند، محدث جلیل، فقیہ، ادیب واریب مولانا محمد تقی عثمانی کی اس سلسلہ میں ہمت وکوشش کو ابھارا کہ **فتح الملهم شرح مسلم** کی تکمیل کرے، کیونکہ آپ حضرت شیخ شارح شبیر احمد عثمانیؒ کے مقام اور حق کو خوب جانتے تھے اور پھر اس کو بھی بخوبی جانتے تھے کہ اس باکمال فرزند کے ہاتھوں انشاء اللہ یہ خدمت کما حقہ انجام کو پہنچے گی۔

اسی طرح عالم اسلام کی مشہور فقہی شخصیت ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی **تكملة فتح الملهم** پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد ادخر القدر فضل اكماله وإتمامه – إن شاء الله – لعالم

جليل من أسره علم و فضل "ذرية بعضها من بعض" هو الفقيه ابن الفقيه ،صديقنا العلامة الشيخ محمد تقي العثماني ،بن الفقيه العلامة المفتي مولانامحمدشفيع رحمه الله وأجزل مثوبته ،و تقبله في الصالحين .

وقد أتاحت لي الأقدار أن أعرف عن كثب على الأخ الفاضل الشيخ محمد تقي، فقد التقيت به في بعض جلسات الهيئة العليا للفتوى والرقابة الشرعية للمصارف الإسلامية ،ثم في جلسات مجمع الفقه الإسلامي العالمي ، وهو يمثل فيه دولة باكستان، ثم عرفته أكثر فأكثر ، حين صحبت به معي عضوا في الهيئة الشرعية لمصرف فيصل الإسلامي بالبحرين ، والذي له فروع عدةفي باكستان .

وقد لمست فيه عقلية الفقية المطلع على المصادر،المتمكن من النظر والاستنباط،القادر على الاختيار والترجيح ،والواعي لما يدور حوله من أفكار و مشكلات – انتجها

هذا العصر الحريص على أن تسود شريعة الاسلام وتحكم في ديار المسلمين .

ولا ريب أن هذه الخصائص تجلت في شرحه لصحيح مسلم ، وبعبارة أخرى : في تكملته لفتح الملهم .

فقد وجدت في هذا الشرح :حسن المحدث ، وملكة الفقيه ،وعقلية المعلم، وأناة القاضي،ورؤية العالم المعاصر،جنبا إلى جنب .

ومما يذكر له هنا: أنه لم يلتزم بأن يسير على نفس طريقة شيخه العلامة شبير أحمد، كما نصحه بذلك بعض أحبابه، وذلك لوجوه وجيهة ذكرها في مقدمته .

ولا ريب أن لكل شيخ طريقته وأسلوبه الخاص، الذی يتأثر بمكانه وزمانه وثقافته، وتيارات الحياة من حوله. ومن التكلف الذی لايحمد محاولة العالم أن يكون نسخة من غيره، وقد خلقه الله مستقلا.

لقد رأيت شروحا عدة لصحيح مسلم، قديمة وحديثة، ولكن هذا الشرح للعلامة محمد تقی هو أولاها بالتنويه، وأوفاها بالفوائد والفرائد، وأحقها بأن يكون هو (شرح العصر) للصحيح الثانی.

فهو موسوعة بحق، تتضمن بحوثا وتحقيقات حديثية، وفقهية ودعوية وتربوية. وقد هيأت له معرفته بأكثر من لغة، ومنها الإنجليزية، وكذلك قراءته لثقافة العصر، واطلاعه علی كثير من تياراته الفكرية، أن يعقد مقارنات شتی بين أحكام الإسلام وتعاليمه من ناحية، وبين الديانات والفلسفات والنظريات المخالفة من ناحية أخری وأن يبين هنا أصالة الإسلام وتميزه الخ۔

انہوں نے فرمایا کہ مجھے ایسے مواقع میسر ہوئے کہ میں برادر فاضل شیخ محمد تقی کو قریب سے پہچانوں۔ بعض فتوؤں کی مجالس اور اسلامی محکموں کے نگراں شعبوں میں آپ سے ملاقات ہوئی پھر مجمع الفقہ الاسلامی کے جلسوں میں بھی ملاقات کے مواقع آتے رہے، آپ اس مجمع میں پاکستان کی نمائندگی فرماتے ہیں۔ الغرض اس طرح میں آپ کو قریب سے جانتا رہا اور پھر یہ تعارف بڑھتا ہی چلا گیا جب میں آپ کی ہمراہی سے فیصل اسلامی بینک (بحرین) میں سعادت مند ہوا آپ وہاں ممبر منتخب ہوئے تھے جس کی پاکستان میں بھی کئی شاخیں ہیں۔

تو میں نے آپ میں فقہی سمجھ خوب پائی اس کے ساتھ مصادر وماخذ فقہیہ پر بھرپور اطلاع اور فقہ میں نظر وفکر اور استنباط کا ملکہ اور ترجیح و اختیار پر خوب قدرت محسوس کی۔

اس کے ساتھ آپ کے اردگرد جو خیالات ونظریات اور مشکلات منڈلا رہی ہیں جو اس زمانے کا نتیجہ ہیں ان میں بھی سوچ سمجھ رکھنے والا پایا اور آپ ماشاء اللہ اس بات پر حریص رہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی بالادستی قائم ہو اور مسلمان علاقوں میں اس کی حاکمیت کا دور دورہ ہو اور بلاشبہ آپ کی یہ خصوصیات آپ کی شرح صحیح مسلم (تکملہ فتح الملہم میں خوب نمایاں اور روشن ہے۔

میں نے اس شرح کے اندر ایک محدث کا شعور، فقیہ کا ملکہ، ایک معلم کی ذکاوت، ایک قاضی کا تدبر اور ایک عالم کی بصیرت محسوس کی۔ میں نے صحیح مسلم کی قدیم وجدید بہت سی شروح دیکھی ہیں لیکن یہ شرح تمام شروح میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور قابل استفادہ ہے، یہ جدید مسائل کی تحقیقات میں موجودہ دور کا فقہی انسائکلو پیڈیا ہے اور ان سب شروح میں زیادہ حق دار ہے کہ اس کو صحیح مسلم کی اس زمانے میں سب سے عظیم شرح قرار دی جائے۔

یہ شرح قانون کو وسعت سے بیان کرتی ہے اور سیر حاصل ابحاث اور جدید تحقیقات اور فقہی، دعوتی، تربیتی مباحث کو خوب شامل ہے۔ اس کی تصنیف میں حضرت مؤلف کو کئی زبانوں سے ہم آہنگی خصوصاً انگریزی سے معرفت کام آئی ہے اسی طرح زمانے کی تہذیب وثقافت پر آپ کا مطالعہ اور بہت سی فکری رجحانات پر اطلاع وغیرہ میں بھی آپ کو دسترس ہے۔ ان تمام چیزوں نے آپ کے لئے آسانی کردی کہ اسلامی احکام اور اس کی تعلیمات اور دیگر عصری تعلیمات اور فلسفے اور مخالف نظریات کے درمیان فیصلہ کن رائے دیں اور ایسے مقامات پر اسلام کی خصوصیات اور امتیاز کو اجاگر کریں۔

احقر بھی جامعہ دار العلوم کراچی کا خوشہ چین ہے اور بحمد اللہ اساتذہ کرام کے علمی دروس اور اصلاحی مجالس سے استفادے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ان مجالس کی افادیت کو عام کرنے کے لئے خصوصی انتظام کے تحت گذشتہ چودہ (۱۴) سالوں سے ان دروس ومجالس کو آڈیو کیسٹس میں ریکارڈ بھی کر رہا ہے۔ اس وقت سمعی مکتبہ میں اکابر کے بیانات اور دروس کا ایک بڑا ذخیرہ احقر کے پاس جمع ہے، جس سے ملک وبیرون ملک وسیع پیمانے پر

استفادہ ہو رہا ہے؛ خاص طور پر درس بخاری کے سلسلے میں احقر کے پاس اپنے دو اساتذہ کے دروس موجود ہیں۔

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس بخاری جو دو سو کیسٹس میں محفوظ ہے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا درس حدیث تقریبا تین سو کیسٹس میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔

انہیں کتابی صورت میں لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ کیسٹ سے استفادہ عام مشکل ہوتا ہے، خصوصا طلبا کرام کے لئے وسائل وسہولت نہ ہونے کی بناء پر سمعی بیانات کو خریدنا اور پھر حفاظت سے رکھنا ایک الگ مسئلہ ہے جب کہ کتابی شکل میں ہونے سے استفادہ ہر خاص وعام کے لئے سہل ہے۔

چونکہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ ر ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیث کا حادثۂ وفات پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مؤرخہ ۴ رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے استاذ محترم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اُسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے۔ انہی لمحات سے استاذ محترم کی مؤمنانہ نگاہوں نے تاک لیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں موجود ہونا چاہئے، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لاکر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، جس پر اس کام (انعام الباری) کے ضبط وتحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کیسٹ میں بات منہ سے نکلی اور ریکارڈ ہوگئی اور بسا اوقات سبقت لسانی کی بناء پر عبارت آگے پیچھے ہو جاتی ہے (**فالبشر یخطیٔ**) جس کی تصحیح کا ازالہ کیسٹ میں ممکن نہیں۔ لہٰذا اس وجہ سے بھی اسے کتابی شکل دی گئی تاکہ حتی المقدور غلطی کا تدارک ہو سکے۔ آپ کا یہ ارشاد اس حزم واحتیاط کا آئینہ دار ہے جو سلف سے منقول ہے ''کہ سعید بن جبیرؒ کا بیان ہے کہ شروع میں سیدنا حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے آموختہ سننا چاہا تو میں گھبرایا، میری اس کیفیت کو دیکھ کر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

"أولیس من نعمة الله علیک أن تحدث وأنا شاھد فإن اصبت فذاک وإن اخطأت علمتک"۔

[طبقات ابن سعد: ص: ۱۷۹، ج: ۲ و تدوین حدیث: ص: ۱۵۷]

کیا حق تعالیٰ کی یہ نعمت نہیں ہے کہ تم حدیث بیان کرو اور میں موجود ہوں، اگر صحیح طور پر بیان کروگے تو اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے اور اگر غلطی کروگے تو میں تم کو بتادوں گا۔

اس کے علاوہ بعض بزرگان دین اور بعض احباب نے سمعی مکتبہ کے اس علمی اثاثے کو دیکھ کر اس خواہش

کا اظہار کیا کہ درس بخاری کو تحریری شکل میں بھی پیش کیا جائے اس سے استفادہ مزید سہل ہوگا'' درس بخاری'' کی یہ کتاب بنام ''انعام الباری'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی کاوش کا ثمرہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلام حفظہ اللہ کو بھی احقر کی اس محنت کا علم اور احساس ہے اور احقر سمجھتا ہے کہ بہت سی مشکلات کے باوجود اس درس کی سمعی و نظری تکمیل و تحریر میں پیش رفت حضرت ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

احقر کو اپنی تہی دامنی کا احساس ہے یہ مشغلہ بہت بڑا علمی کام ہے، جس کے لئے وسیع مطالعہ، علمی پختگی اور استحضار کی ضرورت ہے، جبکہ احقر ان تمام امور سے عاری ہے، اس کے باوجود ایسی علمی خدمت کے لئے کمر بستہ ہونا صرف فضل الٰہی، اپنے مشفق اساتذہ کرام کی دعاؤں اور خاص طور پر موصوف استاذ محترم دامت برکاتہم کی نظر عنایت، اعتماد، توجہ، حوصلہ افزائی اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

ناچیز مرتب کو مراحل ترتیب میں جن مشکلات و مشقت سے واسطہ پڑا وہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے اور ان مشکلات کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ کسی موضوع پر مضمون و تصنیف لکھنے والے کو یہ سہولت رہتی ہے کہ لکھنے والا اپنے ذہن کے مطابق بنائے ہوئے خاکہ پر چلتا ہے، لیکن کسی دوسرے بڑے عالم اور خصوصاً ایسی علمی شخصیت جس کے علمی تبحر و برتری کا معاصر مشاہیر اہل علم و فن نے اعتراف کیا ہو ان کے افادات اور دقیق فقہی نکات کی ترتیب و مراجعت اور تعیین عنوانات مذکورہ مرحلہ سے کہیں دشوار و کٹھن ہے۔ اس عظیم علمی اور تحقیقی کام کی مشکلات مجھ جیسے طفل مکتب کے لئے کم نہ تھیں، اپنی بے مائیگی، نا اہلی اور کم علمی کی بناء پر اس کے لئے جس قدر دماغ سوزی اور عرق ریزی ہوئی اور جو محنت و کاوش کرنا پڑی مجھ جیسے نا اہل کے لئے اس کا تصور بھی مشکل ہے البتہ فضل ایزدی ہر مقام پر شامل حال رہا۔

یہ کتاب ''انعام الباری'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ سارا مجموعہ بھی بڑا قیمتی ہے، اس لئے کہ حضرت استاذ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے جو تبحر علمی عطا فرمایا وہ ایک دریائے ناپید کنارہ ہے، جب بات شروع فرماتے تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت مطالعہ اور عمق فہم دونوں سے نوازا ہے، اس کے نتیجہ میں حضرت استاذ موصوف کے اپنے علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ وعطر ہے وہ اس مجموعہ انعام الباری میں دستیاب ہے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کی فقہی آراء و تشریحات، ائمۂ اربعہ کی موافقات و مخالفات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

یہ کتاب (صحیح بخاری) ''کتاب بدء الوحی سے کتاب التوحید'' تک مجموعی کتب ۹۷، احادیث ''۷۵۶۳'' اور ابواب ''۳۹۳۰'' پر مشتمل ہے، اسی طرح ہر حدیث پر نمبر لگا کر احادیث کے مواضع و متکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے کہ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں [انظر] نمبروں کے ساتھ اور اگر حدیث گزری ہے تو [راجع] نمبروں کے ساتھ نشان لگا دیئے ہیں۔

بخاری شریف کی احادیث کی تخریج **الکتب الستة** (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطاء مالک، سنن الدارمی اور مسند احمد) کی حد تک کردی گئی ہے، کیونکہ بسا اوقات ایک ہی حدیث کے الفاظ میں جو تفاوت ہوتا ہے ان کے فوائد سے حضرات اہل علم خوب واقف ہیں، اس طرح انہیں آسانی ہوگی۔

قرآن کریم کی جہاں جہاں آیات آئی ہیں ان کے حوالہ مع ترجمہ، سورۃ کا نام اور آیتوں کے نمبر ساتھ ساتھ دیدئے گئے ہیں۔ شروح بخاری کے سلسلے میں کسی ایک شرح کو مرکز نہیں بنایا بلکہ حتی المقدور بخاری کی مستند اور مشہور شروح کو پیش نظر رکھا گیا، البتہ مجھ جیسے مبتدی کے لئے **عمدۃ القاری** اور **تکملة فتح الملهم** کا حوالہ بہت آسان ثابت ہوا۔ اس لئے جہاں **تکمله فتح الملهم** کا کوئی حوالہ مل گیا تو اسی کو حتمی سمجھا گیا۔

رب متعال حضرت شیخ الاسلام کا سایہ عاطفت عافیت وسلامت کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے، جن کا وجود مسعود بلاشبہ اس وقت ملت اسلامیہ کے لئے نعمت خداوندی کی حیثیت رکھتا ہے اور امت کا عظیم سرمایہ ہے اور جن کی زبان وقلم سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن وحدیث اور اجماع امت کی صحیح تعبیر وتشریح کا اہم تجدیدی کام لیا ہے۔

رب کریم اس کاوش کو قبول فرما کر احقر اور اس کے والدین اور جملہ اساتذۂ کرام کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، جن حضرات اور احباب نے اس کام میں مشوروں، دعاؤں یا کسی بھی طرح سے تعاون فرمایا ہے، مولائے کریم اس محنت کو ان کے لئے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے اور خاص طور پر استاذ محترم شیخ القراء حافظ قاری مولانا عبدالملک صاحب حفظہ اللہ کو فلاح دارین سے نوازے جنہوں نے ہمہ وقت کتاب اور حل عبارات کے دشوار گزار مراحل کو احقر کے لئے سہل بنا کر لائبریری سے بے نیاز رکھا۔

صاحبان علم کو اگر اس درس میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت وتحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط ونقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور از راہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلاف کی ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور "انعام الباری" کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ علم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین . وماذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل ومتخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۹ رصفر المظفر ۱۴۳۰ھ

بمطابق ۵ رفروری ۲۰۰۹ء بروز جمعرات

١١- كتاب الجمعة

رقم الحديث : ٨٧٦ - ٩٤١

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۱ - کتاب الجمعة

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں سے کتاب الجمعہ کے ابواب ذکر فرما رہے ہیں۔

(۱) بابُ فرض الجمعة،

زمانہ جاہلیت اور یوم الجمعۃ

اسلام سے پہلے یوم الجمعة "یوم العروبة" کہلاتا تھا اور یہ منقول ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کعب بن لوئی اس دن لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا کرتا تھا۔

جمعہ کی ابتداء کیسے ہوئی

جب اسلام آیا تو مکہ مکرمہ میں مسلمان اس حالت میں نہیں تھے کہ باقاعدہ مسجد تعمیر کر کے اس میں جمعہ قائم کریں۔ لہٰذا جمعہ فرض نہیں ہوا تھا۔

اسعد بن زرارۃ ﷺ نے مدینہ منورہ میں جب یہ دیکھا کہ یہود و نصاریٰ میں اجتماع کے لئے ہفتہ میں ایک دن مخصوص ومقرر ہے: یہود شنبہ کے روز اور نصاریٰ یکشنبہ کے دن ایک جگہ جمع ہوتے ہیں، اس لئے یہ خیال پیدا ہوا کہ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ ہفتہ میں ایک دن ایسا مقرر کریں کہ جس میں سب جمع ہوں اور اللہ ﷻ کا ذکر وشکر کریں اور نماز پڑھیں اور اس کی عبادت و بندگی کریں، تو اسعد بن زرارۃ ﷺ نے جمعہ کے دن کو تجویز کیا اور اس روز سب کو نماز پڑھائی، اس طرح سب سے پہلے جمعہ کا اجتماع ہوا۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا ایک والا نامہ جمعہ قائم کرنے کے بارے میں مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے نام پہنچا کہ نصف النہار کے بعد سب مل کر بارگاہ خداوندی میں ایک دوگانہ سے تقرب حاصل کیا کرو۔[1]

---

[1] منها ما ذكره الحافظ نفسه من مرسل ابن سيرين قال: "جمع أهل المدينة قبل أن يقدمها رسول الله ﷺ، وقبل أن تنزل الجمعة فقالت الأنصار: إن لليهود يوما يجتمعون فيه كل سبعة أيام، وللنصارى كذلك فهلم، فلنجعل يوما نجتمع فيه، فنذكر الله تعالىٰ، ونصلي، ونشكره فجعلوه يوم العروبة، واجتمعوا إلى أسعد بن زرارة، فصلى بهم يومئذ." اعلاء السنن، ج: ۸، ص: ۲۸، وشرح الزرقاني، ج: ۱، ص: ۳۱۵.

خلاصہ: تو جاہلیت میں سب سے پہلے کعب بن لوئی نے جمعہ قائم کیا اور اسلام میں سب سے پہلے اسعد بن زرارۃ ﷺ نے جمعہ قائم کیا۔

پہلا خطبہ اور پہلی نماز جمعہ

حضور اقدس ﷺ نے جب ہجرت فرمائی تو قباء میں چودہ دن قیام فرمایا، جب قباء سے مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے اور ناقہ پر سوار ہوئے راستہ میں بنو سالم میں جمعہ کے احکام نازل ہوئے اور جمعہ فرض ہوا، چونکہ آپ ﷺ نے سب سے پہلے وہاں جمعہ ادا فرمایا اس سے مدینہ منورہ میں وہ مسجد آج بھی ''مسجد جمعہ'' کے نام سے محفوظ ہے۔ یہ اسلام میں آپ ﷺ کا پہلا خطبہ اور پہلی نماز جمعہ تھی۔[۲]

لقول الله تعالى: ﴿إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ﴾ فَاسْعَوْا: فامضوا. [الجمعة: ۹]

آیت کی تشریح

جمعہ کے دن کو جاہلیت میں یوم عروبہ کہتے تھے، تو انصار نے بجائے یوم عروبہ کے اس دن کا نام جمعہ تجویز کیا۔ وحی الٰہی نے ان کی تصویب کی جس کے بارے میں آیت نازل ہوئی:

إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى
ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ.

ترجمہ: اے ایمان والو جب اذان ہو نماز کی جمعہ کے دن تو دوڑو اللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید و فروخت۔

۸۷۶ - حدثنا أبو اليمان قال: أخبرنا شعيب قال: حدثنا أبو الزناد أن عبدالرحمٰن بن هرمز الأعرج - مولى ربيعة بن الحارث - حدثه أنه سمع أبا هريرة رضى الله عنه أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: «نحن الآخرون السابقون يوم القيامة، بيد أنهم أوتو الكتاب من قبلنا، ثم هذا يومهم الذى فرض عليهم فاختلفوا فيه فهدانا الله له فالناس

---

[۲] فتح البارى، ج:۲، ص:۳۵۵، و عمدة القارى، ج:۵، ص:۷، و تلخيص الحبير، ج:۲، ص:۵۳، و صحيح ابن حبان، ذكر البيان بأن اسعد بن زرارة هو الذى جمع اول جمعة بالمدينة قبل قدوم المصطفى ﷺ إياها، صحيح ابن حبان، ج:۱۵، ص:۲۷۷، والمنتقى لابن الجارود، ج:۱، ص:۸۲.

لنا فيه تبع ، اليهود غدا والنصارىٰ بعد غد)) . [راجع: ۲۳۸] [۳]

امت محمدیہ کی فضیلت

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے سب سے پہلے حضرت ابوہریرۃ ﷺ کی حدیث روایت کی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "**نحن الآخرون السابقون يوم القيامة**" آپ ﷺ نے اپنی امت کے بارے میں فرمایا کہ ہم آخر ہیں یعنی زمانہ کے اعتبار سے مؤخر ہیں، لیکن قیامت کے دن دوسری اُمتوں پر سبقت لے جائیں گے۔

بيد أنهم أوتوا الكتاب من قبلنا، "**بيدا أنهم**" کے معنی ہیں **غير أنهم** ، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ ہم سے پہلے جو امتیں آئی ہیں ان کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی ہے۔**ثم هذا يومهم الذي فرض عليهم فاختلفوا فيه فهدانا الله له** ، پھر یہ ان کا دن ہے جو ان پر فرض کیا گیا، انہوں نے اس میں اختلاف کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کی ہدایت دی۔ پس لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہیں، کل یہود کی عبادت کا دن ہے اور پرسوں نصاریٰ کی عبادت کا دن ہے۔

عام شراح نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ ہفتہ میں کسی ایک دن کو منتخب کرلو جس کو تم خاص طور پر اپنی عبادت کا دن قرار دو، یعنی عبادت تو سارے دنوں میں ہے لیکن اس دن خاص طور پر عبادت کا اہتمام کیا جائے اور دنیاوی دھندے زیادہ نہ کئے جائیں۔

یہودیوں نے یوم السبت کو اختیار کیا۔ انہوں نے کہا کہ ایام تخلیق کی ترتیب یہ ہے، کہ اللہ نے اتوار سے تخلیق شروع فرمائی، جمعہ کے دن تکمیل فرمائی۔ اور ہفتہ کے دن ان کے خیال کے مطابق آرام فرمایا یعنی چھٹی منائی، تو جس دن اللہ تعالیٰ نے چھٹی منائی اس دن ہم بھی چھٹی منائیں گے۔ اس لئے یوم السبت کو اختیار کیا۔

نصاریٰ نے کہا کہ جس دن اللہ تعالیٰ نے تخلیق کا عمل شروع فرمایا وہ دن بڑی اہمیت کا حامل ہے، لہٰذا اس دن کو ہم خاص عبادت کے لئے قرار دیتے ہیں، اس دن ہم دوسرے کام نہیں کریں گے، چنانچہ انہوں نے یوم الاحد کو اختیار کرلیا۔

لیکن حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحیح دن کی ہدایت عطا فرمائی یعنی ایک طرح سے یہ اختیار تو دیا گیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ یہ بھی دیکھ رہے تھے کہ کون سب سے زیادہ صحیح مؤقف اختیار کرتا ہے اور کس کا

---

[۳] وفي صحيح مسلم ، كتاب الجمعة ، باب هداية هذه الامة ليوم الجمعة ، رقم : ۱۴۱۲ ، وسنن النسائي ، كتاب الجمعة ، باب ايجاب الجمعة ، رقم : ۱۳۵۰ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أبي هريرة ، رقم : ۶۹۱۶، ۷۰۰۹، ۷۰۹۲، ۷۳۸۱، ۷۶۹۲، ۸۱۲۷، ۸۶۸۰، ۹۹۹۲، ۱۰۱۲۶، ۱۰۲۰۲، ۱۰۳۳۲.

موقف صحیح ہے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے خود جمعہ کو مقرر فرمایا کہ اصل میں ہمارے نزدیک یہ دن تھا اور یہود ونصاریٰ نے جو اختیار کیا ہے وہ ہماری مرضی کے مطابق نہیں ہے اگرچہ ہماری رخصت کے مطابق ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت فرمائی " **فالناس لنا فیه تبع** " سارے لوگ اس معاملہ میں ہم سے پیچھے ہیں۔ ہم جمعہ کے دن عبادت کرتے ہیں **الیهود غداً** ، یہود سبت کا دن مناتے ہیں، **والنصاریٰ بعد غد**، اور نصاریٰ اگلا دن یعنی اتوار کا دن مناتے ہیں۔

اس دن کی تخصیص کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اس میں عبادت پر زیادہ توجہ دی جائے، یوں تو روزانہ پانچ نمازیں فرض ہیں، لیکن جمعہ کو اس لئے منتخب فرمایا کہ اس میں اور دنوں کی بہ نسبت زیادہ توجہ دی جائے۔

یہود کا غلو

یہود نے اس بات کو اتنی شدت سے لیا کہ سبت کے دن اپنے اوپر ہر کام کو حرام کر دیا۔ بے شک اس معاملہ میں احکامات بھی شدید تھے، لیکن انہوں نے اس میں بہت شدت پیدا کر دی کہ جب اس دن کو عبادت کے لئے اختیار کر لیا تو اب اس دن کوئی مزدوری نہیں کر سکتا، کوئی شخص کوئی چیز نہیں بیچ سکتا بلکہ سوائے عبادت یا بستر پر پڑے رہنے کے کوئی کام جائز نہیں۔

یورپ میں بھی یہودیوں کے ہاں اس پر بڑی شدت سے عمل ہو رہا ہے اور انتہائی مضحکہ خیز باتیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ مثلاً لفٹ میں جانا ہو تو اس میں بٹن دبانا پڑتا ہے۔ اب اگر کوئی یہودی کھڑا ہو تو وہ سبت کے دن خود بٹن نہیں دباتا انتظار کرتا رہے گا کہ کوئی دوسرا آئے اور بٹن دبائے جب تک دوسرا نہ آئے کھڑا رہتا ہے اور اگر کوئی دوسرا آیا اور اس منزل کا بٹن نہ دبایا جس پر اس کو جانا ہے تو یہ اوپر نیچے بھاگتا رہے گا۔ اور بعض مرتبہ جب عاجز آتے ہیں تو دوسرے کو کہتے ہیں کہ بھئی ہمارے لئے فلاں بٹن دبا دو۔

اب حماقت دیکھئے کہ اگر ہر کام ناجائز ہے تو پھر سوار کیوں ہوئے؟ یہ بھی ایک کام ہے، پھر دوسرے کا انتظار کرنا اور اُسے کہنا کہ بٹن دباؤ یہ سب کام کیسے جائز ہو گئے؟ تو یہودیوں نے اس سبت کی تعطیل پر بہت شدت سے عمل کیا۔

نصاریٰ نے اتوار کا دن اختیار کیا اور اس پر اتنی شدت تو نہیں اختیار کی کہ کسی کام کو ناجائز کہا ہو، لیکن عام طور پر عمل یہی ہے کہ چھٹی ہوتی ہے اور کاروبار بند ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے ہاں اصل زور اس بات پر ہے کہ جمعہ کے دن عبادت کی طرف زیادہ توجہ دی جائے اس لئے حدیث میں آیا کہ جتنی جلدی مسجد جائے اتنا بہتر ہے، جو سب سے پہلا گیا ایسا ہے گویا اونٹ قربان کیا اور جو اس کے بعد جائے ایسا ہے گویا بقرہ قربان کیا **الیٰ آخرہ**، آگے یہ حدیث آرہی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جتنا ہو سکے اس دن کو عبادت کے لئے مخصوص کرو، لیکن کاروبار حیات کو مطلقاً حرام نہیں کیا گیا۔ چنانچہ جس آیت میں یوم جمعہ کا ذکر ہے:

"اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَیْعَ"

نداء جمعہ کے بعد بیع کو چھوڑنے کا حکم ہے۔ اس کے بعد ہے " **فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ** "قرآن کی اصطلاح ہے جو عام طور پر تجارت کے لئے استعمال ہوتی ہے۔[۲]

معلوم ہوا کاروبار حیات بند کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ اولاً اس دن کو زیادہ سے زیادہ عبادت میں استعمال کیا جائے۔ ثانیاً جو نماز جمعہ کا وقت ہے اس وقت کاروبار بند کیا جائے۔

جمعہ کی چھٹی کا حکم

جمعہ کے دن چھٹی منانا کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص جمعہ کے دن کوئی کام کرے، تجارت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ نداء کے بعد کاروبار بند کرے۔

لیکن اگر ہفتہ میں کسی بھی دن چھٹی کرنی ہے تو جمعہ کا دن زیادہ مستحق ہے اس لئے کہ چھٹی کی وجہ سے اس دن کو زیادہ سے زیادہ عبادت میں خرچ کرنے کا موقع ہوگا، اگر اس دن کو کام کا دن بنا دیا تو پھر عبادت کا موقع کم ہوگا، لہٰذا مقصد فوت ہو جائے گا۔

جمعہ کے علاوہ اتوار کو چھٹی کرنے میں دوسری خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں ایک غیر قوم کی نقالی کا شبہ ہے۔ اگرچہ میں یہ نہیں کہتا کہ اتوار کو چھٹی منانا نصاریٰ کا شعار ہے، کیونکہ یہ اگر کسی زمانہ میں شعار رہا ہو تو الگ بات ہے، لیکن اس زمانہ میں اتوار کی چھٹی بین الاقوامی صورت اختیار کر گئی ہے، نصاریٰ اور غیر نصاریٰ ساری قومیں اتوار

---

[۲] فائدہ: حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "ہر اذان کا یہ حکم نہیں، کیونکہ جماعت پھر بھی ملے گی۔ اور جمعہ ایک ہی جگہ ہوتا تھا پھر کہاں ملے گا۔" اور اللہ کی یاد سے مراد خطبہ ہے اور نماز بھی اس کے عموم میں داخل ہے یعنی ایسے وقت جائے کہ خطبہ سنے۔ اس وقت خرید و فروخت حرام ہے۔ اور "دوڑنے" سے مراد پورے اہتمام اور مستعدی کے ساتھ جانا ہے۔ بھاگنا مراد نہیں۔ (تنبیہ) "نُوْدِیَ" سے مراد قرآن میں وہ اذان ہے جو نزول آیت کے وقت تھی یعنی امام کے سامنے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے پہلی اذان بعد کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں صحابہ کے اجماع سے مقرر ہوئی ہے، لیکن حرمت بیع میں اس اذان کا حکم بھی مثل حکم اذان قدیم کے ہے، کیونکہ اشتراک علت سے حکم میں اشتراک ہوتا ہے۔ البتہ اذان قدیم میں یہ حکم منصوص و قطعی ہوگا اور اذان حادث میں یہ حکم مجتہد فیہ اور ظنی رہے گا۔ اس تقریر سے تمام علمی اشکالات مرتفع ہو گئے۔ نیز واضح رہے کہ "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" یہاں "عام مخصوص منہ البعض" ہے۔ کیونکہ بالاجماع بعض مسلمانوں (مثلاً مسافر اور مریض وغیرہ) پر جمعہ فرض نہیں۔ (تفسیر عثمانی، سورۃ الجمعۃ، آیت نمبر ۹، ۱۰، فائدہ: ۸، صفحہ ۷۳۴)۔

کے دن چھٹی منانے لگی ہیں اس لئے شعار ہونا باقی نہیں رہا، لیکن چھٹی منانے میں نصاریٰ کی مشابہت ضرور ہے، اور مشابہت بھی قابل احتراز ہے۔ لہٰذا خلاصہ یہ ہے کہ جمعہ کو چھوڑ کر اتوار کے دن چھٹی منانا یہ یقیناً کراہت سے خالی نہیں ہے۔

جمعہ کے دن چھٹی منانے میں دیگر ممالک سے تعلقات اور رابطے میں دشواری کا سامنا ہوتا ہے، اس کا کیا حل ہے؟

پہلی بات یہ ہے کہ سارا عالم اسلام جمعہ کے دن چھٹی مناتا ہے۔

دوسری بات کہ جہاں تک مغربی ممالک سے رابطہ کا تعلق ہے تو ان سے سارا دن گزرنے کے بعد رابطہ ہوتا ہے، کیونکہ جب ہمارے ہاں صبح ہوتی ہے تو وہاں شام ہو جاتی ہے اس لئے اتوار یا جمعہ دونوں برابر ہیں، لہٰذا اس دلیل کا اعتبار نہیں۔

اور ویسے بھی یہ تو چند مشرقی ممالک کا معاملہ ہے ورنہ سارا عالم اسلام جمعہ کے دن چھٹی کرتا ہے اور ان کا ان ممالک سے رابطہ اور تعلق قائم ہے، اس لئے یہ کہنا کہ تعلقات میں دشواری ہوتی ہے، یہ فضول بات ہے۔

ایک واقعہ ایک سبق

میں اسلام آباد میں تھا، میرے پاس امریکہ سے ایک مہمان آیا جو غیر مسلم تھا۔ کہنے لگا کل جمعہ ہے اور چھٹی کا دن ہے اس لئے چھٹی ہوگی، میں نے کہا، میاں یہاں جمعہ کو چھٹی نہیں ہوتی، اتوار کو ہوتی ہے۔

وہ بڑا حیران ہوا کہ یہاں چھٹی نہیں ہوتی؟ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مسلم ممالک میں جمعہ کو چھٹی ہوتی ہے۔ سارے مشرق وسطی کے ممالک میں جمعہ کے دن چھٹی کی جاتی ہے پتہ نہیں پاکستان کے حکمرانوں کے دماغ میں کیا بات آئی کہ اُلٹے چل پڑے اور جمعہ کی چھٹی ختم کردی۔

(۲) باب فضل الغسل یوم الجمعة،

وهل على الصبي شهود يوم الجمعة؟ أو على النساء؟

جمعہ کے دن غسل کی فضیلت کا بیان

عورتوں اور بچوں پر نماز جمعہ میں حاضر ہونا فرض ہے؟

۸۷۷ ــ حدثنا عبدالله بن يوسف قال : أخبرنا مالک ، عن نافع ، عن عبدالله بن

عمر رضي الله عنهما أن رسول الله ﷺ قال: ((اذا جاء احدكم الجمعة فليغسل)). [أنظر: ۸۹۴، ۹۱۹] ۵

۸۷۸ ـ حدثنا عبدالله بن محمد بن اسماء قال: حدثنا جويرية بن اسماء، عن مالک، عن الزهري، عن سالم بن عبدالله بن عمر، عن ابن عمر: أن عمر بن الخطاب بينما هو قائم في الخطبة يوم الجمعة إذ جاء رجل من المهاجرين الأولين من أصحاب النبي ﷺ، فناداه عمر: أية ساعة هذه؟ قال: إني شغلت فلم أنقلب إلى أهلي حتى سمعت التأذين فلم أزد على أن توضأت. فقال: والوضوء أيضا؟ وقد علمت أن رسول الله ﷺ كان يأمر بالغسل. [أنظر: ۸۸۲]

۸۷۹ ـ حدثنا عبدالله بن يوسف قال: أخبرنا مالک، عن صفوان بن سليم، عن عطاء بن يسار، عن ابي سعيد الخدري رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ قال: ((غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم)). [راجع: ۸۵۸]

غسل جمعہ کا حکم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن نماز کے لئے آئے تو وہ غسل کرے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں جو ترجمۃ الباب قائم کیا ہے اس کے دو حصے ہیں:

۵ وفي سنن الترمذي، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء في الإغتسال يوم الجمعة، رقم: ۴۵۳، وسنن النسائي، كتاب الجمعة، باب الأمر بالغسل يوم الجمعة، رقم: ۱۳۵۹، وسنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في الغسل يوم الجمعة، رقم: ۱۰۷۸، ومسند أحمد، ومن مسند بني هاشم، باب باقي المسند السابق، رقم: ۲۹۰۰، ومسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۲۳۶، ۴۳۲۵، ۴۶۸۴، ۴۷۰۴، ۴۷۶۳، ۴۷۶۶، ۴۸۳۳، ۴۸۳۹، ۴۸۸۲، ۴۸۹۵، ۴۹۲۲، ۴۹۶۰، ۵۰۵۹، ۵۱۹۳، ۵۲۲۵، ۵۲۳۱، ۵۵۱۶، ۵۵۶۵، ۵۶۹۰، ۵۷۳۸، ۵۹۸۵، ۶۰۳۵، ۶۰۸۱، وموطا مالک، كتاب النداء للصلاة، باب العمل في غسل يوم الجمعة، رقم: ۲۱۳، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب الغسل يوم الجمعة، رقم: ۱۴۹۳.

ایک جمعہ کے دن غسل کی فضیلت۔

دوسرا حصہ یہ کہ عورتوں اور بچوں کے لئے جمعہ کے دن آنا جائز ہے یا نہیں؟

غسل یوم الجمعہ کی شرعی حیثیت

جو احادیث ذکر کی ہیں ان میں سے پہلی حدیث، **"إذا جاء أحدكم الجمعة فليغتسل"** میں غسل کا حکم دیا اور **"غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم"** میں غسل کو واجب قرار دیا گیا ہے۔[6]

امام مالک رحمہ اللہ کا اسی پر عمل ہے، ان کے نزدیک جمعہ کے دن غسل کرنا واجب ہے۔[7]

جمہور کے دلائل

۱۔ جمہور (امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ) سلف وخلف کا اس پر اتفاق ہے کہ غسل جمعہ سنت اور مستحب ہے اور حدیث باب میں جو واجب قرار دیا گیا ہے اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہاں واجب "حق" کے معنی میں ہے، فرضیت کے معنی میں نہیں ہے۔ یعنی غسل ثابت ہے۔[8]

۲۔ حضرت عثمان ﷺ صرف وضو کر کے آئے تھے، حضرت عمر ﷺ نے ان کو دیر سے آنے پر بھی ٹوکا اور صرف وضو کر کے آنے پر بھی، لیکن یہ نہیں کہا کہ "جاؤ غسل کر کے آؤ، اس لئے کہ یہ غسل واجب ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا واجب نہیں ہے۔[9]

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے صرف وضو کا ذکر فرمایا ہے اور غسل کا کوئی تذکرہ نہیں۔[10]

---

[6] حاشية العدوى، ج: ۲، ص: ۵۳۰.

[7] موطأ مالك، كتاب النداء للصلوة، باب العمل في غسل يوم الجمعة رقم: ۲۳۱، ج: ۱، ص: ۱۰۲.

[8] قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من توضأ يوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فالغسل أفضل. سنن الترمذي، ابواب الجمعة، باب في الوضوء يوم الجمعة، رقم: ۴۵۷

[9] قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من توضأ فأحسن الوضوء ثم أتى الجمعة فدنا واستمع وأنصت غفرله ما بين له وبين الجمعة وزيادة ثلاثة أيام. سنن الترمذي، ابواب الجمعة، باب في الوضوء يوم الجمعة، رقم: ۴۵۸.

[10] صحيح مسلم، كتاب الجمعة، رقم: ۱۳۹۲.

آگے مستقل باب کے تحت حدیث آرہی ہے کہ شروع میں ایسا ہوتا تھا کہ صحابۂ کرام ﷺ با مشقت عمل کرتے تھے اور مسجد تنگ ہونے کی وجہ سے اگر بغیر نہائے آتے تو مسجد کے اندر بدبو پیدا ہوتی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ غسل کرکے اور خوشبو لگا کر آؤ۔

اصل میں یہ حکم معلول بالعلۃ تھا، بعد میں جب مسجد میں وسعت ہوگئی تو یہ حکم ختم ہوگیا۔ جس کی تفصیل مجمع الزوائد میں ہے۔[۱۱] اس توجیہ کا حاصل یہ ہے کہ شروع میں واجب تھا اور بعد میں منسوخ ہوگیا۔[۱۲]

"على كل محتلم" سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کے دوسرے جزء پر استدلال کیا ہے کہ بچوں اور عورتوں کے لئے آنا واجب نہیں ہے، کیونکہ محتلم سے بالغ مراد ہے لہٰذا بچہ خارج ہوگیا اور یہ مذکر کا صیغہ ہے اس لئے عورت خارج ہوگئی۔

(۳) بابُ الطيب للجمعة

جمعہ کے دن خوشبو لگانے کا حکم

۸۸۰ ـ حدثنا علي بن عبدالله بن جعفر قال : أخبرنا حرمي بن عمارة قال : حدثنا شعبة عن أبي بكر ابن المنكدر قال : حدثني عمرو بن سليم الأنصاري قال : أشهد على أبي سعيد قال : أشهد على رسول الله ﷺ قال : ((الغسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم، وأن يستن، وأن يمس طيبا إن وجد)).

قال عمرو : أما الغسل فأشهد أنه واجب، وأما الإستنان والطيب فالله أعلم، أواجب هو أم لا ؟ ولكن هكذا في الحديث.

قال أبو عبد الله : هو أخو محمد بن المنكدر ولم يسم أبو بكر هذا، روى عنه بكير بن الأشج و سعيد بن أبي هلال وعدة. وكان محمد بن المنكدر يكنى بأبي بكر وأبي عبدالله. [راجع: ۸۵۸]

تشریح

قال : حدثني عمرو بن سليم الأنصاري قال : أشهد على أبي سعيد قال : أشهد على رسول الله ﷺ قال : ((الغسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم، وأن يستن، وأن

۱۱-۱۲ مجمع الزوائد، ج:۲، ص:۱۷۲، ونصب الراية، ج:۱، ص:۸۷، وشرح معاني الآثار، ج:۱، ص:۱۱۶.

یمس طیبا إن وجد))۔

عمرو بن سلیم الأنصاری نے کہا کہ میں ابی سعید خدری پر گواہی دیتا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جمعہ کے دن ہر بالغ پر غسل کرنا واجب ہے اور یہ کہ مسواک کرے اور میسر ہونے پر خوشبو لگائے۔

قال عمرو: أما الغسل فاشهد أنه واجب، وأما الإستنان والطيب فالله أعلم، أواجب هو أم لا ؟ ولكن هكذا في الحديث.

عمرو بن سلیم نے کہا کہ غسل کے متعلق میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ واجب ہے، لیکن مسواک کرنا اور خوشبو لگانا تو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے کہ واجب ہے یا نہیں، مگر حدیث اسی طرح ہے۔[۳]

قال ابو عبد الله: هو اخو محمد بن المنكدر ولم يسم ابو بكر هذا، روى عنه بكير بن الأشج و سعيد بن ابي هلال وعدة. وكان محمد بن المنكدر يكنى بابي بكر وابي عبدالله.

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ تصحیح کردی کہ یہ محمد بن المنکدر کے بھائی ہیں اور کنیت سے ہی مشہور ہیں، ان کا نام کسی کو معلوم نہیں، جبکہ محمد بن المنکدر کی کنیت بھی ابوبکر ہے، لیکن ان کا نام معلوم ہے یعنی محمد بن المنکدر۔

(۴) بابُ فضل الجمعة

جمعہ کی فضیلت کا بیان

۸۸۱ — حدثنا عبدالله بن يوسف قال: اخبرنا مالك عن سمي ـ مولى أبي بكر بن عبدالرحمن ـ عن أبي صالح السمان، عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: ((من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة ثم راح فكأنما قرب بدنة، ومن راح في الساعة الثانية فكأنما قرب بقرة، ومن راح في الساعة الثالثة فكأنما قرب كبشا أقرن، ومن راح في الساعة الرابعة فكأنما قرب دجاجة. ومن راح في الساعة الخامسة فكأنما

---

[۳] جمعہ کی نماز کے وقت خوشبو کا استعمال بھی مستحبات میں سے ہے، اسی کے ساتھ مسواک کو بھی مستحب فرمایا گیا، اور غسل کو اس حدیث باب میں بھی واجب کہا گیا ہے۔ چونکہ خوشبو عطر وغیرہ ہر ایک کو میسر نہیں ہوتی، اس لئے ان وجد کی قید لگادی اور مسواک میں کوئی دقت نہیں اس لئے قید نہیں لگائی، غسل سے چونکہ خود کو بھی فائدہ ہے اور دوسروں کو بھی راحت ملتی ہے اور کوئی حرج و دشواری بھی نہیں، اس لئے اس کو زیادہ مؤکد کردیا گیا۔ انوار الباری، ج:۱۵، ص:۷۷۔

قرّب بيضة. فإذا خرج الإمام حضرت الملائكة يستمعون الذكر». [۴۱]

ترجمہ:

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے جمعہ کے دن غسل جنابت کیا پھر نماز کے لئے چلا تو گویا اس نے ایک اونٹ قربانی کی، اور جو شخص دوسری گھڑی میں چلا تو گویا اس نے ایک گائے کی قربانی کی، اور جو تیسری گھڑی میں چلا تو گویا ایک سینگ والا دنبہ قربانی کیا، اور چوتھی گھڑی میں چلا تو گیا ایک مرغی کی قربانی کی، اور جو پانچویں گھڑی میں چلا تو اس نے گویا ایک انڈا اللہ کی راہ میں دیا، پھر جب امام خطبہ کے لئے نکل جاتا ہے تو فرشتے ذکر سننے کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔

حدیث کی تشریح

"من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة" ۔یعنی **"كغسل الجنابة"**۔ جس طرح غسل جنابت میں آدمی اہتمام کے ساتھ غسل کرتا ہے اسی طرح جمعہ کا غسل بھی ہونا چاہئے، زیادہ تر شراح نے یہ تفسیر کی ہے۔

بعض حضرات نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ غسلِ جنابت ہی مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو صاحب اہل ہو وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مجامعت کرے اور پھر جمعہ کے لئے جائے۔ اور اس فضیلت میں حکمت یہ ہے کہ آدمی کا ذہن یکسو ہو جائے اور خیالات نہ ہوں۔

حدیث میں جو ساعات کا بیان ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ساعات زوال کے بعد شروع ہوتے اور بہت چھوٹے چھوٹے ساعات ہوتے ہیں۔

وہ استدلال کرتے ہیں کہ "راح" فرمایا ہے، اور "راح رواح" سے نکلا ہے، زوال کے بعد جانے کو

---

[۴۱] وفي صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، رقم: ۱۴۰۳، وسنن الترمذي، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء في التكبير الى الجمعة، رقم: ۴۵۹، وسنن النسائي، كتاب الإمامة، باب التهجير الى الصلاة، رقم: ۸۵۴، وكتاب الجمعة، رقم: ۱۳۶۸، وسنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب في الغسل يوم الجمعة، رقم: ۲۹۷، وسنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في التهجير الى رقم: ۱۰۸۲، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة رقم: ۷۲۰۲، ۷۲۲۲، ۷۳۲۲، ۷۴۳۹، ۹۵۱۷، ۹۵۴۲، ۱۰۰۹۹، ۱۰۱۶۳، ۱۰۱۰۱، ۱۰۲۳۳، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب العمل في غسل يوم الجمعة، رقم: ۲۰۹، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب فضل التهجير الى الجمعة، رقم: ۱۴۹۹.

کہتے ہیں، اس واسطے وہ کہتے ہیں کہ یہ ساعات زوال کے بعد شروع ہوتے ہیں۔[۱۵]

جمہور کے نزدیک اس سے مراد وہ ساعات ہیں جو طلوع آفتاب سے شروع ہوتے ہیں۔[۱۶]

بعض لوگوں نے باقاعدہ حساب لگایا ہے کہ جمعہ تک چھ چیزوں کا بیان آیا ہے تو چھ حصوں میں تقسیم کردیں، ایک حصہ ایک ساعت ہے۔

اور بعض نے کہا اس تحدید کی ضرورت نہیں ہے، حدیث کا منشا یہ ہے کہ جتنا پہلے جاسکتا ہے اتنا بہتر ہے۔

(۵) بابٌ:

۸۸۲- حدثنا أبو نعيم قال: حدثنا شيبان، عن يحيى، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة: أن عمر رضي الله عنه بينما هو يخطب يوم الجمعة إذ دخل رجل فقال عمر: لم تحتبسون عن الصلاة؟ فقال الرجل: ماهو إلا سمعت النداء فتوضأت. فقال: ألم تسمعوا النبي ﷺ يقول: ((إذا راح أحدكم إلى الجمعة فليغتسل)). [راجع: ۸۷۸]

تشریح

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تم نماز سے کیوں رک جاتے ہو، اس شخص نے کہا کہ اذان کی آواز سنتے ہیں میں نے وضو کیا اور چلا آیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کی نماز کے لئے روانہ ہو تو غسل کرے۔

اس حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے صحابہ اور کبار تابعین کے مجمع میں ترک تبکیر پر نکیر کی ہے،

[۱۵، ۱۶] ((ثم راح)) أى: ذهب أول النهار، ويشهد لهذا ما رواه أصحاب (الموطا): عن مالك في ((الساعة الأولى)). قوله: ((ومن راح في الساعة الثانية)) قال مالك: المراد بالساعات هنا لحظات لطيفة بعد زوال الشمس، وبه قال القاضي حسين وإمام الحرمين. والرواح عندهم بعد زوال الشمس، وادعوا أن هذا معناه في اللغة، وقال جماهير العلماء باستحباب التبكير إليها أول النهار، وبه قال الشافعي وابن حبيب المالكي، والساعات عندهم من أول النهار، والرواح يكون أول النهار وآخره. وقال الأزهري: لغة العرب أن الرواح: الذهاب، سواء كان أول النهار أو آخره أو في الليل، وهذا هو الصواب الذي يقتضيه الحديث. كذا ذكره العيني في عمدة القاري، ج:۵، ص:۱۸۰، وموطأ مالك، كتاب الجمعة باب العمل في غسل يوم الجمعة، رقم: ۲۲۷، ج:۱، ص:۱۰۱.

اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک تبکیر جمعہ کی فضیلت واہمیت نہ ہوتی تو دیر سے آنے والے پر سب کی موجودگی میں برملا نکیر نہ فرماتے۔[۱۷]

(۶) بابُ الدهن للجمعة

نماز جمعہ کے لئے تیل لگانے کا بیان

۸۸۳۔ حدثنا آدم قال: حدثنا ابن أبي ذئب، عن سعيد المقبري قال: أخبرني أبي، عن ابن وديعة، عن سلمان الفارسي قال: قال النبي ﷺ ((لا يغتسل رجل يوم الجمعة ويتطهر ما استطاع من طهر، ويدهن من دهنه أو يمس من طيب بيته، ثم يخرج فلا يفرق بين اثنين، ثم يصلي ما كتب له، ثم ينصت إذا تكلم الإمام إلا غفر له ما بينه و بين الجمعة الأخرى)). [أنظر: ۹۱۰][۱۸]

ترجمہ

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن غسل کرتا ہے اور جس قدر ممکن ہو پاکیزگی حاصل کرتا ہے اور اپنے تیل میں سے تیل لگاتا ہے یا اپنے گھر کی خوشبو میں سے خوشبو لگاتا ہے پھر نماز کے لئے اس طرح نکلے کہ دو آدمیوں کے درمیان نہیں گھسے جتنے اس کے مقدر میں ہے نماز پڑھ لے اور جب امام خطبہ پڑھے تو خاموش رہے تو اس جمعہ سے لے کر دوسرے جمعہ تک کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

"**فلا يفرق بين اثنين**" کا معنی یہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان پھلانگ کر نہ جائے یعنی "**تخطی رقاب** نہ کرے"۔

۸۸۴۔ حدثنا أبو اليمان قال: أخبرنا شعيب، عن الزهري، قال طاوس: قلت

---

[۱۷] فتح الباری، ج:۲، ص:۳۷۰۔

[۱۸] وفي سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب فضل الإنصات وترك اللغو يوم الجمعة، رقم: ۱۳۸۶، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث سلمان الفارسي رقم: ۲۲۵۹۶، ۲۲۶۰۳، ۲۲۶۰۹، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب في فضل الجمعة والغسل والطيب فيها، رقم: ۱۴۹۷۔

لابن عباس : ذكروا أن النبي صلى الله عليه وسلم قال : ((إغتسلوا يوم الجمعة واغسلوا رؤسكم . وإن لم تكونوا جنبا ، وأصيبوا من الطيب)) . قال ابن عباس : أما الغسل فنعم ، وأما الطيب فلا أدرى. [انظر : ۸۸۵].

۸۸۵ ـ حدثنا إبراهيم بن موسى قال : أخبرنا هشام أن ابن جريج أخبرهم قال : أخبرني إبراهيم بن ميسرة ، عن طاوس ، عن إبن عباس رضي الله عنهما أنه ذكر قول النبي ﷺ في الغسل يوم الجمعة ، فقلت لإبن عباس : أيمس طيبا أو دهنا إن كان عند أهله؟ فقال : لا أعلمه. [راجع : ۸۸۴].

جمعہ کے دن خوشبو کا حکم نہیں

طاؤس روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا: لوگوں کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن غسل کرو، اور اپنے سروں کو دھولو، اگرچہ تمہیں نہانے کی ضرورت نہ ہو اور خوشبو لگاؤ، تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ غسل کا حکم تو صحیح ہے لیکن خوشبو سے متعلق "لا ادری" مجھے معلوم نہیں۔ کیونکہ انہوں نے طیب کے بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی، اس لئے فرمایا "لا ادری" جمعہ کے دن طیب مراد ہے۔

(۷) باب: يلبس أحسن ما يجد

جمعہ کے دن عمدہ کپڑے پہننے کا بیان جو میسر ہو

۸۸۶ ـ حدثنا عبدالله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن نافع ، عن عبدالله بن عمر: أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه رأى حلة سيراء عند باب المسجد. فقال: يارسول الله لو إشتريت هذه فلبستها يوم الجمعة وللوفد إذا قدموا عليك؟ فقال رسول الله ﷺ : ((انما يلبس هذه من لا خلاق له في الآخرة)). ثم جاء ت رسول الله ﷺ منها حلل فأعطى منها عمر بن الخطاب رضي الله عنه حلة، فقال عمر: يا رسول الله ، كسوتنيها و قد قلت في حلة عطارد ما قلت؟ قال رسول الله ﷺ : ((إني لم أكسكها لتلبسها)). فكساها عمر بن الخطاب رضي الله عنه أخا له بمكة مشركا.[أنظر: ۹۴۸ ،

۲۱۰۴، ۲۶۱۲، ۲۶۱۹، ۳۰۵۴، ۵۸۴۱، ۵۹۸۱، ۶۰۸۱] [۱۹]

مقصود بخاریؒ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک جوڑا دیکھا۔ سیراء اس جوڑے کو کہتے ہیں جس میں چادریں اور ریشم شامل ہوتا تھا۔ وہ مسجد کے دروازہ پر فروخت ہو رہا تھا۔ حضرت عمرؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: **"یارسول اللہ لو اشتریت ھذہ فلبستھا یوم الجمعۃ وللوفد إذا قدموا علیک؟"**

یارسول اللہ! اگر آپ اس کو خرید لیں تو اچھا ہو کہ آپ اس کو جمعہ کے دن پہنا کریں اور جب باہر کے وفد آئیں تو اس وقت پہنا کریں۔ یہی ترجمۃ الباب کا مقصود ہے۔

استدلال بخاریؒ

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن اچھے کپڑے پہننا پسندیدہ ہے، کیونکہ حضورؐ نے بعد میں حضرت عمرؓ پر جو انکار فرمایا وہ ان کے ریشمی ہونے کی وجہ سے فرمایا، یہ نہیں فرمایا کہ جمعہ کے دن پہننے میں کوئی خاص بات نہیں۔ اسی سے یہ استدلال بھی ہوتا ہے کہ اگر باہر کے مہمان آرہے ہیں تو ان کے لئے بھی اہتمام کے ساتھ اچھے کپڑے پہننا پسندیدہ اور ثابت ہے۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: إنما یلبس ھذہ من لا خلاق لہ فی الآخرۃ،

تو اس وقت منع فرمایا، کیونکہ ریشمی کپڑا تھا۔ [۲۰]

---

[۱۹] وفی صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینۃ، باب تحریم استعمال اناء الذھب والفضۃ علی الرجال، رقم: ۳۸۵۱، وسنن النسائی، کتاب الجمعۃ، باب الھیئۃ للجمعۃ، رقم: ۱۳۶۵، وکتاب صلاۃ العیدین، باب الزینۃ للعیدین، رقم: ۱۵۴۲، وکتاب الزینۃ، باب ذکر النھی عن لبس السیراء، رقم: ۵۲۰۰، وسنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب اللبس للجمعۃ، رقم: ۹۰۹، وکتاب اللباس، باب ماجاء فی لبس الحریر، رقم: ۳۵۲۲، وسنن ابن ماجۃ، کتاب اللباس، باب کراھیۃ لبس الحریر، رقم: ۳۵۸۱، ومسند احمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، باب مسند عبد اللہ بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۴۸۳، ۵۵۳۵، وموطا مالک، کتاب الجامع، باب ماجاء فی لبس الثیاب، رقم: ۱۴۳۲.

[۲۰] عن ابی موسیٰ الأشعری: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ((حرم لباس الحریر والذھب علی ذکور امتی واحل لاناثھم)). وقال الترمذی: ھذا حدیث حسن صحیح. کذا ذکرہ العینی فی العمدۃ، ج:۵، ۲۸.

ثم جاءت رسول الله صلی الله علیه وسلم منها حلل - پھر انہی کپڑوں کے کئی جوڑے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آگئے، آپ ﷺ نے ان میں سے ایک جوڑا حضرت عمرؓ کو دے دیا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا **یا رسول الله کسوتنیها وقد قلت فی حلة عطارد ما قلت؟**

جب کسی کو لباس دیتے ہیں تو کہتے ہیں **کساۃ**، اس کا لفظی معنی تو "پہنانا" ہے لیکن مراد "دینا" ہے۔

تو فرمایا یا رسول اللہ! آپ نے مجھے یہ جوڑا دیا حالانکہ آپ نے عطارد کے بارے میں وہ بات جو فرمائی تھی وہ شخص جو کپڑے بیچ رہا تھا اس کا نام عطارد تھا اور عطارد کے جوڑے کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا یہ وہی شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں حصہ نہیں ہوتا، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا پھر خود مجھے وہی جوڑا دے دیا؟

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إني لم أكسكها لتلبسها، میں نے تمہیں اس لئے نہیں دیا کہ تم پہنو۔ **فكساها عمر بن الخطاب رضي الله عنه أخاله بمكة مشركا**، حضرت عمرؓ نے اپنے ایک بھائی کو دے دیا جو مشرک تھا اور مکہ میں رہتا تھا۔

حنفیہ کے ہاں کفار مخاطب بالفروع نہیں

اس سے حنفیہ نے استدلال کیا کہ کفار مخاطب بالفروع نہیں ہیں، اس لئے اس کو دیا، ورنہ اس کو دینا بھی درست نہ ہوتا۔ اور جو حضرات کہتے ہیں کہ کفار بھی مخاطب بالفروع ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس پر حضور ﷺ کی تقریر ثابت نہیں، واللہ اعلم۔

(۸) باب السواک یوم الجمعة،

جمعہ کے دن مسواک کرنے کا بیان

وقال أبو سعید عن النبي ﷺ : ((یستن)).

۸۸۷ - حدثنا عبد الله بن یوسف قال : أخبرنا مالک، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال : ((لولا أن أشق علی أمتي - أو لولا أن أشق علی الناس - لأمرتهم بالسواک مع کل صلاة)). [أنظر: ۷۲۴۰].

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں اپنی امت

کے لئے شاق نہ جانتا تو انہیں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم دیتا۔

جمہور میں یہ اختلاف ہے کہ مسواک سنت صلاۃ ہے یا سنت وضو؟

امام شافعی رحمہ اللہ اسے سنت صلاۃ قرار دیتے ہیں، ظاہریہ سے بھی ایسا ہی منقول ہے، لیکن حنفیہ اسے سنت وضو کہتے ہیں۔ [۲۱]

۸۸۸ ـ حدثنا أبو معمر قال : حدثنا عبد الوارث قال : حدثنا شعيب بن الحبحاب قال : حدثنا أنس قال : قال رسول اللہ ﷺ : ((أكثرت عليكم في السواك)).

۸۸۹ ـ حدثنا محمد بن كثير قال : أخبرنا سفيان عن منصور وحصين عن أبي وائل حذيفة قال : كان النبي ﷺ إذا قام من الليل يشوص فاه . [راجع: ۲۴۵] [۲۲]

(۹) باب من تسوک بسواک غیرہ

دوسرے کی مسواک سے مسواک کرنے کا بیان

۸۹۰ ـ حدثنا إسماعيل قال : حدثني سليمان بن بلال قال : قال هشام بن عروة : أخبرني أبي عن عائشة رضي اللہ تعالیٰ عنها قالت : دخل عبد الرحمن بن أبي بكر و معه سواک يستن به فنظر إليه رسول اللہ ﷺ فقلت له : أعطني هذا السواک يا عبد الرحمن . فأعطانيه ، فقصمته . ثم مضغته رسول اللہ ﷺ فاستن به وهو مستسند إلى صدري. [أنظر: ۱۳۸۹، ۳۱۰۰، ۳۷۷۴، ۴۴۳۸، ۴۴۴۶، ۴۴۴۹، ۴۴۵۰، ۴۴۵۱، ۵۲۱۷، ۶۵۱۰]. [۲۳]

---

[۲۱] وقد اختلف العلماء فيه فقال بعضهم: إنه من سنة الوضوء، وقال آخرون: إنه من سنة الصلاة، وقال آخرون إنه من سنة الدين، وهو الأقوى، نقل ذلک عن أبي حنيفة. وفي "الهداية" أن الصحيح استحبابه الخ (عمدة القاري، ج: ۴، ص: ۲۵۱، وفيض الباري، ج: ۱، ص: ۳۳۳.

[۲۲] تشریح کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ۲، ص: ۲۰۱، مطبوعہ: ۱۴۲۸ھ۔

[۲۳] وفي صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب في فضل عائشة، رقم: ۴۴۷۴، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۰۸۳، ۲۳۹۳۰، ۲۳۷۴۴، ۲۴۴۶۰، ۲۴۷۵۷، وموطا مالک، كتاب الجنائز، باب جامع الجنائز، رقم: ۵۰۱.

ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ عبدالرحمن بن ابی بکر آئے اور ان کے ساتھ ایک مسواک تھی جو وہ کیا کرتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسواک کو دیکھا، تو میں نے ان سے کہا کہ اے عبدالرحمن! مجھے مسواک دیدو، انہوں نے وہ مسواک مجھے دیدی تو میں نے اُسے توڑ ڈالا اور چبا ڈالا، پھر رسول اللہ ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے اُسے استعمال کیا اس حال میں کہ آپ ﷺ میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔[۴۴]

(۱۰) باب مایقرأ فی صلاة الفجر یوم الجمعة

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں کیا چیز پڑھی جائے

۸۹۱ - حدثنا أبو نعيم قال: حدثنا سفيان عن سعد بن إبراهيم، عن عبد الرحمن - هو ابن هرمز الأعرج - عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: كان النبي ﷺ يقرأ في الفجر يوم الجمعة: ﴿الٓمٓ تنزيل﴾ [السجدة] و ﴿هل أتى على الإنسان﴾ [الدهر]. [انظر: ۱۰۶۸].[۴۵]

نماز فجر میں مستحب قرأت

جمعہ کے دن آپ ﷺ فجر کی نماز میں یہ دونوں (السجدة اور الدهر) سورتیں پڑھا کرتے تھے یعنی بکثرت اس کا معمول تھا۔

---

[۴۴] حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ دوسرے کی مسواک اس کی اجازت سے کرسکتا ہے بشرطیکہ کسی ایک کو اس سے کراہت محسوس نہ ہو، اور اگر مقصود حصول تبرک ہو اور موقع بھی صحیح ہو تب تو کوئی مضائقہ ہی نہیں۔ فیض الباری، ج:۲، ص:۳۲۹۔

[۴۵] وفي صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب مايقرأ في يوم الجمعة، رقم: ۱۴۵۵، وسنن النسائي، كتاب الإفتتاح، باب القرأة في الصبح يوم الجمعة، رقم: ۹۳۶، وسنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب باب القرأة في صلاة الفجر يوم الجمعة، رقم: ۸۱۵، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب باقي المسند السابق، رقم: ۹۱۹۳، ۹۷۳۱، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب القرأة في صلاة الفجر يوم الجمعة، رقم: ۱۴۹۸.

اس کی وجہ سے بعض اہل ظواہر کہتے ہیں کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں یہی دو سورتیں پڑھنا چاہئیں، دوسری نہیں۔ لیکن یہ قول درست نہیں۔

جمہور کا قول یہ ہے کہ اگر ان کو اس نیت سے پڑھا جائے کہ نبی کریم ﷺ فجر میں یہ پڑھا کرتے تھے تو انشاء اللہ اس میں بھی اجر ملے گا اور مستحب بھی ہے، بشرطیکہ لازمی اور ضروری نہ سمجھا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کبھی ان کو پڑھ لیا اور کبھی دوسری سورتیں پڑھ لیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہمیشہ انہی کو پڑھنے لگے۔ اس بارے میں بہت افراط وتفریط ہے۔[۲۶]

سعودی عرب کی مساجد کے ائمہ ان سورتوں کی اتنی پابندی کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں ان کے علاوہ کوئی اور سورت سننے میں آتی ہی نہیں۔ اور وتر میں "**سبح اسم ربک الاعلی، قل یا ایها الکفرون اور قل هو اللّٰه احد**" کے سوا کوئی سورت نہیں ملے گی، ہمیشہ یہی پڑھتے ہیں، کبھی احیاناً چھوڑ بھی دیتے ہیں۔

اس کے برخلاف ہمارے ہاں اس کا اُلٹ ہے۔ صراحۃً ان کا ذکر یا اس کی فکر بھی نہیں ہے بلکہ لوگوں کو پتہ بھی نہیں ہے کہ ان کا پڑھنا مستحب ہے۔ تو نہ وہ افراط مناسب ہے اور نہ تفریط مناسب ہے، درمیان میں رہنا چاہئے۔ ان سورتوں کو اس نقطۂ نظر سے پڑھیں کہ نبی کریم ﷺ سے کثرت سے ان کا پڑھنا ثابت ہے۔ لیکن نہ ان کو لازم اور ضروری سمجھے اور نہ بالکل ترک کرے، یہ درمیانی راستہ ہے۔

(۱۱) باب الجمعة فی القری والمدن

دیہاتوں اور شہروں میں جمعہ پڑھنے کا بیان

بستی میں جمعہ کا حکم اور اختلاف ائمہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب بستیوں اور شہروں میں جمعہ قائم کرنے کے بیان میں قائم فرمایا ہے۔ بظاہر امام بخاریؒ کا منشأ جمہور کی تائید کرنا ہے۔

جمہور یہ کہتے ہیں کہ جمعہ کی اقامت جس طرح بڑے شہروں میں مشروع ہے اسی طرح چھوٹی بستیوں

---

[۲۶] وقال الطحاوی رحمه اللّٰه تعالیٰ: معناه إذ رآه حتما واجبا لا یجزئ غیره، أو رأی القراءة بغیرها مکروهة، أما لو قرأها فی تلک الصلاة تبرکا أو تأسیا بالنبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، أو لأجل التیسیر فلا کراهة. وفی (المحیط): بشرط أن یقرأ غیر ذلک أحیانا لئلا یظن الجاهل أنه لا یجوز غیره. عمدة القاری، ج:۵، ص:۳۷

میں بھی مشروع ہے۔ یہ مشہور اختلافی مسئلہ ہے۔

۸۹۲ ـ حدثني محمد بن المثنى قال: حدثنا أبو عامر العقدي قال: حدثنا ابراهيم بن طهمان، عن أبي جمرة الضبعي، عن ابن عباس أنه قال: إن أول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم في مسجد عبد القيس بجواثى من البحرين. [أنظر: ۴۳۷۱] [۲۷]

جمعہ فی القریٰ اور مسلک شافعیہ

امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ چھوٹی بستیوں میں بھی جمعہ جائز ہے بشرطیکہ اس میں چالیس گھر ہوں۔ جس بستی میں چالیس سے کم گھر ہوں اس میں ان کے نزدیک بھی جمعہ جائز نہیں۔ [۲۸]

ظاہریہ اور غیر مقلدین کا مسلک

بعض اہل ظاہر اور ہمارے دور کے غیر مقلد حضرات یہ کہتے ہیں کہ اقامت جمعہ کے لئے کوئی شرط نہیں ہے، لہٰذا ان کے نزدیک جمعہ جنگل میں بھی جائز ہے۔

حنفیہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جمعہ کی اقامت کے لئے مصر ہونا ضروری ہے اور بڑی بستی بھی مصر یعنی شہر کے حکم میں داخل ہے۔ بڑی بستی وہ ہے جسے عرف عام میں قصبہ کہتے ہیں۔ ایسی جگہ پر جمعہ جائز ہے، لیکن جو چھوٹے گاؤں ہیں یا صحرا ہیں وہاں جمعہ جائز نہیں ہے بلکہ ظہر پڑھنا واجب ہے۔ [۲۹]

---

۲۷ وفي سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى، رقم: ۹۰۴.

۲۸ استدلت الشافعية بهذا الحديث على أن الجمعة تقام في القرية إذا كان فيها أربعون رجلا أحرارا مقيمين في الموضع، حتى قال البيهقي: باب العدد الذين إذا حضروا في قرية وجبت عليهم، ثم ذكر فيه إقامة الجمعة بجواثى. عمدة القاري، ج:۵، ص:۴۰، وحلية العلماء، ج:۲، ص:۲۳۰، والأم، ج:۱، ص:۱۹۰، المجموع، ج:۳، ص:۳۰۷.

۲۹ ومذهب أبي حنيفة رضي الله عنه: لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو في مدينة المصر، ولا تجوز في القرى. عمدة القاري، ج:۵، ص:۴۰، وبداية المجتهد، ج:۱، ص:۲۶.

مصراور قریہ صغیرہ کا معیار

اب کس بستی کو مصر کہیں گے اور کون سی بستی قریہ صغیرہ کہلائے گی، اس بارے میں کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ اس کا دارومدار عرف پر ہے، جس بستی کو عرف عام میں شہر یا قصبہ کہا جاتا ہو وہ شہر یا قصبہ ہے اور جس کو عرف عام میں گاؤں کہا جاتا ہو وہ گاؤں ہے۔

البتہ فقہاء کرام نے کچھ علامتیں ضرور مقرر کی ہیں۔ شہر ہونے کی علامت یہ ہے کہ آبادی تین ہزار سے کم نہ ہو، جس میں کوئی حاکم موجود ہو جو لوگوں کو انصاف مہیا کرسکتا ہو یا لوگوں کے جرائم کے سدباب کے لئے موجود ہو، جرائم سے روک سکتا ہو، وہاں بازار ہو، اس میں مختلف گلی کوچے ہوں، اس میں مختلف محلے مختلف ناموں سے موسوم ہوں کہ یہ فلاں محلہ ہے اور یہ فلاں، اگر گاؤں ہو تو اس میں مختلف محلے نہیں ہوتے اس میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہوتا ہے۔ آج کے زمانہ کی علامت یہ ہے کہ اس میں تھانہ اور ڈاکخانہ وغیرہ وغیرہ ہو۔

لیکن ان سب علامات میں سے کسی ایک کو بھی علامت کلیہ نہیں کہہ سکتے کہ جس کے وجود سے مصریت وجود میں آجائے اور جس کے عدم سے مصریت ختم ہوجائے، بلکہ اصل دارومدار حنفیہ کے نزدیک عرف پر ہے۔[۳۰]

امام شافعیؒ کا استدلال

امام بخاری اور امام شافعی رحمہما اللہ نے حدیث باب سے استدلال کیا ہے کہ **"عن ابن عباس أنه قال: إن أول جمعة جمعت بعد جمعة في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم في مسجد عبد القيس بجواثى من البحرين"۔**

رسول اللہ ﷺ کی مسجد کے بعد جو سب سے پہلا جمعہ قائم ہوا وہ عبدالقیس کی مسجد میں ہوا جو جواثی میں تھی اور جواثی بحرین کا علاقہ ہے۔

---

[۳۰] ثم إختلف أصحابنا في المصر الذي تجوز فيه الجمعة، فعن أبي يوسف: هو كل موضع يكون فيه كل محترف، ويوجد فيه جميع ما يحتاج إليه الناس من معايشهم عادة، وبه قاض يقيم الحدود. وقيل: إذا بلغ سكانه عشرة آلاف، وقيل: عشرة آلاف مقاتل، وقيل: بحيث أن لو قصدهم عدو لأمكنهم دفعه، وقيل: كل موضع فيه أمير وقاض يقيم الحدود، وقيل: أن لو اجتمعوا إلى أكبر مساجدهم لم يسعهم، وقيل: أن يكون بحال يعيش كل محترف بحرفته من سنة إلى سنة من غير أن يشتغل بحرفة أخرى. وأن محمد: موضع مصره الإمام فهو مصر حتى إنه لو بعث إلى قرية نائبا لإقامة الحدود والقصاص تصير مصرا، فإذا عزله ودعاه يلحق بالقرى. كذا ذكره العيني في العمدة، ج:۵، ص:۳۰.

دوسری روایت میں جو ابوداؤد وغیرہ میں آئی ہے "جوالی" کے ساتھ لفظ "قریة" بھی ہے یعنی "بقرية جوالي".[۳۱]

استدلال اس طرح کیا کہ "جوالی" ایک چھوٹی بستی تھی جس کے لئے قریہ کا لفظ استعمال کیا ہے اس میں جمعہ قائم کیا گیا، لہٰذا معلوم ہوا کہ 'جمعہ فی القریٰ' جائز ہے۔

حنفیہ کا استدلال اور شافعیہ کی دلیل کا جواب

حنفیہ بھی اسی حدیث کو دلیل میں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ذرا غور کریں تو یہ ہماری دلیل بنتی ہے۔ وہ اس طرح کہ: حدیث میں ہے مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ جواثی میں ہوا اور جواثی اس زمانہ میں بحرین کا علاقہ تھا، آج بھی اسی نام سے موجود ہے، لیکن اب یہ سعودی عرب کا حصہ ہے۔

جواثی میں جس مسجد میں جمعہ قائم ہوا وہ عبدالقیس کی مسجد تھی اور عبدالقیس کا وفد سن ۸ ہجری میں آیا تھا، اگر بہت ہی احتیاط سے کام لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وفد عبدالقیس کی واقعہ سن ۵ ہجری میں پیش آیا تھا۔

اگر سن ۵ ہجری والی بات مان لی جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ جمعہ سن ا ہجری میں فرض ہوا، کیونکہ جب آپ ﷺ قبا سے تشریف لا رہے تھے تو بنی سالم کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھی، وہیں پر جمعہ فرض ہوا۔ اس کے بعد مسجد نبوی میں تو پہلے سال جمعہ فرض ہوا اور حدیث باب کہہ رہی ہے کہ مسجد نبوی کے بعد جواثی میں جمعہ ہوا یعنی پانچ سال تک مدینہ منورہ کے سوا کہیں بھی جمعہ قائم نہیں ہوا، لہٰذا اگر 'جمعہ فی القریٰ' جائز ہوتا تو مدینہ منورہ کے آس پاس بے شمار بستیاں اسلام قبول کر چکی تھیں، ہر بستی میں جمعہ ہوتا، اس سے پتہ چلا کہ 'جمعہ فی القریٰ' جائز نہیں ہے۔[۳۲]

جواثی کی تحقیق

ابوداؤد وغیرہ میں جو جواثی کے ساتھ قریہ کا لفظ آیا ہے اس سے یہ دھوکہ نہ کھانا چاہئے کہ یہ چھوٹی بستی تھی، اس زمانہ کی جغرافیہ کی کتابیں اُٹھا کر دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ جواثی بڑا شہر تھا۔ چنانچہ علامہ یاقوت بن عبد اللہ الحموی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "معجم البلدان" جس میں احادیث اور تاریخ میں جن بستیوں اور شہروں کے نام آئے ہیں ان کی تفصیل ذکر کی ہے، اس میں لکھا ہے کہ جواثی میں بنو عبدالقیس کا قلعہ تھا اور یہ بات واضح

---

۳۱ سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الجمعة في القرى، رقم: ۹۰۲.

۳۲ تفصیل ملاحظہ فرمائیں: إعلاء السنن، ج: ۸، ص: ۲۳-۲۹، وعمدة القاري، ج: ۵، ص: ۳۹.

ہے کہ قلعہ چھوٹے گاؤں میں نہیں ہوتا بلکہ بڑی بستی میں ہوتا ہے۔

نیز علماء لغت نے جگہ جگہ اس بات کی صراحت کی ہے کہ جواثی بڑی تجارتی منڈی تھی، اس لئے محض قریہ کے لفظ سے یہ سمجھنا کہ یہ چھوٹا سا گاؤں تھا درست نہیں۔[۳۳]

قریہ کا لفظ مکہ اور طائف کے لئے بھی استعمال ہوا ہے، قرآن کریم میں ہے:

"لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ".[۳۴]

یہاں **قریتین** سے مکہ اور طائف مراد ہیں۔

اور **"وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ"**[۳۵] میں قوم لوط کی بستیاں جن کے کھنڈرات پر سے مکہ والے شام کے سفر میں گزرتے تھے مراد ہے۔

اور حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ میں **"اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا"**[۳۶] میں قریہ سے بڑے بڑے شہر مراد ہیں، لیکن قرآن کریم نے ان پر قریہ کا اطلاق کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ بڑے بڑے شہروں پر بھی قریہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ جواثی پر جو قریہ کا اطلاق ہوا ہے وہ اسی معنی میں ہے، ورنہ حقیقت میں وہ بڑی منڈی تھی، لہٰذا اس حدیث سے شافعیہ کا "جمعہ فی القری" پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔[۳۷]

شافعیہ کا دوسرا استدلال

شافعیہ اور ان کے حامی حضرات کا دوسرا استدلال قرآن کریم کی اس آیت سے ہے **"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ."**

اس آیت میں فرمایا کہ جب نداء ہو تو پہنچ جاؤ، مصر اور قریہ کی کوئی تفریق نہیں کی گئی اس لئے مطلق کو مطلق چھوڑنا چاہئے۔

---

۳۳ معجم البلدان، ج: ۱، ص: ۳۳۹، دار الفکر، بیروت.

۳۴ الزخرف: ۳۱.

۳۵ الفرقان: ۴۰.

۳۶ البقرة: ۲۵۹.

۳۷ إطلاق لفظ: القرية، على المدينة باعتبار المعنى اللغوي، ولا يخرج ذلك عن كونه مدينة فلا يتم استدلال من يجيز الجمعة في القرى بهذا الوجه.

حنفیہ کی طرف سے جواب

حنفیہ کہتے ہیں کہ آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جب نداء ہو جائے تو سعی کرو، اب نداء کہاں ہوگی اور کہاں نہ ہوگی؟ اس کی تفصیل قرآنِ کریم نے نہیں بیان فرمائی بلکہ حدیث نے بیان فرمائی ہے۔ لہٰذا اس آیت سے "جمعہ فی القریٰ" کے جواز پر استدلال درست نہیں۔[۳۸]

حضرت نانوتویؒ کا استدلال

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت! جمعہ فی القریٰ کے بارے میں حنفیہ کے مسلک کی قرآن سے تائید نہیں ہوتی؟

حضرتؒ نے فرمایا: بھئی اور بحثوں کو تو میں نظر انداز کرتا ہوں جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے تو قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ جمعہ بستی میں نہیں ہوگا، شہر میں ہوگا، اس لئے کہ قرآن کریم میں ہے "**يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى ذِكْرِ اللهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ**" معلوم ہوا کہ یہ بات ایسی جگہ کے بارے میں ہو رہی ہے جہاں جمعہ پڑھنے کے لئے سعی کی ضرورت ہے، چھوٹے گاؤں میں سعی کی ضرورت نہیں ہوتی، کیونکہ دو چار گھر کے بعد مسجد ہوتی ہے۔

آگے فرمایا "**وذروا البيع**" معلوم ہوا کہ ایسی جگہ کی بات ہو رہی ہے جہاں بیع و شراء ہوتی ہے، بازار اور منڈی ہے، تو فرمادیا کہ ایسا نہ ہو کہ کاروبار میں اتنا استغراق ہو کہ اذان کی آواز سننے کے بعد بھی خرید و فروخت میں لگے رہو، لہٰذا فرمایا "**وذروا البيع**"۔

آگے فرمایا "**فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ**" معلوم ہوا ایسی جگہ ہے جہاں اتنے لوگ ہوں کہ جب نکل جائیں تو گلی کوچوں میں پھیل جائیں۔ اگر چھوٹی بستی ہو تو دس بارہ آدمی کیا نکلیں گے اور کیا پھیلیں گے؟

---

۳۸ قد علق وجوب السعي على النداء ، لما تقرر عند جمهور الأصوليين ، وأئمة البيان ، وبه قال منكروا التقليد خلافا للحنفية من أن الشرط قيد لحكم الجزاء ، والمراد بالنداء هو الأذان الثاني الذي يكون بين يدي الخطيب عند المنبر لكون الأول محدثا بعد نزول الآية ، فلا يجب السعي إلى الجمعة إلا على من يتيسر له إدراك الجمعة بالسعي بعد الأذان الثاني ، وإيجابها على أهل العوالي كلهم يستلزم السعي عليهم من أول النهار قبل النداء بكثير وهو بخلاف الآية على أصلهم وقد قدمنا أن رواية جمع النبي صلى الله عليه وسلم أهل العوالي للجمعة لا تصلح الاحتجاج بها.

إعلاء السنن ، ج:۸ ، ص:۲۳.

آگے فرمایا "**وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ**" معلوم ہوا ایسی جگہ ہے جہاں تجارت کا امکان ہے۔

آیت میں جو چیزیں بیان کی گئی ہیں وہ سب شہر سے متعلق ہیں، معلوم ہوا کہ جمعہ شہر میں ہی ہوتا ہے، لہٰذا اس آیت سے شافعیہ وغیرہ کا استدلال تام نہیں، بلکہ یہ حنفیہ کا استدلال ہے۔

شافعیہ وغیرہ کا تیسرا استدلال

تیسرا استدلال یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ جہاد پر گئے ہوئے تھے، وہاں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف خط لکھا کہ ہم فلاں مقام پر ہیں، کیا ہم یہاں پر جمعہ قائم کریں یا نہیں؟

حضرت فاروق اعظم ﷺ نے جواب میں فرمایا: "**جمعوا حیث ما کنتم**"، جہاں کہیں بھی ہو وہاں جمعہ قائم کرو۔[۳۹]

شافعیہ نے اس کے عموم سے استدلال فرمایا کہ حضرت عمر ﷺ نے کوئی قید نہیں لگائی کہ شہر میں ہو یا بستی میں، بلکہ فرمایا جہاں بھی ہو وہاں جمعہ قائم کرو۔ معلوم ہوا کہ ہر جگہ جمعہ جائز ہے۔

اس روایت سے غیر مقلدین جنگلوں میں جمعہ پڑھنے پر جو استدلال کرتے ہیں وہ بالکل لغو ہے۔

(فائدہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عہد فاروقی میں بحرین کے گورنر تھے اور وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کر رہے ہیں، لہٰذا ان کے سوال ہی سے یہ بات مل رہی ہے کہ ان کے نزدیک بھی ہر قریہ میں جمعہ جائز نہ تھا، بلکہ وہ جانتے تھے کہ ہر چھوٹے قصبہ وشہر میں بھی نہ تھا بلکہ مصر جامع میں ہو سکتا ہے، اسی لئے پوچھا، اور حضرت عمر ﷺ نے اشارہ دیا کہ والی گورنر چھوٹی جگہ پر بھی ہوگا تو وہاں بھی جمعہ پڑھائے گا، کیونکہ وہ جگہ بھی اس کی وجہ سے مصر جامع کے حکم میں ہو جاتی ہے، یہی حنفیہ کا مذہب ہے۔)[۴۰]

---

۳۹ عن أبي هريرة رضي الله عنه أنهم كتبوا إلى عمر بن الخطاب ﷺ من البحرين يسألونه عن الجمعة، فكتب إليهم: إجمعوا حيث ما كنتم. وذكره ابن أبي شيبة بسند صحيح بلفظ: جمعوا. مصنف ابن أبي شيبة، من كان يرى الجمعة في القرى وغيرها، رقم: ۵۰۶۸، ج:۱، ص:۴۴۰، وعمدة القاري، ج:۵، ص:۳۱.

۴۰ وفيه اشعار بأن إقامة الجمعة في كل موضع لم تكن جائزة عند أبي هريرة وإلا لم يحتج إلى السؤال عنه، وهو عالم كبير تولى الإفتاء والقضاء. بل كان ذلک مقيدا عنده بشروط خاصة، فسأل عمر عنها، فأجابه بأن جمعوا حيثما كنتم. وفيه تقييد التجميع بمكان كان الولاة فيه على أن الأصل كون مفهوم الكتاب مختصا بالمكتوب إليه، لكونه قد خوطب به دون غيره، وتعميمه للناس جميعا خلاف الأصل، ولا بدله من دليل. وقد قام الدليل على عموم كتابه إلى العمال في الأمر بحفظ الصلاة والمحافظة عليها. إعلاء السنن، ج:۸، ص:۱۷.

استدلال کا جواب

اس دلیل کے دو جواب ہیں: ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی۔

الزامی جواب یہ ہے کہ اگر اس عموم پر عمل کیا جائے تو پھر جنگل میں بھی جمعہ جائز ہونا چاہئے اور جہاں چالیس گھروں سے کم گھر ہوں، وہاں بھی جمعہ جائز ہونا چاہئے۔ **فما هو جوابهم فهو جوابنا.**

تحقیقی جواب یہ ہے کہ **"حیث ما کنتم"** سے **"حیث ما کنتم من المصر"** مراد ہے۔ **نظراً إلی الأدلة الأخری.**

چوتھا استدلال

شافعیہ وغیرہ کی چوتھی دلیل وہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی نقل کی ہے کہ:

"کتب رزیق بن حکیم إلی ابن شهاب وأنا معه یومئذ بوادی القری: هل تری أن اجمع؟ ورزیق عامل علی أرض یعملها وفیها جماعة من السودان وغیرهم، ورزیق یومئذ علی أیلة، فکتب ابن شهاب .... الخ".

رزیق بن حکیم جو ایلہ کا حاکم تھا اس نے حضرت ابن شہاب زہریؒ کی طرف خط لکھا کہ میں یہاں جمعہ پڑھوں یا نہیں؟ ابن شہابؒ نے جواب میں لکھا کہ پڑھو۔

استدلال کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ ایلہ بستی نہیں بلکہ بڑا شہر تھا اور انہوں نے سوال اس لئے کیا کہ ان کو یہ شبہ پیدا ہوگیا تھا کہ آیا یہ مصر شرعی کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں، جس میں جمعہ پڑھا جاتا ہے۔ زہریؒ نے کہا کہ پڑھو، کیونکہ یہ بڑا شہر ہے۔ اس میں کہیں بھی بستی یا گاؤں کا ذکر نہیں ہے۔[۱۲]

پانچواں استدلال

آگے تعلیق ہے کہ: **وکان أنس رضی الله عنه فی قصره أحیانا یجمع وأحیانا لا**

---

[۱۲] وقال المقریزی: أیلة مدینة جلیلة علی ساحل البحر الملح، وبها یجتمع حاج الشام ومصر والمغرب، وبها التجارة الکثیرة، ومن القلزم إلی أیلة ست مراحل فی بریة صحراء یتزود الناس من القلزم إلی أیلة لهذه المراحل. قلت: هی الآن خراب ینزل بها الحاج المصری والمغربی والغزی، وبعض آثار المدینة ظاهر. عمدة القاری، ج: ۵، ص: ۳۳.

یجمع، وهو بالزاوية على فرسخين. حضرات شافعیہ کا استدلال یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک قصر میں تھے، کبھی جمعہ پڑھتے، کبھی نہ پڑھتے تھے۔

استدلال کا جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شہر سے باہر ایک ایسی جگہ میں تھے جو ایک قصر تھا اور وہاں سے شہر آکر جمعہ میں شریک ہونا ان کے لئے واجب نہیں تھا، لہٰذا وہ کبھی شہر آکر جمعہ پڑھ لیتے اور کبھی قصر میں ظہر پڑھ لیتے۔

یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اس قصر میں جو جنگل میں واقع تھا جمعہ قائم کرتے تھے، بلکہ وہ جمعہ پڑھنے شہر جاتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ وہ بصرہ جایا کرتے تھے۔ [۴۲]

حنفیہ کے دلائل

اس باب میں حنفیہ کے متعدد دلائل ہیں۔

پہلی دلیل: یہ ہے جو بہت مضبوط ہے جس پر سب کا اجماع اور اتفاق ہے کہ حضور ﷺ کا آخری حج جمعہ کے دن ہوا تھا، یوم العرفہ جمعہ کا دن تھا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس دن عرفات میں جمعہ نہیں پڑھا بلکہ ظہر کی نماز پڑھی، تمام روایات اس پر متفق ہیں۔ اگر جمعہ اس طرح جائز ہوتا جیسا کہ اہل ظاہر کہتے ہیں تو آپ ﷺ جمعہ پڑھتے۔ [۴۳]

اعتراض

بعض حلقوں (شافعیہ) کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ اس موقع پر بہت سے لوگ حالت سفر میں تھے،

---

۴۲ وفيه دليل على أنها لا تجب على أهل القرى، ولا يجب عليهم شهودها بالمصر أيضا. لأن أنسا كان لا يجيء البصرة إذا لم يجمع بقصره، وهذا بخلاف ماذهب إليه الخصم. "أحيانا يجمع وأحيانا لا يجمع" يحتمل معنيين أى يصلي بمن معه الجمعة أو يشهد الجمعة بجامع البصرة ....الخ. إعلاء السنن، ج:۸، ص:۴۳.

۴۳ عن عمر بن الخطاب ﷺ أن رجلا من اليهود قال له: يا أمير المؤمنين آية في كتابكم تقرؤنها لو علينا معشر اليهود نزلت لاتخذنا ذلك اليوم عيدا، قال: اى آية؟ قال: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ [المائدة:۳]. قال عمر: قد عرفنا ذلك اليوم و المكان الذى نزلت فيه على النبى ﷺ وهو قائم بعرفة يوم الجمعة. صحيح البخارى، كتاب الإيمان، (۳۳) باب زيادة الإيمان ونقصانه، رقم: ۴۵، ج:۱.

خود آنحضرت ﷺ بھی حالتِ سفر میں تھے اور مسافر پر جمعہ فرض نہیں، اس لئے آپ ﷺ نے ظہر پڑھی۔

جواب: یہ توجیہ انتہائی کمزور ہے، اس لئے کہ مسافر پر جمعہ اگرچہ فرض تو نہیں ہوتا، لیکن اگر پڑھ لے تو نہ صرف یہ کہ فریضہ ادا ہو جاتا ہے بلکہ جمعہ پڑھنا افضل ہے۔

نیز اس وقت میدان عرفات میں ایک بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو وہاں کے مقیم تھے، اگر آنحضرت ﷺ جمعہ پڑھتے تو یہ آپ ﷺ کے لئے بھی افضل ہوتا اور جو مقیم تھے ان کا فریضہ بھی ادا ہو جاتا، لہٰذا جمعہ نہ پڑھنے کی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں کہ وہاں جمعہ جائز ہی نہیں تھا۔ اس لئے ظہر کی نماز پڑھی۔ [۴۴]

دوسری دلیل: حنفیہ کی دوسری دلیل جس پر انہوں نے اپنے مذہب کی بنیاد رکھی، وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں مروی ہے کہ فرمایا: **"لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع"**۔

جمعہ اور تشریق یعنی عید الاضحیٰ نہیں ہوتی مگر ایک بڑے جامع شہر میں۔

اگرچہ یہ اثر موقوف ہے، مگر خلاف قیاس ہونے کی وجہ سے مرفوع کے حکم میں ہے۔ [۴۵]

اعتراض

شافعیہ وغیرہ کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس اثر کی سند ضعیف ہے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے حارث اعور ہیں اور یہ بے انتہا ضعیف ہیں، اس لئے ان کی روایت کا بھروسہ نہیں۔

---

[۴۴] ...... قال فاجاز رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى أتى عرفة فوجد القبة قد ضربت له بنمرة فنزل بها حتى إذا زاغت الشمس امر بالقصوى فرحلت له فاتى بطن الوادى ، فخطب الناس إلى أن قال ثم أذن ثم أقام فصلى الظهر ثم أقام فصلى العصر ولم يصل بينهما شيئا.... الخ ، صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم ، رقم: ۲۱۳۷.

[۴۵] إستدل أبو حنيفة على أنها لا تجوز في القرى بما رواه عبد الرزاق في (مصنفه) : أخبرنا معمر عن أبي إسحاق عن الحارث ((عن علي ، رضي الله تعالىٰ عنه ، قال : لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع)) ، مصنف عبد الرزاق ، باب القرى الصغار ، رقم: ۵۱۷۵ ، ج: ۳ ، ۱۶۷ ، ورواه ابن أبي شيبة في (مصنفه) : حدثنا أبو بكر قال حدثنا جرير عن منصور عن طلحة عن سعد بن عبيدة عن أبي عبد الرحمن قال قال علي : لا جمعة و لا تشريق ولا صلاة فطر ولا أضحى إلا في مصر جامع أو مدينة عظيمة ، مصنف ابن أبي شيبة ، باب من قال لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع ، رقم: ۵۰۵۹ ، ج: ۱ ، ص: ۴۳۹ ، وعمدة القاري ، ج: ۵ ، ص: ۴۰.

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کے متعدد طرق ہیں، صرف حارث اعور پر مدار نہیں بلکہ اور افراد بھی ہیں، جن میں ابوعبدالرحمٰن سلمی بھی داخل ہیں اور ابوعبدالرحمٰن سلمی معروف تابعین میں سے ہیں، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے **"الدراية في تخريج أحاديث الهداية"** میں اس اثر کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، لہٰذا یہ بڑی قوی دلیل ہے۔[۴۶]

تیسری دلیل: حنفیہ کی تیسری دلیل صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ: **عن عائشة زوج النبي ﷺ قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالي فيأتون في الغبار فيصيبهم الغبار والعرق، فيخرج منهم العرق فأتى رسول الله ﷺ انسان منهم وهو عندي فقال النبي ﷺ: ((لو أنكم تطهرتم ليومكم هذا)).**[۴۷]

لوگ عوالی سے جمعہ پڑھنے آیا کرتے تھے۔ عوالی مدینہ منورہ کے اردگرد بستیاں تھیں جن کا مدینہ منورہ سے کم سے کم فاصلہ دو میل اور زیادہ سے زیادہ آٹھ میل تھا۔ ان بستیوں کے لوگ اتنی مشقت اٹھا کر جمعہ پڑھنے آتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سخت گرمی کا موسم ہوتا، پسینہ آ رہا ہوتا اور ریت آ کر ان کے جسم پر جم جاتی، اس حالت میں بھی وہ جمعہ پڑھنے کے لئے اتنی دور سے آتے، اگر "جمعہ فی القریٰ" جائز ہوتا تو حضور اقدس ﷺ ان کے لئے کسی صحابی کا انتظام فرما دیتے جو وہاں جا کر جمعہ پڑھا دیتا، لیکن یہ کہیں بھی منقول نہیں ہے کہ عوالی میں جمعہ ہوا ہو، بلکہ پانچ سال کے بعد سب سے پہلے جواثی میں جمعہ ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ کا مذہب متعدد احادیث اور قوی دلائل سے ثابت ہے۔ البتہ یہ بات کہ کون سی بستی کو مصر قرار دیا جائے اور کون سی بستی کو مصر قرار نہ دیا جائے اس بارے میں قول فیصل عرض کیا جا چکا ہے کہ مدار عرف پر ہے، کسی ایک چیز کو دیکھ کر فیصلہ نہیں کرنا چاہئے کہ یہاں تھانہ ہے اس لئے یہ مصر ہو گیا، یہاں ڈاکخانہ ہے

---

[۴۶] قال النووي: حديث علي ضعيف متفق على ضعفه، وهو موقوف عليه بسند ضعيف منقطع؟ قلت: كأنه لم يطلع إلا على الأثر الذي فيه الحجاج بن أرطاة، ولم يطلع على طريق جرير عن منصور، فإنه سند صحيح، ولم يطلع لم يقل بما قاله، وأما قوله: متفق على ضعفه، فزيادة من عنده، ولا يدري من سلفه في ذلك، كذا ذكره العينيّ في عمدة القاري، ج:۵، ص:۱۰۴، والدراية في تخريج أحاديث الهداية، باب الجمعة، رقم: ۲۷۵، ج:۱، ص:۲۱۴.

[۴۷] صحيح البخاري، كتاب الجمعة، (۱۵) باب من أين تؤتى الجمعة، وعلى من تجب، رقم: ۹۰۲.

لہٰذا یہ مصر ہوگیا، بلکہ تمام چیزوں کے مجموعہ کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا۔

سوال

اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں حنفیہ کے اصل مذہب کے مطابق جمعہ قائم نہیں کرنا چاہئے لیکن وہاں کے لوگ جمعہ قائم کر رہے ہیں تو ایسی جگہ کیا کرنا چاہئے؟

جواب

ایسے آدمی کو چاہئے کہ جمعہ میں شریک نہ ہو اور ظہر کی نماز پڑھے اور شور شرابہ بھی نہ کرے، ظہر کی جماعت بھی کر سکتا ہے۔ لوگوں کو نرمی سے مسئلہ بتادے اگر مان جائیں تو فبہا، ورنہ کہہ دے کہ تم اپنے فعل کے ذمہ دار ہو، ہم اس طرح کرتے ہیں۔ لڑائی جھگڑا اور فتنہ وفساد پیدا نہ کرے۔

ہمارے بعض بزرگوں مثلاً حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر کسی مسجد میں سالہا سال سے جمعہ چلا آرہا ہے اور اس کو بند کرنے میں فتنہ پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو ایسی جگہ جمعہ پڑھنے دیں، جس کا منشاء فتنہ سے بچاؤ ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، کسی جانب کو بھی باطل محض نہیں کہہ سکتے۔

ہمارے بعض دوسرے بزرگ بھی اس بارے میں کہتے ہیں کہ کوشش کریں لیکن اس حد تک نہیں گئے جس حد تک مفتی کفایت اللہؒ گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں کو فتنہ سے بچانے کی کوشش کریں۔ فتنہ سے بچانے کا ایک حل یہ نکالا کہ جو مسئلہ مجتہد فیہ یعنی فقہاء کا اختلاف ہوتا ہے اگر اس میں حاکم کا حکم آجائے اور وہ حکم ہمارے مذہب کے خلاف ہو، دوسرے مذہب کے مطابق ہو تو اس حکم کی پابندی سب کے ذمہ لازم ہوتی ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایسے موقع پر اس طرح کریں کہ علاقے کے حکم یعنی ڈی۔سی وغیرہ سے جاکر کہہ دیں کہ آپ ہمیں یہاں جمعہ پڑھنے کا حکم دے دیں۔ اگر اس نے حکم دے دیا تو **"حکم الحاکم رافع للخلاف"**، جمعہ صحیح ہوجائے گا۔

سوال

بعض جگہیں ایسی ہوتی ہیں جہاں گرمیوں میں خوب آبادی ہوتی ہے اور سردیوں میں وہ ویران ہوجاتی ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح بعض جگہیں ایسی ہوتی ہیں جہاں متعدد گاؤں مل کر ایک قریہ کبریٰ بن جاتا ہے اور اگر الگ الگ دیکھیں تو چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

جواب

ان صورتوں کے بارے میں اگر ایک ہی بات کہہ دوں تو وہ غلط ہوگی کیونکہ، ہر جگہ کے احکام مختلف ہوتے ہیں، جہاں کا سوال ہو وہاں کے حالات کے مطابق جواب دینا ہوتا ہے، میں ایسا کرتا ہوں کہ صرف تحریری وضاحت پر اکتفا نہیں کرتا، اگر موقع ہوتا ہے تو خود جا کر دیکھتا ہوں ورنہ دوسرے اہل فتویٰ کے پاس بھیجتا ہوں کہ ان کو لیجا کر جگہ دکھاؤ پھر فیصلہ کراؤ۔

تو ہر صورت مسئلہ الگ حیثیت رکھتی ہے اور اس کی الگ تحقیق کرنی پڑتی ہے، اصل اصول وہی ہے کہ عرف کا اعتبار ہے۔[۲۸]

۸۹۳- حدثنا بشر بن محمد المروزی قال: أخبرنا عبد الله قال: أخبرني يونس عن الزهري قال: أخبرنا سالم بن عبد الله، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ((كلكم راع)) وزاد الليث: قال يونس: كتب رزيق بن حكيم إلى ابن شهاب وأنا معه يومئذ بوادي القرى: هل ترى أن اجمع؟ ورزيق عامل على أرض يعملها وفيها جماعة من السودان وغيرهم، ورزيق يومئذ على.

---

[۲۸] والفرق بين الأمصار والقرى لم يكن خافيا على أهل اللسان من السلف، ولذا لم يقل أحد منهم بما قاله هذا الهندي الجاهل عن لسان العرب، أن أثر علي يمكن حمله على القرية. وقد فسر صاحب القاموس المصر بالكورة، والكورة بالمدينة، والمدينة بالحصن يبنى في اصطمة أرض، والأصطمة معظم الشيء، ومجتمعه، وهذا مما يميز المصر عن السواد والقرى حتما. واختلاف ألفاظ الفقهاء في تعريفه مبني على اختلاف العرف في كل زمان والأصل في تعريف المصر مدينة النبي ﷺ ومكة، فهما مصران تقام بهما الجمعة من زمانه عليه الصلاة والسلام إلى اليوم فكل موضع كان مثل أحد هما فهو مصر.

وكل تفسير لايصدق على أحدهما فهو غير معتبر. فأصح الحدود ما صرح به في "تحفة الفقهاء" عن أبي حنيفة أنه بلدة كبيرة فيها سكك وأسواق، ورساتيق، وفيها وال يقدر على إنصاف المظلوم من الظالم بحشمه، وعلمه وعلم غيره، يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث، وهذا هو الأصح انتهى. وهو الذي اختاره صاحب "الهداية"، إلا أنه ترك ذكر السكك، والرساتيق بناء على الغالب إذ الغالب أن الأمير والوالي الذي شأنه القدرة على تنفيذ الأحكام وإقامة الحدود لا يكون إلا في بلد كذلك. هذا ملخص ما في "شرح المنية" للحلبي (ص: ۵۱۱)، إعلاء السنن، ج:۸، ص:۱۰.

أيلة، فكتب ابن شهاب ، وأنا أسمع ، يأمره أن يجمع ، يخبره أن سالما حدثه أن عبد الله بن عمر قال : سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول : ((كلكم راع)) ، وكلكم مسؤل عن رعيته : الإمام راع ومسؤل عن رعيته ، ورجل راع في أهله وهو مسؤل عن رعيته ، والمرأة راعية في بيت زوجها ومسؤلة عن رعيتها ، والخادم راع في مال سيده ومسؤل عن رعيته . قال : وحسبت أن قد قال : ((والرجل راع في مال أبيه وهو مسؤل عن رعيته ، وكلكم راع ومسؤل عن رعيته)) . [أنظر : ۲۴۰۹ ، ۲۵۵۴ ، ۲۵۵۸ ، ۲۷۵۱ ، ۵۱۸۸ ، ۵۲۰۰ ، ۷۱۳۸]. [۳۹]

ترجمہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر شخص نگران ہے ، اور لیث نے اضافہ کیا کہ یونس کا قول ہے کہ میں ان دنوں وادی القریٰ میں ابن شہاب کے ساتھ تھا، رزیق بن حکیم نے ابن شہاب کو لکھ کر بھیجا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں یہاں جمعہ قائم کروں؟ رزیق ایک زمین میں کاشتکاری کراتے تھے اور وہاں سوڈانی (حبشیوں) اور دیگر لوگوں کی ایک جماعت تھی ، اور رزیق ان دنوں میں ایلہ میں حاکم تھے تو ابن شہاب نے لکھا کہ جمعہ قائم کریں اور یہ حکم دیتے ہوئے سن رہا تھا اور انہوں نے خبر دی کہ سالم نے ان سے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی، مرد اپنے اہل پر نگران ہیں اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگران ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی، خادم اپنے آقا کے مال کا محافظ (نگران) ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ ابن شہاب نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ شاید یہ بھی کہا کہ مرد اپنے باپ کے مال کا محافظ (نگران) ہے اور اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی، اور تم میں سے ہر شخص نگہبان (محافظ) ہے اور شخص سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔

---

[۳۹] وفي صحيح مسلم ، كتاب الإمارة ، باب فضيلة الإمام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق ، رقم : ۳۴۰۸ ، وسنن الترمذي ، كتاب الجهاد عن رسول الله ، باب ماجاء في الإمام ، رقم : ۱۶۲۷ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الخراج والامارة والفيء ، باب مايلزم الإمام من حق الرعية ، رقم : ۲۵۳۹ ، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب ، رقم : ۴۲۶۶ ، ۴۹۲۰ ، ۵۶۰۳ ، ۵۶۳۵ ، ۵۷۵۳.

تشریح مذکورہ بحث میں گذر چکی ہے۔

(۱۲) باب هل على من لم يشهد الجمعة غسل من النساء والصبيان و غيرهم؟

غسل جمعہ کی شرعی حیثیت

یہ باب قائم کیا ہے کہ جو لوگ جمعہ میں حاضر نہیں ہوتے مثلاً عورتیں اور بچے، کیا ان پر غسل فرض ہے؟
یعنی سوال یہ ہے کہ غسلِ جمعہ یوم جمعہ کی وجہ سے ہے یا نماز جمعہ کی وجہ سے؟
جمہور کا کہنا یہ ہے کہ نماز جمعہ کی وجہ سے ہے، جو لوگ نماز جمعہ کے اندر حاضر نہیں ہوتے، ان پر غسل بھی نہیں ہے۔

وقال ابن عمر: إنما الغسل على من تجب عليه الجمعة.

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول بھی نقل کیا ہے کہ غسل اسی پر ہے جس پر جمعہ واجب ہے۔

۸۹۴ - حدثنا أبو اليمان قال: أخبرنا شعيب عن الزهري قال: حدثني سالم بن عبدالله أنه سمع عبدالله بن عمر يقول: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((من جاء منكم الجمعة فليغتسل)) [راجع: ۸۷۷]

یہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**من جاء منكم الجمعة فليغتسل**" جو جمعہ میں آئے وہ غسل کرے۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ جو جمعہ میں نہ آئے اس پر غسل نہیں۔

۸۹۵ - حدثنا عبدالله بن مسلمة، عن مالك، عن صفوان بن سليم، عن عطاء ابن يسار، عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: ((غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم)). [راجع: ۸۵۸]

یہاں پر **محتلم** کہا گیا ہے، لہٰذا اس سے صبی خارج ہو گیا۔

**۸۹۶ - حدثنا مسلم بن ابراهيم قال: حدثنا وهيب قال: حدثني ابن طاؤس، عن أبيه عن أبي هريرة قال: قال رسول ﷺ: ((نحن الآخرون السابقون يوم القيامة، أوتوا الكتاب من قبلنا و أوتينا من بعدهم، فهذا اليوم الذي اختلفوا فيه فهدانا الله، فغدا

لليهود ، وبعد غد للنصارى))، فسكت . [راجع : ۲۳۸]

۸۹۷ - ثم قال : ((حق على كل مسلم أن يغتسل في كل سبعة أيام يوما يغسل فيه رأسه وجسده)). [انظر : ۸۹۸، ۳۴۸۷]

۸۹۸ - رواه أبان بن صالح عن مجاهد ، عن طاؤس عن أبي هريرة ، قال : قال النبي صلى الله عليه وسلم : ((لله تعالى على كل مسلم حق أن يغتسل في كل سبعة أيام يوما)) . [راجع : ۸۹۷]

نحن الآخرون السابقون يوم القيامة ، أوتوا الكتاب من قبلنا و أوتينا من بعدهم ، فهذا اليوم الذي اختلفوا فيه فهدانا الله ، فغدا لليهود ، وبعد غد للنصارى .

یہاں یہ جملہ "**نحن الآخرون السابقون**" کیوں لایا گیا؟

بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ یہ اسی حدیث کا حصہ تھا، حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے یہ حدیثیں ایک ساتھ سنائیں اس واسطے یہ اکٹھے لے آئے۔

اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ درحقیقت امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاتھ عبدالرحمن ابن ہرمز اعرج کا ایک صحیفہ آ گیا تھا اس صحیفے کو وہ سند سے روایت کرتے تھے، اس صحیفے میں سب سے پہلی حدیث یہ ہے "**نحن الآخرون السابقون**" تو جب کبھی اس صحیفے کے حوالے سے کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو پہلے "**نحن الآخرون السابقون**" روایت کرتے ہیں یہ بتانے کے لئے کہ میں خود اس صحیفے سے روایت کرتا ہوں جس میں پہلی حدیث "**نحن الآخرون السابقون**" ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ امام مسلم رحمہ اللہ جب صحیفۂ ہمام بن منبہ سے کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ " **انا همام بن منبه قال هذا ما حدثنا أبي هريرة عن النبي ﷺ فذكر أحاديث منها وقال رسول الله ﷺ** "

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ جب اس صحیفے سے حدیث روایت کریں گے تو سب سے پہلے وہ حدیث لائیں گے جو اس صحیفے کی پہلی حدیث ہوگی۔

(۱۳) باب

۸۹۹ - حدثنا عبدالله بن محمد : حدثنا شبابة ، حدثنا ورقاء ، عن عمرو بن دينار، عن مجاهد ، عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : ((ائذنوا للنساء الليل إلى المساجد)) . [راجع : ۸۶۵]

اس حدیث کو لانے کا منشأ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے "باللیل" کی قید لگائی، معلوم ہوا کہ عورتوں کو دن میں اجازت نہ دو، اور چونکہ جمعہ دن میں ہوتا ہے، اس لئے عورتیں نہ جائیں، جب نہ جائیں گی تو غسل بھی نہ ہوگا۔

۹۰۰ ـ حدثنا يوسف بن موسى: حدثنا أبو أسامة: حدثنا عبيد الله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر، قال: كانت إمرأة لعمر تشهد صلاة الصبح والعشاء في الجماعة في المسجد، فقيل لها: لم تخرجين وقد تعلمين أن عمر يكره ذلك ويغار؟ قالت: ومايمنعه أن ينهاني؟ قال: يمنعه قول رسول الله صلى الله عليه وسلم: « لا تمنعوا اماء الله مساجد الله » [راجع: ۸۶۵]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ کی ایک اہلیہ تھیں جو عشاء اور فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کے لئے مسجد جاتی تھیں۔

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت عاتکہ رضی اللہ عنہا تھیں۔[۵۰]

فقيل لها: ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں جاتی ہیں جبکہ حضرت عمر ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے ہیں اور عورت کے باہر نکلنے کے بارے میں ان کو بہت غیرت آتی ہے۔

قالت: ومايمنعه أن ينهاني؟ انہوں نے کہا اگر غیرت آتی ہے تو پھر مجھے روکنے سے کیا بات مانع ہے؟

قال: يمنعه قول رسول الله ﷺ: « لا تمنعوا اماء الله مساجد الله »۔ اس لئے نہیں روکتے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جب حضرت عمر ﷺ سے نکاح کیا تھا تو اسی وقت یہ شرط لگائی تھی کہ مجھے مسجد میں نماز پڑھنے سے نہیں روکو گے، مسجد میں جانے دو گے، اس لئے حضرت عمر ﷺ خاموش تھے، منع نہیں کرتے تھے، کیونکہ نکاح کے وقت شرط لگائی تھی۔

بہر حال یہاں اس حدیث کو لانے کا منشأ یہ ہے کہ عورتیں صبح اور عشاء میں جاتی تھیں، دن کے اوقات میں نہیں جاتی تھیں، دن کے اوقات میں نہ جانے سے جمعہ میں نہ جانا ثابت ہوگیا۔

(۱۴) باب الرخصة إن لم يحضر الجمعة في المطر.

بارش ہو رہی ہو تو جمعہ میں حاضر نہ ہونے کی رخصت کا بیان

۹۰۱ ـ حدثنا مسدد قال: حدثنا اسماعيل قال: أخبرني عبدالحميد ـ صاحب

---

[۵۰] عمدة القاری، ج: ۵، ص: ۵۰۔

الزيادي۔ قال: حدثنا عبدالله بن الحارث ابن عم محمد بن سيرين : قال ابن عباس لمؤذنه في يوم مطير: إذا قلت : أشهد أن محمدا رسول الله ، فلا تقل: حي على الصلاة، قل: صلوا في بيوتكم ، فكان الناس استنكروا، فقال : فعله من هو خير مني ، ((إن الجمعة عزمة وإني كرهت أن أخرجكم فتمشون في الطين والدحض)). [راجع : ۶۱۲]

پیچھے گزر چکا ہے کہ اگر بارش بہت زیادہ ہو اور آنے میں تکلیف ہو تو یہ اعلان کر سکتے ہیں کہ اپنے اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔

(۱۵) باب من أين تؤتى الجمعة ، و على من تجب؟

نماز جمعہ میں کتنی دور سے آنا چاہئے

لقول الله تعالى : ﴿ إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ﴾ [الجمعة: ۹]

وقال عطاء: إذا كنت في قرية جامعة نودي بالصلاة من يوم الجمعة فحق عليك أن تشهدها ، سمعت النداء أولم تسمعه. وكان انس رضي الله عنه في قصره أحيانا يجمع و أحيانا لا يجمع ، وهو بالزاوية على فرسخين.

جمعہ کن لوگوں پر واجب ہے

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے کہ کتنی دور سے جمعہ کے لئے آنا ضروری ہے۔ یہ ایک مستقل مسئلہ ہے۔ فقہاء کرامؒ کے درمیان اس میں کلام ہوا ہے کہ جو شخص بستی میں نہ رہتا ہو بلکہ بستی سے باہر رہتا ہو تو کتنی دور سے جمعہ میں آکر شریک ہونا واجب ہے؟

امام شافعیؒ کا قول

امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور قول یہ ہے کہ اگر اتنی دور رہتا ہو کہ جمعہ میں جا کر رات سے پہلے پہلے گھر واپس پہنچ سکتا ہو تو ایسے شخص پر جمعہ واجب ہے، "**الجمعة على من آواه الليل إلى أهله**" لیکن اگر اتنا دور ہے کہ جمعہ پڑھنے کے بعد چلے تو آدھی رات کو گھر پہنچے گا یا صبح ہونے کے بعد پہنچے گا تو پھر جمعہ کے لئے آنا

ضروری نہیں۔[۵۱]

ایک قول یہ ہے کہ جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہو وہاں سے لوگوں کے لئے آنا واجب ہے اور اگر کوئی دور رہتا ہے جہاں اذان کی آواز نہیں پہنچتی ہے تو پھر جمعہ کے لئے آنا ضروری نہیں ہے۔[۵۲]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس بات پر مدار رکھا ہے کہ جو علاقے شہر کی فنا میں داخل ہیں، فنا کا مطلب ہے جن کی ضروریات شہر سے وابستہ ہیں جیسے شہر کے برابر میں عیدگاہ اور قبرستان ہے، اسی طرح آج کل ریلوے اسٹیشن اور ہوائی اڈہ ہے، یہ سب فنائے مصر ہیں۔

اگر کوئی شخص فنا میں رہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ شہر آکر جمعہ میں شریک ہو، لیکن اگر فنا سے باہر ہے تو پھر جمعہ میں شرکت واجب نہیں۔ حنفیہ کے ہاں یہی قول مفتی بہ ہے۔[۵۳]

اور صحیح بات یہ ہے کہ اس بارے میں حضور اقدس ﷺ کی کوئی صریح حدیث منقول نہیں ہے، البتہ حنفیہ نے آیات قرآنی اور متعدد احادیث صحیحہ کو سامنے رکھ کر یہ فرمایا کہ اگر کوئی شخص شہر یا فنا میں رہتا ہے تو اس کے لئے جمعہ میں شریک ہونا ضروری ہے اور اگر فنائے شہر سے باہر ہو تو جمعہ فرض نہیں۔[۵۴]

---

[۵۱] اختلف العلماء في هذا الباب - أعني : في وجوب الجمعة على من كان خارج المصر - فقالت طائفة : تجب من آواه الليل إلى أهله ، وروى ذلك عن أبي هريرة وأنس وابن عمر ومعاوية ، وهو قول نافع والحسن وعكرمة والحكم والنخعي وأبي عبد الرحمن السلمي وعطاء والأوزاعي وأبي ثور ، حكاه ابن المنذر عنهم لحديث أبي هريرة مرفوعا : ((الجمعة على من آواه الليل إلى أهله)) ، رواه الترمذي والبيهقي وضعفاه ، ونقل عن أحمد أنه لم يره شيئا . كذا ذكره في عمدة القاري ، ج:۵، ص: ۵۵ ، وسنن الترمذي ، باب ماجاء من كم تؤتى الجمعة ، ج:۲، ص:۳۷۴ ، ومصنف عبد الرزاق ، باب من يجب عليه شهود الجمعة ، رقم : ۵۱۵۲ ، ج:۳، ص:۱۶۲ .

[۵۲] رواه الدار قطني من رواية الوليد عن زهير بن محمد عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده : أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال : إنما الجمعة على من سمع النداء ، سنن الدار قطني ، باب الجمعة على من سمع النداء ، رقم : ۲ ، ج: ۲ ، ص: ۶ ، وعمدة القاري ، ج: ۵ ، ص: ۵۵ .

[۵۳] ثم في ظاهر الرواية "لا تجب الجمعة إلا على من سكن المصر والأرباض المتصل بالمصر ، المبسوط للسرخسي ، ج:۲، ص:۲۳ ، وعمدة القاري ، ج:۵ ، ص:۵۵ .

[۵۴] وأما حديث أبي هريرة مرفوعا : "الجمعة على من آواه الليل إلى أهله" .... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾........

وقال عطاء: اذا كنت في قرية جامعة نودي بالصلاة من يوم الجمعة الخ. اگر بستی میں ہو تو جمعہ کے لئے آؤ، چاہے آواز سنی ہو یا نہ سنی ہو۔

وكان انس في قصره احيانا الخ. اور حضرت انس رضی اللہ عنہ جو اپنے قصر میں تھے کبھی جمعہ پڑھتے کبھی نہ پڑھتے، **وهو بالزاوية على فرسخين.**

اس کا مطلب یہ ہوا کہ شہر سے دو فرسخ کے فاصلے پر تھے، کبھی تو شہر جا کر حصول فضیلت کے لئے جمعہ میں شامل ہو جاتے اور کبھی شامل نہ ہوتے، کیونکہ رخصت ہے کہ شہر سے باہر ہیں۔

۹۰۲ - حدثنا أحمد بن صالح قال: حدثنا عبدالله بن وهب قال: أخبرني عمرو ابن الحارث، عن عبيد الله بن ابي جعفر أن محمد بن جعفر بن الزبير حدثه عن عروة

........﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾........ فقد رواه الترمذي والبيهقي، وضعفاه، ونقل عن احمد أنه لم يره شيئا، وقال لمن ذكره له: "استغفر ربك استغفر ربك". كذا في "العمدة" للعيني.

وفي "فتح الباري": وأخرج البيهقي بإسناد صحيح عن ابن عمر موقوفا عليه "والجمعة على من بات أهله"، قال الحافظ في "الفتح": ومعناه أن الجمعة تجب عنده على من يمكنه الرجوع إلى موضعه قبل دخول الليل، فمن كان فوق هذه المسافة لا تجب عليه عنده، قال: واستشكل بانه يلزم منه أنه يجب السعي من أول النهار، وهو بخلاف الآية ا ه (۲: ۳۸۵) فإن الآية علقت وجوبه على وقوع النداء، لما تقرر عند أئمة البيان من أن الشرط قيد لحكم الجزاء، فلا يجب السعي قبل النداء البتة. هذا محصل كلام الحافظ ومبناه على كون تعليق الحكم بالشرط والوصف نفيا عما عداه، كما هو مذهب أهل العربية، وجمهور الأصوليين القائلين بمفهوم الخطاب، خلافا للحنفية، فلا يلزم عندهم من وجوب الجمعة على من آواه الليل، ومن وجوب السعي عليه من أول النهار مخالفة الآية لهم، يلزم مخالفة الحديث الصحيح الوارد في انتياب أهل العوالي للجمعة، ولو كانت الجمعة على من آواه الليل ما انتابوا بل حضروا كلهم الجمعة بالمدينة ويلزم أيضا مخالفة قوله تعالى: ﴿ماجعل عليكم في الدين من حرج﴾.

وفي وجوب السعي من أول النهار من الحرج ما لايخفى، فيحمل أثر ابن عمر على الندب، وكذا حديث أبي هريرة، فيستحب لأهل القرى القريبة من البلدان يشهدوا الجمعة به، وفيه إشعار بعدم صحتها في القرى الصغيرة، وإلا لم يحتج إلى القول بأن الجمعة على من آواه الليل، وبأن الجمعة على من بات أهله لإمكان إقامة هؤلاء الجمعة بمراجعهم، ولا يندب الشارع إلى تحمل المشاق إلا لأمر لا يحصل بدونه، وإذا أمكن حصوله بدونه، فالأولى اختيار الأهون عليه، كما ورد في الحديث الصحيح: ((ما خير رسول الله بين أمرين إلا اختار أيسرهما)). فتح الباري، ج: ۲، ص: ۳۸۵، و عمدة القاري، ج: ۵، ص: ۵۵، و إعلاء السنن، ج: ۸، ص: ۳۹.

ابن الزبير، عن عائشة زوج النبي ﷺ قالت: كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالي فيأتون في الغبار فيصيبهم الغبار والعرق، فيخرج منهم العرق فأتى رسول الله ﷺ انسان منهم وهو عندى فقال النبي ﷺ: ((لو أنكم تطهرتم ليومكم هذا.)) [55]

حدیث کا مفہوم

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ لوگ جمعہ کے دن اپنے گھروں اور عوالی سے باری باری آتے تھے، وہ گرد میں چلتے تو انہیں گرد لگ جاتی اور پسینہ بہنے لگتا، ان میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ اس وقت میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فرمایا "**لو أنكم تطهرتم ليومكم هذا**" کاش تم آج کے روز صفائی حاصل کرتے یعنی غسل کرلیا کرتے۔

ينتابون الجمعة من منازلهم، جمعہ پڑھنے آنے کے لئے اپنی منازل سے باریاں مقرر کرتے تھے "**والعوالي**" اور عوالی سے۔

فيأتون في الغبار فيصيبهم الغبار والعرق، فيخرج منهم العرق، پسینہ نکلتا تھا تو بو پھیلتی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا "**لو انكم تطهرتم ليومكم هذا**" آج کے روز غسل کرلیا کرو۔

منشأ بخاری

اس حدیث کو یہاں لانے کا امام بخاری رحمہ اللہ کا منشأ یہ ہے کہ عوالی سے لوگ جمعہ کے لئے آتے تھے، لیکن ساتھ یہ ہے کہ باری باری آتے تھے، معلوم ہوا کہ ہر ایک کے لئے آنا فرض عین نہیں تھا، اگر فرض عین ہوتا تو پھر ہر ایک آتا۔

یہ برابر کی بستیاں تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بستیاں فناءِ شہر سے باہر ہوں تو وہاں کے باشندوں پر جمعہ فرضِ عین نہیں ہے۔

---

[55] وفي صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب وجوب غسل الجمعة على كل بالغ من الرجال وبيان ما أمروا به، رقم: ۱۳۹۸، وسنن النسائي، كتاب الجمعة، باب الرخصة في ترك الغسل يوم الجمعة، رقم: ۱۳۶۴، وسنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب الرخصة في ترك الغسل يوم الجمعة، رقم: ۲۹۸، وكتاب الصلاة، باب من تجب عليه الجمعة، رقم: ۸۹۱.

(۱۶) باب: وقت الجمعة إذا زالت الشمس،

جمعہ کا وقت آفتاب ڈھل جانے پر ہوتا ہے

وكذا يذكر عن: عمر، و علي، والنعمان بن بشير، و عمرو بن حريث ﷺ.

جمعہ کا وقت کب سے شروع ہوتا ہے

یہاں سے امام بخاری رحمہ اللہ جمعہ کے وقت کے بارے میں جمہور کے مسلک کی تائید کرنا چاہتے ہیں۔

جمہور کے نزدیک جمعہ کا وہی وقت ہے جو ظہر کا ہے یعنی زوال کے متصل بعد شروع ہوتا ہے اور اسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک ظہر کا وقت باقی رہتا ہے۔[۵۶]

امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس مسئلہ میں جمہور سے اختلاف کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جمعہ کا وقت زوال سے پہلے بھی شروع ہو جاتا ہے۔[۵۷]

۹۰۳ ـ حدثنا عبدان قال: أخبرنا عبد الله قال: أخبرنا يحيى بن سعيد أنه سأل عمرة عن الغسل يوم الجمعة؟ فقالت: قالت عائشة رضي الله عنها: كان الناس مهنة أنفسهم وكانوا إذا راحوا إلى الجمعة راحوا في هيئتهم، فقيل لهم: «لو اغتسلتم». [أنظر: ۲۰۷۱]

۹۰۴ ـ حدثنا سريج بن النعمان قال: حدثنا فليح بن سليمان، عن عثمان بن عبد الرحمن بن عثمان التيمي، عن أنس بن مالك رضي الله عنه: أن النبي ﷺ كان يصلي الجمعة حين تميل الشمس.

۹۰۵ ـ حدثنا عبدان قال: أخبرنا عبد الله قال: أخبرنا حميد، عن أنس بن مالك قال: كنا نبكر بالجمعة ونقيل بعد الجمعة. [أنظر: ۹۴۰]

امام احمد بن حنبلؒ کا استدلال

انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے "كنا نبكر بالجمعة ونقيل بعد الجمعة" کہ ہم

۵۶، ۵۷ فیض الباری، ج: ۲، ص: ۳۳۴.

دو پہر کا کھانا جمعہ کے بعد کھاتے تھے اور قیلولہ جمعہ کے بعد کرتے تھے۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ " **غدا** " عربی میں اس کھانے کو کہا جاتا ہے جو زوال سے پہلے کھایا جائے اور قیلولہ کھانے کے بعد آرام کرنے کو کہتے ہیں۔ تو جمعہ کے بعد غدا اور قیلولہ کا مطلب یہ ہوا کہ جمعہ زوال سے پہلے ہوتا تھا ورنہ زوال کے بعد کے کھانے کو غدا نہیں کہتے، لہٰذا پتہ چلا کہ جمعہ زوال سے پہلے بھی پڑھ سکتے ہیں۔

جمہور کا مسلک اور ان کی دلیل

امام بخاری رحمہ اللہ اس کے مقابلے میں یہاں حدیث لائے ہیں " **كانوا إذا راحوا إلى الجمعة راحوا في هيئتهم** " جب وہ جمعہ کے لئے جاتے تو اپنی میلے کچیلے کپڑوں میں جاتے تھے۔

یہاں جانے کے لئے " **راح** " استعمال فرمایا ہے اور " **راح یروح** " زوال کے بعد جانے کے لئے استعمال ہوتا ہے، تو جمعہ کے لئے " **راح** " کا لفظ استعمال فرمایا۔ معلوم ہوا کہ زوال کے بعد جاتے تھے، اگر زوال سے پہلے جاتے تو پھر راح کا لفظ استعمال نہ فرماتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث روایت کر کے ترکی بہ ترکی جواب دیا ہے کہ اگر وہ " **غداء** " کے لفظ سے استدلال کرتے ہیں تو دوسری طرف " **راح** " کا لفظ بھی موجود ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں الفاظ سے استدلال بہت کمزور ہے، کیونکہ لفظ کا ایک حقیقی معنی ہوتا ہے جس کے لئے اسے شروع میں وضع کیا گیا ہوتا ہے، جو لغت میں لکھا ہوتا ہے، لیکن جب اس لفظ کو عام استعمال میں بولا جاتا ہے تو عام استعمال میں بہت زیادہ توسع ہوتا ہے اور ان دقائق کا خیال نہیں رکھا جاتا، اس لئے اگرچہ **غداء** اصل میں زوال سے پہلے کے کھانے کے لئے وضع کیا گیا ہے، لیکن اگر زوال کے بعد کھا رہے ہیں تو جیسے اردو میں " دوپہر کا کھانا " کہتے ہیں چاہے سہ پہر میں کھا رہے ہوں۔ دوپہر کا کھانا عام طور پر ایک بجے ختم ہو جاتا ہے، اگر تین بجے کھائیں تب بھی دوپہر کا کھانا ہی کہا جاتا ہے، حالانکہ وہ سہ پہر ہو گیا، تو یہ " **توسع** " ہو گیا۔

اسی طرح " **رواح** " کا لفظ اصل میں شام کو جانے کو کہتے ہیں، لیکن آج عرب و حجاز میں جا کر دیکھیں ہر وقت جانے کے لئے " **رواح** " کا لفظ استعمال کرتے ہیں، اگر صبح سویرے جانے کا کہیں تب بھی " **رُح** " کہتے ہیں یعنی جاؤ، حالانکہ صبح کے لئے بولتے ہیں، یہاں تک کہ یوں کہتے ہیں " **سوف أسافر بكرةً بالليل** " کل رات جاؤں گا۔ اب رات بھی کہہ رہے ہیں اور صبح بھی، تو یہ " **توسع** " ہے۔ اس لئے لغوی معنی کو پکڑ کر بیٹھنا درست نہیں، لہٰذا دونوں استدلال محل نظر ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے اور کوئی ایسی حدیث نہیں ہے جو جمعہ کے وقت کو ظہر کے وقت سے ممتاز کر سکے، لہٰذا جب جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے تو ظہر کے تمام احکام اس پر عائد

ہوں گے، منجملہ اس کے وقت بھی ہے۔ اگر امام احمد بن حنبلؒ زوال سے پہلے کی کوئی دلیل پیش کریں تو پھر بات بنے گی، لیکن غداء والی دلیل کافی نہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے دلائل میں صرف ایک روایت ایسی ہے جو بظاہر صریح معلوم ہوتی ہے، جو مسند احمدؒ میں حضرت عبداللہ بن سیدانؓ سے مروی ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں کہ میں حضرت عمرؓ کے ساتھ جمعہ میں شریک ہوا وہ اس وقت جمعہ پڑھتے تھے جب زوال ہو چکا ہوتا تھا۔ حضرت صدیق اکبرؓ اس وقت جمعہ پڑھتے تھے جب زوال ہو رہا ہوتا تھا اور حضور ﷺ اس وقت جمعہ پڑھتے تھے جب زوال نہیں ہوا ہوتا تھا۔[۵۸]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر اس دلیل کو رد کر دیا کہ عبداللہ بن سیدانؓ صحابی نہیں، تابعی ہیں، لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے۔

لیکن حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ عبداللہ بن سیدان صغار صحابہؓ میں سے ہیں، اس لئے یہ حدیث مرسل نہیں بلکہ صحیح ہے، البتہ اس کی توجیہ یہ ہے کہ یہ معنی نہیں ہیں کہ حقیقۃً زوال سے پہلے پڑھتے تھے بلکہ مقصود یہ ہے کہ حضرت عمرؓ ایسے وقت میں پڑھتے تھے جب کسی کو یہ شبہ نہیں ہوتا تھا کہ یہ زوال کے بعد کا وقت ہے، صدیق اکبرؓ ایسے وقت میں پڑھتے تھے کہ حقیقۃً تو زوال کے بعد کا وقت ہوتا تھا لیکن بعض لوگوں کو شبہ ہوتا تھا کہ شاید اب زوال ہو رہا ہے، اور حضور ﷺ زوال کے بعد اتنی جلدی پڑھتے تھے کہ لوگوں کو شبہ ہوتا تھا کہ شاید ابھی زوال ہوا ہی نہیں ہے۔

کنا نبکر بالجمعة.

تبکیر کا مفہوم

علامہ عینی رحمہ اللہ نے علامہ کرمانی رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ باتفاق ائمہ تبکیر کے معنی ہر جگہ اول النہار نہیں ہوتے، جوہری نے کہا ہے کہ ہر چیز کی طرف جلدی کرنا تبکیر ہے، خواہ وہ کسی وقت بھی ہو، مثلاً نماز مغرب میں جلدی کرنے کے لئے بھی تبکیر بولا جاتا ہے، لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی تعرض نہیں ہے، اور جس نے تبکیر کے ظاہری لفظ سے نماز جمعہ قبل زوال کے لئے استدلال کیا ہے وہ بھی اس سے رد ہو گیا۔[۵۹]

خلاصہ یہ ہے کہ حقیقۃً سب زوال کے بعد پڑھتے تھے اور تمام روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے جیسا کہ آگے حضرت انسؓ کی روایت آ رہی ہے۔

---

۵۸ المغني لابن قدامة، ج: ۲، ص: ۱۰۵.

۵۹ عمدة القاري، ج: ۵، ص: ۵۹.

(۱۷) باب إذا اشتد الحر یوم الجمعة

جمعہ کے دن اگر سخت گرمی ہو

۹۰۲ ـ حدثنا محمد بن أبی بکر المقدمی قال : حدثنی حرمی بن عمارة قال : حدثنا أبو خلدة ـ وهو خالد بن دینار ـ قال : سمعت أنس بن مالک یقول : کان النبی ﷺ إذا اشتد البرد بکر بالصلاة ، و إذا اشتد الحر أبرد بالصلاة ـ یعنی : الجمعة ـ .

وقال یونس بن بکیر : أخبر أبو خلدة وقال : بالصلاة ، ولم یذکر الجمعة .

وقال بشر بن ثابت : حدثنا أبو خلدة قال: صلی بنا أمیر الجمعة ، ثم قال لأنس رضی الله عنه : کیف کان النبی ﷺ یصلی الظهر.

حضرت ابوخلدہؒ کہتے ہیں کہ ہمیں ایک امیر نے جمعہ کی نماز پڑھائی ۔ یہ امیر حجاج بن یوسف کا بھتیجا تھا اور اپنے چچا کی طرح لمبا خطبہ دیا کرتا تھا یہاں تک کہ دیر ہوجایا کرتی تھی ۔

اس امیر نے حضرت انسؓ سے کہا کہ ”کیف کان النبی صلی الله علیه وسلم یصلی الظهر“ حضور ﷺ ظہر کیسے پڑھاتے تھے؟

یہاں اس سوال کو لانے کا منشاء یہ ہے کہ نماز تو جمعہ کی پڑھاتے تھے لیکن سوال ظہر کے وقت کے بارے میں کر رہے ہیں ۔ اس سے پتہ چلا کہ لوگ جمعہ اور ظہر کے وقت میں فرق نہیں کرتے تھے، جو وقت ظہر کا ہوتا تھا وہی جمعہ کا بھی ہوتا تھا ۔

(۱۸) باب المشی إلی الجمعة

جمعہ کی نماز کے لئے جانے کا بیان

وقول الله جل ذکره: ﴿فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ [الجمعة: ۹] ومن قال : ”السعی“ : العمل والذهاب، لقوله تعالی : ﴿وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا﴾ [الإسراء: ۱۹] وقال ابن عباس رضی الله عنهما: یحرم البیع حینئذ. وقال عطاء : تحرم الصناعات کلها. وقال إبراهیم بن سعد عن الزهری : إذا أذن المؤذن یوم الجمعة وهو مسافر فعلیه أن یشهد.

”سعی إلی الجمعة“ کا مطلب

”فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ“ کی تفسیر بیان کرنا چاہتے ہیں ۔ مقصود یہ ہے کہ یہاں اگرچہ سعی کا لفظ استعمال

ہوا ہے لیکن اس کا مطلب دوڑ نا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد چلنا اور جانا ہے یعنی "**مشي إلى الجمعة.**"

ومن قال: اور "**السعي**" عمل اور جانے کو کہتے ہیں **لقوله تعالىٰ: "وسعى لها سعيها."** یہاں دوڑ نا مراد نہیں ہے بلکہ مطلق عمل مراد ہے۔

کیا مسافر پر سعی واجب ہے

وقال ابن عباس: يحرم البيع حينئذ، وقال عطاء: تحرم الصناعات كلها. اذان کے بعد ہر کام ناجائز ہے۔ **وقال ابراهيم بن سعد عن الزهري: إذا أذن المؤذن يوم الجمعة وهو مسافر فعليه أن يشهد.**

امام زہریؒ کا پہلا قول

امام زہری رحمہ اللہ سے ایک قول یہ منقول ہے کہ اگر کوئی شخص مسافر ہے اور حالت سفر میں اس نے جمعہ کی اذان سن لی تو اس پر جمعہ واجب ہے۔

جمہور کا مذہب

جمہور کہتے ہیں کہ مسافر پر جمعہ واجب نہیں، البتہ اس کے لئے بہتر ہے کہ وہ جمعہ میں شامل ہو جائے لیکن اگر جمعہ نہ پڑھے تو کوئی گناہ نہیں ہے۔

امام زہریؒ کا دوسرا قول

ولید بن مسلم نے امام اوزاعی رحمہ اللہ کے طریق سے امام زہریؒ کا مذہب بھی جمہور کی طرح نقل کیا ہے کہ مسافر پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

امام زہریؒ کے دونوں قولوں میں تطبیق

امام زہری رحمہ اللہ سے چونکہ دونوں قول مروی ہیں، لہٰذا یہ تطبیق دی جا سکتی ہے کہ جہاں انہوں نے مسافر کو جمعہ پڑھنے کے لئے کہا ہے وہاں استحباب اور افضلیت کا بیان ہے اور جہاں چھوڑنے کی اجازت دی ہے وہاں عدم وجوب اور رخصت کا بیان مقصود ہے۔[۱۰]

---

۱۰ عمدة القاري، ج:۵، ص:۲۳.

سوال: سعی کب واجب ہوتی ہے؟

جواب: اذان اول کے متصل بعد سعی واجب ہو جاتی ہے۔ [۲۱]

۹۰۷ - حدثنا علي بن عبدالله قال: حدثنا الوليد بن مسلم قال: حدثنا يزيد بن أبي مريم قال: حدثنا عباية بن رفاعة قال: أدركني أبو عبس و أنا أذهب إلى الجمعة فقال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((من اغبرت قدماه في سبيل الله حرمه الله على النار)). [انظر: ۲۸۱۱] [۲۲]

ترجمہ

عبایہ بن رفاعہ روایت کرتے ہیں کہ میں جمعہ کی نماز کے لئے جا رہا تھا تو مجھ سے ابوعبس ملے اور کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس کے دونوں پاؤں راہ خدا میں غبار آلود ہوں اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ **"في سبيل الله"** میں جمعہ کے لئے جانا بھی داخل ہے۔

۹۰۸ - حدثنا آدم قال: حدثنا ابن أبي ذئب قال: حدثنا الزهري: عن سعيد و أبي سلمة، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ. ح و حدثنا أبو اليمان قال: أخبرنا شعيب عن الزهري قال: أخبرني أبو سلمة بن عبدالرحمن أن أبا هريرة قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((إذا أقيمت الصلاة فلا تأتوها تسعون، وأتوها تمشون، و عليكم السكينة، فما أدركتم فصلوا، وما فاتكم فأتموا)). [راجع: ۶۳۶]

۹۰۹ - حدثنا عمرو بن علي قال: حدثنا أبو قتيبة قال: حدثنا علي بن المبارك عن يحيى بن أبي كثير: عن عبد الله بن أبي قتادة، قال أبو عبد الله: لا أعلمه إلا عن

---

[۲۱] ويجب السعي وترك البيع بالأذان الأول. قال الطحاوي يجب السعي ويكره البيع عند أذان المعتبر وقال الحسن بن زياد المعتبر هو الأذان على المنارة والأصح أن كل أذان يكون قبل الزوال فهو غير معتبر والمعتبر أول الأذان بعد الزوال سواء كان على المنبر أو على الزوراء كذا في الكافي، كذا في الفتاوى العالمگيرية، ج: ۱، ص: ۱۴۹.

[۲۲] وفي سنن الترمذي، كتاب فضائل الجهاد عن رسول الله، باب ماجاء في فضل من اغبرت قدماه في سبيل الله، رقم: ، وسنن النسائي، كتاب الجهاد، باب ثواب من اغبرت قدماه في سبيل الله، رقم: ۳۰۲۵، و مسند أحمد، مسند المكثرين، باب حديث أبي عبس، رقم: ۱۵۳۶۰.

أبيه. [راجع: ٦٣٦]

"وعليكم السكينة" سے یہ بتادیا کہ سعی سے دوڑ کر جانا مراد نہیں ہے، بلکہ اطمینان سے جانا چاہئے۔ [۶۳]

إذا أقيمت الصلاة ....الخ

امام اور مقتدی اقامت کے وقت کب کھڑے ہوں اس پر حضور ﷺ اور صحابہ ﷺ کا تعامل، تعامل خلفائے راشدین ﷺ اور ائمہ اربعہ کا مذہب ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب الاذان، رقم: ٦٣٦۔ [۶۴]

(۱۹) باب: لا يفرق بين اثنين يوم الجمعة

جمعہ کے دن دو آدمیوں کو جدا کر کے ان کے درمیان نہ بیٹھے

۹۱۰ - حدثنا عبدان قال: أخبرنا عبدالله قال: أخبرنا ابن أبي ذئب، عن سعيد المقبري عن أبيه، عن ابن وديعة، عن سلمان الفارسي قال: قال رسول الله ﷺ: ((من اغتسل يوم الجمعة وتطهر بما استطاع من طهر، ثم ادهن أو مس من طيب، ثم راح فلم يفرق بين اثنين، فصلى ما كتب له، ثم إذا خرج الإمام أنصت، غفر له ما بينه و بين الجمعة الأخرى)). [راجع: ۸۸۳]

فلم يفرّق بين اثنين. سے مراد یہ ہے کہ "تخطیٔ رقاب" نہ کرے، دو آدمیوں کے درمیان چیر کر جانا یا کسی شخص کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا، جائز نہیں۔

(۲۰) باب: لا يقيم الرجل أخاه يوم الجمعة ويقعد مكانه

کوئی شخص جمعہ کے دن اپنے بھائی کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نہ بیٹھے

۹۱۱ - حدثنا محمد قال: أخبرنا مخلد بن يزيد قال: أخبرنا ابن جريج قال: سمعت نافعا يقول: سمعت ابن عمر رضي الله عنهما يقول: نهى النبي ﷺ أن

---

[۶۳] وسرعة المشي والعدو إلى المسجد لا تجب عندنا وعند عامة الفقهاء واختلف في استحبابه والأصح أن يمشي على السكينة والوقار كذا في القنية، الفتاوى العالمگيرية، ج: ۱، ص: ۱۴۹.

[۶۴] انعام الباری، ج:۳، ص:۳۹۶۔

يقيم الرجل الرجل من مقعده ويجلس فيه . قلت لنافع : الجمعة ؟ قال : الجمعة وغيرها . [انظر : ۶۲۶۹ ، ۶۲۷۰]

ترجمہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا اس بات سے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کو ہٹا کر اس کی جگہ پر بیٹھے۔ میں نے نافع سے پوچھا کہ کیا یہ جمعہ کو حکم ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جمعہ اور غیر جمعہ دونوں کا یہی حکم ہے۔

(۲۱) باب الأذان يوم الجمعة

جمعہ کے دن اذان دینے کا بیان

۹۱۲ ـ حدثنا آدم قال : حدثنا ابن أبي ذئب ، عن الزهري ، عن السائب بن يزيد قال : كان النداء يوم الجمعة أوله إذا جلس الإمام على المنبر على عهد النبي ﷺ و أبي بكر وعمر رضي الله عنهما . فلما كان عثمان رضي الله عنه وكثر الناس زاد النداء الثالث على الزوراء . [انظر : ۹۱۳، ۹۱۵، ۹۱۶]

قال أبو عبد الله : الزوراء موضع بالسوق بالمدينة.

ترجمہ: سائب بن یزید روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں جمعہ کے دن پہلی اذان اس وقت کہی جاتی تھی، جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے تیسری اذان مقام زوراء میں زیادہ کی۔

قال أبو عبد الله : الزوراء موضع بالسوق بالمدينة.

ابوعبداللہ (امام بخاری) رحمہ اللہ نے کہا کہ زوراء مدینہ کے بازار میں ایک مقام ہے۔

(۲۲) باب المؤذن الواحد يوم الجمعة

جمعہ کے دن ایک مؤذن کے اذان دینے کا بیان

۹۱۳ ـ حدثنا أبو نعيم قال : حدثنا عبد العزيز بن أبي سلمة الماجشون عن الزهري ، عن السائب بن يزيد : أن الذي زاد التاذين الثالثة يوم الجمعة وعثمان بن عفان

رضي الله عنه حين كثر أهل المدينة ولم يكن للنبي ﷺ مؤذن غير واحد، وكان التأذين يوم الجمعة حين يجلس الإمام ـ يعني : على المنبر ـ . [راجع: ۹۱۲]

ترجمہ: سائب بن یزید روایت کرتے ہیں کہ جب اہل مدینہ کی تعداد زیادہ ہوگئی تو اس وقت جمعہ کے دن تیسری اذان کا جنہوں نے اضافہ کیا وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بجز ایک کے کوئی مؤذن نہ ہوتا تھا، اور جمعہ کے دن اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھتا تھا۔

(۲۳) باب : يجيب الإمام على المنبر إذا سمع النداء

جب اذان کی آواز سنے تو امام منبر پر جواب دے

۹۱۴ ـ حدثنا ابن مقاتل قال: أخبرنا عبدالله قال : أخبرنا أبو بكر بن عثمان بن سهل بن حنيف ، عن أبي أمامة بن سهل بن حنيف قال : سمعت معاوية بن أبي سفيان وهو جالس على المنبر أذن المؤذن فقال : الله اكبر، الله اكبر. قال معاوية : الله اكبر، الله اكبر. فقال : أشهد أن لا اله إلا الله. قال معاوية : وأنا. فلما قال : أشهد أن محمداً رسول الله ، قال معاوية : وأنا . فلما أن قضى التأذين ، قال : يا أيها الناس، إني سمعت رسول الله ﷺ على هذا المجلس حين أذن المؤذن يقول ماسمعتم مني من مقالتي. [راجع: ۹۱۲]

یعنی منبر پر بیٹھے تھے، اذان ہو رہی تھی اور اذان کا جواب دے رہے تھے اور پھر حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا کہ حضور ﷺ نے بھی اذان کا جواب دیا تھا۔

اذان ثانی کا جواب

معلوم ہوا کہ اذان ثانی کا جواب دینا چاہئے، مقتدی جواب دے یا نہ دے، حنفیہ کے دونوں قول ہیں۔ ہمارے بزرگوں نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ زور سے جواب نہ دے بلکہ دل ہی دل میں جواب دے، کیونکہ حدیث میں ہے "إذا خرج الإمام فلا صلوة ولا كلام."

(۲۴) باب الجلوس على المنبر عند التأذين

اذان دیتے وقت منبر پر بیٹھنے کا بیان

۹۱۵ ـ حدثنا يحيى بن بكير قال : حدثنا الليث ، عن عقيل ، عن ابن شهاب أن

السائب بن يزيد أخبره : أن التأذين الثاني يوم الجمعة أمر به عثمان بن عفان حين كثر أهل المسجد ، و كان التأذين يوم الجمعة حين يجلس الإمام . [راجع: ۹۱۲]

أن التأذين الثاني يوم الجمعة أمر به عثمان بن عفان حين كثر أهل المسجد.

یہ دوسری اضافہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے کیا تھا، اوراذان امام کے منبر پر بیٹھنے کے وقت ہوتی تھی۔

و كان التأذين يوم الجمعة حين يجلس الإمام .

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں **"و كان التأذين يوم الجمعة"** سے مراد یہ ہے کہ جمعہ کی اذان دوسرے دنوں کی اور دوسری نمازوں کے خلاف طریقہ مشروع ہوئی ہے کہ اور دنوں میں اور دوسری سب نمازوں کے لئے اذان ونماز کے درمیان کچھ وقفہ ہوتا ہے لیکن جمعہ کی اذان خطبہ سے متصلا ہوتی ہے اور خطبہ نماز جمعہ ہی کا ایک حصہ ہے اور یہ اذان ثانی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مجتہدات میں سے ہے جس کا امت میں توارث اور تعامل ہوگیا ہے۔[۶۵]

(۲۵) باب التأذين عند الخطبة

خطبہ کے وقت اذان کہنے کا بیان

۹۱۶ ـ حدثنا محمد بن مقاتل قال : أخبرنا عبد الله قال : أخبرنا يونس عن الزهري قال : سمعت السائب بن يزيد يقول : إن الأذان يوم الجمعة كان أوله حين يجلس يوم الجمعة على المنبر في عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وعمر رضي الله عنهما . فلما كان في خلافة عثمان رضي الله عنه وكثروا أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث فأذن به على الزوراء ((فثبت الأمر على ذلك)) . [راجع : ۹۱۲]

فثبت الأمر على ذلك . سے مراد دو اذانوں اور ایک اقامت کا طریقہ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قائم ہوا تھا، اس پر تمام بلاد اسلام میں سلف وخلف کا اجماع ہے۔[۶۶]

---

۶۵ فیض الباری ، ج:۲، ص:۳۳۶.

۶۶ عمدۃ القاری، ج:۵، ص:۷۷۔

(۲۶) باب الخطبة على المنبر،

منبر پر خطبہ پڑھنے کا بیان

وقال أنس: خطب النبي ﷺ على المنبر.

۹۱۷ ـ حدثنا قتيبة بن سعيد قال : حدثنا يعقوب بن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللّٰه بن عبدالقاری القرشي الإسكندراني قال : حدثنا أبو حازم بن دينار : أن رجالا أتوا سهل بن سعد الساعدي و قد امتروا في المنبر مم عودة؟ فسألوه عن ذلك فقال: واللّٰه إني لأعرف مما هو. ولقد رأيته أول يوم وضع ، وأول يوم جلس عليه رسول اللّٰه ﷺ . أرسل رسول اللّٰه ﷺ الى فلانة ، امرأة من الأنصار قد سماها سهل : ((مري غلامك النجار أن يعمل لي أعوادا أجلس عليهن إذا كلمت الناس)) ، فأمرته . فعملها من طرفاء الغابة ثم جاء بها ، فأرسلت إلى رسول اللّٰه ﷺ فأمربها فوضعت ها هنا . ثم رأيت رسول اللّٰه ﷺ صلى عليها و كبر وهو عليها ثم ركع وهو عليها، ثم نزل القهقرى فسجد في أصل المنبر، ثم عاد . فلما فرغ أقبل على الناس فقال : ((أيها الناس، إنما صنعت هذا لتأتموا بي، ولتعلموا صلاتي)) . [راجع: ۳۷۷]

مري غلامك النجار أن يعمل لي أعوادا أجلس عليهن إذا كلمت الناس، فأمرته . فعملها من طرفاء الغابة ثم جاء بها .

اس مسئلہ میں جھگڑ رہے ہیں کہ یہ ممبر کس لکڑی کا بنا ہوا تھا۔

"طرفاء الغابة" یعنی وہ جھاؤ کے درخت سے بنایا گیا تھا جو غابہ کے مقام سے لایا گیا تھا۔

غـابة "بن" کو کہتے ہیں یعنی ایسی جگہ جہاں پر گھنے درخت ہوں، لیکن غابہ کے نام سے مدینہ طیبہ میں ایک جگہ بھی تھی، یہاں وہ مراد ہے۔

ثم رأيت .... أيها الناس، إنما صنعت هذا لتأتموا بي، ولتعلموا صلاتي.

یہ عمل نبی کریم ﷺ نے اس لئے فرمایا تا کہ تمام صحابہ کرام ؓ آپ کی نماز کی کیفیت دیکھ سکیں جب آپ ﷺ نیچے کھڑے ہوتے تھے جو روزمرہ کا معمول تھا تو صرف صف اول والے تو دیکھ لیتے تھے، لیکن پیچھے کے لوگ اچھی طرح نہیں دیکھ پاتے تھے۔ تو آپ ﷺ نے یہ عمل کیا تا کہ سب لوگ دیکھ لیں۔

عمل قلیل مفسد صلوۃ نہیں

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قلیل عمل مفسدِ صلوۃ نہیں۔ چنانچہ ایک دو قدم چلنا مفسد صلوۃ نہیں اور ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ منبر کی دوسری سیڑھی پر کھڑے تھے اور نیچے اترنے کے لئے آپ ﷺ کو صرف دو قدم پیچھے ہٹنا پڑا، تو دو قدم آگے یا پیچھے ہو جائے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی، یہ عمل قلیل میں داخل ہے۔[۶۷]

۹۱۸ ۔ حدثنا سعید بن أبی مریم قال: حدثنا محمد بن جعفر قال: أخبرنی یحییٰ ابن سعید قال: أخبرنی ابن أنس أنه سمع جابر بن عبدالله قال: کان جذع یقوم علیه النبی ﷺ فلما وضع له المنبر سمعنا للجذع مثل أصوات العشار حتی نزل النبی ﷺ فوضع یده علیه. [راجع: ۴۴۹]

وقال سلیمان عن یحیی: أخبرنی حفص بن عبیدالله بن أنس أنه سمع جابر بن عبدالله.

عشار، اس اونٹنی کو کہتے ہیں جو دس مہینے کی گابھن ہو، یعنی وہ ستون اس اونٹنی کی طرح چیخ رہا تھا۔

(۲۷) باب الخطبة قائماً

کھڑے ہوکر خطبہ دینے کا بیان

وقال أنس: بینا النبی ﷺ یخطب قائما.

۹۲۰ ۔ حدثنا عبیدالله بن عمر القواریری قال: حدثنا خالد بن الحارث قال: حدثنا عبیدالله بن عمر، عن نافع، عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: کان النبی ﷺ یخطب قائما ثم یقعد، ثم یقوم کما تفعلون الآن. [انظر: ۹۲۸][۶۸]

---

۶۷ قلت: أما مذهب أبی حنیفة فی هذا ماذکره صاحب " البدائع " فی بیان العمل الکثیر الذی یفسد الصلاة والقلیل الذی لایفسدها: فالکثیر ما یحتاج فیه الی استعمال الیدین، والقلیل مالایحتاج فیه الی ذلک الخ، عمدة القاری ج:۳، ص:۶۰۶.

۶۸ وفی صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب ذکر الخطبتین قبل الصلاة وما فیهما من الجلسة، رقم: ۱۴۲۵، وسنن الترمذی، کتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء فی الجلوس بین الخطبتین، رقم: ۴۶۴، وسنن النسائی، کتاب الجمعة، باب الفصل بین الخطبتین بالجلوس، رقم: ۱۳۹۹، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الجلوس إذا صعد المنبر، رقم: ۹۲۱، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۶۸۳، ۵۳۹۹، ۵۳۶۸، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب القعود بین الخطبتین، رقم: ۱۵۱۳.

خطبہ کی شرعی حیثیت

خطبہ کھڑے ہو کر دینا مسنون ہے، یہ بات متفق علیہ ہے۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ خطبہ کھڑے ہو کر دینا واجب ہے بلکہ خطبہ کی صحت کی شرط ہے، اگر بیٹھ کر خطبہ دے گا تو خطبہ ہی نہیں ہوگا۔[۶۹]

حنفیہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کھڑے ہو کر خطبہ دینا خطبہ کی شرط نہیں ہے۔[۷۰]

حضور اقدس ﷺ کا عمل اگر چہ کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا تھا، لیکن اس سے آپ ﷺ کا عمل ثابت ہوتا ہے، وجوب ثابت نہیں ہوتا، جو حدیث پیچھے گزری ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ واجب نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ممبر بنواتے وقت فرمایا تھا" **مری غلامک النجار أن یعمل لی أعوذا إجلس علیهن إذا کلّمت الناس** "اور آگے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:

(۲۸) باب إستقبال الناس الإمام إذا خطب

لوگوں کا امام کی طرف منہ کر کے بیٹھنے کا بیان

واستقبل ابن عمر و أنس رضي اللہ عنهم الإمامة.

۹۲۱ ۔ حدثنا معاذ بن فضالة قال: حدثنا هشام، عن یحیی عن هلال بن أبی میمونة: حدثنا عطاء بن یسار أنه سمع أباسعید الخدری قال: إن النبی ﷺ جلس ذات یوم علی المنبر وجلسنا حوله. [انظر: ۱۴۶۵، ۲۸۴۲، ۶۴۲۷]

اس میں ہے کہ " **جلس ذات یوم علی المنبر و جلسنا حوله** " یہاں بھی جلوس ثابت ہے، اگر چہ جمعہ کا ذکر نہیں ہے، لیکن فی الجملہ **جلوس علی المنبر** ثابت ہوتا ہے۔

(۲۹) باب من قال فی الخطبة بعد الثناء: أما بعد،

اس شخص کا بیان جس نے ثناء کے بعد خطبہ میں أمّا بعد کہا

رواه عکرمة، عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیه وسلم.

---

۶۹ المجموع، ج:۴، ص:۳۳۳.

۷۰ بدائع الصنائع، ج:۱، ص:۲۶۳.

خطبہ میں "اما بعد" کہنا بھی سنت ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ ایسی بہت ساری حدیثیں لے کر آئے ہیں جن میں حضور ﷺ نے "اما بعد" فرمایا ہے اور مقصود بالترجمہ صرف "اما بعد" ہے۔

۹۲۲ ــ وقال محمود: حدثنا أبو أسامة قال: حدثنا هشام بن عروة قال: أخبرتني فاطمة بنت المنذر، عن أسماء بنت أبي بكر الصديق قالت: دخلت على عائشة والناس يصلون، قلت: ما شأن الناس؟ فأشارت برأسها إلى السماء. فقلت: آية؟ فأشارت برأسها: أي نعم. قالت: فأطال رسول الله ﷺ جدا حتى تجلاني الغشي وإلى جنبي قربة فيها ماء ففتحتها، فجعلت أصب منها على رأسي. فانصرف رسول الله ﷺ وقد تجلت الشمس، فخطب الناس فحمد الله بما هو أهله. ثم قال: ((أما بعد)). قالت: ولغط نسوة من الأنصار فانكفأت إليهن لأسكتهن. فقلت لعائشة. ما قال؟ قالت: قال: ((ما من شيء لم أكن أريته إلا وقد رأيته في مقامي هذا حتى الجنة والنار. وإنه قد أوحي إلي أنكم تفتنون في القبور مثل أو قريبا من فتنة المسيح الدجال، يؤتى أحدكم فيقال له: ما علمك بهذا الرجل؟ فأما المؤمن ــ أو قال: ((الموقن)) شك هشام ــ فيقول: هو رسول الله، هو محمد ﷺ جاء نا بالبينات والهدى فآمنا وأجبنا واتبعنا وصدقنا، فيقال له: نم صالحا، قد كنا نعلم أن كنت لمؤمنا به. وأما المنافق ــ أو قال: ((المرتاب)) شك هشام ــ فيقال له: ما علمك بهذا الرجل؟ فيقول: ((لا أدري، سمعت الناس يقولون شيئا فقلته)).

قال هشام: فلقد قالت لي فاطمة فأوعيته غير أنها ذكرت ما يغلظ عليه.

[راجع: ۸۶].

تشریح

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی، لوگ نماز پڑھ رہے تھے یعنی ایسے وقت نماز پڑھ رہے تھے جس وقت جماعت نہیں ہو رہی تھی۔

میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ **ما شان الناس؟** لوگوں کا کیا معاملہ ہے اس وقت نماز پڑھ رہے ہیں؟ **فأشارت برأسها إلى السماء**، انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، اس وقت کسوف یعنی سورج گرہن ہو رہا تھا۔

فقلت: آية؟ میں نے کہا کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشانی ہے؟

فأشارت برأسها، نعم، تو انہوں نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نشانی ہے۔

قالت: فأطال رسول الله صلى الله عليه وسلم جدًا حتى تجلّاني الغشي. یعنی اتنی لمبی نماز پڑھی کہ مجھے طول قیام کی وجہ سے غشی آنے لگی۔ **والى جنبي قربة فيها ماء ففتحتها، فجعلت أصب منها على رأسي،** برابر میں ایک مشکیزہ تھا، میں اس کو کھول کر اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔

وإنه قد أوحي إلي أنكم تفتنون في القبور مثل أو قريبًا من فتنة المسيح الدجال، يؤتى أحدكم فيقال له: ما علمك بهذا الرجل؟

آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ قبر میں یہ سوال بھی ہوگا کہ **ما علمك بهذا الرجل؟** یعنی حضور ﷺ کے بارے میں سوال ہوگا۔

اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ حضور ﷺ کی شبیہ دکھائی جائے گی اور پوچھا جائے گا۔ لیکن یہ بات کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ شبیہ دکھائی جائے گی۔ صرف اتنا ہے کہ حضور ﷺ کو ذہن میں مستحضر کر کے پوچھا جائے گا۔ اس سے لازم نہیں آتا کہ شبیہ دکھائی جائے گی۔

"**فأوحي إلي أنكم تفتنون في القبور**" مجھے وحی کے ذریعہ بتلایا گیا کہ تمہاری آزمائش تمہاری قبروں میں ہے "**مثل أو قريبًا**" یعنی تمہاری آزمائش ہوگی مسیح دجال کے فتنہ کی طرح یا مسیح دجال کے فتنہ کے قریب، جیسے مسیح دجال کا فتنہ ہے، قبروں میں تمہاری ایسی آزمائش ہوگی۔[1]

بیچ میں حضرت اسماءؓ سے روایت کرنے والی فاطمہؒ ہیں وہ کہہ رہی ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ اسماءؓ نے "**مثل**" کا لفظ کہا تھا یا "**قريبًا**" کا لفظ کہا تھا۔

يقال: پھر آپ نے اس کی شرح فرمائی کہ وہاں قبر میں آزمائش کیسے ہوگی؟

کہا جائے گا: "**ما علمك بهذا الرجل؟**" ان صاحب کے بارے میں تمہاری کیا معلومات ہیں؟

ان صاحب سے مراد حضور اقدس ﷺ ہیں۔

---

[1] حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب سے یہ معلوم ہوا کہ میت کو قبر میں سوال وجواب کے لئے زندہ کیا جائے گا اور اس سے ان لوگوں کا رد ہو گیا جو آیت "قالوا ربنا امتنا اثنتين واحييتنا اثنتين" کی وجہ سے قبر کے احیاء مذکور کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ بظاہر اس سے تین بار حیات و موت معلوم ہوتی ہے جو خلاف نص آیت مذکورہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ قبر کی حیات مستقل ومستقر دنیوی اخروی کی طرح نہ ہوگی، جس میں بدن اور روح کا اتصال، تصرف وغیرہ سب امور ہوتے ہیں، بلکہ قبر میں عارضی چند لمحات روح کا اعادہ صرف سوال وجواب کے لئے ہوگا، لہٰذا روح کا یہ عارضی اعادہ جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے نص قرآنی: "قالوا ربنا امتنا اثنتين واحييتنا اثنتين" خلاف نہ ہوگا، فتح الباری، ج:۳، ص:۲۳۰۔

اب بعض لوگوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ قبر میں حضور اقدس ﷺ کی صورت مبارک دکھائی جائے گی، لیکن یہ بات کسی روایت سے ثابت نہیں۔

زیادہ تر علماء نے یہ کہا کہ چونکہ ہر مسلمان کے دل میں حضور اقدس ﷺ کا تصور ہوتا ہے، لہٰذا اس تصور کی بنیاد پر سوال ہوگا کہ یہ جس کا تصور تمہارے دل میں ہے، یہ کون ہے؟

بعض لوگوں نے کہا یہ سوال صرف مسلمانوں سے ہوگا یا منافقوں سے جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن جو کافر ہیں ان سے یہ سوال نہیں ہوگا۔

بعض نے کہا کہ کافروں سے بھی یہ سوال ہوگا لیکن ہوسکتا ہے کہ وہاں یا تو حضور اقدس ﷺ کی صورت دکھائی جائے یا آپ ﷺ کا اسم گرامی بتایا جائے کہ محمد ﷺ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

"فأما المؤمن أو الموقن" جہاں تک مؤمن کا تعلق ہے، فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں مجھے یاد نہیں رہا کہ حضرت اسماءؓ نے **"مؤمن"** کا لفظ کہا تھا یا **"موقن"** کا۔

فیقول: "هو رسول الله، هو محمد ﷺ "وہ کہے گا یہ حضور اقدس ﷺ ہیں" **جاء نا بالبينات والهدى، فأجبنا واتبعنا"** تین مرتبہ وہ یہ بات کہے گا کہ یہ محمد (ﷺ) ہیں۔

فيقال: "نم صالحا" کہا جائے گا کہ سوجاؤ صلاح کے ساتھ۔

قال هشام: فلقد قالت لي فاطمة فأوعيته غير أنها ذكرت ما يغلظ عليه.

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے مجھے یہ حدیث بیان کی تھی **"فأوعيته"** میں نے اس کو یاد رکھا **"غير أنها ذكرت ما يغلظ عليه"** البتہ انہوں نے کچھ باتیں تغلیظ کی بیان کی تھیں کہ جب کافروں کے ساتھ تغلیظ ہوگی۔ مجھے وہ باتیں یاد نہیں رہیں۔

۹۲۳۔ حدثنا محمد بن معمر قال: حدثنا أبو عاصم، عن جرير بن حازم قال: سمعت الحسن يقول: حدثنا عمرو بن تغلب: أن رسول الله ﷺ أتي بمال أو بشيء فقسمه فأعطى رجالا وترك رجالا فبلغه أن الذين ترك عتبوا، فحمد الله وأثنى عليه ثم قال: «أما بعد، فوالله إني لأعطي الرجل وأدع الرجل، والذي أدع أحب إلي من الذي أعطي، ولكني أعطي أقواما لما أرى في قلوبهم من الجزع والهلع. وأكل أقواما إلى ما جعل الله في قلوبهم من الغنى والخير، فيهم عمرو بن تغلب». فوالله ما أحب أن لي بكلمة رسول الله ﷺ حمر النعم. [انظر: ۳۱۴۵، ۷۵۳۵]

ترجمہ: عمرو بن تغلبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مال یا قیدی لائے گئے تو آپ نے کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ لوگوں کو نہیں دیا۔ آپ ﷺ کو خبر ملی کہ جن لوگوں کو نہیں دیا ہے وہ ناراض ہیں تو آپ

ﷺ نے حق تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا: اما بعد! اللہ کی قسم میں کسی کو دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا، اور جسے میں نہیں دیتا ہوں وہ میرے نزدیک اُس سے زیادہ محبوب ہے جسے میں دیتا ہوں، لیکن میں اُن لوگوں کو دیتا ہوں جن کے دلوں میں بے چینی اور گھبراہٹ دیکھتا ہوں، اور جنہیں میں نہیں دیتا ہوں ان لوگوں کو میں غنی اور بھلائی کے حوالہ کردیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دلوں میں رکھی ہیں اور انہی میں عمرو بن تغلب ؓ بھی ہیں۔ عمرو بن تغلب ؓ نے کہا کہ واللہ! رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے عوض مجھے سرخ اونٹ بھی محبوب نہیں ہیں۔

۹۲۴ – حدثنا یحیی بن بکیر قال: حدثنا اللیث، عن عقیل، عن ابن شهاب قال: أخبرنی عروة أن عائشة أخبرته: أن رسول الله خرج لیلة من جوف اللیل فصلی فی المسجد، فصلی رجال بصلاته، فأصبح الناس فتحدثوا، فاجتمع أكثر منهم فصلوا معه، فأصبح الناس فتحدثوا، فكثر أهل المسجد من اللیلة الثالثة، فخرج رسول الله ﷺ فصلوا بصلاته، فلما كانت اللیلة الرابعة عجز المسجد عن أهله حتی خرج لصلاة الصبح. فلما قضی الفجر أقبل علی الناس فتشهد. ثم قال: ((أما بعد، فإنه لم یخف علی مكانكم لكنی خشیت تفرض علیكم فتعجزوا عنها)). تابعه یونس. [راجع: ۷۲۹][۲۷]

۹۲۵ – حدثنا أبو الیمان قال: أخبرنا شعیب، عن الزهری قال: أخبرنی عروة، عن أبی حمید الساعدی أنه أخبره أن رسول الله ﷺ قام عشیة بعد الصلاة فتشهد وأثنی علی الله بما هو أهله، ثم قال: ((أما بعد)) ـ تابعه أبو معاویة وأبو أسامة عن هشام، عن أبیه، عن أبی حمید عن النبی ﷺ قال: ((أما بعد))، تابعه العدنی، عن سفیان فی: ((أما بعد)). [انظر: ۱۵۰۰، ۲۵۹۷، ۲۶۳۶، ۶۹۷۹، ۷۱۷۴، ۷۱۹۷]

۹۲۶ – حدثنا ابو الیمان قال: اخبرنا شعیب، عن الزهری قال: حدثنی علی بن الحسین، عن المسور بن مخرمة قال: قام رسول الله ﷺ فسمعته حین تشهد یقول: "اما بعد". تابعه الزبیدی عن الزهری. [انظر: ۳۱۱۰، ۳۷۱۴، ۳۷۲۹، ۳۷۶۷، ۵۲۳۰]

یہاں فتشهد، وأثنی سے خطبہ مراد ہے۔

۹۲۷ – حدثنا اسماعیل بن أبان قال: حدثنا ابن الغسیل قال: حدثنا عكرمة عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: صعد النبی ﷺ المنبر و كان آخر مجلس جلسه متعطفا

---

[۲۷] تشریح ملاحظہ فرمائیں، کتاب الأذان، باب إذا كان بین الإمام وبین القوم حائط أو سترة، رقم: ۷۲۹، انعام الباری، ج: ۴، ص: ۲۶۲۔

ملتحفة على منكبه ، قد عصب راسه بعصابة دسمة ، فحمد الله وأثنى عليه ، ثم قال : ((أيها الناس إلي)) ، فثابوا إليه . ثم قال : ((أما بعد فإن هذا الحي من الأنصار يقلون و يكثر الناس ، فمن ولي شيئا من أمة محمد ﷺ فاستطاع أن يضر فيه أحدا و ينفع فيه أحدا، فليقبل من محسنهم و يتجاوز عن مسيئهم)).[انظر: ۳۶۲۸، ۳۸۰۰] [۳]

تشریح

آپ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور یہ آخری خطبہ تھا کہ آپ ﷺ ایسی حالت میں تشریف لائے کہ سر مبارک پٹی سے باندھا ہوا تھا۔

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان فرمائی پھر فرمایا" **أيها الناس إلي** "،لوگو! میرے قریب آجاؤ "**فثابوا إليه**"،لوگ قریب آگئے، **ثم قال: أما بعد فإن هذا الحيّ من الأنصار يقلّون و يكثر الناس** ،انصار کی مقدار کم ہوجائے گی اور دوسرے لوگ زیادہ ہوجائیں گے۔ **فمن ولي شيئاً من أمة محمد** جو شخص امت محمدیہ میں سے والی (حاکم) بنے **فاستطاع أن يضرّ فيه أحدًا و ينفع فيه أحدًا** ،اور ایسے منصب پر پہنچ جائے کہ جس کے ذریعہ وہ کسی کو فائدہ اور نقصان پہنچا سکے۔مطلب یہ ہے کہ امارت کا کوئی عہدہ مل جائے **فليقبل من محسنهم و يتجاوز عن مسيئهم** ،تو ان کے اچھے کام کرنے والوں کے اچھے کام کو قبول کرے اور اگر ان میں سے کسی سے کوئی غلطی ہوجائے تو ان سے تجاوز نہ کریں یعنی درگذر کریں۔

مطلب یہ ہے کہ انصار کے ساتھ اچھا معاملہ کرے، ان کی تعداد تو کم ہوجائے گی، کہیں ایسا نہ ہو کہ تعداد کم ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ کوئی زیادتی ہو۔

سوال: بعض لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والی اذان کا انکار کرتے ہے اور کہتے ہیں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔العیاذ باللہ۔

جواب: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام ﷺ کی پیروی کا حکم صحیح حدیثوں میں موجود ہے، چند ثبوت ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ **" عليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين بعدي"** [۴]

۲۔ **قال إقتدوا بالذين من بعدي ابو بكر و عمر۔** [۵]

---

[۳] وفي مسند أحمد ، ومن مسند بني هاشم ، باب بداية مسند عبد الله بن العباس ، رقم :۲۳۹۸.

[۴] شرح معاني الآثار ، باب صفة الجلوس في الصلاة كيف هو ، ج: ۱ ،ص:۲۵۷.

[۵] مسند أحمد ، باب حديث حذيفة بن اليمان عن النبي ﷺ ، رقم:۲۳۲۹۳.

۳۔ عن ابن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال مثل أصحابی مثل النجوم یھتدی بہ فأیھم أخذتم بقولہ إھتدیتم۔[۷۶]

آج کل لوگ غلط سے غلط اور بُری سے بُری بات کہنے اور پھر اس پر لڑنے کو تیار ہیں جب سرکار دو عالم ﷺ نے صاف صاف فرمادیا" علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین بعدی"، اب اس کے بعد کسی کے لئے یہ گنجائش نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عمل کو بدعت کہے۔ العیاذ باللہ العظیم۔

سیدھی سی بات یہ ہے کہ خلفاء راشدینؓ کا کوئی عمل بدعت نہیں ہوسکتا اور جس وقت یہ کام کیا گیا اس وقت صحابہ کرامؓ کی بھاری جمعیت موجود تھی لیکن کسی نے نکیر نہیں فرمائی۔

ہمارے ہاں ہندی کا ایک مقولہ مشہور ہے "بنیے سے سیانہ سو باؤلا"

ہندو کو بنیا کہتے ہیں۔ ہندو تاجر بہت سیانے یعنی چالاک ہوتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہیں کہ میں بنیے سے زیادہ سیانہ یعنی چالاک ہوں تو وہ بھولا یعنی پاگل ہے، بنیے سے زیادہ چالاک نہیں ہوسکتا۔

تو جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں دین کو حضرات صحابۂ کرامؓ سے زیادہ سمجھتا ہوں تو اس سے زیادہ پاگل اور بے وقوف دنیا میں اور کوئی نہیں، ایسے لوگوں کی باتیں قابل التفات نہیں ہیں۔

سوال: اذان ثانی کے وقت مسجد جانے کا معمول ہونا یعنی تقریر کے بعد جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اذان اول کے بعد سعی واجب ہے، سوائے سعی الی الجمعہ کے کوئی کام جائز نہیں، البتہ وضو کرسکتا ہے، اگر غسل نہیں کیا ہے تو غسل کرسکتا ہے، جمعہ کی تیاری کا کام کرسکتا ہے، یہ سعی الی الجمعہ میں داخل ہیں، لیکن ان کے علاوہ کوئی اور کام جس کا سعی الی الجمعۃ سے تعلق نہ ہو نہیں کرسکتا، ناجائز ہے۔[۷۷]

عربی میں خطبہ کا حکم

ایک مسئلہ یہ ہے کہ ہمیشہ ساری امت کا طریقہ یہ رہا ہے کہ خطبہ عربی زبان میں پڑھا جاتا رہا ہے۔ اب ہمارے ہاں کچھ عرصہ سے بعض علاقوں میں یہ رواج پیدا ہوگیا ہے کہ خطبہ مقامی زبان میں دیا جاتا ہے، کچھ غیر مقلد حضرات نے یہ سلسلہ شروع کیا تھا، ہندوستان میں بھی اردو زبان میں دیا جانے لگا ہے اور امریکہ و برطانیہ میں لوگ انگریزی زبان میں خطبہ دیتے ہیں۔

دلیل اس کی یہ پیش کی جاتی ہے کہ خطبہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو دین کی باتیں بتائی جائیں، اگر خطبہ کا

---

۷۶ مسند عبد بن حمید، رقم: ۷۸۳، ج: ۱، ص: ۲۵۰۔

۷۷ الفتاوی العالمگیریة، ج: ۱، ص: ۱۴۹۔

مقصد وعظ ہے اور وہ عربی نہیں سمجھتے ہیں تو خطبہ دینے کا کیا فائدہ؟

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ غلطی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ خطبہ کا مقصد تعلیم وتبلیغ اور دعوت سمجھا جاتا ہے حالانکہ خطبہ کا مقصد دعوت وتبلیغ یا تعلیم وتزکیہ نہیں ہے، بلکہ اصل مقصد ذکر ہے، قرآن کریم میں بھی اس کو ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے **"إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ"** یہاں ذکر سے خطبہ مراد ہے۔

اسی طرح حدیث میں ہے کہ **"یستمعون الذکر"** اس ذکر سے بھی خطبہ مراد ہے۔

اس سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خطبہ میں صرف **"الحمد للہ، سبحان اللہ، لا الہ الا اللہ"** پڑھ کر بیٹھ جائے تو خطبہ ادا ہو جائے گا چاہے دعوت وتبلیغ کا ایک کلمہ بھی نہ کہے۔ لیکن اگر دعوت کا کلمہ کہے اور ذکر نہ کرے تو خطبہ ادا نہیں ہوگا، معلوم ہوا اصل مقصود ذکر ہے نہ کہ تذکیر۔

جیسا کہ روایت میں آتا ہے کہ یہ خطبہ درحقیقت دو رکعتوں کے قائم مقام ہے، لہٰذا بیشتر نماز کے احکام اس پر عائد کئے گئے ہیں، جس طرح نماز میں انصات واجب ہے اسی طرح خطبہ میں بھی انصات واجب ہے۔ فرض کریں اگر کوئی شخص بول رہا ہے، دوسرا کہہ دے چپ کرو، اس سے تو کوئی خلل واقع نہیں ہو رہا ہے لیکن اس سے بھی منع کیا گیا ہے، کیونکہ اگر نماز پڑھ رہے ہوں اور قریب کوئی باتیں کر رہا ہو تو اُسے خاموش نہیں کرائیں گے اسی طرح خطبہ کا بھی یہی حکم ہے۔[۸]

معلوم ہوا کہ خطبہ پر بھی نماز کے احکام عائد کئے گئے ہیں تو جس طرح نماز عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں ادا نہیں ہوسکتی اسی طرح خطبہ بھی ادا نہیں ہوسکتا۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعامل اور مواظبت ثابت ہے کہ خطبہ صرف عربی زبان میں ہو، غیر عربی زبان میں نہ ہو، کیونکہ تمام عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف ثابت نہیں اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کبھی غیر عربی میں خطبہ پڑھنا ثابت ہے، حالانکہ اُن میں بہت سے حضرات عجمی زبانوں سے واقف تھے۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرب سے نکل کر روم و ایران پہنچے جہاں کی زبانیں مختلف تھیں، وہاں دعوت وتبلیغ کے سارے کام کئے لیکن جہاں تک جمعہ کے خطبہ کا تعلق ہے وہ کبھی عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں نہیں دیا۔

جیسا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق ثابت ہے کہ وہ بہت سی مختلف زبانیں جانتے تھے، اسی

---

[۸] أن أبا هريرة أخبره أن رسول الله قال: ((إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت، والإمام يخطب فقد لغوت))، صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب، رقم: ۹۳۴.

طرح حضرت سلمان ﷺ تو خود فارس کے رہنے والے، حضرت بلال ﷺ حبشہ کے اور حضرت صہیب ﷺ روم کے باشندے تھے، اسی طرح بہت سے حضرات صحابہ ہیں جن کی مادری زبانیں عربی کے علاوہ دوسری تھیں۔

اس کے علاوہ اگر معانی خطبہ کو عجمیوں کے علم میں لانا بوقت خطبہ ہی ضروری سمجھا جاتا اور خطبہ کا مقصد صرف تبلیغ ہی ہوتی تو جو سوال آج کیا جاتا ہے کہ خطبہ عربی میں پڑھنے کے بعد اس کا ترجمہ اردو یا دوسری ملکی زبانوں میں کردیا جائے، کیا یہ اس وقت ممکن نہ تھا!

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک مستقل ترجمان انہی ضرورتوں کے لئے اپنے پاس ملازم رکھا ہوا تھا، لیکن اس کے باوجود نہ بھی حضرت ابن عباسؓ سے یہ منقول ہے کہ آپ نے عربی خطبہ کا ترجمہ ترجمان کے ذریعہ ملکی زبان میں کرایا ہو، اور نہ کسی دوسرے صحابی سے منقول ہے۔ اس تفصیل سے یہ معلوم ہوگیا کہ خطبہ کے لئے سنت یہی ہے کہ صرف عربی زبان میں پڑھا جائے۔

اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ حنفیہ کے علاوہ دوسرے ائمہ غیر عربی میں خطبہ کے جواز کے قائل ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ دوسرے ائمہ کا مذہب اس معاملے میں اور زیادہ سخت ہے، جہاں تک مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا تعلق ہے وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں جمعہ کا خطبہ جائز نہیں، اور اگر عربی زبان میں خطبہ پر قدرت ہوتے ہوئے غیر عربی زبان میں خطبہ دیا گیا تو وہ صحیح نہیں ہوگا، نہ جمعہ صحیح ہوگا، بلکہ مالکیہ کا کہنا تو یہ ہے کہ اگر مجمع میں کوئی بھی شخص عربی خطبہ پر قادر نہ ہو تو جمعہ ساقط ہو جائے گا، اس کے بجائے ظہر پڑھنی ہوگی، لیکن شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں یہ گنجائش ہے کہ اگر مجمع میں کوئی بھی شخص عربی میں خطبہ دینے پر قادر نہ ہو اور نہ اتنا وقت ہو کہ کوئی عربی خطبہ سیکھ سکے تو ایسی صورت میں دوسری زبان کا خطبہ جائز اور معتبر ہوگا، اور اس کے بعد جمعہ کی نماز بھی درست ہو جائے گی۔

ان تینوں مذاہب کو اختصاراً ملاحظہ فرمائیں:

مالکی مذہب:

علامہ دسوقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اور خطبہ کا عربی زبان میں ہونا بھی شرط ہے، خواہ مجمع ایسے عجمی لوگوں کا ہو جو عربی نہیں جانتے۔ چنانچہ اگر ان میں کوئی بھی شخص ایسا نہ ہو جو عربی زبان میں خطبہ دے سکے تو ان پر جمعہ ہی واجب نہ ہوگا۔''[۹۷]

---

۹۷ (قوله و كونها عربية) اى ولو كان الجماعة عجما لا يعرفون العربية، فلو كان ليس فيهم من يحسن الإتيان بالخطبة عربية لم يلزمهم جمعة، الدسوقي على الشرح الكبير، ج: ۱، ص: ۳۷۸، دار الفكر، بيروت.

شافعی مسلک:

علامہ رملی شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اور خطبہ کا عربی زبان میں ہونا سلف وخلف کی اتباع کی وجہ سے شرط ہے، اور اس لئے کہ یہ فرض ذکر ہے، لہٰذا اس میں عربیت شرط ہے، جیسے نماز کی تکبیر تحریمہ کے لئے عربی زبان نہ ہونا ضروری ہے۔'' [۸۰]

حنبلی مذہب:

علامہ بھوتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اور عربی زبان پر قدرت کے باوجود کسی اور زبان میں خطبہ دینا صحیح نہیں، جیسا کہ نماز میں قراءت کسی اور زبان میں درست نہیں، البتہ اگر عربی زبان پر قدرت نہ ہو تو غیر عربی زبان میں خطبہ صحیح ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کا مقصد وعظ وتذکیر، اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا ہے، بخلاف قرآن کریم کے لفظ کے، کیونکہ وہ نبوت کی دلیل اور رسالت کی علامت ہے کہ وہ عجمی زبان میں حاصل نہیں ہوتی، لہٰذا قراءت کسی بھی حالت میں عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں جائز نہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص عربی زبان میں نماز پر قادر نہ ہو تو قراءت کے بدلے ذکر واجب ہوگا۔'' [۸۱]

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ ائمہ ثلاثہ کے مذہب میں عربی خطبہ پر قدرت ہوتے ہوئے کسی دوسری زبان میں خطبہ دینا نہ صرف یہ کہ جائز نہیں بلکہ ایسا خطبہ معتبر بھی نہیں، اور اس کے بعد پڑھا ہوا جمعہ صحیح نہیں ہوگا۔

تاہم شافعیہ اور حنابلہ یہ کہتے ہیں کہ اگر مجمع میں کوئی بھی شخص عربی زبان میں خطبہ دینے پر قادر نہ ہو اور سیکھنے کا وقت بھی نہ ہو تو کسی اور زبان میں دیا ہوا خطبہ جمعہ کی شرط پوری کردے گا اور اس کے بعد جمعہ پڑھنا جائز ہوگا، یہی قول امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کا بھی ہے۔

---

۸۰ (ویشترط کونها) أی الخطبة (عربیة) لاتباع السلف والخلف، ولأنها ذکر مفروض فاشترط له ذلک کتکبیرة الإحرام، نهایة المحتاج إلی شرح المنهاج، ج: ،ص: ۳۰۴.

۸۱ (ولا تصح الخطبة بغیر العربیة مع القدرة) علیها بالعربیة (کقراءة) فإنها لا تجزئ بغیر العربیة وتقدم (وتصح) الخطبة بغیر العربیة (مع العجز) عنها بالعربیة، لأن المقصود بها الوعظ والتذکیر وحمد الله والصلاة علی رسوله صلی الله علیه وسلم بخلاف لفظ القرآن فإنه دلیل النبوة وعلامة الرسالة ولا یحصل بالعجمیة (غیر القراءة) فلا تجزئ بغیر العربیة لما تقدم (فإن عجز عنها) أی عن القراءة (وجب بدلها ذکر) قیاسا علی الصلاة، کشف القناع عن متن الإقناع، ج:۲، ص:۳۶.

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب

امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غیر عربی زبان میں خطبہ جمعہ کے درست ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس سے خطبہ کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور وہ خطبہ اس لحاظ سے شرعاً معتبر ہوتا ہے کہ صحت جمعہ کی شرط پوری ہو جائے اور اس کے بعد جمعہ کی نماز درست ہو جائے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر عربی زبان میں جمعہ کا خطبہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ نماز اور اس کے متعلقات میں جن جن اذکار کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ غیر عربی زبان میں معتبر ہیں، ان سب میں اس بات کی صراحت ہے کہ ان کا غیر عربی زبان میں ادا کرنا مکروہ تحریمی یعنی ناجائز ہے۔ چنانچہ جہاں جہاں ان اذکار کو امام صاحبؒ کی طرف منسوب کر کے غیر عربی میں صحیح اور معتبر قرار دیا گیا ہے، وہاں مکروہ تحریمی ہونے کی صراحت بھی کی گئی ہے۔[۸۲]

خلاصۂ بحث یہ ہے:

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک غیر عربی زبان میں خطبہ کسی بھی حال میں جائز نہیں اور ایسے خطبے کے بعد جمعہ پڑھنا بھی جائز نہیں، بلکہ دوبارہ عربی میں خطبہ دے کر جمعہ پڑھا جائے اور اگر کوئی اس پر قادر نہ ہو تو ظہر پڑھی جائے۔

امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام ابو یوسف و امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک جب تک مجمع میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جو عربی میں خطبہ دے سکتا ہو، اس وقت تک غیر عربی میں خطبہ دینا ناجائز ہے اور شرعاً معتبر نہیں، لہٰذا ایسے خطبے کے بعد جمعہ درست نہیں ہوگا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک غیر عربی میں خطبہ جائز نہیں بلکہ مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر کوئی شخص کسی مکروہ تحریمی کا ارتکاب کرے اور غیر عربی میں خطبہ دیدے تو اس سے نماز جمعہ کی شرط پوری ہو جاتی ہے، اور اس کے بعد نماز جمعہ پڑھنا درست ہو جاتا ہے، اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے صاحبین اور جمہور فقہاء کے قول کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ ان کا یہ قول اب بھی برقرار ہے اور فقہاء حنفیہ نے اُسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

---

[۸۲] وصح شروعه مع كراهة التحريم بتسبيح و تهليل ...... كما صح لو شرع بغير عربية، الدر المختار، ج:۱، ص:۳۵۶.

فعلى هذا ما ذكره في التحفة والذخيرة والنهاية من أن الأصح أنه يكره الإفتتاح بغير الله أكبر عند أبي حنيفة فالمراد كراهة التحريم .... فعلى هذا يضعف ما صححه السرخسي من أن الأصح لا يكره.

البحر الرائق، ج:۱، ص:۳۰۶.

لہٰذا جو حضرات معمولاً انگریزی یا مقامی زبان میں خطبہ دیتے ہیں ان کا یہ عمل ائمہ اربعہ میں سے کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، اور دوسرے ائمہ کے قول کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس کے بعد پڑھا ہوا جمعہ بھی درست نہ ہو، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول میں یہ گنجائش موجود ہے کہ ان کے نزدیک ایسا خطبہ کراہت کے ساتھ ادا ہو جاتا ہے اور اس کے بعد پڑھی ہوئی جمعہ کی نماز درست ہو جاتی ہے، یہ کراہت بھی ان لوگوں کے حق میں ہے جو مسجد کے امام ہوں اور انتظامیہ کی طرف سے عربی میں خطبہ دینے کا اختیار رکھتے ہوں یا عربی خطبے والی جماعت میں نماز پڑھ سکتے ہوں اور پھر بھی غیر عربی میں خطبہ دیں یا ایسی جماعت میں شریک ہوں، لیکن جہاں سامعین کو کوئی اختیار نہ ہو اور امام عربی میں خطبہ دینے کے لئے ان کی بات نہ مانتا ہو، اور کوئی ایسی جگہ بھی میسا نہ ہو، جہاں وہ عربی خطبے کے ساتھ جمعہ پڑھ سکیں، تو امید ہے کہ ان شاء اللہ ان کے حق میں یہ کراہت بھی نہ ہوگی اور جمعہ بہر صورت درست ہو جائے گا، نہ اُسے دہرانے کی ضرورت ہے، نہ اس کے بعد ظہر کی نماز پڑھنے کی ضرورت ہے۔

اس لئے ائمہ اربعہ اس بات پر متفق ہیں کہ خطبہ کا عربی میں ہونا ضروری ہے سننے والے عربی سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں جس طرح نماز کا عربی زبان میں ہونا ضروری ہے، چاہے پڑھنے والے کو عربی آتی ہو یا نہ آتی ہو۔ [۸۳]

سوال: اگر مختلف اذانوں کی آواز آتی ہو تو کون سی اذان پر سعی واجب ہوگی؟

جواب: زیادہ تر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ شہر میں جب پہلی اذان ہوگئی تو سعی واجب ہوگئی، ایک قول یہ بھی ہے کہ اپنے محلے کی اذان کا اعتبار ہے۔ پہلا قول احوط ہے اور دوسرا الیسر ہے، کوشش کرنی چاہئے کہ پہلے قول پر عمل ہو اور اگر کوئی مجبوری ہو تو دوسرے پر بھی عمل کی گنجائش ہے۔

(۳۱) باب الإستماع إلى الخطبة يوم الجمعة

خطبہ کی طرف کان لگانے کا بیان

۹۲۹ - حدثنا آدم قال: حدثنا ابن أبي ذئب، عن الزهري، عن أبي عبد الله الأغر، عن أبي هريرة رضي الله عنه، قال: قال النبي ﷺ: ((إذا كان يوم الجمعة وقفت الملائكة على باب المسجد يكتبون الأول فالأول، ومثل المهجر كمثل الذي يهدي بدنة، ثم كالذي يهدي بقرة، ثم كبشا، ثم دجاجة، ثم بيضة. فإذا خرج الإمام طووا صحفهم ويستمعون الذكر)). [انظر: ۳۲۱۱].

---

۸۳ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: ملخص بعضہ من: الاعجوبة في عربية خطبة العروبة، جواهر الفقه، ج: ۱، ص: ۳۴۹، وفقهي مقالات، ج: ۳، ص: ۱۰۳، والدرالمختار، ج: ۱، ص: ۳۵۶، البحر الرائق، ج: ۱، ص: ۳۰۶.

ترجمہ

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب جمعہ کا دن آتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور سب سے پہلے اور اس کے بعد آنے والوں کے نام لکھتے ہیں، اور سویرے جانے والا اس شخص کی طرح ہے جو اونٹ کی قربانی کرے، پھر اس شخص کی طرح جو گائے کی قربانی کرے، اس کے بعد پھر مرغی، پھر انڈا صدقہ کرنے والے کی طرح ہے، جب امام خطبہ کے لئے آجاتا ہے تو وہ اپنے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ کی طرف کان لگاتے ہیں۔

(۳۲) باب: إذا رأى الإمام رجلا جاء وهو يخطب أمره أن يصلي ركعتين

۹۳۰ ـ حدثنا أبو النعمان قال: حدثنا حماد بن زيد، عن عمرو بن دينار، عن جابر بن عبدالله قال: جاء رجل والنبي ﷺ يخطب الناس يوم الجمعة، فقال: «أصليت يا فلان؟» فقال: لا. قال: «قم فاركع». [انظر: ۹۳۱، ۱۱۶۶] [۵۴]

(۳۳) باب من جاء والإمام يخطب صلى ركعتين خفيفتين

کوئی شخص آئے اس حال میں کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو دو رکعتیں ہلکی پڑھ لے

۹۳۱ ـ حدثنا علي بن عبد الله قال: حدثنا سفيان عن عمرو، سمع جابرا قال: دخل رجل يوم الجمعة والنبي ﷺ يخطب فقال: «صليت؟» قال: لا. «فصل ركعتين». [راجع: ۹۳۰]

---

۵۴ وفي صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب التحية والإمام يخطب، رقم: ۱۴۴۳، وسنن الترمذي، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء في الركعتين إذا جاء الرجل والإمام يخطب، رقم: ۴۶۸، وسنن النسائي، كتاب الجمعة، باب مخاطبة الإمام رعيته وهو على المنبر، رقم: ۱۳۹۲، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب إذا دخل الرجل والإمام يخطب، رقم: ۹۴۱، وسنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء فيمن دخل المسجد والإمام يخطب، رقم: ۱۱۰۲، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبد الله، رقم: ۱۳۷۵۵، ۱۳۷۸۹، ۱۳۸۸۵، ۱۳۳۷۷، ۱۴۴۳۱، ۱۴۵۳۶، ۱۴۶۷۴، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب الكلام في الخطبة، رقم: ۱۵۱۰.

دوران خطبہ تحیۃ المسجد کا حکم

علامہ نووی رحمہ اللہ نے قاضی عیاض سے نقل کیا کہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، لیثؒ، ثوریؒ اور جمہور سلف صحابہ وتابعین کا مسلک یہی ہے کہ خطبہ کے وقت نماز نہ پڑھی جائے بلکہ اس وقت مسجد پہنچے تو خاموش بیٹھ کر خطبہ سنے۔ یہی حضرت عمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔

اس کے برخلاف امام شافعی، امام احمد واسحاق رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ خطبہ کی حالت میں مسجد آئے تو خطبہ کے دوران ہی تحیۃ المسجد پڑھ لے۔ یہ حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خطبہ کے دوران آئے تو وہ خطبہ کے دوران ہی تحیۃ المسجد پڑھ لے، کیونکہ حضور ﷺ کے خطبہ کے دوران ایک شخص آیا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے نماز پڑھ لی، اس نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا **"قم فارکع"** معلوم ہوا خطبہ کے دوران بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کی قوی دلیل ـــــ ایک قولی روایت یہ بھی ہے **"إذا جاء أحدكم والإمام يخطب فليركع ركعتين"**. یہ حدیث قولی ہے، اس میں حضرت سلیک رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ اس میں عمومی حکم دیا گیا ہے۔

حنفیہ کے متعدد دلائل

۱۔ **وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا۔**[۸۵]

آیت کا نزول نماز کے بارے میں ہوا ہے، لیکن اس کے عموم میں خطبہ جمعہ بھی اس حکم میں شامل ہے۔ شافعیہ حضرات اس آیت کو صرف خطبہ جمعہ ہی کے ساتھ مخصوص مانتے ہیں۔

۲۔ حدیث میں صراحۃً بتایا گیا ہے: **"إن المسلم إذا اغتسل يوم الجمعة ثم أقبل إلى المسجد لا يؤذي أحدا فإن لم يجد الإمام خرج صلى ما بداله، وإن وجد الإمام قد خرج جلس فاستمع وانصت حتى يقضي الإمام"**.

معلوم ہوا کہ نماز اُسی وقت مشروع ہے جبکہ امام خطبہ کے لئے نہ نکلا ہو، اور اگر امام نکل چکا ہو تو خاموش بیٹھنا چاہئے۔[۸۶]

---

۸۵ سورۃ اعراف، آیت: ۲۰۴۔

۸۶ ان المسلم إذا اغتسل يوم الجمعة ثم أقبل إلى المسجد لا يؤذي أحدا فإن لم يجد الإمام خرج صلى ما بداله، وان وجد الإمام قد خرج جلس فاستمع وانصت حتى يقضي الإمام ......، مجمع الزوائد، باب حقوق الجمعة من الغسل والطيب ونحو ذلك، ج:۲، ص:۱۷۱۔

۳۔ **من اغتسل يوم الجمعة و تطهر بما استطاع من طهر، ثم ادهن أو مس من طيب، ثم راح فلم يفرق بين اثنين، فصلى ما كتب له، ثم إذا خرج الإمام أنصت، غفر له ما بينه و بين الجمعة الأخرى** ۔[۵۷]

۴۔ آگے حدیث آرہی ہے "**أن أبا هريرة أخبره أن رسول الله ﷺ قال: إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت، والإمام يخطب فقد لغوت**" جو اپنے ساتھی کو کہے خاموش ہو جاؤ وہ بھی غلطی کا ارتکاب کرنے والا ہے، حالانکہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایک فریضہ ہے لیکن اس فریضہ کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ تحیۃ المسجد تو محض ایک نفل نماز ہے اس کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے، لہٰذا تحیۃ المسجد بطریق اولیٰ ممنوع ہوگی۔[۵۸]

۵۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ خروج امام کے بعد نماز یا کلام کو جائز نہیں سمجھا گیا۔ یہی مسلک جمہور صحابہ وتابعین کا ہے۔[۵۹]

۶۔ اعرابی دو بار سیلاب کی شکایت لے کر آئے تھے دونوں مرتبہ خطبہ کے دوران پہنچے تھے، لیکن آپ ﷺ نے ان کو تحیۃ المسجد کا حکم نہیں دیا۔[۶۰]

۷۔ ایک شخص خطبہ کے دوران تخطی رقاب کرتا ہوا بار بار آتا تو آپ ﷺ نے فرمایا: **اجلس فقد آذيت** لیکن یہ حکم نہیں دیا کہ دو رکعت پڑھیں۔[۶۱]

۸۔ دوران خطبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو دیر سے آنے اور غسل نہ کرنے پر تنبیہ فرمائی لیکن تحیۃ المسجد نماز کا حکم نہیں دیا۔

---

۵۷ صحيح البخاري، كتاب الجمعة، لا يفرق بين اثنين يوم الجمعة، رقم: ۹۱۰.

۵۸ قال ابن العربي: الصلاة حين ذاك حرام من ثلاثة أوجه: الأول: قوله تعالى: ﴿ وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له ﴾ [الأعراف: ۲۰۴] فكيف يترك الفرض الذي شرع الإمام فيه إذا دخل عليه فيه ويشتغل بغير فرض؟ الثاني: صح عنه، صلى الله تعالى عليه وسلم، أنه قال: ((إذا قلت لصاحبك أنصت فقد لغوت)). فإذا كان الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر الأصلان المفروضان الركنان في المسألة يحرمان في حال الخطبة، فالنفل أولى أن يحرم. الثالث: لو دخل و الإمام في الصلاة لم يركع، والخطبة صلاة، إذ يحرم فيها من الكلام والعمل ما يحرم في الصلاة. كذا ذكره العيني في عمدة القاري، ج: ۵، ص: ۲۰۱.

۵۹ إذا دخل أحدكم المسجد والإمام على المنبر فلا صلاة ولا كلام حتى يفرغ الإمام، مجمع الزوائد، باب فيمن يدخل المسجد والإمام يخطب، ج: ۲، ص: ۱۸۴.

۶۰ صحيح البخاري، كتاب الاستسقاء، باب الاستسقاء في المسجد الجامع، رقم: ۱۰۱۳.

۶۱ سنن النسائي، باب النهي عن تخطي رقاب الناس والإمام على المنبر يوم الجمعة.

۹۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا واقعہ مذکور ہے **عن جابر قال لما إستوى رسول الله ﷺ يوم قال : إجلسوا فسمع ذلك ابن مسعود فجلس على باب المسجد فراه رسول الله ﷺ فقال تعال** ۔ یہاں پر بھی آپ ﷺ نے تحیۃ المسجد کا حکم نہیں دیا۔

اس ایک واقعہ کے علاوہ بہت سارے واقعات ہیں کہ خطبہ کے دوران کوئی صحابی آئے لیکن آپ ﷺ نے کسی سے نہیں کہا کہ دو رکعتیں پڑھ لو۔

ان صحابی سے جو یہ کہا گیا یہ ان کی خصوصیت تھی ان کا نام حضرت سلیک بن ھدبہ غسانی تھا اور یہ بہت بوسیدہ حالت میں تھے، فقر و فاقہ ان کے چہرے اور لباس سے عیاں تھا، یہ چاہتے تھے کہ ان کو اس حالت میں دیکھ لیں تاکہ بعد میں صحابہ کرامؓ ان کو صدقہ دیں۔[۹۲]

اور دارقطنی کی روایت میں ہے کہ جتنی دیر وہ نماز پڑھتے رہے اتنی دیر آپ ﷺ خطبہ سے رکے رہے۔[۹۳]

دوسری دلیل یہ کہ ابھی تک آپ ﷺ نے خطبہ شروع بھی نہیں کیا تھا، کیونکہ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ممبر پر بیٹھے تھے جبکہ آپ ﷺ خطبہ قائماً دیا کرتے تھے، بیٹھے ہونے سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی خطبہ شروع نہیں کیا تھا۔ جب یہ نماز سے فارغ ہوگئے تو آپ ﷺ نے لوگوں کو ترغیب دی کہ ان کو صدقہ دو، یہ ایک خصوصی واقعہ ہے

۹۲، ۹۳ وروى الدارقطني من حديث معتمر عن ابيه عن قتادة عن أنس : دخل رجل من قيس المسجد ورسول الله ﷺ يخطب فقال : قم فاركع ركعتين ، وأمسك عن الخطبة حتى فرغ من صلاته ...... وذلك في حديث أبي سعيد الخدري الذي رواه النسائي عنه يقول : ((جاء رجل يوم الجمعة ــ والنبي ﷺ يخطب ــ بهيئة بذة ، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم : أصليت ؟ قال : لا ، صلى ركعتين ، وحث الناس على الصدقة قال : فالقوا ثيابا فأعطاه منها ثوبين ، فلما كانت الجمعة الثانية جاء ورسول الله ﷺ يخطب ، فحث الناس على الصدقة ، قال : فألقى أحد ثوبيه ، فقال رسول الله ﷺ: جاء هذا يوم الجمعة بهيئة بذة فأمرت الناس بالصدقة فالقوا ثيابا ، فأمرت له منها بثوبين ، ثم جاء الآن فأمرت الناس بالصدقة فالقى أحدهما ، فانتهره وقال : خذ ثوبك)) . إنتهى .

وكان مراده بأمره إياه بصلاة ركعتين أن يراه الناس يتصدق عليه ، لأنه كان في ثوب خلق . وقد قيل : إنه كان عريانا ، كما ذكرناه ، إذ لو كان مراده إقامة السنة بهذه الصلاة لما قال في حديث أبي هريرة : إن النبي ﷺ قال : ((إذا قلت لصاحبك : أنصت ، والإمام يخطب فقد لغوت)). وهو حديث مجمع على صحته من غير خلاف لأحد فيه ، حتى كاد أن يكون متواترا ، فإذا منعه من الأمر بالمعروف الذي هو فرض في هذه الحالة فمنعه من إقامة السنة ، أو الإستحباب بالطريق الأولى ، كذا ذكره العيني في العمدة ، ج:۵ ، ص: ۱۰۰ ، ۱۰۲ - ۱۰۳ .

اس کو عام اصول نہیں بنایا جا سکتا۔[۹۴]

جہاں تک قولی روایت "إذا جاء أحدکم والإمام یخطب فلیصل رکعتین" کا تعلق ہے تو اس حدیث کا قولی ہونا شاذ ہے۔ زیادہ تر راویوں نے اس کو واقعہ کے طور پر روایت کیا ہے، قولی طور پر نقل نہیں کیا۔

(۳۴) باب رفع الیدین فی الخطبة

خطبہ میں دونوں ہاتھ اٹھانے کا بیان

۹۳۲ ـ حدثنا مسدد قال: حدثنا حماد بن زید، عن عبدالعزیز بن صهیب، عن أنس و عن یونس، عن ثابت، عن أنس قال: بینما النبی ﷺ یخطب یوم جمعة إذ قام رجل فقال: یا رسول اللہ، هلک الکراع وهلک الشاء، فادع اللہ أن یسقینا، فمد یدیه ودعا. [۹۳۳، ۱۰۱۳، ۱۰۱۹، ۱۰۲۱، ۱۰۲۹، ۱۰۳۳، ۳۵۸۲، ۶۰۹۳، ۶۳۴۲][۹۵]

ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اس اثناء میں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے، تو ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ گھوڑے ہلاک ہوگئے اور بکریاں برباد ہوگئیں اس لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے پانی برسائے، تو آپ (ﷺ) نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور دعا کی۔

یعنی قحط کی وجہ سے یہ صورتحال پیدا ہوگئی تھی کہ گھوڑے اور بکریاں مر گئے تھے۔

---

۹۴ أن ذلک کان قبل شروعه صلی اللہ تعالی علیه وسلم فی الخطبة. وقد بوب النسائی فی (سنة الکبری) علی حدیث سلیک، قال: باب الصلاة قبل الخطبة. ثم أخرج عن أبی الزبیر عن جابر قال: ((جاء سلیک الغطفانی ورسول اللہ ﷺ قاعد علی المنبر، فقعد سلیک قبل أن یصلی. فقال له، صلی اللہ تعالی علیه وسلم: أرکعت رکعتین؟ قال: لا. قال: قم فارکعهما)). عمدة القاری، ج: ۵، ص: ۱۰۱.

۹۵ وفی صحیح مسلم، کتاب صلاة الإستسقاء، باب الدعاء فی الإستسقاء، رقم: ۱۴۹۳، وسنن النسائی، کتاب الإستسقاء، باب کیف یرفع، رقم: ۱۴۹۸، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب رفع الیدین فی الإستسقاء، رقم: ۹۹۳، وسنن ابن ماجة، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب من کان لا یرفع یدیه فی القنوت، رقم: ۱۱۷۰، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أنس بن مالک رقم: ۱۱۵۸۱، ۱۲۴۸۱، ۱۲۵۳۶، ۱۳۰۴۷، ۱۳۱۹۷، ۱۳۳۶۴.

(۳۵) باب الإستسقاء في الخطبة يوم الجمعة

جمعہ کے دن خطبہ میں بارش کے لئے دعا کرنے کا بیان

۹۳۳ ـ حدثنا ابراهيم بن المنذر قال : حدثنا أبو الوليد بن مسلم قال: حدثنا أبو عمرو الأوزاعي قال : حدثني إسحاق بن عبدالله بن أبي طلحة ، عن أنس بن مالك قال: أصابت الناس سنة على عهد النبي ﷺ ، فبينما النبي ﷺ يخطب في يوم جمعة فقام أعرابي فقال : يا رسول الله ، هلك المال و جاع العيال ، فادع الله لنا. فرفع يديه ، وما نرى في السماء قزعة ، فوالذي نفسي بيده ما وضعهما حتى ثار السحاب أمثال الجبال ثم لم ينزل عن منبره حتى رأيت المطر يتحادر على لحيته ﷺ فمطرنا يعمنا ذلك و من الغد ومن بعد الغد والذي يليه حتى الجمعة الأخرى . وقام ذلك الأعرابي ـ أو قال: غيره ـ فقال: يارسول الله ، تهدم البناء و غرق المال ، فادع الله لنا. فرفع يده فقال : « اللهم حوالينا ولا علينا » . فما يشير بيده إلى ناحية من السحاب إلا انفرجت و صارت المدينة مثل الجوبة وسال الوادي قناة شهرا. ولم يجئ أحد من ناحية إلا حدث بالجود. [راجع: ۹۳۲]

قزعة، بادل کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔

ثم لم ينزل عن منبره الخ یعنی آپ ﷺ ممبر پر تھے کہ بارش کے قطرے آپ ﷺ کی ڈاڑھی مبارک پر گرنے لگے اور یہ بارش ہفتہ بھر رہی۔

فقال: يا رسول الله تهدم البناء الخ

جب انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! اب تو عمارتیں گر گئیں، مال ڈوب گیا، دعا فرمائیں، آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی **"اللهم حوالينا ولا علينا"** ہمارے اردگرد ہو، ہمارے اوپر نہ ہو، **فما يشير بيده إلى ناحية من السحاب إلا انفرجت**، آپ ﷺ جس بادل کی طرف اشارہ فرماتے وہ کھل جاتا **و صارت المدينة مثل الجوبة**، سارا مدینہ ایسا ہوگیا جیسے حوض بیچ میں سے گول دائرہ کی طرح کھلا ہو، یعنی چاروں طرف بادل ہیں بیچ میں وہ حوض کی طرح دکھائی دینے لگا۔

مثل الجوبة، حوض کو کہتے ہیں۔ اصل میں بادلوں کے بیچ میں جو حصہ کھلا ہوا ہو اسے **"جوبة"** کہتے ہیں۔

وسال الوادي قناة شهراً، قناة ایک وادی کا نام ہے وہ بہہ پڑی۔

بعض نے کہا **"سال الوادي قناة"**، اس صورت میں یہ وادی سے حال ہوگا کہ وادی ایک قناط کی

شکل میں پہنچ گئی، قناة کے معنی ہوں گے نہر کی شکل میں " ولم يجئ أحد من ناحية إلا حدث بالجود "
اور ادھر اُدھر سے کوئی نہیں آیا مگر اس نے زبردست بارش کی باتیں کیں۔

جـود کے معنی ہیں زیادہ بارش یعنی لوگ دور دور سے آرہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ بہت زیادہ بارش ہوئی ہے۔

(۳۶) باب الإنصات يوم الجمعة والإمام يخطب،

جمعہ کے دن امام کے خطبہ پڑھنے کے وقت خاموش رہنے کا بیان۔

وإذا قال لصاحبه: أنصت، فقد لغا. وقال سلمان عن النبي ﷺ: ((ينصت إذا تكلم الإمام)).

۹۳۴ – حدثنا يحيى بن بكير قال: حدثنا الليث: أخبرني ابن شهاب قال: أخبرني سعيد بن المسيب أن أبا هريرة أخبره أن رسول الله ﷺ قال: ((إذا قلت لصاحبك يوم الجمعة: أنصت، والإمام يخطب فقد لغوت)).

ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو نے اپنے ساتھی سے جمعہ کے دن کہا کہ خاموش رہو، جبکہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو، تو تو نے لغو کا ارتکاب کیا۔[96]

---

۹۶ ائمہ اربعہ کے نزدیک دوران خطبہ کلام جائز نہیں۔ جمہور کا استدلال روایت حدیث باب سے ہے۔

فقہی طور پر ــــ انصت ــ فقد لغوت ــــ امر بالانصات امر بالمعروف ہونے کی وجہ سے واجب ہونا چاہئے تھا، جب اُسے بھی لغو قرار دیا گیا ہے تو دوسرا کلام بطریق اولی ممنوع ہوگا۔ كذا ذكره العيني في العمدة: النهي عن جميع الكلام حال الخطبة، ونبه بهذا على ما سواه لأنه إذا قال: أنصت، وهو في الأصل أمر بالمعروف، وسماه لغواً، فغيره أولى. قيل: ذلك لأن الخطبة أقيمت مقام الركعتين، فكما لا يجوز التكلم في المنوب لا يجوز في النائب.

والإمام يخطب ــــ دليل على أن وجوب الإنصات والنهي عن الكلام إنما هو في حال الخطبة وهذا مذهبنا ومذهب مالك والجمهور. وقال أبو حنيفة: يجب الإنصات بخروج الإمام. قلت: أخرج ابن أبي شيبة في ((مصنفه)) عن علي وابن عباس وابن عمر رضي الله تعالى عنهم، أنهم كانوا يكرهون الصلاة والكلام بعد خروج الإمام. عمدة القاري، ج: ۵، ص: ۱۱۴.

(۳۷) باب الساعة التي في يوم الجمعة

جمعہ کے دن ساعت مقبول کا بیان

۹۳۵ - حدثنا عبداللہ بن مسلمة، عن مالک، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة أن رسول اللہ ﷺ ذكر يوم الجمعة فقال: ((فيه ساعة لا يوافقها عبد مسلم وهو قائم يصلي يسأل اللہ تعالى شيئا إلا أعطاه إياه)). وأشار بيده يقللها.
[انظر: ۵۲۹۴، ۶۴۰۰]

ترجمہ

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس دن میں ایک ایسی ساعت ہے کہ کوئی مسلمان بندہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے اور اس ساعت میں جو چیز بھی اللہ سے مانگے تو اللہ تعالیٰ اُسے عطا کرتا ہے اور اپنے ہاتھ سے اس ساعت کے مختصر ہونے کی طرف اشارہ کیا۔

(۳۸) باب إذا نفر الناس عن الإمام في صلاة الجمعة

فصلاة الإمام ومن بقي جائزة

جمعہ کی نماز میں اگر کچھ لوگ امام کو چھوڑ کر بھاگ جائیں تو امام اور باقی لوگوں کی نماز جائز ہے۔

۹۳۶ - حدثنا معاوية بن عمرو قال: حدثنا زائدة، عن حصين عن سالم بن أبي الجعد قال: حدثنا جابر بن عبد اللہ قال: بينما نحن نصلي مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم إذ أقبلت عير تحمل طعاما فالتفتوا إليها حتى ما بقي مع النبي ﷺ إلا إثنا عشر رجلا، فنزلت هذه الآية ﴿وإذا رأوا تجارة أو لهوا انفضوا إليها وتركوك قائما﴾ [الجمعة: ۱۱].
[أنظر: ۲۰۵۸، ۲۰۶۴، ۴۸۹۹]

ترجمہ

حضرت جابر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بار نماز

پڑھ رہے تھے تو ایک قافلہ آیا جس کے ساتھ اونٹوں پر غلہ لدا ہوا تھا تو لوگ اس قافلہ کی طرف دوڑ پڑے، اور نبی کریم ﷺ کے صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ جب لوگ تجارت کا مال یا لہو (غفلت کا سامان) دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ جاتے ہیں اور تمہیں کھڑا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

لھو کی وضاحت

بعض حضرات نے فرمایا کہ "**لھو**" کا لفظ تجارت کے لئے ہی استعمال کیا گیا ہے، کیونکہ تجارت انسان کو ذکر اللہ سے غافل کر دیتی ہے اس لئے وہ **لھو** بن جاتی ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ لہو سے مراد یہ ہے کہ جو لوگ سامان تجارت لے کر آئے تھے ان کے ساتھ ڈھول ڈھما کا بھی تھا تو وہ تجارت بھی تھی اور ساتھ لہو بھی تھا، اس لئے دونوں کا ذکر فرمایا۔ [۹۷]

(۳۹) باب الصلاة بعد الجمعة و قبلها

جمعہ کی نماز کے بعد اور اس سے پہلے نماز پڑھنے کا بیان

۹۳۷ ـ حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال: أخبرنا مالک، عن نافع، عن عبداللہ بن عمر أن رسول اللہ ﷺ کان یصلی قبل الظهر رکعتین و بعدها رکعتین و بعد المغرب رکعتین في بيته و بعد العشاء ر کعتین، و کان لا یصلی بعد الجمعة حتی ینصرف فیصلی

---

۹۷ ایک مرتبہ جمعہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ فرما رہے تھے، اُسی وقت تجارتی قافلہ باہر سے غلہ لے کر آپہنچا۔ اُس کے ساتھ اعلان کی غرض سے نقارہ بجتا تھا۔ پہلے سے شہر میں اناج کی کمی تھی، لوگ دوڑے کہ اُس کو ٹھہرائیں (خیال کیا ہوگا کہ خطبہ کا حکم عام وعظوں کی طرح ہے جس میں سے ضرورت کے لئے اُٹھ سکتے ہیں۔ نماز پھر آکر پڑھ لیں گے یا نماز ہو چکی ہوگی جیسا کہ بعض کا قول ہے کہ اُس وقت نماز جمعہ خطبہ سے پہلے ہوتی تھی۔ بہر حال خطبہ کا حکم معلوم نہ تھا) اکثر لوگ چلے گئے اور حضور اکرم ا کے ساتھ بارہ آدمی (جن میں خلفائے راشدین بھی تھے) باقی رہ گئے۔ اُس پر یہ آیت اُتری یعنی سوداگری اور دنیا کا کھیل تماشا کیا چیز ہے، وہ ابدی دولت حاصل کرو جو اللہ کے پاس ہے اور جو پیغمبر کی صحبت اور مجالس ذکر و عبادت میں ملتی ہے۔ باقی قحط کی وجہ سے روزی کا کھٹکا جس کی بناء پر تم اُٹھ کر چلے گئے، سو یاد رکھو روزی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہی بہترین روزی دینے والا ہے اُس مالک کے غلام کو یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہئے۔ اس تنبیہ و تادیب کے بعد صحابہ کی شان وہ تھی جو سورۂ "نور" میں ہے "رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ" (تنبیہ) "لہو" کہتے ہیں ہر اُس چیز کو جو اللہ کی یاد سے مشغول (غافل) کرے جیسے کھیل تماشا، شاید اُس نقارہ کی آواز کو "لہو" سے تعبیر فرمایا ہو۔ تفسیر عثمانی، ص: ۷۳۵، ف: ۱، و انعام الباری، ج: ۶، ص: ۳۰۷۔

ركعتين. [انظر: ۱۱۶۵، ۱۱۷۲، ۱۱۸۰] [۹۸]

سنن کی تعداد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں اور ظہر کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے، مغرب کے بعد دو رکعتیں اپنے گھر میں پڑھتے تھے اور عشاء کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ گھر تشریف لے جائیں وہاں جا کر دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

شافعیہ کا استدلال

اس حدیث کی بنا پر امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ ظہر سے پہلے سنن رواتب چار نہیں بلکہ دو ہیں۔

حنفیہ کا استدلال

حنفیہ کا استدلال متعدد احادیث سے ہے جن میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی حدیث بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص سنن رواتب پر بارہ رکعتوں کی مداومت کرے گا وہ جنت میں داخل ہوگا، ان میں ظہر سے پہلے چار رکعت کا ذکر ہے۔

حدیث باب میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جو دو رکعتوں کا ذکر کیا ہے حنفیہ اس کو صلاۃ الزوال پر محمول کرتے ہیں یعنی زوال ہوتے ہی دو رکعت نفل ہیں غیر راتب، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

---

۹۸ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب إستحباب ركعتي سنة الفجر والحث عليها وتخفيفهما، رقم: ۱۱۸۳، و كتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، رقم: ۱۴۶۲، وسنن الترمذي، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها، رقم: ۴۸۰، وسنن النسائي، كتاب الجمعة، باب صلاة الإمام بعد الجمعة، رقم: ۱۴۱۰، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الصلاة بعد الجمعة، رقم: ۹۵۳، ۹۵۷، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۲۷۷، ۴۳۶۳، ۴۴۳۱، ۴۶۸۵، ۵۰۴۴، ۵۱۹۱، ۵۲۲۳، ۵۴۳۰، ۵۵۴۵، ۵۷۸۳، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب في صلاة السنة، رقم: ۱۴۰۱، ۱۵۲۷.

حدیث میں فرمایا کہ حضور ﷺ جمعہ کے بعد کچھ نہیں پڑھتے تھے لیکن جب گھر آتے تو دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

جمعہ سے پہلے سنتوں کا حکم

جمعہ سے پہلے کی سنتوں کے بارے میں کہیں صراحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے اس لئے علامہ ابن تیمیہؒ نے جمعہ سے پہلے سنن کا انکار کیا ہے کہ جمعہ سے پہلے کوئی سنن نہیں ہیں۔[۹۹]

جمہور کا کہنا ہے کہ جمعہ ظہر کے قائم مقام ہے، لہٰذا جو ظہر کی سنن قبلیہ ہیں وہی جمعہ کی بھی ہیں۔[۱۰۰]

اور متعدد روایات میں یہ بات آئی ہے کہ آدمی امام کے آنے سے پہلے نماز پڑھتا رہے اور اس پر فضیلتیں بیان فرمائی ہیں جیسا کہ پیچھے روایت گزر چکی ہے، تو نماز پڑھنا ثابت ہے اور یہ اتنی ہی ہوگی جتنی ظہر سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔

جمعہ کے بعد سنتوں کی تعداد

جمعہ کے بعد سنتوں کی رکعت کی تعداد کتنی ہے؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ دو رکعتیں پڑھتے تھے، بعض میں ہے چار رکعت پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت علیؓ چھ رکعتیں پڑھتے تھے۔[۱۰۱]

---

۹۹ والصواب أن يقال ليس قبل الجمعة سنة راتبة مقدرة. كتب ورسائل وفتاوى ابن تيمية في الفقه، ج:۲۴، ص:۱۸۸، ۱۹۳.

۱۰۰ وحكم الأربع قبل الجمعة كالأربع قبل الظهر كما لا يخفى، البحر الرائق، ج:۲، ص:۸۱، وحاشية ابن عابدين، ج:۲، ص:۱۳، والمبسوط للسرخسي، ج:۱، ص:۱۵۷.

۱۰۱ واختلفوا بعدها ــ قال ابن مسعود رضي الله عنه أربعاً وبه أخذ أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى لحديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه إن النبي قال من كان مصليا بعد الجمعة فليصل أربع ركعات. وقال علي رضي الله عنه يصلي بعدها ستا و أربعاً ثم ركعتين وبه أخذ أبو يوسف رحمه الله وقال عمر ركعتين ثم أربعاً فمن الناس من رجح قول عمر بالقياس على التطوع بعد الظهر و أبو يوسف رحمه الله أخذ بقول علي رضي الله عنه فقال يبدأ بالأربع لكيلا يكون متطوعا بعد الفرض مثلها وهذا ليس بقوي فإن الجمعة بمنزلة أربع ركعات لأن الخطبة شطر الخطبة، المبسوط للسرخسي، ج:۱، ص:۱۵۷، وسنن الترمذي، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها، ج:۲، ص:۳۹۹، رقم:۵۲۳.

چنانچہ حنفیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ متاخرین حنفیہ نے صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ چھ پڑھتے تھے۔

چھ رکعات میں بھی ہمارے ہاں ترتیب یہ ہے کہ پہلے چار رکعات اور پھر دو، لیکن زیادہ راجح یہ ہے کہ پہلے دو پڑھے اور پھر چار، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ دونوں کے عمل سے یہی ثابت ہے۔[۱۰۲]

(۴۰) باب قول الله تعالى: ﴿فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ﴾ [الجمعة: ۱۰]

فائدہ: حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں ــــ "یہود کے ہاں عبادت کا دن ہفتہ تھا، سارا دن سودا منع تھا، اس لئے فرمادیا کہ تم نماز کے بعد روزی تلاش کرو، اور روزی کی تلاش میں بھی اللہ کی یاد نہ بھولو"۔[۱۰۳]

"وذروا البيع" سے نماز جمعہ سے قبل لوگوں کو معاش اور کسب رزق سے روک کر نماز کا حکم کیا گیا تھا، اب نماز کے بعد اس کی اجازت دی گئی۔

۹۳۸ـ حدثنا سعيد بن أبي مريم قال: حدثنا أبو غسان قال: حدثني أبو حازم، عن سهل بن سعد قال: كانت فينا امرأة تجعل على أربعاء في مزرعة لها سلقا فكانت إذا كان يوم الجمعة تنزع أصول السلق فتجعله في قدر ثم تجعل عليه قبضة من شعير تطحنها فتكون أصول السلق عرقه، و كنا ننصرف من صلاة الجمعة فنسلم عليها فتقرب ذلك الطعام إلينا فنلعقه، و كنا نتمنى يوم الجمعة لطعامها ذلك. [انظر: ۹۳۹، ۹۴۱، ۲۳۴۹، ۵۴۰۳، ۶۲۴۸، ۶۲۷۹][۱۰۴]

كانت فينا امرأة تجعل على أربعاء في مزرعة لها سلقا.

---

[۱۰۲] مصنف ابن أبي شيبة، ج: ۱، ص: ۴۶۳، رقم: ۵۳۶۸، وسنن الترمذي، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها، رقم ۴۷۹، وعمدة القاري، ج: ۵، ص: ۱۲۶.

[۱۰۳] تفسیر عثمانی، صفحہ: ۷۲۵۔

[۱۰۴] وفي صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب صلاة الجمعة حين تزول الشمس، رقم: ۱۴۲۲، وسنن الترمذي، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء في القائلة يوم الجمعة، رقم: ۴۸۳، وسنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في وقت الجمعة، رقم: ۱۰۸۹.

تشریح

حضرت سہل بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک عورت تھی جس نے کھیتی کی پانی کی نالیوں پر چقندر اگائے ہوئے تھے۔

اربعاء ، ربیعة کی جمع ہے کھیت کو سیراب کرنے کے لئے پانی کی جو نالی بنائی جاتی ہے اُسے کہتے ہیں۔
سلقا، چقندر کو کہتے ہیں۔

فكانت إذا كان يوم الجمعة لتنزع أصول السلق.

جب جمعہ کا دن آتا تو وہ چقندر کی جڑوں کو ایک ہانڈی میں ڈالتی **ثم تجعل عر قة قبضة من شعير** پھر اس کے اوپر جو کی ایک مٹھی ڈالتی **تطحنها،** پھر اس کو پیستی، **فتكون أصول السلق علقة،** تو چقندر کی جڑیں گوشت بن جاتی تھیں۔

عرق کے معنی ہیں وہ گوشت جو ہڈی پر لگا ہوتا ہے، یہاں اصل میں تو گوشت نہیں ہوتا تھا، لیکن جب وہ چقندر سے شوربہ بناتی تھیں تو وہ اصول السلق گوشت کے قائم مقام ہوتے تھے۔

تو وہ خاتون ہر جمعہ کے دن یہ عمل کرتی **وكنا ننصرف من صلوٰة الجمعة ،** جمعہ کی نماز پڑھ کر واپس آتے **فنسلم عليها ،** اس کو سلام کیا کرتے **فتقرب ذلك الطعام إلينا فنلعقه ،** وہ اس کھانے کو ہمارے سامنے لایا کرتی، ہم لوگ چاٹ لیتے **وكنا نتمنى يوم الجمعة لطعامها ذلك** ۔ کہ بڑی بی کے پاس جائیں گے وہاں یہ کھانا ملے گا۔

۹۳۹ ۔ حدثنا عبد الله بن مسلمة قال : حدثنا ابن أبي حازم ، عن أبيه ، عن سهل بهذا ، وقال : ماكنا نقيل ولا نتغدى إلا بعد الجمعة . [راجع : ۹۳۸]

ترجمہ: حضرت ابو حازم نے سہل بن سعد سے اس حدیث کو روایت کیا اور کہا کہ ہم نہ لیٹتے تھے اور نہ دوپہر کا کھانا کھاتے تھے مگر جمعہ کی نماز کے بعد۔ یعنی جمعہ کے بعد کھانا کھاتے اور لیٹتے تھے۔

(۴۱) باب القائلة بعد الجمعة

جمعہ کی نماز کے بعد قیلولہ (لیٹنے) کا بیان

۹۴۰ ۔ حدثنا محمد بن عقبة الشيباني قال : حدثنا أبو إسحاق الفزاري ، عن حميد قال : سمعت أنسا يقول : ((كنا نبكر إلى يوم الجمعة ثم نقيل)) . [راجع : ۹۰۵].

نُبَكِّرُ۔ تبکیر کے معنی ظاہر ہے کہ اول وقت سے نماز جمعہ کے لئے نکل جاتے تھے۔

۹۴۱ ۔ حدثنا سعيد بن أبي مريم قال : حدثنا أبو غسان قال : حدثني أبو حازم ، عن سهل قال : كنا نصلي مع النبي ﷺ الجمعة ، ثم تكون القائلة . [راجع:۹۳۸]

اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ دوپہر کا کھانا جمعہ کے بعد کھاتے تھے اور قیلولہ جمعہ کے بعد کرتے تھے۔

١٢- كتاب الخوف

رقم الحديث : ٩٤٢ - ٩٤٧

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۲ - کتاب الخوف

(۱) باب صلاۃ الخوف،

نمازِ خوف کا بیان

وقول اللہ تعالیٰ:

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن
تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ
كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۱﴾
وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ
مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ قف فَإِذَا
سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ ص وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ
أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا
حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ج وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ
عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً
وَاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن
مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا

حِذْرَكُمْ ط ف۳ إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

[النساء: ۱۰۱، ۱۰۲] [1]

صلاۃ الخوف کا ثبوت

یہ باب صلوٰۃ الخوف کے بیان میں ہے۔ یہ قرآن کریم کی آیت سے مشروع ہوئی ہے جس کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے "**وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ الخ**" الآية۔[2]

نماز خوف کب مشروع ہوئی؟

اس میں کلام ہوا ہے کہ نماز خوف کب مشروع ہوئی ہے؟

زیادہ تر محققین کا رجحان اس طرف ہے کہ صلاۃ الخوف سب سے پہلے غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر مشروع ہوئی ہے، اور جمہور کے قول کے مطابق یہ غزوہ ۴ھ میں ہوا۔[3]

---

[1] ف۲: پہلے نماز سفر کا بیان تھا یہ نماز خوف کا بیان ہے، یعنی کافروں کی فوج مقابلہ میں ہو تو مسلمانوں کی فوج دو حصے ہو جائے: ایک حصہ امام کے ساتھ آدھی نماز پڑھ کر دشمن کے مقابلہ میں جا کر کھڑا ہو جائے، دوسرا حصہ آ کر امام کے ساتھ نصف باقی پڑھ لے امام کے سلام کے بعد دونوں جماعتیں اپنی آدھی نماز رہی ہوئی جدی جدی پڑھ لیں۔

اگر مغرب کی نماز ہو تو اول جماعت دو رکعت اور دوسری جماعت ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھے اور اس حالت میں نماز کے اندر آمد و رفت معاف ہے اور تلوار، زرہ، سپر وغیرہ کے اپنے ساتھ رکھنے کا بھی ارشاد فرمایا تا کہ کفار موقع پا کر یکبارگی حملہ نہ کر دیں۔

ف۳: یعنی اگر بارش یا بیماری اور ضعف کی وجہ سے ہتھیار کا اٹھانا مشکل ہو تو ایسی حالت میں ہتھیار اتار کر رکھ دینے کی اجازت ہے، لیکن اپنا بچاؤ کر لینا چاہئے۔ مثلاً زرہ، سپر خود ساتھ لے لو۔ فائدہ: اگر دشمنوں کے خوف سے اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ نماز خوف بصورت مذکورہ ادا کر سکیں تو جماعت موقوف کر کے تنہا تنہا نماز پڑھ لیں، پیادہ ہو کر اور سواری سے اترنے کا بھی موقع نہ ملے تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لیں۔ اگر اس کی بھی مہلت نہ ملے تو پھر نماز کو قضا کر دیں۔ تفسیر عثمانی، النساء: ۱۰۱-۱۰۲، ف۲-۳، صفحہ ۱۲۲۔

[2] تفسیر ملاحظہ فرمائیں: أحكام القرآن للجصاص، ج: ۳، ص: ۲۳۶.

[3] واختلفوا في أي سنة نزل بيان صلاة الخوف؟ فقال الجمهور: إن أول ما صليت في غزوة ذات الرقاع، قاله محمد بن سعد وغيره. واختلف أهل السير في أي سنة كانت؟ فقيل: سنة أربع، وقيل: سنة خمس، وقيل: سنة ست، وقيل: سنة سبع، فقال محمد بن إسحاق كانت أول ما صليت قبل بدر الموعد، وذكر ابن إسحاق وابن عبد البر أن بدر الموعد كانت في شعبان من سنة أربع. وقال ابن إسحاق: وكانت ذات الرقاع في جمادى الأولى، وكذا قال أبو عمر بن عبد البر: إنها في جمادى الأولى سنة أربع. عمدة القاري، ج: ۵، ص: ۱۳۶.

صلاۃ الخوف کا طریقہ

حضور ﷺ کا مختلف غزوات میں مختلف طریقوں سے صلوٰۃ الخوف پڑھنا ثابت ہے، جو طریقے روایات سے نکلتے ہیں وہ کل چھ ہیں اور زیادہ تر جو صحیح حدیثوں میں آئے ہیں وہ تین ہیں۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ نماز منسوخ نہیں ہوئی بلکہ اب بھی مشروع ہے، البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ یہ نماز نبی کریم ﷺ کے ساتھ مخصوص تھی۔ یہ استدلال کرتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیت ﴿وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ﴾ سے۔ [۴]

پہلا طریقہ

ایک طریقہ یہ ہے کہ امام نے ایک طائفہ کو نماز پڑھانا شروع کی دوسرا طائفہ دشمن کے سامنے کھڑا رہا، جب امام نے پہلے طائفہ کے ساتھ سجدہ کیا تو امام دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا اور یہ طائفہ محاذ پر چلا گیا دوسرا طائفہ آ گیا، امام نے دوسری رکعت پڑھائی، دوسری رکعت پڑھ کر یہ طائفہ محاذ پر چلا گیا اور پہلے طائفہ نے آ کر دوسری رکعت پوری کی، پھر یہ چلا گیا اور دوسرا طائفہ آ گیا اور اس نے دوسری رکعت پڑھی۔ حنفیہ کے نزدیک یہ طریقہ اولیٰ ہے اور روایات سے ثابت ہے۔ جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت بھی ہے۔ [۵]

دوسرا طریقہ

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام نے پہلے طائفہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھی، ایک رکعت پڑھنے کے بعد اس طائفہ نے اپنی نماز پوری کر لی اور چلے گئے، پھر دوسرا طائفہ آیا امام نے دوسری رکعت پڑھائی اور پھر طائفہ ثانیہ نے اُسی وقت اپنی نماز پوری کر لی۔

---

[۴] فتح الباری، ج: ۲، ص: ۴۳۰.

[۵] هذا الحديث حجة لأصحابنا الحنفية في صلاة الخوف، وحديث ابن مسعود أيضا، أبو داؤد، باب من قال يصلي بكل طائفة ركعة، رقم: ۱۲۴۴، ج: ۲، ص: ۱۶، دار الفكر، وكتاب الآثار، باب صلاة الخوف، رقم: ۳۷۵، ج: ۱، ص: ۷۵، وسنن البيهقي الكبرى، باب من قال في هذا كبر بالطائفتين جميعا، رقم: ۵۸۴۰، ج: ۳، ص: ۲۶۱، و الدراية في تخريج أحاديث الهداية، باب صلاة الخوف، رقم: ۲۵۶، ج: ۱، ص: ۲۲۷، وإعلاء السنن، ج: ۸، ص: ۴۹۲، وعمدة القاري، ج: ۵، ص: ۱۳۶.

شافعیہ حضرات اس طریقہ کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ اس میں **قلت ذہاب و ایاب** ہے، ایک ہی مرتبہ میں نماز پڑھی جاتی ہے۔ ان کا استدلال حضرت سہل بن ابی حثمہؓ کی روایت سے ہے جس میں یہ طریقہ منقول ہے۔ **ومال إلی ترجیح حدیث سہل بن أبی حثمہ الآتی فی المغازی.**[۶]

تیسرا طریقہ

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلا طائفہ جب رکوع سجدہ کر کے چلا گیا اور دوسرا طائفہ آیا اس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھی، اب وہ جانے کے بجائے اُسی وقت اپنی نماز مکمل کرے اور چلا جائے، پھر پہلا طائفہ آ کر اپنی دوسری رکعت پوری کرے، یہ طریقہ بھی جائز ہے، یہ تینوں طریقے جائز ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک پہلا طریقہ افضل ہے، اگرچہ اس میں آنا جانا زیادہ ہے، کیونکہ دوسرے طریقہ میں طائفہ اولیٰ امام سے پہلے فارغ ہو جاتا ہے اور تیسرے طریقہ میں طائفہ ثانیہ اولیٰ سے پہلے فارغ ہو جاتا ہے جو ترتیب طبعی کے خلاف ہے۔

بخلاف پہلے طریقے کے کہ اس میں اگرچہ آنا جانا زیادہ ہے مگر دونوں طائفے امام کے بعد فارغ ہو رہے ہیں اور پہلا طائفہ پہلے فارغ ہو رہا ہے دوسرا طائفہ بعد میں فارغ ہو رہا ہے۔ اس واسطے حنفیہ نے اس کو ترجیح دی ہے۔

سوال: اگر ایسے موقع پر دو الگ الگ جماعتیں کی جائیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: یہ جائز ہے اور یہ بہت اچھی صورت ہے، صلوٰۃ الخوف اس وقت مشروع ہوتی ہے جب لوگ دو جماعتیں کرنے پر راضی نہ ہوں، ہر ایک کہے کہ ہم اس امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے، لیکن اگر دو جماعتیں کرنے

---

[۶] حدثنا مسدد : حدثنا یحیی ، عن القاسم بن محمد ، عن صالح بن خوات ، عن سهل بن أبی حثمة قال : یقوم الإمام مستقبل القبلة وطائفة منهم معه وطائفة من قبل العدو وجوههم إلی العدو فیصلی بالذین معه رکعة ثم یقومون فیرکعون لأنفسهم رکعة ویسجدون سجدتین فی مکانهم ، ثم یذهب هؤلاء إلی مقام أولئک فیجیء أولئک فیرکع بهم رکعة فله ثنتان ، ثم یرکعون ویسجدون سجدتین .

حدثنا مسدد : حدثنا یحیی ، عن شعبة ، عن عبد الرحمن بن القاسم ، عن أبیه ، عن صالح بن خوات ، عن سهل بن أبی حثمة عن النبی ﷺ مثله . حدثنی محمد بن عبید الله : حدثنی ابن أبی حازم ، عن یحیی : سمع القاسم : أخبرنی صالح بن خوات ، عن سهل حدثه قوله . صحیح البخاری ، کتاب المغازی ، (۳۲) باب غزوة ذات الرقاع ، رقم : ۴۱۳۱ . و إعلاء السنن ، ج:۸ ، ص:۱۹۷ .

پر راضی ہوں تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ [7]

اسی وجہ سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الخوف حضور اقدس ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے، ہر ایک کہتا ہے کہ آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنی ہے۔ قرآن کریم میں بھی ہے **"واذا كنت فيهم فأقمت لهم الصلوة"**۔ لیکن جمہور کا کہنا ہے کہ **" اذا كنت فيهم"** بہ حیثیت امیر ہے۔ یعنی عام خطاب ہے جو تمام ائمہ سے ہے۔ [8]

۹۴۲ ـ حدثنا أبو اليمان قال : أخبرنا شعيب عن الزهري : سألته هل صلى النبي ﷺ يعني صلاة الخوف ؟ قال : أخبرني سالم أن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما قال : ((غزوت مع النبي ﷺ قبل نجد فوازينا العدو و فصاففنا هم ، فقام رسول الله ﷺ يصلي لنا فقامت طائفة معه و أقبلت طائفة على العدو ، فركع رسول الله ﷺ بمن معه و سجد سجدتين ثم انصرفوا مكان الطائفة التي لم تصل فجاؤا فركع رسول الله ﷺ بهم ركعة و سجد سجدتين ثم سلم ، فقام كل واحد منهم فركع لنفسه ركعة و سجد سجدتين)) . [انظر : ۹۴۳ ، ۴۱۳۲ ، ۴۱۳۳ ، ۴۵۳۵] [9]

---

[7] واعلم أن صلاة الخوف على الصفة المذكورة إنما تلزم إذا تنازع القوم في الصلاة خلف الإمام أما إذا لم يتنازعوا فالأفضل أن يصلي بإحدى الطائفتين تمام الصلاة ويصلي بالطائفة الأخرى إمام آخر. شرح فتح القدير ، ج:۲ ، ص:۹۷ ، مطبع دار الفكر ، بيروت ، والبحر الرائق ، ج:۲ ، ص:۱۸۲ .

[8] إعلم أن العلماء إختلفوا في صلاة الخوف في فصول احدها انه مشروع بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم في قول أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالى.

وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى أولا كذلك ثم رجع فقال كانت في حياته خاصة ولم تبق مشروعة بعده هكذا ذكره في نوادر أبي سليمان رحمه الله تعالى ، المبسوط للسرخسي ، ج:۲ ، ص:۴۵ .

[9] وفي صحيح مسلم ، كتاب صلاة المسافرين و قصرها ، باب صلاة الخوف ، رقم : ۱۳۸۶ ، وسنن الترمذي ، كتاب الجمعة عن رسول الله ، باب ماجاء في صلاة الخوف ، رقم : ۵۱۷ ، وسنن النسائي ، كتاب صلاة الخوف ، رقم: ۱۵۲۱ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب من قال يصلي بكل طائفة ركعة ثم يسلم فيقوم كل صف فيصلون لأنفسهم ركعة ، رقم : ۱۰۵۳ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها ، باب ماجاء في صلاة الخوف ، رقم : ۱۲۴۸ ، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب باقي المسند السابق ، رقم : ۵۸۸۴ ، ۶۰۶۶ ، ۶۰۸۹ ، ۶۱۴۳ ، وموطأ مالك ، كتاب النداء للصلاة ، باب صلاة الخوف ، رقم : ۳۹۶ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصلاة ، باب في صلاة الخوف ، رقم : ۱۴۸۱ .

تشریح

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "**غزوت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل نجد**"۔ ہم نجد کی طرف جہاد پر گئے، یہ وہی غزوہ ذات الرقاع ہے۔ "**فوازینا العدوّ**"۔ اور دشمن مقابلے میں آ گئے "**فصاففنا هم**"۔ اور صف بندی کر لی۔ "**فقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی لنا فقامت طائفة معه**"۔ ایک طائفہ آپ ﷺ کے ساتھ نماز کے لئے کھڑا ہو گیا "**و اقبلت طائفة علی العدوّ**"۔ اور دوسرا طائفہ دشمن کے سامنے چلا گیا۔

"**فرکع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمن معه وسجد سجدتین**"۔ اور دو سجدے فرمائے "**ثم انصرفوا مکان الطائفة التی لم تصل**"۔ پھر یہ چلے گئے۔

یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کے طریقہ پر منطبق نہیں ہوتی، کیونکہ ان کے نزدیک یہ طائفہ وہیں پر نماز پوری کرتا جب کہ یہ چلے گئے۔ اور قرآن کریم کی آیت سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے "**فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَآئِكُمْ ۖ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرَىٰ**"۔

فجاؤا فرکع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بهم رکعة و سجد سجدتین ثم سلّم، فقام کل واحد منهم فرکع لنفسه رکعة و سجد سجدتین.

اب اس میں دونوں احتمال ہیں، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو طریقہ حنفیہ بیان کرتے ہیں وہ واضح ہے کہ طائفہ ثانیہ بھی چلا جائے، پھر طائفہ اولیٰ آئے اور اپنی نماز پوری کرے پھر چلا جائے اور ثانیہ آ کر اپنی نماز پوری کرے۔

(۲) باب صلاة الخوف رجالا و رکبانا، راجل: قائم

پیدل اور سوار ہو کر خوف کی نماز پڑھنے کا بیان

۹۴۳ ۔ حدثنا سعید بن یحییٰ بن سعید القرشی قال: حدثنی أبی قال: حدثنا ابن جریج، عن موسیٰ بن عقبة عن نافع، عن ابن عمر نحواً من قول مجاهد إذا إختلطوا قیاما. وزاد ابن عمر عن النبی ﷺ: ((وإن کانوا اکثر من ذلک فلیصلوا قیاما و رکبانا)).

[راجع: ۹۴۲]

"فَاِنْ خِفْتُمْ ... الخ" کی تفسیر اور اختلاف ائمہ

قرآن کریم میں آیا ہے:

"فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً اَوْ رُكْبَانًا" [البقرة: ۲۳۹] [۱۰]

یہ بتلانا مقصود ہے کہ صلاۃ خوف تو اس وقت ہوتی ہے جب دشمن کے سامنے ہوں ابھی تک جنگ شروع نہ ہوئی ہو، لیکن خطرہ ہو کہ کسی بھی وقت دشمن حملہ کر سکتا ہے، اس صورت میں ایک طائفہ دشمن کے مقابلے میں کھڑا رہے اور دوسرا نماز پڑھے۔

لیکن جب گھسان کی جنگ شروع ہوگئی اور دونوں لشکر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے ایسی حالت میں نماز کا وقت آگیا تو اب کیا کریں؟ اس کے لئے فرمایا گیا "فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالاً اَوْ رُكْبَانًا"۔

شافعیہ کا مسلک

امام شافعیؒ، امام بخاریؒ اور اکثر ائمہؒ یہ فرماتے ہیں کہ عین قتال کی حالت میں اگر نماز کا وقت آگیا اور وہ سواری پر ہے اور تلوار چلا رہا ہے تو اسی حالت میں گھوڑے پر بیٹھے ہوئے ہی اشارہ سے نماز پڑھ لے یہ "رکبانا" کی تفسیر ہے۔ اور اگر پیادہ ہے تو چلتے چلتے اشارہ سے جس طرح پڑھ سکتا ہو تو نماز پڑھے یہ "فرجالا" کی تفسیر ہے۔ [۱۱]

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر یہ سوار ہے اور مطلوب ہے یعنی کوئی دشمن اس کے تعاقب میں ہے اور اس کو طلب کر رہا ہے تو اس صورت میں گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

لیکن اگر یہ مطلوب نہیں بلکہ طالب ہے یعنی کسی دشمن کے تعاقب میں ہے تو اس صورت میں یہ گھوڑے سے نیچے اتر کر نماز پڑھے، یہ "رکباناً" کی صورت ہے۔ اور "رجالاً" کا معاملہ یہ ہے کہ "قائماً" تو پڑھ سکتا ہے لیکن "ماشیاً" نہیں پڑھ سکتا۔ [۱۲]

---

[۱۰] یعنی لڑائی اور دشمن سے خوف کا وقت ہو تو چاہو سواری پر اور پیادہ بھی اشارہ سے نماز درست ہے گو قبلہ کی طرف بھی متوجہ نہ ہو۔ تفسیر عثمانی، ف ۲، صفحہ ۴۹۔

[۱۱، ۱۲] ومذاهب الفقهاء في هذا الباب ، فعند أبي حنيفة : إذا كان الرجل مطلوبا فلا بأس بصلاته سائرا ، وإن كان طالبا فلا . وقال مالك وجماعة من أصحابه : هما سواء ، كل واحد منهما يصلي على دابته. وقال الأوزاعي والشافعي في آخرين كقول أبي حنيفة ، وهو قول عطاء والحسن والثوري وأحمد و أبي ثور وعن الشافعي : إن خاف الطالب فوت المطلوب أومأ وإلا فلا . عمدة القاري ، ج: ۵، ص: ۱۴۶ .

اگر ایسی نوبت آجائے کہ کھڑا ہونے کا موقع نہ ملے تو مجبوری ہے، قضا پڑھے جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے خندق میں قضا فرمائی۔[۱۳]

اس لئے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے ہاں چلتے چلتے نماز کا کوئی تصور نہیں ہے جبکہ دوسرے حضرات کے ہاں ہے، اور بظاہر یوں لگتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی جزوی تائید کی ہے، فرماتے ہیں **"راجل: قائم"** یعنی **"ماشیا"** کے معنی نہیں کئے ہیں بلکہ **"قائم"** کے معنی کئے ہیں اور حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ **"قائم"** معنی **"ماشیا"** نہیں ہیں۔

آگے فرمایا **"عن نافع، عن ابن عمر نحواً من قول مجاهد"** نافع نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس قسم کا قول نقل کیا ہے جیسا کہ مجاہدؒ کا ہے۔

اب یہاں آگے پیچھے کہیں بھی مجاہدؒ کا قول ذکر نہیں ہے، شراح بڑے حیران ہوئے کہ یہ کیسا اشارہ کیا ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ سے ایسا قول منقول ہے جیسا مجاہدؒ کا قول ہے۔ یہ عجیب سی بات لگتی ہے۔

لیکن دوسرے حضرات نے کہا کہ **"إذا اختلطوا قياما"**، یہ مجاہدؒ کا قول ہے یعنی جب مسلمان کافروں سے گتھم گتھا ہو جائیں اور ایک دوسرے سے مل جائیں تو **"قياماً"** یعنی نماز کھڑے ہو کر پڑھیں۔

وزاد ابن عمر عن النبي ﷺ: وإن كانوا أكثر من ذلك فليصلوا قياماً و ركباناً.

حضرت ابن عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے اس کا اضافہ فرمایا ہے کہ اگر اس سے بھی زیادہ ہو یعنی صلوٰۃ الخوف میں جو خوف کی حالت ہے اس سے بھی زیادہ خوف کی حالت ہو اور لشکر آپس میں گتھم گتھا ہو رہے ہوں تو پھر **"فليصلوا قياماً و ركباناً"**۔ کھڑے ہو کر اور سواری کی حالت میں نماز پڑھیں۔

(۳) باب: يحرس بعضهم بعضاً في صلاة الخوف

نماز خوف میں ایک دوسرے کی حفاظت کا خیال رکھیں

یعنی صلوٰۃ الخوف میں کچھ لوگ دوسرے لوگوں کا پہرہ دیں۔

دوسرے کی جان و مال کی حفاظت کی بے نظیر مثال

پہرہ تو ہر صورت میں دیا جاتا ہے، صلوٰۃ الخوف کے جو تین طریقے بیان کئے ہیں ان میں بھی پہرہ ہے

---

[۱۳] والحديث أخرجه البخاري ومسلم وغيرهما، هو ما روى عن حذيفة قال: ((سمعت النبي ا يقول يوم الخندق: شغلونا عن صلاة العصر ـ قال: ولم يصلها يومئذ حتى غربت الشمس ـ ملأ الله قبورهم نارا وقلوبهم نارا وبيوتهم نارا)). هذا لفظ الطحاوي. عمدة القاري، ج:۵، ص:۱۳۰.

کہ ایک وقت میں امام کے ساتھ ایک طائفہ شامل ہو جائے اور دوسرا دشمن کے مقابلے میں کھڑا ہوتا ہے، لیکن صلوۃ الخوف کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ امام نے سارے لشکر کی آگے پیچھے صفیں بنالیں اور سب کو ایک ساتھ نماز پڑھانی شروع کر دی۔ سب تحریمہ میں شامل ہوئے اور امام کے رکوع کرنے تک سب نماز میں شامل رہے، جب رکوع کرنے کا وقت آیا تو ایک طائفہ امام کے ساتھ رکوع میں چلا گیا اور دوسرا طائفہ نماز میں کھڑا رہا رکوع میں نہیں گیا، پہلا طائفہ رکوع کے بعد سجدہ میں چلا گیا اور یہ طائفہ کھڑا رہا اور پہرہ داری کرتا رہا۔

جب سجدہ ہو گیا تو اب پہلا طائفہ پیچھے ہٹ گیا اور دوسرا طائفہ آگے آ گیا، پھر امام نے قرأت شروع کی، قرأت میں دونوں طائفے شامل ہیں، جب رکوع کا وقت آیا تو دوسرا طائفہ رکوع میں گیا اور یہ کھڑا رہا پھر سجدہ کا وقت آیا اور یہ طائفہ کھڑا رہا، یہاں تک کہ قعدہ ہو گیا۔ قعدہ کے اندر تشہد پڑھا اور پھر سلام پھیر دیا۔

اب اس طریقہ میں دونوں طائفے بیک وقت امام کے ساتھ شامل ہیں، لیکن اس طرح کہ جب ایک طائفہ رکوع میں جاتا ہے تو دوسرا اس کی پہرہ داری کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ہر وقت مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسرے مسلمان کی جان، مال اور آبرو کی حفاظت کرے۔ اسی طرح جہاد کے موقع پر بھی مسلمان مجاہدین ایک دوسرے پر جان نثاری کا حق ادا کرنے میں بے نظیر و بے مثال ہے کہ ایک مسلمان خود کو خطرے میں ڈال کر بھی دوسرے مسلمان بھائی کی جان بچاتا ہے۔

چنانچہ حدیث روایت کی کہ:

۹۴۴ - حدثنا حيوة بن شريح قال : حدثنا محمد بن حرب ، عن الزبيدي ، عن الزهري عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة ، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال : قام النبي ﷺ فقام الناس معه ، فكبر و كبروا معه ، وركع وركع ناس منهم ثم سجد وسجدوا معه ، ثم قام للثانية فقام الذين سجدوا معه و حرسوا إخوانهم . وأتت الطائفة الأخرى فركعوا وسجدوا معه والناس كلهم في صلاة ولكن يحرس بعضهم بعضا. [۱۴، ۱۵]

تشریح

عن ابن عباس قال: قام النبي صلى الله عليه وسلم والناس معه ۔ حضور ﷺ کھڑے

---

۱۴ لا يوجد للحديث مكررات.

۱۵ وفي سنن النسائي ، كتاب صلاة الخوف ، رقم : ۱۵۱۲ ، ومسند أحمد ، ومن مسند بني هاشم ، باب بداية مسند عبدالله بن العباس ، رقم : ۱۹۵۹ ، ۲۲۶۱ ، ۳۱۹۲ ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث حذيفة بن اليمان عن النبي ، رقم : ۲۲۱۸۱ .

ہوئے تو ان کے ساتھ سارے لوگ کھڑے ہوگئے۔

فکبر وکبروا معه و رکع و رکع الناس منهم۔ تکبیر میں سب شامل تھے اور رکوع میں **ناس منهم ثم سجد و سجد و معه ، ثم قام للثانية**، پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے **فقام الذين سجد وا معه**، جو سجدے میں گئے تھے وہ کھڑے ہوگئے۔ **وحرسوا اخوانهم**، اور دوسرے بھائیوں کی پہرہ داری کررہے تھے **وأتت الطائفة الأخرىٰ فركعوا وسجدوا معه والناس كلهم في الصلوٰة**۔ اور سب لوگ نماز میں ہوگئے **ويكن يحرس بعضهم بعضا**۔

یہ طریقہ اس وقت جائز ہوتا ہے جب عدو جہت قبلہ میں ہو، اگر عدو جہت قبلہ میں نہیں ہے تو پھر یہ طریقہ جائز نہیں۔

یہ مذہب امام ابو یوسفؒ وابن لیلیٰؒ کا ہے، اور امام شافعیؒ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے اس پر عمل نہیں کیا، کیونکہ یہ قرآن کریم کی آیت "**وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا**" کے خلاف ہے۔[۱۱]

(۴) باب الصلاة عند مناهضة الحصون ولقاء العدو،

قلعوں پر چڑھائی اور دشمن کے مقابلہ کے وقت نماز پڑھنے کا بیان

وقال الأوزاعي : إن كان تهيأ الفتح ولم يقدروا على الصلاة صلوا إيماء كل امرئ لنفسه ، فإن لم يقدروا على الإيماء أخروا الصلاة حتى ينكشف القتال أو يأمنوا فيصلوا ركعتين ، فإن لم يقدروا صلوا ركعة وسجدتين ، فإن لم يقدروا فلا يجزيهم التكبير و يؤخرونها حتى يأمنوا. و به قال مكحول. وقال أنس بن مالك : حضرت عند مناهضة حصن تستر عند إضاءة الفجر واشتد اشتعال القتال فلم يقدروا على الصلاة فلم نصل إلا بعد ارتفاع النهار، فصليناها و نحن مع أبي موسى ففتح لنا. قال أنس : ومايسرني بتلك الصلاة الدنيا و ما فيها.

قلعہ فتح کرتے وقت طریقہ نماز

یہ باب اس بارے میں ہے کہ جب قلعے فتح کررہے ہوں اس وقت نماز کیسے پڑھی جائے؟

پہلے زمانہ کی جنگ میں خاص طور پر مشکل مرحلہ کسی قلعہ کو فتح کرنا ہوتا تھا، کیونکہ لوگ قلعہ کے برجوں

---

[۱۱] عمدۃ القاری، ج ۵، ص: ۱۴۳۔

میں فصیلوں پر ہوتے تھے، اسی طرح قلعہ کے اندر بھی ہوتے تھے، قلعہ کو فتح کرنے کے لئے بلندی پر چڑھنا پڑتا تھا جس کے لئے لکڑی کی سیڑھی لگائی جاتی یا بعض اوقات کمندیں ڈالی جاتیں، قلعہ کے اوپر جو لوگ ہوتے وہ تیر اندازی کرتے تھے، بعض اوقات کھولتا ہوا تیل ڈال دیتے، تو یہ مشکل کام ہوتا تھا۔

اب ایسے وقت میں جب قلعہ فتح کر رہے ہوں نماز کیسے پڑھیں؟ **ولقاء العدو**، اور جب دشمن کے بالکل آمنے سامنے ہوں اس وقت نماز کیسے پڑھیں؟

وقال الأوزاعي: إن كان تهيأ الفتح۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب فتح بالکل تیار ہو یعنی مجاہد قلعہ پر چڑھ رہے ہوں **ولم يقدروا على الصلاة**۔ اور نماز پڑھنے کی قدرت نہ ہو، کیونکہ ایک لمحہ کے لئے بھی میدان سے ہٹ نہیں سکتے تو ایسی صورت میں **صلوا ايماء**، اشارہ سے نماز پڑھیں یعنی قلعہ پر چڑھتے چڑھتے اشارہ سے نماز پڑھیں: **كل امرئ لنفسه**، ہر شخص اپنے لئے پڑھے یعنی جماعت نہ کریں۔

فإن لم يقدروا على الإيماء أخروا الصلوٰة، حتى ينكشف القتال أو يأمنوا۔

اگر اشارہ پر بھی قادر نہ ہوں تو پھر نماز مؤخر کر دیں، یہاں تک کہ قتال ختم ہو جائے یا امن کے حالات میں آجائیں، **فيصلوا ركعتين**، اس کے بعد دو رکعتیں پڑھ لیں۔ **فإن لم يقدروا صلوا ركعة و سجدتين**۔ اگر دو رکعت پر قادر نہ ہو تو ایک ہی رکعت پڑھے اور دو سجدے کریں۔ یہ امام اوزاعیؒ کا مسلک ہے۔

حنفیہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ حنفیہ کہتے ہیں پوری پڑھ سکتے ہیں تو پڑھ لیں ورنہ قضا کر لیں، اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں جائز کیا ہے۔

فإن لم يقدروا فلا يجزيهم التكبير، اگر ایک رکعت پر بھی قادر نہ ہو تو پھر محض اللہ اکبر کہنا کافی نہیں ہوگا، محض اللہ اکبر کہہ دینے سے نماز نہیں ہوگی۔

بعض فقہاء مثلاً سفیان ثوریؒ کا مذہب یہ ہے کہ جب گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہو تو ایسی صورت میں اگر ایک رکعت پڑھنے پر قدرت نہ ہو تو **الله اكبر الله اكبر الخ** تکبیر پڑھنے سے نماز ادا ہو جائے گی اور اس کے بعد قضا بھی ضروری نہیں ہے۔[۱۷]

---

۱۷ قال الثوري: يجزيهم التكبير، وروى ابن أبي شيبة من طريق عطاء و سعيد بن جبير و أبي البختري في آخرين، قالوا: إذا التقى الزحفان و حضرت الصلاة فقالوا: سبحان الله والحمد لله و لا إله إلا الله والله أكبر، فتلك صلوتهم بلا اعادة. وعن مجاهد والحكم: إذا كان عند الطراد والمسايفة يجزي أن تكون صلاة الرجل تكبيراً، فإن لم يمكن إلا تكبيرة أجزأته أين كان وجهه، و قال إسحٰق بن راهويه: تجزي عند المسايفة ركعة واحدة يومي بها إيماء فإن لم يقدر فسجدة، فإن لم يقدر فتكبيرة. عمدة القاري، ج: ۵، ص: ۱۳۳.

تو امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ محض تکبیر کافی نہیں ہے بلکہ **"ویؤخرونھا"**، نماز کو مؤخر کریں گے **"حتی یامنوا . و به قال مکحول"** اور یہی مکحول کا قول ہے۔

وقال أنس بن مالک : حضرت عند مناهضة حصن تستر عند إضاءة الفجر واشتد اشتعال القتال ۔۔۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں تستر کے قلعہ پر چڑھنے کے وقت موجود تھا۔

تُستر یہ ایران کی عملداری میں تھا جو معروف قلعہ ہے، جب مسلمان اس کو فتح کر رہے تھے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت موجود تھا جب ہم قلعہ پر چڑھ رہے تھے اس وقت فجر کا وقت ہو رہا تھا اور قتال کے شعلے بہت شدید ہو رہے تھے۔ **فلم يقدر واعلى الصلوٰة** ۔ نماز پڑھنے پر قدرت نہیں تھی **فلم نصل إلا بعد ارتفاع النهار** ۔ نماز کو نہ پڑھ پائے مگر دن چڑھنے کے بعد۔ **فصلّينا ها** ۔ پھر ہم نے نماز فجر پڑھی **و نحن مع ابی موسیٰ** ۔ اور ہم ابی موسیٰ کے ساتھ تھے **ففتح لنا** اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح عطا فرمائی۔

قال انس : وما يسرني بتلک الصلوٰة الدنيا وما فيها ۔ فرماتے ہیں اس نماز کے بدلے مجھے دنیا و مافیہا بھی پسند نہیں۔ یعنی اگر چہ ہم نے وہ نماز قضا پڑھی، لیکن اس نماز کا ایسا لطف تھا کہ اس کے سامنے دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ ہیں۔

بعض حضرات نے اس کی تشریح یوں کی ہے کہ اس روز کی نماز کے قضا ہونے پر حضرت انسؓ حسرت کا اظہار کر رہے تھے کہ جو نماز قضا ہوگئی اگر اس کے بدلے میں دنیا و مافیہا بھی مل جائے تو وہ سرور حاصل نہیں ہوگا جو نماز کو وقت پر پڑھنے سے حاصل ہوتا۔ دونوں معنوں میں سے پہلا معنی زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے۔

۹۴۵ ۔ حدثنا يحيى : حدثنا وكيع ، عن علي بن المبارک ، عن يحيى بن أبي كثير ، عن أبي سلمة ، عن جابر بن عبد اللّٰه قال : جاء عمر يوم الخندق فجعل يسب كفار قريش ويقول : يارسول اللّٰه ، ما صليت العصر حتى كادت الشمس أن تغيب . فقال النبي ﷺ : ((وأنا واللّٰه ما صليتها بعد)) . قال : فنزل إلى بطحان فتوضأ وصلى العصر بعد ما غابت الشمس ثم صلى المغرب بعدها . [راجع : ۵۹۶]

یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ غروب کے بعد پہلے ہم نے جماعت کے ساتھ عصر پڑھی، پھر مغرب کی نماز پڑھی، مراد یہ ہے کہ قضا نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت ہے۔ [۱۸]

---

[۱۸] انعام الباری، ج:۳، ص:۳۳۹۔

(۵) باب صلاة الطالب و المطلوب راكبا وإيماء،

دشمن کا پیچھا کرنے والا یا جس کے پیچھے دشمن لگا ہوا ہو

اس کے اشارے سے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا بیان

سواری کی حالت میں نماز کا حکم

یہ باب قائم کیا ہے کہ اگر کوئی شخص گھوڑے پر سوار ہے اور نماز کا وقت آ گیا ہے، لیکن نماز کے لئے گھوڑے سے اترنے کا موقع نہیں ہے، ایسی صورت میں گھوڑے پر سواری کی حالت میں نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

حنفیہ کے نزدیک جیسا کہ گزرا ہے اگر مطلوب ہے تو پڑھ سکتا ہے اور اگر طالب ہے تو پھر نہیں پڑھ سکتا۔ [۱۹]

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک طالب ہو یا مطلوب دونوں صورتوں میں پڑھ سکتا ہے، اس لئے فرمایا **صلوٰة الطالب والمطلوب راكباً و ايماءً.**

وقال الوليد: ذكرت للأوزاعي صلاة شرحبيل بن السمط وأصحابه على ظهر الدابة. فقال: كذلك الأمر عندنا إذا تخوف الفوت. واحتج الوليد بقولِ النبي ﷺ: ((لا يصلين أحد العصر إلا في بني قريظة)).

وقال الوليد: ولید کہتے ہیں کہ میں نے امام اوزاعی رحمہ اللہ سے ذکر کیا کہ شرحبیل بن سمط اور اس کے ساتھیوں نے گھوڑے کی پشت پر نماز ادا کی تھی تو امام اوزاعیؒ نے فرمایا **كذلك الأمر عندنا إذا تخوّف الفوت**، ہمارے نزدیک بھی معاملہ ایسا ہی ہے کہ اگر نماز فوت ہونے کا خوف ہو تو گھوڑے کی پشت پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

واحتج الوليد بقولِ النبي ﷺ: ((لا يصلين أحد العصر إلا في بني قريظة)).

ولید نے نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے استدلال کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ پہنچ کر۔

۹۴۶ ۔ حدثنا عبد الله بن محمد بن أسماء: حدثنا جويرية، عن نافع عن ابن عمر

---

[۱۹] عمدۃ القاری، ج:۵، ص:۱۴۰، ۱۴۶۔

قال: قال النبی ﷺ لنا لما رجع من الأحزاب: ((لا یصلین أحد العصر إلا فی بنی قریظة))، فأدرک بعضهم العصر فی الطریق، وقال بعضهم: لا نصلی حتی نأتیها. وقال بعضهم: بل نصلی، لم یرد منا ذلک. فذکر ذلک للنبی ﷺ فلم یعنف أحدا منهم. [أنظر: ۴۱۱۹] [۲]

کسی فریق پر نکیر نہیں

مشہور واقعہ ہے کہ غزوۂ خندق کے بعد حضور ﷺ نے کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم کو بنو قریظہ کی طرف بھیجا تھا اور فرمایا تھا عصر کی نماز بنو قریظہ میں جا کر پڑھنا، راستہ میں عصر کی نماز کا وقت آگیا اور بنو قریظہ ابھی دور تھا۔ اب صحابہ کرامؓ میں اختلاف پیدا ہوا، بعض نے کہا کہ یہیں پڑھنی چاہئے، بعض نے کہا ہم بنو قریظہ میں جا کر پڑھیں گے، کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ بنو قریظہ میں جا کر پڑھنا۔

جن حضرات کا کہنا تھا کہ پڑھ لینی چاہئے انہوں نے کہا کہ حضور ﷺ کے فرمان کا منشأ یہ تھا کہ اگر وقت کے اندر اندر بنو قریظہ پہنچ جاؤ۔ جبکہ دوسرے بعض حضرات کا کہنا تھا کہ ظاہر فرمان سے یہی پتہ چلتا ہے کہ بنو قریظہ سے پہلے نماز ادا نہ کریں، اس کی اجازت نہیں ہے۔

چنانچہ بعض حضرات نے راستہ میں نماز پڑھ لی اور بعض نے بنو قریظہ پہنچ کر، آپ ﷺ نے دونوں پر نکیر نہیں فرمائی۔

یہ استدلال تام نہیں

ولید کہتے ہیں کہ جنہوں نے راستہ میں نماز پڑھی، انہوں نے گھوڑے کی پشت پر پڑھی تھی، لہٰذا وہ استدلال کرتے ہیں کہ طالب ہونے کی صورت میں بھی راکبا نماز جائز ہے، حالانکہ روایت میں کسی جگہ بھی یہ صراحت نہیں ہے کہ جن لوگوں نے راستہ میں نماز پڑھی تھی، انہوں نے گھوڑے کی پشت پر نماز پڑھی تھی، لہٰذا اس سے استدلال قائم نہیں ہوتا۔

(۶) باب التکبیر والغلس بالصبح، والصلاة عند الإغارة والحرب

صبح کی نماز اندھیرے اور سویرے پڑھنا اور غارت گری و جنگ کے وقت نماز پڑھنے کا بیان

۹۴۷ — حدثنا مسدد قال: حدثنا حماد بن زید عن عبد العزیز بن صهیب،

---

[۲] وفی صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب المبادرة بالغزو وتقدیم أهم الأمرین المتعارضین، رقم: ۳۳۱۷.

وثابت البناني عن أنس بن مالک : أن رسول اللہ ﷺ صلی الصبح بغلس ، ثم رکب فقال: ((اللہ أکبر ، خربت خیبر ، إنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرین)) . فخرجوا یسعون في السکک ویقولون : محمد والخمیس ۔ قال والخمیس : الجیش ۔ فظهر علیهم رسول اللہ ﷺ فقتل المقاتلة وسبی الذراری ۔ فصارت صفیة لدحیة الکلبي ، وصارت لرسول اللہ ﷺ ثم تزوجها وجعل صداقها عتقها. فقال عبد العزیز لثابت : یا أبا محمد ، أنت سألت أنس بن مالک ما أمهرها ؟ قال : أمهرها نفسها ، فتبسم. [راجع: ۳۷۱]

صلی الصبح بغلس ۔ یہ غزوۂ خیبر کی بات ہے، اس سے مواقیت صلاۃ میں استدلال کرنا درست نہیں ۔ یہاں جلدی اس لئے کی گئی تھی کہ نماز سے جلدی فارغ ہوکر سامان سفر کر کے سوار ہوں ۔[۲۱]

فصارت صفیة لدحیة الکلبي ، وصارت لرسول اللہ ﷺ ثم تزوجها وجعل صداقها عتقها ۔

آپ ﷺ نے ان (حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا) کو آزاد فرمایا اور نکاح کرلیا۔

اس کی تفصیل "مسند احمد" کی روایت میں ہے:

"..... واصطفی رسول اللہ ﷺ صفیة بنت حیي فأتخذها لنفسه وخیرها أن یعتقها وتکون زوجته أو تلحق بأهلها فاختارت أن یعتقها وتکون زوجته الخ" ۔[۲۲]

کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میں تمہیں اختیار دیتا ہوں کہ اگر تم اپنے گھر والوں کے پاس جانا چاہو تو میں تمہیں اپنے گھر والوں کے پاس بھیج دیتا ہوں یعنی آزاد کر دیتا ہوں اور اگر تم چاہو تو آزاد کرنے کے بعد میں تم سے نکاح کرلوں اور پھر تم میرے پاس رہو تو انہوں نے دوسری شق کو اختیار کیا اور اس کے نتیجے میں آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کرلیا۔[۲۳]

---

۲۱ قال العیني ۔ إنما غلس هنا لأجل مبادرته إلی الرکوب ، وقد وردت أحادیث کثیرة صحیحة بالأمر بالإسفار، عمدة القاري ، ج:۵، ص:۱۵۰ .

۲۲ مسند أحمد ، باقي مسند المکثرین ، مسند انس بن مالک ، رقم : ۱۱۹۶۰ .

۲۳ راجع للتفصیل : انعام الباری، ج:۳، ص:۸۶۔

١٣- كتاب العيدين

رقم الحديث: ٩٤٨ - ٩٨٩

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۳ - كتاب العيدين

صلاۃ عیدین امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دوسری روایت کے مطابق نماز عید سنت مؤکدہ ہے۔ صاحبین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مسلک بھی سنت مؤکدہ ہے۔

امام احمد بن حنبل و ابن ابی لیلیٰ رحمہما اللہ کے نزدیک نماز عید فرض کفایہ ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے۔[1]

(۱) باب: في العيدين و التجمل فيه

اس چیز کا بیان جو عیدین کے متعلق منقول ہے اور ان دونوں میں مزین ہونے کا بیان

۹۴۸ - حدثنا أبو اليمان قال: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني سالم بن عبد الله أن عبدالله بن عمر قال: أخذ عمر جبة من استبرق تباع في السوق، فأخذها فأتى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله، ابتع هذه، تجمل بها للعيد و الوفود. فقال له رسول الله ﷺ: «إنما هذه لباس من لا خلاق له». فلبث عمر ماشاء الله أن يلبث، ثم

---

[1] فيه أن صلاة العيد سنة ولكنها مؤكدة، وهو قول الشافعي، وقال الاصطخري من أصحابه: فرض كفاية، و به قال أحمد ومالك و إبن أبي ليلى، والصحيح عن مالك أنه كقول الشافعي، رضي الله تعالى عنه، وعند أبي حنيفة وأصحابه: واجبة. وقال صاحب (الهداية): وتجب صلاة العيد على كل من تجب عليه الجمعة. وفي مختصر أبي موسى الضرير: هي فرض كفاية، وكذا قال في الغزنوي، وفي (القنية): قيل: هي فرض. ونقل القرطبي عن الأصمعي أنها فرض. عمدة القاري، ج:۵، ص:۱۶۱، و إعلاء السنن، ج:۸، ص:۱۰۳، البحر الرائق، ج:۲، ص:۱۵۷

أرسل إليه رسول الله ﷺ بجبة ديباج فاقبل بها عمر فاتى بها رسول الله ﷺ فقال: يارسول الله، إنک قلت: ((إنما هذه لباس من لا خلاق له))، وأرسلت إلی بهذه الجبة؟ فقال له رسول الله ﷺ: ((تبيعها أو تصيب بها حاجتک)). [راجع: ۸۸۶]

یہ حدیث پہلے بھی گزری ہے۔ یہاں اس کو لانے کا مقصد اس بات پر استدلال کرنا ہے کہ عید کے دن خاص طور پر اچھا لباس پہننا مشروع ہے۔

آپ ﷺ نے انکار اس وجہ سے فرمایا تھا کہ یہ ریشم ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول پر نکیر نہیں فرمائی کہ یہ کیوں کہہ رہے ہو کہ عید کے دن تجمل کرو، معلوم ہوا کہ عید کے دن تجمل مطلوب ہے بشرطیکہ وہ شرعی حدود میں ہو، لہٰذا حریر وغیرہ استعمال نہ کیا جائے دوسرے کپڑوں سے تجمل مشروع ہے۔

(۲) باب الحراب والدرق يوم العيد

عید کے دن ڈھالوں اور برچھیوں سے کھیلنے کا بیان

۹۴۹ـ حدثنا احمد قال: حدثنا ابن وهب قال: أخبرنا عمرو أن محمد بن عبدالرحمن الأسدي حدثه عن عروة، عن عائشة قالت: دخل علی رسول الله ﷺ و عندي جاريتان تغنيان بغناء بعاث، فاضطجع على الفراش و حول وجهه و جاء أبو بكر فانتهرني وقال: مزمارة الشيطان عند رسول الله ﷺ؟ فاقبل عليه رسول الله ﷺ فقال: ((دعهما)). فلما غفل غمزتهما فخرجتا. [انظر: ۹۵۲، ۹۸۷، ۲۹۰۷، ۳۵۳۰، ۳۹۳۱][۲]

ترجمہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس نبی اکرم ﷺ تشریف لائے، وعندی

[۲] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة العيدين، باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه في أيام العيد، رقم: ۱۴۷۹، وسنن النسائي، كتاب صلاة العيدين، باب ضرب الدف يوم العيد، رقم: ۱۵۷۵، وسنن ابن ماجة، كتاب النكاح، باب الغناء والدف، رقم: ۱۸۸۸، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۲۹۲۰، ۲۳۱۲۱، ۲۳۳۰۰، ۲۳۷۰۹، ۲۳۸۰۳، ۲۳۸۷۹، ۲۴۱۲۸، ۲۴۳۵۸، ۲۴۹۰۹، ۲۵۱۲۳.

جاریتان تغنیان بغناء بعاث ۔ میرے پاس دو لڑکیاں تھیں جو بُعاث ۔ کے گانے گا رہی تھیں۔

بُعاث ۔ ایک جنگ کا نام ہے، اسلام کے آنے سے پہلے اوس اور خزرج کے قبیلوں میں بکثرت جنگیں ہوا کرتی تھیں، ان میں طویل ترین جنگ **بعاث** تھی جو ایک سو بیس سال جاری رہی تھی اور اس میں دونوں طرف سے بڑے بڑے لوگ کام آئے تھے، اس جنگ کی بہادری کی داستانیں بہت مشہور تھیں اس لئے لوگوں نے اپنے اپنے بہادروں کے گانے بنا رکھے تھے، یہ لڑکیاں وہی گانے گا رہی تھیں۔

فاضطجع علی الفراش ، آپ نے دیکھا وہ گا رہی ہیں تو آپ ﷺ جا کر بستر پر لیٹ گئے **وحوّل وجهه** اور اپنا چہرہ ان کی طرف سے پھیر لیا، منع نہیں کیا لیکن اپنا چہرہ پھیر لیا اور ان کی طرف توجہ نہ کی۔

و جاء ابو بکر ۔ اس کے بعد صدیق اکبر تشریف لے آئے **"فانتهرنی"** انہوں نے مجھے ڈانٹا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے **و قال**: اور فرمایا، **"مزمارة الشیطان عند رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم"**، یہ شیطان کی بانسری نبی اکرم ﷺ کے پاس ہو رہی ہے، یعنی اس بات پر ڈانٹا۔

"فاقبل علیه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم" حضور اقدس ﷺ حضرت ابوبکر ؓ کی طرف متوجہ ہوئے **فقال** اور فرمایا **" دعهما "** ان کو گانے دو، یعنی صدیق اکبر ؓ کے منع کرنے پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو۔ اور اگلی روایت میں ہے کہ: **"إن لکل قوم عیدا ، وهذا عیدنا"** یہ فرمایا کہ ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے، یہ ہماری عید کا دن ہے اگر لڑکیاں خوشی منا رہی ہیں تو منع نہ کرو۔

"فلما غفل" ، جب حضور اقدس ﷺ کو تھوڑی سی اونگھ یا نیند آ گئی تو **"غمزتهما فخرجتا"** میں نے دونوں کے چٹکی بھری کہ یہاں سے ہٹ جاؤ پس وہ چلی گئیں۔

تشریح

اب یہاں یہ عجیب و غریب طرز عمل ہے جو آپ ﷺ نے اختیار فرمایا کہ خود بھی ممانعت نہیں فرمائی اور صدیق اکبر ؓ نے منع کیا تو ان کو بھی روک دیا لیکن خود ان کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوئے بلکہ چہرۂ مبارک دوسری طرف پھیر دیا اور لیٹ گئے۔

معلوم ہوا کہ وہ اس قسم کا گانا تھا جو حرام اور ناجائز نہیں تھا، اگر حرام اور ناجائز ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کبھی گوارا نہ فرماتے اور ضرور منع فرماتے، لیکن یہ بات بھی پسندیدہ نہیں تھی کہ خود اس کی طرف متوجہ ہوں اس لئے خود اس میں شرکت نہ فرمائی۔

اس حدیث کی تشریح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اس حدیث سے صوفیاء کے ایک گروہ نے گانا گانے اور گانا سننے کے جواز پر استدلال کیا ہے، اس

استدلال کے بطلان کے لئے اگلے باب کی وہ حدیث ہی کافی ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان لڑکیوں کے بارے میں تصریح کی ہے کہ " **ولیستا بمغنیتین** " وہ دونوں کوئی پیشہ ور گانے والیاں نہیں تھیں، اس طرح ابتداءً ظاہری الفاظ سے جو وہم ہوتا تھا اُسے آپ نے دور کر دیا۔

وجہ یہ ہے کہ ''غناء'' کا اطلاق عربی زبان میں ترنم اور بلند آواز سے پڑھنے پر ہوتا ہے، جسے اہل عرب نصب (**بفتح النون وسکون المهملة**) کہتے ہیں، اسی طرح حدی خوانی پر بھی ''غناء'' کا لفظ بولا جاتا ہے، لیکن نصب یا حدی خواں کو مغنی نہیں کہا جاتا، مغنی صرف اُس شخص کو کہتے ہیں جو آواز کے زیر و بم کے ساتھ لوگوں کے جذبات بھڑکا کر ایسے اشعار گائے، جن میں گندی باتوں کی صراحت یا اشارہ ہو۔

شادی بیاہ جیسے خوشی کے مواقع پر دف بجانے کی اباحت سے یہ لازم نہیں آتا کہ دیگر آلاتِ موسیقی جیسے عود وغیرہ ــــ بجانا بھی مباح ہو۔

رہا رسول اللہ ﷺ کا کپڑا اوڑھ لینا، تو دراصل اس طریقے سے گانا سننے سے اعراض مقصود تھا، اس لئے کہ نہ سننا ہی آپ کے مقام کا تقاضا تھا، البتہ آپ ﷺ کا نکیر نہ کرنا صرف اس نوعیت کے غنا کے جواز پر دلالت کرتا ہے، جسے آپ ﷺ نے برقرار رکھا۔ اس لئے آپ ﷺ کسی برائی کو باقی نہ رہنے دیتے تھے۔

اصل میں قانون یہ ہے کہ "**لھو ولعب** سے پرہیز کیا جائے" اور چونکہ یہ حدیث بظاہر اس قانون کے خلاف معلوم ہو رہی ہے، اس لئے اس سے غنا کی جس وقت، جس کیفیت اور جس مقدار قلیل کا جواز معلوم ہوتا ہے، صرف اسی وقت اسی کیفیت اور اسی مقدار قلیل میں غنا جائز ہوگا۔ باقی میں نہیں۔ ''واللہ اعلم''۔ [۳]

اس سے پتہ چلا کہ غنا اگر مباح ہو تب بھی ایسی چیز نہیں جس میں اہل تقویٰ اور اہل صلاح اہتمام سے شرکت کریں۔ اگرچہ وہ ایسی چیز بھی نہیں کہ اس پر نکیر کی جائے اور اس کو بُرا قرار دیا جائے۔ اگر آپ ﷺ منع فرما دیتے تو ہمیشہ کے لئے غنا ممنوع ہو جاتا۔

حاصل یہ ہے کہ اگر کسی فنی نزاکت کے بغیر تفریح طبع کے لئے ترنم سے کوئی شعر پڑھ لے تو شرعاً اس کی اجازت ہے۔

ایک اور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم ؓ کے گھر کے قریب سے ایک شخص گزر رہا تھا اندر سے گانے کی آواز آئی یعنی ایسی آواز آئی جیسے کوئی ترنم سے شعر پڑھ رہا ہے، وہ شخص اندر چلا گیا، دیکھا تو حضرت عمر ؓ خود شعر پڑھ رہے ہیں، اس نے کہا یا امیر المومنین! یہ کیا ہو رہا ہے؟

حضرت عمر ؓ نے فرمایا: **انا اذا خلونا فی منازلنا قلنا مایقول الناس**۔ [۴]

[۳] فتح الباری، ج: ۲، ص: ۴۴۲۔

[۴] الإستيعاب، ج: ۱، ص: ۲۴۸، و الإصابة، ج: ۱، ص: ۵۰۰۔

جب ہم خلوت میں آتے ہیں تو جیسے تم کرتے ہو ویسے ہم بھی کرتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اگر میں ترنم سے پڑھ رہا ہوں تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہے، کیونکہ شریعت نے اس کی پابندی نہیں لگائی، اس لئے اگر اس قسم کی کبھی تفریح طبع کریں تو ناجائز نہیں ہے۔

کون سا غنا ناجائز ہے؟

غنا میں فقہاء کرام نے فرمایا کہ ایک تو یہ ہے کہ غناء کو باقاعدہ فن بنا کر اور فن کی نزاکتوں کا خیال رکھ کر گانا، جو مغنیوں کا طریقہ ہوتا ہے، یہ ممنوع ہے، چنانچہ اگلی روایت میں آرہا ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ جو جاریہ گا رہی تھی وہ باقاعدہ مغنیہ نہیں تھی بلکہ ویسے ہی بے تکلفی میں گا رہی تھی اس لئے منع نہیں فرمایا، خاص طور پر مواقع سرور میں عید کے دن یا شادی بیاہ کے موقع پر جائز ہے بلکہ شادی کے موقع پر ترغیب دی گئی ہے کہ ـــ **فقال نبی اللہ ﷺ : ((یا عائشة ما کان معکم لھو ، فإن الأنصار یعجبھم اللھو)) .**[۵]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت ایک انصاری کے پاس نکاح کے بعد رخصت کر کے بھیجی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے عائشہ! کیا تم لوگوں کے ساتھ لہو نہ تھا، انصار کو تو لہو پسند ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم نے دلہن کے ساتھ کسی لڑکی کو بھی بھیجا ہے، جو دف بجاتی اور گاتی، میں نے عرض کیا وہ کیا گاتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ یہ اشعار گاتی:

أتیناکم أتیناکم
فحیانا وحیاکم[۶]

تو یہاں صرف اجازت نہیں بلکہ ترغیب دی گئی ہے، تو اگر مواقع سرور میں بغیر کسی فنکاری اور پیشہ ورانہ غناء کے بے تکلفی کے ساتھ کچھ شعر ترنم سے پڑھ لئے جائیں تو یہ منع نہیں ہے، البتہ اس کو باقاعدہ فن بنانا جیسے آجکل اہتمام سے بنایا جاتا ہے یہ منع ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں جہاں بھی غناء ثابت ہے وہ بغیر آلات کے ثابت ہے، صرف دف ثابت ہے لیکن دف بھی آلہ لہو نہیں ہے، کیونکہ دف ایک طرف ہوتا ہے اور یہ عام طور پر ذریعۂ اعلان ہے اس کی آواز بھی

---

[۵] صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب النسوة التی یھدین المرأة إلی زوجھا ودعائھن بالبرکة، رقم: ۵۱۶۲.

[۶] سنن ابن ماجة، کتاب النکاح، باب الغناء والدف، رقم: ۱۸۹۰.

بُری سی ہوتی ہے اس لئے اس کی اجازت ہے، لیکن دوسرے آلات لہو جیسے عود، بط اور رباب ہیں یہ منع ہیں۔

خلاصہ یہ نکلا کہ ہر قسم کے غنا و مزامیر جو لہو محض اور فضول ہیں، یا انسان کو اس کی ضروریات اور مقاصد سے غافل کرتے ہیں، حرام ہیں جیسے رائج الوقت غنا اور تمام باجے بانسریاں، البتہ کچھ صورتوں میں بعض شرعی مصلحتوں کے پیش نظر غنا مباح ہے جیسے ولیمہ میں اظہار سرور کے لئے۔

حاصل یہ ہے کہ قیاس اور شریعت کے عام قانون کا تقاضا یہی ہے کہ غنا و مزامیر سے لطف اندوزی بقصد واکتساب جائز نہیں، البتہ عام قیاس کے برخلاف چند احادیث سے بعض مواقع پر جواز معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس جواز کو انہی مواقع کی حد تک محدود رکھا جائے گا، کیونکہ فقہاء کا مسلمہ اصول ہے کہ کسی صحیح حدیث میں جو بات شریعت کے کسی عام ضابطہ کے خلاف آئے، تو صرف اس حدیث میں آنے والی صورت پر عمل کیا جائے گا، اُسے اصل ٹھہرا کر اس پر مزید قیاس کرنا جائز نہیں، فقۂ اسلامی میں جابجا یہ اصول کارفرما نظر آتا ہے۔

اس کے باوجود سلف میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو اس کو بھی جائز کہتی ہے۔ جیسے امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء العلوم میں بہت لمبی بحث کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو آلات شعار فساق نہ ہوں جیسے عود وہ جائز ہیں۔

نیز علامہ زبیدیؒ (جو احیاء العلوم کے شارح ہیں) نے **اتحاف السادۃ المتقین** میں لمبی چوڑی بحث کی ہے اور اتنی روایات لائے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ (معاذ اللہ) سلف کو سوائے گانے بجانے کے کوئی کام ہی نہیں ہوگا کہ عبد اللہ بن زبیرؓ یوں کہتے ہیں، مغیرہ بن شعبہؓ یوں کہتے ہیں، عبد اللہ بن جعفرؓ یوں کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ جب کوئی باندی خریدتے تھے تو باندی سے کہتے تھے کہ پہلے گانا سناؤ اگر تمہارا گانا اچھا لگا تو خریدوں گا ورنہ نہیں خریدوں گا، اور وہ خود باندیوں کو دُھن بتایا کرتے تھے کہ اس طرح گایا کرو، اور اپنے آلات پر سنا کرتے تھے۔ خدا جانے کیا کچھ انہوں نے لکھ دیا ہے۔

اسی بناء پر بعض اہل ظواہر ابن حزم وغیرہ سمع بالآلات کے جواز کے قائل ہیں۔ صوفیاء کرام میں سے بہت سارے جو امام غزالی رحمہ اللہ اور زبیدیؒ کے پیروکار ہیں سب نے جائز کہا ہے۔[۷]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ "**اتحاف السادۃ المتقین**" میں جو روایات نقل کی گئی ہیں، سب ساقط الاعتبار ہیں اور کسی بھی صحابیؓ یا تابعیؒ سے کسی صحیح روایت میں ثابت نہیں ہے کہ انہوں نے آلات کے ساتھ سماع کیا ہو۔ اس کے برخلاف مزامیر کی ممانعت پر جو احادیث ہیں وہ بڑی کثرت سے وارد ہوئی ہیں۔[۸]

---

۷ اتحاف السادۃ المتقین بشرح إحیاء علوم الدین، کتاب آداب السماع والوجد، ج: ۷، ص: ۵۵۷-۴۸۰.

۸ اس موضوع پر والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے "کشف العناء عن وصف الغناء" اور دوسرا رسالہ "السعی الحثیث فی تفسیر لہو الحدیث" جو احکام القرآن کا حصہ ہے اس میں حضرت والد صاحبؒ نے چھتیس احادیث جمع کی ہیں جو آلات موسیقی کے عدم جواز پر دلالت کرتی ہیں اس رسالے کا ترجمہ "اسلام اور موسیقی" کے نام سے مکتبہ دار العلوم کراچی سے شائع ہو گیا ہے۔

متعدد روایات سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔

ائمہ اربعہؒ اور بیشتر محدثین بھی اسی کے قائل ہیں کہ سماع بالآلات جائز نہیں ہے، جہاں کہیں آلات کا ذکر ہے تو زیادہ سے زیادہ دف کا ذکر ہے جو آلات طرب میں داخل نہیں ہے۔[۹]

۹۵۰ – وكان يوم عيد يلعب فيه السودان بالدرق والحراب، فإما سألت رسول الله ﷺ و إما قال: ((أتشتهين تنظرين)) ؟ قلت: نعم. فأقامني وراءه، خدي على خده وهو يقول: ((دونكم يا بني أرفدة)). حتى إذا مللت قال: ((حسبک)) ؟ قلت: نعم. قال: ((فاذهبي)). [راجع: ۴۵۴]

تشریح

"**وكان يوم عيد يلعب فيه السودان بالدرق والحراب**" اور عید کے دن سیاہ فام لوگ زرہ

[۹] الكلام في الغناء، قال القرطبي: أما الغناء فلا خلاف في تحريمه، لأنه من اللهو واللعب المذموم بالاتفاق، فأما ما يسلم من المحرمات فيجوز القليل منه في الأعراس والأعياد وشبههما، ومذهب أبي حنيفة تحريمه، وبه يقول أهل العراق، ومذهب الشافعي كراهته وهو المشهور من مذهب مالک، واستدل جماعة من الصوفية بحديث الباب على إباحة الغناء وسماعه بآلة وبغير آلة، ويرد عليهم بأن غناء الجاريتين لم يكن إلا في وصف الحرب والشجاعة وما يجري في القتال فلذلک رخص رسول الله ﷺ فيه. وأما الغناء المعتاد عن المشتهرين به الذي يحرک الساكن ويهيج الكامن الذي فيه وصف محاسن الصبيان والنساء ووصف الخمر ونحوها من الأمور المحرمة فلا يختلف في تحريمه، ولا اعتبار لما ابتدعته الجهلة من الصوفية في ذلک، فإنک إذا تحققت أقوالهم في ذلک ورأيت أفعالهم وقفت على آثار الزندقة منهم، وبالله المستعان. وقال بعض مشايخنا: مجرد الغناء والاستماع إليه معصية، حتى قالوا: إستماع القرآن بالألحان معصية، والتالي والسامع آثمان، واستدلوا في ذلک بقوله تعالى: ﴿ومن الناس من يشتري لهو الحديث﴾ [لقمان: ۶] جاء في التفسير أن المراد به الغناء، وفي (فردوس الأخبار): ((عن جابر رضي الله تعالى عنه، أنه قال: إحذروا الغناء فإنه من قبل إبليس وهو شرک عند الله ولا يغني إلا الشيطان)). ولا يلزم من إباحة الضرب بالدف في العرس ونحوه إباحة غيره من الآلات كالعود ونحوه، وسئل أبو يوسف عن الدف: أتكرهه في غير العرس، مثل المرأة في منزلها والصبي؟ قال: فلا كراهة، وأما الذي يجيء منه اللعب الفاحش والغناء فإني أكرهه. كذا قاله العلامة بدر الدين العينيؒ في عمدة القاري، ج:۵، ص:۱۵۸، مطبع: دار الفكر، بيروت.

اور نیزوں سے کھیلا کرتے تھے یعنی کرتب دکھاتے تھے **"فاما سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واما قال: اتشتھین تنظرین؟"** یا تو میں نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ آپ مجھے دکھائیں، یا آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تمہارا دیکھنے کو دل چاہتا ہے؟

قلت: نعم ۔ میں نے کہا جی ہاں، **فاقامنی وراءہ** ۔ آپ ﷺ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کرلیا۔

خدی علی خدہ ، اس طرح کہ میں نے آپ ﷺ کے کندھے مبارک پر اپنا سر رکھ لیا تو میرا رخسار آپ ﷺ کے رخسار سے مل رہا تھا" **وھو یقول: دونکم یا بنی أرفدة"** ، اور آپ ﷺ ان کو دیکھ کر فرمارہے تھے کہ ذرہ آگے بڑھ کر مارو۔ بنی ارفدہ حبشہ والوں کی کنیت ہے۔ **دونکم** ۔ کے لفظی معنی ہیں لو، مراد ہمت دلانا اور حوصلہ افزائی کرنا ہے کہ ہاں یہ کام کرو۔

حتی إذا مللت ۔ یہاں تک کہ میں تھک گئی **قال: حسبک؟** تو فرمایا آپ کے لئے کافی ہوگیا؟

قلت: نعم قال فاذھبی، آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ۔

دوسری روایات میں آتا ہے کہ کچھ دیر کے بعد آپ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا کافی ہوگیا، تو میں نے کہا نہیں ابھی اور دیکھوں گی آپ ﷺ کھڑے رہے پھر پوچھا کہ **حسبک؟** میں نے کہا نہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک ایسا مرحلہ آیا کہ جب مزید دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن میں اس لئے کہہ رہی تھی تاکہ دیکھوں کہ آنحضرت ﷺ کس حد تک میرے قول کی رعایت فرماتے ہیں اس لئے بار بار یہی کہتی رہی کہ ابھی اور دیکھوں گی۔ [۳۱]

مبتدی اور منتہی

یہ عظمت کا مقام ہے کہ جس ذات کا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم ہے، جس پر وحی نازل ہو رہی ہے، ملأ الاعلیٰ کے ساتھ رشتہ اُستوار ہے، جنت اور جہنم دیکھے ہوئے ہیں وہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے اس کی دلداری کے لئے کھڑے ہوئے ہیں یہ حسن معاشرت کا اتنا اونچا مقام ہے جس کا آدمی تصور بھی نہیں کرسکتا۔

صوفیاء کرامؒ نے ایک بڑے نکتے کی بات کہی ہے کہ مبتدی اور منتہی دونوں کی ظاہری حالت دیکھنے میں

---

[۳۱] ((أما شبعت أما شبعت ؟ قالت : فجعلت أقول : لا ، لأنظر منزلتي عنده)) وله من رواية أبي سلمة عنها : ((قلت يا رسول اللّٰه لا تعجل . فقام لي ثم قال : حسبك ؟ قلت : لا تعجل . قلت : وما بي حب النظر إليهم ولكن أحببت أن تبلغ النساء مقامه لي ومكاني منه)). عمدة القاري ، ج:۵، ص: ۱۵۷ ، وسنن الترمذي ، رقم : ۳۶۹۱ ، ج:۵ ، ص: ۶۲۱ ، وسنن الكبرى ، رقم : ۸۹۵۷ ، ج:۵ ، ص: ۳۰۹.

یکساں ہوتی ہے، لیکن حقیقت میں زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ جیسے ایک نیا نیا شادی شدہ شخص ہے جس کی ابھی ابھی شادی ہوئی ہے اس کو بیوی کے ساتھ استمتاع کا بڑا شوق ہوتا ہے اور ایک پیغمبر بھی یہ کام کرتا ہے، ظاہر میں دونوں کے حالات یکساں ہیں کہ یہ بھی بیوی کی دلداری کر رہا ہے اور وہ بھی بیوی کی دلداری کر رہا ہے لیکن حقیقت میں دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلا شخص اپنے نفس کے لئے کر رہا ہے اور پیغمبر اداءِ حق کے لئے کر رہا ہے۔ اُسے خواہش نفس اتنی مطلوب نہیں ہوتی اس کا مقصود اداءِ حق ہوتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اس سے وابستہ کیا ہے، اب ظاہری حالت ایک جیسی ہے لیکن حقیقت میں فرق ہے۔

حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو گیارہ عورتوں کا قصہ سنا رہے ہیں کہ گیارہ عورتیں جمع ہوئیں اور آپس میں ایک دوسرے کو اپنے شوہروں کے حالات بتانے لگیں، آپ ﷺ بیٹھے یہ قصہ سنا رہے ہیں، اب جس ذات کا تعلق اللہ تعالیٰ سے استوار ہے، انہیں کیا پڑی کہ بیٹھ کر بیوی کو قصے سنائیں لیکن اداءِ حق کی خاطر یہ کام ہوتا ہے۔

ایک متوسط ہوتا ہے جو دونوں یعنی مبتدی اور منتہی کے درمیان ہوتا ہے، اس کا ظاہری حال دونوں سے بالاتر معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنی بیوی سے کبھی اس طرح کی باتیں نہیں کرے گا جبکہ حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ لگا رہے ہیں۔

آج کا کوئی پیر، کوئی شیخ جس کو لوگ مقتداء سمجھتے ہوں کیا وہ اپنی بیوی کے ساتھ دوڑ لگائے گا، ہرگز نہیں، اس لئے کہ اس کے تقدس کا لباس تار تار ہو جائے گا، لہٰذا وہ بن ٹھن کر رہے گا، اس قسم کے کاموں میں حصہ نہیں لے گا۔

اب بظاہر دیکھنے میں تو یہ بڑا مقدس لگتا ہے کہ بیوی کے ساتھ باہر نہیں نکلتا لیکن حقیقت میں وہ ابھی اس مقام تک نہیں پہنچا جس مقام تک پیغمبر پہنچے ہیں کہ ان تمام درمیانی درجات کو ختم کر کے اور لوگوں کی مدح وذم سے بے نیاز ہو کر اللہ تعالیٰ نے جو حق متعلق کیا ہے اس کی ادائیگی کے لئے کمر باندھے، ان کی نظر میں مخلوق اچھا سمجھے یا بُرا، مقدس سمجھے یا غیر مقدس، اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

دیکھئے! حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں **"حبب الی من دنیا کم ثلاث، المرأة والطیب والماء البارد"** آج کوئی پیر کہے گا کہ مجھے عورت زیادہ پسند ہے، ہرگز نہیں، اس لئے کہ اگر یہ کہے گا تو اندیشہ ہے کہ لوگ یہ کہیں گے کہ یہ بڑا شہوت پرست ہے اور میرے اعتقاد سے پھر جائیں گے، یہ تو وہی صادق ومصدوق رسول اللہ ﷺ کی ذات ہے جو یہ فرما سکتی ہے، جنہیں لوگوں کے کہنے سننے کی کوئی پرواہ نہیں ہے، یہ کام وہی کر سکتے ہیں کہ بیوی کا سر کندھے پر رکھ کر حبشہ والوں کے کرتب دکھا رہے ہیں اور ساتھ **دونکم یا بنی ارفدة** کہہ رہے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ لوگ اس کو اچھا سمجھتے ہیں یا بُرا، یہ منتہی کا مقام ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اس کی بڑی بہترین مثال دی ہے، فرماتے ہیں کہ اس کی مثال

ایسی ہے جیسے ایک شخص دریا کے کنارہ کھڑا ہے اور اس نے دوسرے کنارہ جانا ہے اور دوسرا شخص دوسرے کنارہ کھڑا ہے اور دریا پار کر چکا ہے جبکہ تیسرا شخص دریا میں تیر رہا ہے۔

اب بظاہر دیکھنے میں دونوں کناروں والے ایک جیسے ہیں اور ان میں بہادر وہ شخص نظر آتا ہے جو دریا کے بیچ میں غوطے لگا رہا ہے۔

لیکن حقیقت میں بہادر وہ ہے جو ان موجوں سے کھیل کر دوسرے کنارہ پر پہنچ گیا ہے کیونکہ جو کنارہ پر کھڑا ہے وہ ابھی داخل ہی نہیں ہوا اور جو بیچ میں ہے ابھی اُسے سفر طے کرنا ہے اور جو دوسرے کنارہ پر ہے وہ یہ سارے مراحل طے کر چکا ہے۔ اب شکل وصورت کے اعتبار سے دونوں ایک جیسے ہیں، لیکن حقیقت میں اس کنارہ والے کو اس سے کوئی نسبت نہیں ہے۔

اس وجہ سے انبیاء علیہم السلام، صحابۂ کرام ﷺ اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ سارے مراحل سے گزرنے کے بعد ان کی ظاہری حالت ایک مبتدی جیسی ہو جاتی ہے اس کو صوفیاء کرام عروج ونزول سے تعبیر کرتے ہیں۔

عروج موجوں سے لڑنے والی بات ہے اور نزول دوسرے کنارہ پر کھڑے ہونے والے کی بات ہے، اصل مقام کمال نزول ہے نہ کہ عروج۔

صوفیاء کرامؒ کی اصطلاح میں ایک عروج ہوتا ہے جس میں مختلف حالات پیش آتے ہیں، جیسے استغراق کہ دنیا و مافیہا کی خبر ہی نہیں۔ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہیؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ ہر وقت استغراق کی حالت میں رہتے تھے، بعض اوقات بیٹے کی پہچان بھی نہیں کر سکتے تھے، بعض اوقات فاقے گزرتے، بچے روتے کہ کھانا دیجئے، کہتے اچھا کھانا چاہئے؟ دیگیں تیار ہو رہی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جنت میں دیگیں تیار ہو رہی ہیں اور پھر ذکر میں مشغول ہو جاتے، یہ عروج کا مقام ہے۔

اس کے بعد ایک مقام آتا ہے جس میں استغراق وغیرہ کچھ نہیں ہے بظاہر آدمی ایک عام آدمی کی طرح **"یاکل الطعام و یمشی فی الأسواق"** لیکن وہ ان تمام مراحل سے گزر چکا ہوتا ہے، اب بظاہر تو **یاکل الطعام** لیکن حقیقۃً **"یاکل الطعام لا لنفسه بل للّٰه، یمشی فی الأسواق لا لنفسه بل للّٰه"** یہ نزول کا مقام ہوتا ہے اور یہ انبیاء کرام علیہم السلام کا مقام ہوتا ہے۔ یہاں حضرت عائشہؓ کے ساتھ جو معاملہ فرمایا یہ حضور اکرم ﷺ کا ہی مقام ہے جو انسانیت کا اعلیٰ ترین مقام ہے۔

اسی حدیث سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے استدلال فرمایا کہ عام حالات میں عورت کے لئے مرد کو دیکھنا جائز ہے، البتہ جہاں فتنہ کا قوی اندیشہ ہو وہاں منع ہے۔ اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو پھر جائز ہے، اگر جائز نہ

ہوتا تو حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اہل حبشہ کے کرتب نہ دکھاتے۔[۱۱]

بعض حضرات نے فرمایا کہ یہ واقعہ نزول وحی حجاب سے پہلے کا ہے، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ حجاب کا حکم ہجرت کے چوتھے سال نازل ہو گیا تھا اور حبشہ کے لوگوں کے آنے کا واقعہ بعد کا ہے، لہٰذا یہ نزول حجاب کے بعد کا واقعہ ہے اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو پیچھے کھڑا کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حجاب کا حکم آچکا تھا، اسی لئے حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ نزولِ حجاب کے بعد کا ہے۔[۱۲]

محقق بات یہ ہے کہ اگر عورت کا مرد کو دیکھنا التذاذ کی غرض سے ہو تو ناجائز ہے اور اگر یہ غرض نہ ہو تو جائز ہے۔[۱۳]

حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ والی حدیث جس میں ہے **"أفعميا وأن انتما ألستما تبصرانه"** کہ اگر وہ اندھے ہیں تو تم تو اندھی نہیں ہو۔ اس کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ دو باتیں ہیں:

ایک تو یہ کہ عورت گھر میں ہے اور مرد باہر ہے اور دوسری یہ کہ عورت بھی گھر میں ہے اور مرد بھی گھر میں ہے۔ اس دوسری صورت میں خلوت ہوتی ہے اور فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس سے منع فرمایا، کیونکہ معاملہ گھر کے اندر کا تھا۔ تو دونوں صورتوں میں فرق ہے۔[۱۴]

دوسری بات یہ ہے کہ عادت بدلنا مقصود تھا کہ یہ نہیں کہ اگر وہ اندھے ہیں تو بے محابا آجاؤ بلکہ اس کی عادت ڈالو کہ باپردہ ہو کر آؤ، ورنہ مسئلہ یہ ہے کہ فی نفسہٖ عورت کے لئے مرد کو دیکھنا اگر التذاذ کی غرض سے نہ ہو تو جائز ہے۔

(۳) باب سنة العيدين لأهل الإسلام

اہل اسلام کے لئے عید کی سنتوں کا بیان

۹۵۱ ـ حدثنا حجاج قال: حدثنا شعبة قال: أخبرني زبيد قال: سمعت الشعبي عن البراء قال: سمعت النبي ﷺ يخطب فقال: «إن أول ما نبدأ في يومنا هذا أن نصلي

---

[۱۱] فتح الباری، ج:۲، ص:۴۴۳.

[۱۲] فتح الباری، ج:۲، ص:۴۴۵.

[۱۳] وقال النووی: أما النظر بشهوة وعند خشية الفتنة فحرام إتفاقاً، فتح الباری، ج:۲، ص:۴۴۵.

[۱۴] فتح الباری، ج:۹، ص:۳۳۷.

ثم نرجع فننحر ، فمن فعل فقد أصاب سنتنا »۔ [انظر : ۹۵۵ ، ۹۶۵ ، ۹۶۸ ، ۹۷۶ ، ۹۸۳ ، ۵۵۴۵ ، ۵۵۵۶ ، ۵۵۵۷ ، ۵۵۶۰ ، ۵۵۶۳ ، ۶۶۷۳][۱۵]

عید کیسے کریں

حضرت براءؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے پہلی چیز جس سے ہم آج کے دن ابتدا کریں وہ یہ کہ ہم نماز پڑھیں پھر گھر واپس ہوں، پھر قربانی کریں اور جس نے اس طرح کیا تو اس نے میری سنت کو پالیا۔

۹۵۲ ۔ حدثنا عبید بن إسماعیل قال : حدثنا أبو أسامة ، عن هشام ، عن أبیه ، عن عائشة رضی اللہ عنها قالت : دخل أبو بکر وعندی جاریتان من جواری الأنصار تغنیان مما تقاولت الأنصار یوم بعاث . قالت : ولیستا بمغنیتین ، فقال أبو بکر : بمزامیر الشیطان فی بیت رسول اللہ ﷺ ؟ وذلک فی یوم عید . فقال رسول اللہ ﷺ : « یا أبا بکر ، إن لکل قوم عیدا ، وهذا عیدنا » . [راجع : ۹۴۹]

ترجمہ

عروہ بن زبیرؒ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت ابوبکرؓ آئے، اور میرے پاس انصار کی دو لڑکیاں جنگ بعاث کے دن (شعر) گا رہی تھیں، ان لڑکیوں کا پیشہ گانے کا نہیں تھا تو ابوبکرؓ نے فرمایا کہ یہ شیطانی باجا اور رسول اللہ ﷺ کے گھر میں؟ اور وہ عید کا دن تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور آج ہم لوگوں کی عید ہے۔

قالت : ولیستا بمغنیتین ۔ یہ اس لئے فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ وہ دونوں لڑکیاں پیشہ ور گانے والی نہ تھیں جس کی تشریح اوپر گزری ہے۔

---

[۱۵] وفی صحیح مسلم ، کتاب الأضاحی ، باب وقتها ، رقم : ۳۶۲۳ ، وسنن الترمذی ، کتاب الأضاحی عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی الذبح بعد الصلاة ، رقم : ۱۴۲۸ ، وسنن النسائی ، کتاب صلاة العیدین ، باب الخطبة یوم العید ، رقم : ۱۵۴۵ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الضحایا ، باب مایجوز من السن فی الضحایا ، رقم : ۲۴۱۸ ، ومسند أحمد ، أول مسند الکوفیین ، باب حدیث البراء بن عازب ، رقم : ۱۷۷۵۰ ، ۱۷۷۵۸ ، ۱۷۸۰۲ ، ۱۷۹۴۳ ، ۱۷۹۴۵ ، وسنن الدارمی ، کتاب الأضاحی ، باب فی الذبح قبل الإمام ، رقم : ۱۸۸۰ .

(۴) باب الأكل يوم الفطر قبل الخروج

عیدگاہ جانے سے پہلے عید الفطر کے دن کھانے کا بیان

۹۵۳ - حدثنا محمد بن عبد الرحيم: أخبرنا سعيد بن سليمان قال: حدثنا هشيم قال: أخبرنا عبيد الله بن أبي بكر بن أنس عن أنس بن مالك قال: كان رسول الله ﷺ لا يغدو يوم الفطر حتى يأكل تمرات.

وقال مرجي بن رجاء: حدثني عبيد الله قال: حدثني أنس عن النبي ﷺ: ويأكلهن وترا.

حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ عید الفطر کے دن جب تک چند چھوہارے نہ کھالیتے عیدگاہ کی طرف نہ جاتے۔ اور مرجی بن رجاء نے عبید اللہ بن ابی بکر سے اور انہوں نے انس ؓ سے اور انس نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ چھوہارے طاق عدد میں کھاتے تھے۔

(۵) باب الأكل يوم النحر

قربانی کے دن کھانے کا بیان

۹۵۴ - حدثنا مسدد قال: حدثنا إسماعيل، عن أيوب، عن محمد بن سيرين عن أنس قال: قال النبي ﷺ: «من ذبح قبل الصلاة فليعد». فقام رجل فقال: هذا يوم يشتهى فيه اللحم، و ذكر من جيرانه فكأن النبي ﷺ صدقه. قال: و عندي جذعة أحب إلي من شاتي لحم، فرخص له النبي ﷺ، فلا أدري أبلغت الرخصة من سواه أم لا.
[انظر: ۹۸۴، ۵۵۴۶، ۵۵۴۹، ۵۵۶۱][۱]

---

[۱] وفي صحيح مسلم، كتاب الأضاحي، باب وقتها، رقم: ۳۶۳۰، وسنن الترمذي، كتاب الأضاحي عن رسول الله، باب ماجاء في الذبح بعد الصلاة، رقم: ۱۴۲۸، وسنن النسائي، كتاب الضحايا، باب ذبح الضحية قبل الإمام، رقم: ۴۳۲۰، وسنن أبي داؤد، كتاب الضحايا، باب مايجوز من السن في الضحايا، رقم: ۲۴۱۸، وسنن ابن ماجة، كتاب الأضاحي، باب النهي عن ذبح الأضحية قبل الصلاة، رقم: ۳۱۴۲، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أنس بن مالك، رقم: ۱۱۶۷۷، ۱۱۶۷۲، وسنن الدارمي، كتاب الأضاحي، باب في الذبح قبل الإمام، رقم: ۱۸۸۰.

حدیث باب کی تشریح

یہ معروف واقعہ ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں چار جگہ پر ذکر کیا ہے۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا **من ذبح قبل الصلوٰۃ فلیعد**، کہ جس شخص نے نماز عید سے پہلے قربانی کرلی اس کو چاہئے کہ دوبارہ قربانی کرے، اس کی قربانی نہیں ہوئی۔

فقال رجل - ایک شخص کھڑے ہوگئے اور آگے روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو بردہؓ تھے، اور کہا **ھذا یوم یشتھی فیہ اللحم** - آج کے دن لوگوں کو گوشت کا شوق ہوتا ہے **و ذکر من جیرانہ** - مطلب یہ ہے کہ میرے پڑوس میں لوگ رہتے ہیں، میں نے سوچا کہ لوگ جلدی کی خواہش رکھتے ہیں اس لئے میں نے نماز سے پہلے قربانی کرلی اور ان کو گوشت بھیج دیا۔ **فکان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ** - آپ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی کہ واقعی آج کے دن لوگ گوشت پسند کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ یہ بھی فرمایا کہ تمہاری قربانی نہیں ہوئی کیونکہ عید کی نماز سے پہلے کردی ہے اس لئے اب دوبارہ کرنی ہوگی۔ **قال: و عندی جذعۃ أحب الی من شاتی لحم** - میرے پاس ایک جذعہ یعنی چھ مہینے کی بکری ہے جو میرے نزدیک دو گوشت والی بکریوں سے زیادہ اچھی ہے، **فرخص لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم** - حضور اقدس ﷺ نے اجازت دے دی۔

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں **فلا ادری أبلغت الرخصۃ من سواہ أم لا** - یہ چھ مہینے کی رخصت صرف میرے لئے ہے یا کسی اور کے لئے بھی ہے، مجھے معلوم نہیں ہے۔

اگلی حدیث میں ہے **ولن تجزیٔ عن احد بعدک** - تمہارے علاوہ کسی اور کے لئے جذعہ کی رخصت نہیں ہے، یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے، آئندہ کے لئے ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔

۹۵۵ - حدثنا عثمان قال : حدثنا جریر ، عن منصور ، عن الشعبی ، عن البراء بن عازب قال : خطبنا النبی ﷺ یوم الأضحی بعد الصلاۃ ، فقال : ((من صلی صلاتنا ونسک نسکنا فقد أصاب النسک ، ومن نسک قبل الصلاۃ فإنہ قبل الصلاۃ ولا نسک لہ)) . فقال أبو بردۃ بن نیار خال البراء : یا رسول اللہ ، فإنی نسکت شاتی قبل الصلاۃ وعرفت أن الیوم یوم أکل وشرب ، وأحببت أن تکون شاتی أول شاۃ تذبح فی بیتی ، فذبحت شاتی وتغدیت قبل أن آتی الصلاۃ . قال : ((شاتک شاۃ لحم)) . فقال : یا رسول اللہ ، فإن عندنا عناقا لنا جذعۃ ھی أحب إلی من شاتین ، أفتجزی عنی ؟ قال : ((نعم ، ولن تجزی عن أحد بعدک)) . [راجع : ۹۵۱]

نماز عید الاضحیٰ سے قبل کھانے کا بیان

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص عید الاضحیٰ میں نماز سے پہلے کھا کر آ جائے تب بھی جائز ہے۔ عید الفطر میں تو مسنون ہے کہ کھا کر جائیں اور عید الاضحیٰ میں مستحب یہ ہے کہ نہ کھائیں، یہاں تک کہ نماز پڑھ لیں اور قربانی کر لیں اور سب سے پہلے قربانی کے گوشت میں سے کھائیں۔

لیکن یہ محض مستحب کے درجہ میں ہے اگر کوئی کھا لے تو ناجائز نہیں ہے اور استدلال اس حدیث سے ہے کہ حضرت ابو بردہ ﷺ نے پہلے قربانی کی، وہ قربانی اگر چہ جائز نہ ہوئی لیکن اس پر نکیر نہیں فرمائی کہ تم نے یا ان کے پڑوسیوں نے نماز سے پہلے کیوں کھایا، معلوم ہوا کھانا جائز ہے۔

(٦) باب الخروج إلى المصلى بغير منبر

عیدگاہ بغیر منبر کے جانے کا بیان

٩٥٦ ـ حدثنا سعيد بن أبي مريم قال : حدثنا محمد بن جعفر قال : أخبرني زيد بن أسلم ، عن عياض بن عبدالله بن أبي سرح ، عن أبي سعيد الخدري قال : كان النبي ﷺ يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى ، فأول شيء يبدأ به الصلاة ثم ينصرف فيقوم مقابل الناس ، والناس جلوس على صفوفهم فيعظهم ويوصيهم و يأمرهم . فإن كان يريد أن يقطع بعثا قطعه ، أو يأمر بشيء أمر به ثم ينصرف.

فقال أبو سعيد : فلم يزل الناس على ذلك حتى خرجت مع مروان وهو أمير المدينة في أضحى أو فطر، فلما أتينا المصلى إذا منبر بناه كثير بن الصلت ، فإذا مروان يريد أن يرتقيه قبل أن يصلي فجذبته بثوبه فجبذني ، فارتفع فخطب قبل الصلاة . فقلت له: غيرتم والله . فقال : أبا سعيد ، قد ذهب ما تعلم . فقلت: ما أعلم خير والله مما لا أعلم . فقال : إن الناس لم يكونوا يجلسون لنا بعد الصلاة فجعلتها قبل الصلاة.[٤٦]

---

[٤٦] وفي صحيح مسلم ، كتاب صلاة العيدين ، رقم : ١٤٧٢ ، وسنن النسائي ، كتاب صلاة العيدين ، باب إستقبال الإمام الناس بوجهه في الخطبة ، رقم : ١٥٥٨ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها ، باب ماجاء في الخطبة في العيدين ، رقم : ١٢٧٨ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أبي سعيد الخدري ، رقم : ١٠٦٣٤ ، ١٠٨٨٩ ، ١١١١٣ .

خطبہ قبل الصلوۃ کا حکم

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف نکلا کرتے تھے **فاول شيء يبدأ به الصلاة** ، جاتے ہوئے سب سے پہلے نماز پڑھتے تھے پھر منہ پھیرتے تھے **فيقوم مقابل الناس** ، پھر لوگوں کے مقابل کھڑے ہو جاتے تھے **والناس جلوس على صفوفهم** اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے تھے، ایک تو یہ کہ نماز پہلے پڑھتے تھے اور خطبہ بعد میں دیتے تھے، کیونکہ خطبہ کے وقت آپ عید گاہ میں منبر پر نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ ویسے ہی کھڑے ہوتے تھے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کسی بلند جگہ کھڑے ہوتے تھے مثلاً کوئی پتھر وغیرہ۔[۱۸]

فيعظهم ويوصيهم و يأمرهم . فإن كان يريد أن يقطع بعثا قطعه ، اگر آپ ﷺ نے کوئی لشکر بھیجنا ہوتا تھا تو لشکر بھیج دیتے تھے **او يأمر بشيء امر به** اگر کوئی حکم دینا ہوتا تو حکم دے دیتے۔ **ثم ينصرف** ، **فقال أبو سعيد** : حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **فلم يزل الناس على ذلك** ، لوگ اسی پر قائم رہے **حتى خرجت مع مروان وهو امير المدينة في اضحى او فطر** ، حتی کہ میں نماز عید کے لئے مروان کے ساتھ گیا جو مدینہ منورہ کے امیر تھے۔

فلما أتينا المصلى إذا منبر بناه كثير بن الصلت ، جب ہم عید گاہ میں آئے تو اچانک میں نے دیکھا کہ عید گاہ میں ایک منبر بنا ہوا تھا جسے کثیر بن الصلت نے بنوایا تھا، **فإذا مروان يريد أن يرتقيه قبل أن يصلي** ، مروان صاحب نے نماز سے پہلے منبر پر چڑھنے کا ارادہ کیا تو **فجبذت بثوبه** ، میں نے ان کا کپڑا پکڑ لیا **فجبذني** ، انہوں نے مجھے پکڑ کر کھینچا، **فارتفع** ، پھر وہ اوپر چڑھ گئے، **فخطب قبل الصلاة** ، انہوں نے نماز سے پہلے خطبہ دیا، **فقلت له غيرتم والله** ، اللہ کی قسم تم نے سنت کا طریقہ تبدیل کیا، کیونکہ خطبہ بعد میں ہونا چاہئے تھا اور آپ نے پہلے دیا۔

فقال: أبا سعيد ! ، انہوں نے کہا اے ابوسعید! **قد ذهب ما تعلم** ، جو تم جانتے ہو وہ گیا، مطلب یہ ہے کہ جس بات کو تم سنت سمجھتے ہو اب وہ طریقہ نہیں رہا۔

فقلت: ما أعلم خير والله مما لا أعلم ، اللہ کی قسم جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے، مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو مسئلہ معلوم نہیں وہ میں جانتا ہوں اور جو میں جانتا ہوں وہ سنت رسول ﷺ ہے اور بہتر ہے اس سے جو میں نہیں جانتا۔

---

۱۸ عمدۃ القاری، ج:۵، ص:۱۶۸۔

فقال: أن الناس لم یکونو ایجلسون لنا بعد الصلوۃ، اگر میں پہلے نماز پڑھ لیتا تو لوگ ہمارے خطبے کے لئے نہ بیٹھتے، یعنی اگر خطبہ نماز کے بعد دیتا تو لوگ نماز پڑھ کر چلے جاتے اور خطبہ کے لئے نہ بیٹھتے، **فجعلتها قبل الصلوٰۃ**، اس واسطے نماز سے پہلے کر دیا۔

جمہور کا عمل

خلفاء راشدین، ائمہ اربعہ اور جمہور علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عیدین کا خطبہ نماز سے فراغت کے بعد مسنون ہے۔[۱۹]

مروان کا اجتہاد

اب یہ مروان کا اجتہاد تھا کہ خطبہ کو صلوٰۃ پر مقدم کر دیا۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک بھی "**تقدیم الصلوٰۃ علی الخطبہ**" مسنون ہے، خطبہ کو مقدم نہیں کرنا چاہئے، لیکن اگر کسی نے ایسا کر دیا تو خطبہ بھی ہو جائے گا اور نماز بھی ہو جائے گی۔[۲۰]

مروان نے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ اندیشہ ہے لوگ بھاگ جائیں گے اس لئے خطبہ سے بالکل محروم ہونے سے بہتر ہے کہ پہلے دے دیا جائے تاکہ کم از کم خطبہ میں شامل تو رہیں، اگر بالکل ہی بھاگ جائیں تو پھر خطبہ کی سنت بھی ادا نہ ہوگی، اس لئے انہوں نے ایسا کیا، بعض خلفاء بنوامیہ کا بعد میں یہی عمل رہا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ خطبہ کی تاخیر شرط ہے لیکن حدیث باب اس کی نفی کر رہی ہے، کیونکہ اس وقت صحابہ کرام ﷺ کی بڑی جماعت موجود تھی اور ایک قول کے مطابق خود مروان بھی صحابیؓ تھے، اگر وہ صحابی نہ ہوں تب بھی صحابہ ﷺ کی اتنی بڑی جماعت نماز کے فساد کو گوارا نہ کرتی۔

یہاں حضرت ابو سعید خدریؓ نے نکیر فرمائی کہ آپ نے غلط طریقہ اختیار کیا لیکن یہ نہیں فرمایا کہ نماز دہراؤ۔ معلوم ہوا کہ تقدیم صلوٰۃ شرط نہیں ہے البتہ تقدیم خطبہ خلاف سنت ہے۔[۲۱]

---

۱۹ وممن قال بتقدیم الصلاۃ علی الخطبۃ: أبو بکر و عمر و عثمان و علی والمغیرۃ و أبو مسعود و ابن عباس، وھو قول الثوری والأوزاعی و أبی ثور و إسحاق و الأئمۃ الأربعۃ و جمھور العلماء، وعند الحنفیۃ و المالکیۃ: لو خطب قبلھا جاز وخالف السنۃ ویکرہ. کذا قالہ العینی فی العمدۃ، ج:۵، ص: ۱۷۰.

۲۰ عمدۃ القاری، ج:۵، ص:۱۷۰.

۲۱ قال کرمانی: فإن قلت: کیف جاز لمروان تغییر السنۃ؟ قلت: تقدیم الصلاۃ فی العید لیس واجبا فجاز ترکہ. وقال ابن بطال: إنہ لیس تغییرا للسنۃ لما فعل رسول اللہ ﷺ فی الجمعۃ، ولأن المجتھد قد یؤدی اجتھادہ إلی ترک الأولی إذا کان فیہ المصلحۃ. انتھی، عمدۃ القاری، ج:۵، ص:۱۷۰.

(۷) باب المشي والركوب إلى العيد والصلاة قبل الخطبة وبغير أذان ولا إقامة

عید کی نماز کے لئے پیدل اور سوار ہو کر جانے کا بیان اور بغیر اذان واقامت کے نماز کا بیان

۹۵۷ - حدثنا إبراهيم بن المنذر قال: حدثنا أنس بن عياض، عن عبيد الله، عن نافع، عن عبدالله بن عمر: أن رسول الله ﷺ كان يصلي في الأضحى والفطر ثم يخطب بعد الصلاة. [انظر: ۹۶۳] [۲۲]

اس حدیث میں اگر چہ مشی اور رکوب کا ذکر نہیں ہے لیکن کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح چل کر عید گاہ جا سکتا ہے اسی طرح سوار ہو کر بھی جا سکتا ہے، کیونکہ احادیث میں اس کا ذکر نہیں ہے، تو مشی اور رکوب دونوں جائز ہیں۔

۹۵۸ - حدثنا إبراهيم بن موسى قال: أخبرنا هشام أن ابن جريج أخبرهم، قال: أخبرني عطاء، عن جابر بن عبدالله قال: سمعته يقول: إن النبي ﷺ خرج يوم الفطر فبدأ بالصلاة قبل الخطبة. [انظر: ۹۶۱، ۹۷۸]

۹۵۹ - قال: وأخبرني عطاء أن ابن عباس أرسل إلى ابن الزبير في أول ما بويع له: إنه لم يكن يؤذن بالصلوة يوم الفطر، وإنما الخطبة بعد الصلاة.

عطاء کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت زبیر ؓ کے پاس پیغام بھیجا، **في أوّل ما بويع له** ان کی بیعت کے پہلے دنوں میں، یوم الفطر میں اذان نہیں دی جاتی تھی اور خطبہ نماز کے بعد ہوتا تھا۔

---

[۲۲] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة العيدين، رقم: ۱۴۷۱، وسنن الترمذي، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء في صلاة العيدين قبل الخطبة، رقم: ۴۸۸، وسنن النسائي، كتاب صلاة العيدين، باب صلاة العيدين قبل الخطبة، رقم: ۱۵۴۹، وسنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في صلاة العيدين، رقم: ۱۲۶۶، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب باقي المسند السابق، رقم: ۵۴۰۵.

۹۲۰ - وأخبرني عطاء عن ابن عباس وعن جابر بن عبدالله، قالا: لم يكن يؤذن يوم الفطر ولا يوم الأضحى.

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے عید میں اذان دلوانا شروع کی، ان کے بعض تقرر دات ہیں ان میں سے یہ بھی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں اذان نہیں ہوتی تھی۔

۹۲۱ - وعن جابر بن عبدالله قال: سمعته يقول: إن النبي ﷺ قام فبدأ بالصلاة ثم خطب الناس بعد. فلما فرغ نبي الله ﷺ نزل فأتى النساء فذكرهن وهو يتوكأ على يد بلال وبلال باسط ثوبه يلقي فيه النساء صدقة. قلت لعطاء: أترى حقا على الإمام الآن أن يأتي النساء فيذكرهن حين يفرغ؟ قال: إن ذلک لحق عليهم وما لهم أن لا يفعلو؟. [راجع: ۹۵۸]

تشریح

یعنی نماز کے بعد آپ ﷺ عورتوں کے پاس گئے اور وعظ ونصیحت فرمائی۔ حضرت بلال ﷺ نے چادر پھیلائی ہوئی تھی اور عورتیں اس میں صدقہ ڈال رہی تھیں، اس سے مراد صدقۂ فطر نہیں بلکہ عام صدقہ مراد ہے۔

قلت لعطاء۔ میں نے پوچھا کہ کیا آپ امام کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اب نماز عید کے بعد عورتوں کے پاس جائے اور وعظ ونصیحت کرے؟ انہوں نے کہا، **إن ذلک لحق عليهم** ۔ ہاں، امام کو چاہئے کہ ایسا کریں۔

بعض نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ عید کے دن اس طرح عورتوں کے پاس جا کر تذکیر کرنا واجب تھا، جمہور کہتے ہیں کہ واجب نہیں ہے یہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص تھا، لیکن اگر کوئی کرے تو ٹھیک ہے، **وما لهم أن لا يفعلوا؟**

(۸) بابُ الخطبة بعد العيد

عید کی نماز کے بعد خطبہ پڑھنے کا بیان

۹۲۲ ـ حدثنا أبو عاصم قال: أخبرنا ابن جريج قال: أخبرني الحسن بن مسلم، عن طاؤس، عن ابن عباس قال: شهدت العيد مع رسول الله ﷺ وأبي بكر وعمر و عثمان رضي الله عنهم فكلهم كانوا يصلون قبل الخطبة. [راجع: ۹۸]

۹۶۳ - حدثنا يعقوب بن إبراهيم قال : حدثنا أبو أسامة قال : حدثنا عبيد الله ، عن نافع ، عن ابن عمر قال : كان رسول الله ﷺ و ابو بكر و عمر رضي الله عنهما يصلون العيدين قبل الخطبة . [راجع : ۹۵۷]

خلفاء راشدین خطبہ قبل الصلاۃ دیا کرتے تھے، امام بخاری رحمہ اللہ نے خطبہ بعد الصلاۃ کی اہمیت وسنیت بتلانے کے لئے متعدد احادیث ذکر کی ہیں۔

۹۶۴ - حدثنا سليمان بن حرب قال : حدثنا شعبة ، عن عدى بن ثابت ، عن سعيد بن جبير ، عن ابن عباس : أن النبي ﷺ صلى يوم الفطر ركعتين لم يصل قبلها و لا بعدها. ثم أتى النساء و معه بلال فأمرهن بالصدقة فجعلن يلقين ، تلقى المرأة خرصها و سخابها. [راجع : ۹۸]

ثم أتى النساء و معه بلال فأمرهن بالصدقة فجعلن يلقين.

اس حدیث سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ خاص طور پر خواتین کو وعظ کرنے کیلئے مجلس منعقد کرنا بھی جائز ہے۔

اس میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی وہ روایت ذکر کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے عید کے موقع پر ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ عید میں آپ ﷺ نے پہلے مردوں کو خطبہ دیا جس میں بعض اوقات خواتین بھی شامل ہوتی تھیں لیکن بعد میں آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ شاید عورتوں نے پوری بات نہ سنی ہو، ان کو سنانے کیلئے خاص طور سے الگ تشریف لے گئے اور ان کو صدقہ کا حکم دیا، عورتیں اسی وقت صدقہ میں اپنی انگوٹھیاں اور بندے وغیرہ دینے لگیں جو حضرت بلالؓ اپنے کپڑے میں لے رہے تھے۔

خرصها و سخابها ۔ ''خُرص'' کے معنی ہیں چھلّہ، جو انگلیوں میں پہنا جاتا ہے اور ''سخاب'' کے معنی ہیں ہار، جو خوشبودار لکڑی سے بنایا گیا تھا۔

۹۶۵ - حدثنا آدم قال : حدثنا شعبة قال : حدثنا زبيد قال : سمعت الشعبي عن البراء بن عازب قال : قال النبي ﷺ : ((إن أول ما نبدأ في يومنا هذا أن نصلي ثم نرجع فننحر ، فمن فعل ذلك فقد أصاب سنتنا ، ومن نحر قبل الصلاة فإنما هو لحم قدمه لأهله ليس من النسك في شيء)) . فقال رجل من الأنصار يقال له أبو بردة بن نيار : يا رسول الله ، ذبحت وعندي جذعة خير من مسنة . فقال : ((اجعله مكانه ولن توفي أو تجزى عن أحد بعدك)) . [راجع: ۹۵۱]

اجعله مكانه ولن توفي أو تجزى عن أحد بعدك . آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اس کی جگہ ذبح کردو اور تمہارے بعد کسی کو کافی نہیں ہوگا، یا فرمایا کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔

چونکہ وہ ابتدائے اسلام کا زمانہ تھا، احکام سے ناواقفیت تھی، اور ایک جانور ناواقفی کی وجہ سے ذبح کر ہی چکے تھے، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے ان کی خصوصیت کے طور پر ان کو جذع کی قربانی کرنے کی اجازت دے دی لیکن ساتھ میں صراحت فرمادی کہ آئندہ تمہارے بعد کسی اور کے لئے جذع کی قربانی جائز نہیں ہوگی۔

(۹) باب ما يكره من حمل السلاح في العيد والحرم،

عید کے دن اور حرم میں ہتھیار لے کر جانے کی کراہت کا بیان

وقال الحسن : نهوا أن يحملوا السلاح يوم عيد إلا أن يخافوا عدوا.

یہ باب قائم کیا ہے کہ عید میں اور حرم میں اسلحہ لے جانا منع ہے۔

وقال الحسن: حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ اگر دشمن کے حملے کا اندیشہ ہو تو پھر ٹھیک ہے اسلحہ ساتھ لے جاسکتے ہیں لیکن عام حالات میں عید کے اجتماع میں یا حرم کے اندر ہتھیار لے کر جانا منع ہے۔

۹۲۶ - حدثنا زكريا بن يحيى أبو السكين قال : حدثنا المحاربي قال : حدثنا محمد بن سوقة عن سعيد بن جبير قال : كنت مع ابن عمر حين أصابه سنان الرمح في أخمص قدمه فلزقت قدمه بالركاب فنزلت فنزعتها و ذلك بمنى، فبلغ الحجاج فجعل يعوده فقال الحجاج : لو نعلم من أصابك، فقال ابن عمر: أنت أصبتني، قال : و كيف؟ قال : حملت السلاح في يوم لم يكن يحمل فيه، وأدخلت السلاح الحرم، و لم يكن السلاح يدخل الحرم. [انظر: ۹۲۷] [۲۳]

عن سعيد بن جبير قال : كنت مع ابن عمر حين أصابه سنان الرمح في أخمص قدمه فلزقت قدمه بالركاب فنزلت فنزعتها و ذلك بمنى.

اس میں حضرت سعید بن جبیرؒ کی روایت نقل کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ **كنت مع ابن عمر حين أصابه سنان الرمح في أخمص قدمه** ۔ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ تھا جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاؤں کے تلوے میں نیزے کی انی لگ گئی تھی۔

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ حج یا عید کا موقع تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی سواری پر سوار ہو کر جا رہے تھے، قریب سے ایک آدمی گزرا جس کے پاس نیزہ تھا، غلطی سے وہ نیزہ حضرت ابن عمرؓ کے پاؤں میں لگ گیا جس کی

---

۲۳ انفرد به البخاري.

وجہ سے پاؤں زخمی ہوگیا، "**فلزقت قدمه بالرکاب**" زخمی ہونے کی وجہ سے وہ پاؤں رکاب کے ساتھ چپک گیا "**فنزلت**"، میں اُترا "**فنزعتها**" اور نیزے کی انی کو میں نے نکالا، "**و ذلک بمنی**"، اور یہ منیٰ میں تھا۔

فبلغ الحجاج، حجاج امیر حج تھا اس کو اطلاع ہوئی **فجعل یعوده**، وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عیادت کے لئے آیا "**فقال الحجاج**" حجاج نے کہا "**لو نعلم من اصابک**" اگر ہمیں پتہ چل جائے کہ کس کا نیزہ آپ کو لگا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر پتہ چل جائے تو میں ابھی اس کی خبر لے لوں جس نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی حق گوئی و بے باکی

فقال ابن عمر: أنت اصبتني، حضرت ابن عمرؓ نے جواب میں فرمایا کہ یہ پوچھ رہے ہو کہ کس نے مارا ہے مجھے تو نقصان تم نے پہنچایا ہے۔

قال: و کیف؟ اس (حجاج) نے کہا میں نے کیسے نقصان پہنچایا ہے۔

قال: حملت السلاح في یوم لم یکن یحمل فیه، فرمایا، تم نے ایسے دن ہتھیار اٹھایا جس دن ہتھیار نہیں اٹھایا جاتا یعنی عید کے دن "**وادخلت السلاح الحرم، ولم یکن السلاح یدخل الحرم**" اور تم نے حرم میں ہتھیار داخل کردیا جب کہ حرم میں ہتھیار داخل نہیں کیا کرتے۔ جب تم نے یہ طریقہ جاری کردیا کہ لوگ حرم میں ہتھیار لے کر آئیں اور حج کے موقع پر بھی تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں زخمی ہوگیا، تو اس بات پر نکیر فرمائی کہ تم نے ہتھیار لانے کی اجازت کیوں دی؟ یہ اجازت میرے زخمی ہونے کا سبب بن گئی۔ بعض حضرات نے یہ تشریح کی ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ سب حجاج کا ڈرامہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ حجاج بن یوسف اس زمانہ میں حجاز کا گورنر تھا اور اس کا ظلم وستم مشہور ہے۔ عبدالملک بن مروان جو اس وقت خلیفہ تھے انہوں نے حجاج کو یہ نصیحت کی تھی کہ عبداللہ بن عمرؓ کی مخالفت میں کبھی نہ پڑنا، یہ بڑے درجے کے صحابی ہیں، اس ہدایت پر عمل کرنا۔

جب اس کے پاس یہ پیغام پہنچا تو یہ عبداللہ بن عمرؓ کا دشمن ہوگیا کہ یہ میرے راستے کی ہڈی ہے۔ اب یہ خود تو کچھ نہیں کرسکتا تھا، لہٰذا کسی سے کہا کہ جب ان کے پاس سے گزرو، تو زہر میں بجھا ہوا نیزہ ان کے ساتھ لگا دینا اور کہنا کہ غلطی سے لگ گیا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اسی زخم سے وفات ہوئی۔

اب حجاج نے ایک طرف تو یہ کام کیا اور ساتھ ہی عیادت کے لئے پہنچ گیا اور ساتھ یہ بھی پوچھ رہا ہے کہ تمہیں یہ تکلیف کس نے پہنچائی؟

عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے پہنچائی ہے، اس میں اشارہ درحقیقت اس طرف تھا کہ سارا منصوبہ تو تمہارا ہی ہے، لیکن ساتھ ایسی بات بھی کہہ دی کہ جس سے ایک عام شرعی حکم بھی معلوم ہو جائے، کیونکہ یہ کہنا کہ تم نے میرے لئے یہ سازش تیار کی تھی اس کا پورا ثبوت شاید عبداللہ بن عمرؓ کے پاس نہیں ہوگا، اس لئے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔[۴۳]

(۱۰) باب التبكير للعيد

عید کی نماز کے لئے سویرے جانے کا بیان

وقال عبدالله بن بسر: إن كنا فرغنا في هذه الساعة و ذلك حين التسبيح.

یہ باب قائم کیا ہے کہ عید کے لئے جلدی جانا۔ اس میں حضرت عبداللہ بن بسرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ہم اس وقت نماز عید سے فارغ ہو گئے اور یہ نفل پڑھنے کا وقت ہے، یعنی ہم نے عید کی نماز ایسے وقت میں پڑھی کہ جب ہم فارغ ہوئے تو نماز اشراق کا وقت باقی تھا۔

ذلك حين التسبيح ـــ سے مراد نفل پڑھنا ہے اور نفل سے اشراق مراد ہے۔ معلوم ہوا کہ عید کے دن افضل یہ ہے کہ جوں ہی وقت مکروہ ختم ہو جائے اسی وقت نماز عید ادا کر لی جائے، یہی مسنون ہے، ہمارے ہاں اس پر عمل متروک ہوتا جا رہا ہے، عید کی نماز بہت دیر سے ہوتی ہے۔ یہ اچھی بات نہیں ہے، اس طریقہ کو توڑنا چاہئے۔

(بخاری کے دوسرے نسخہ میں تبکیر کے بجائے تکبیر ہے، جس سے مراد یہاں عید گاہ کو جاتے آتے تکبیر مراد ہوگی، کیونکہ تکبیرات نماز عیدین اور تکبیراتِ تشریق کا ذکر دوسرے باب میں ہے۔)

۹۶۸ - حدثنا سليمان بن حرب قال: حدثنا شعبة، عن زبيد، عن الشعبي، عن البراء قال: خطبنا النبي ﷺ يوم النحر فقال: ((إن أول ما نبدأ في يومنا هذا: أن نصلي ثم نرجع فننحر. فمن فعل ذلك فقد أصاب سنتنا. ومن ذبح قبل أن يصلي فإنما لحم عجله لأهله ليس من النسك في شيء)). فقام خالي أبو بردة بن نيار فقال: يا رسول الله، إني

---

[۴۳] أنت أصبتني ـ خطاب ابن عمر للحجاج، وفيه نسبة الفعل إلى الآمر بشيء يتسبب منه ذلك الفعل، لكن حكى الزبير في (الأنساب): أن عبد الملك لما كتب إلى الحجاج: أن لا يخالف ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، شق عليه، فأمر رجلا معه حربة، يقال: إنها مسمومة، فلصق ذلك الرجل به، فأمر الحربة على قدمه فمرض منها أياما ثم مات. وذلك في سنة أربع وسبعين. عمدة القاري، ج:۵، ص:۱۸۰، وتهذيب التهذيب، ج:۵، ص: ۲۸۸.

ذبحت قبل أن أصلي وعندي جذعة خير من مسنة . قال : ((اجعلها مكانها)) . أو قال : ((اذبحها ولن تجزي جذعة عن احد بعدك)) . [راجع : ۹۵۱] [۴۵]

(۱۱) باب فضل العمل في أيام التشريق

ایام تشریق میں عمل کی فضیلت کا بیان

وقال ابن عباس ﴿ وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ ﴾ : أيام العشر، والأيام المعدودات : أيام التشريق. وكان ابن عمر و أبو هريرة يخرجان إلى السوق في أيام العشر يكبران و يكبر الناس بتكبيرهما. وكبر محمد بن علي خلف النافلة.

تکبیر تشریق کا عمل

قرآن شریف میں دو جگہ پر یہ لفظ آیا ہے:

" وَ يَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ " [الحج:۲۸]

''ایام معلومات'' سے بعض کے نزدیک ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور بعض کے نزدیک قربانی کے تین دن یعنی ایام تشریق مراد ہیں۔

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ. [البقرة : ۲۰۳]

اس سے ایام تشریق مراد ہیں، یعنی یہ ایام عشرہ بھی اللہ کے ذکر کے ایام ہیں۔ ان میں جتنی عبادت کی جائے وہ کم ہے، **ما من أيام أحب إلى الله أن يتعبد من عشرة ذي الحجة** ۔ اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں

---

۴۵ والحديث قد مرفي : باب الأكل يوم النحر عن قريب . وأخرجه هناك عن عثمان عن جرير عن منصور عن الشعبي ......إلى آخره ، فانظر إلى التفاوت الذي بينهما في الألفاظ . وأخرجه أيضا في : باب الخطبة بعد العيد ، عن آدم عن شعبة عن زبيد... إلى آخره ، وهذا الإسناد وإسناد حديث الباب واحد غير المغايرة في شيخه الذي روى عنه.

والإختلاف في متنيهما قليل ، وفي حديث هذا الباب : ((ومن ذبح)) وهناك : ((ومن نحر)) . والفرق بينهما أن المشهور أن النحر في الإبل والذبح في غيره . وقالوا : النحر في اللبة مثل الذبح في الحلق ، وهنا أطلق النحر على الذبح باعتبار أن كلا منهما إنهار الدم . وكذا ذكره العيني في العمدة ، ج: ۵ ، ص: ۱۸۲ .

کی عبادت سب دنوں کی عبادت سے زیادہ پسندیدہ ہے، یہاں تک کہ علماء کرام نے فرمایا رمضان المبارک کی راتیں افضل ہیں اور عبادت کے لئے ذی الحجہ کے دن افضل ہیں۔

وكان ابن عمر و أبو هريرة يخرجان إلى السوق في أيام العشر يكبران ۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ ان دنوں میں بازار کی طرف نکلتے تھے اور تکبیر کہتے تھے یعنی **اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لاالٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد۔**

و يكبر الناس بتكبير هما ۔ ان کی تکبیر سن کر دوسرے لوگ بھی تکبیر کہتے تھے۔ یہ تکبیر، تکبیر تشریق کے علاوہ ہے۔ تکبیر تشریق وہ ہے جو فرائض کے بعد ہوتی ہے اور واجب ہے اور ایک تکبیر وہ ہے جو پورے ذی الحجہ میں مستحب ہے کہ آدمی ہر وقت چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، گھر میں، بازار میں کثرت سے تکبیر کہے، ایسا لگتا ہے کہ ان دنوں میں اللہ تعالیٰ کو یہ مطلوب ہے کہ اس کی کبریائی بیان کی جائے اور مسلمانوں کے گلی کوچے تکبیر خداوندی سے معمور ہوں۔

اس لئے تکبیر تشریق جو واجب ہے اس کے علاوہ بھی عشرۂ ذی الحجہ میں تکبیر کہنا مستحب ہے سراً بھی جائز ہے اور جہراً بھی۔

ہمارے زمانہ میں یہ چیز متروک ہوگئی ہے جبکہ متعدد صحابہ کرامؓ سے ایسا کرنا ثابت ہے، لہٰذا اس پر عمل کرنا چاہئے۔

ہماری قوم بعض اوقات بدعت کے خوف سے وہ کام بھی چھوڑ بیٹھتی ہے جو ثابت ہیں۔ جہر سے بڑا خوف کھاتے ہیں اس لئے کہ عام طور پر بدعتی اس کا ارتکاب کرتے ہیں کہ درود شریف میں جہر، ذکر میں جہر، تسبیح میں جہر اور خدا جانے کہاں کہاں جہر شروع کیا جس کی وجہ سے یہ تاثر بن گیا کہ ہر جگہ جہر بدعت ہے! اب تکبیر تشریق میں جہر مطلوب ہے، لیکن وہاں بھی جہر نہیں ہوتا، آواز نہیں نکلتی، حالانکہ تکبیر تشریق میں ایسا جہر مطلوب ہے کہ مسجد گونج اُٹھے، لہٰذا اس کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔

و كبر محمد بن علي خلف النافلة ۔ اور حضرت محمد بن علی یعنی محمد باقرؒ جو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں وہ نفل نمازوں کے بعد بھی تکبیر کہا کرتے تھے۔ فرض کے بعد جو تکبیر تشریق ہے وہ تو واجب ہے لیکن وہی تکبیر نوافل کے بعد عام احوال میں مستحب ہے، لہٰذا جو عمل صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے اس سے اتنا پرہیز نہیں کرنا چاہئے۔

کیونکہ حقیقت بدعت یہ ہے کہ کسی کام کو جس کا ثبوت سلف سے نہ ہو اور معمول بہ بنا لیا جائے، اور یہاں پر متعدد روایات ہیں جن میں سلف سے تکبیر کا ثبوت جہری طور سے بھی ہے۔ اس لئے مختار یہ ہے کہ جہری تکبیر کہی جائے۔

۹۶۹ ـ حدثنا محمد بن عرعرة قال : حدثنا شعبة ، عن سليمان ، عن مسلم البطين ، عن سعيد بن جبير ، عن ابن عباس عن النبي ﷺ أنه قال : ((ما العمل في أيام أفضل منها في هذه)) . قالوا : ولا الجهاد ؟ قال : ((ولا الجهاد ، إلا رجل خرج يخاطر بنفسه و ماله فلم يرجع بشيء)) . [۲۶]

ان ایام میں عبادت کرنا جہاد سے بھی افضل ہے اور جہاد سے مراد وہ جہاد ہے جو فرض عین نہ ہو، البتہ وہ جہاد جس میں جان و مال سب کچھ داؤ پر لگا گیا ہو نہ جان بچی ہو اور نہ مال، وہ جہاد اعلیٰ درجے پر ہے، لیکن عام جہاد سے ان دنوں میں عبادت کرنا افضل ہے۔

(۱۲) باب التكبير أيام منىٰ و إذا غدا إلى عرفة

منیٰ کے دنوں میں تکبیر کہنے کا بیان

وكان عمر رضي الله عنه يكبر في قبته بمنىٰ فيسمعه أهل المسجد فيكبرون و يكبر أهل الأسواق حتى ترتج منىٰ تكبيرا. وكان ابن عمر يكبر بمنى تلك الأيام وخلف الصلوات و على فراشه و في فسطاطه و مجلسه و ممشاه و تلك الأيام جميعا و كانت ميمونة تكبر يوم النحر، و كان النساء يكبرن خلف أبان بن عثمان ، و عمر بن عبد العزيز ليالي التشريق مع الرجال في المسجد.

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے قبہ یعنی منیٰ میں خیمہ کے اندر رہتے تھے اور تکبیر فرماتے تھے " **فيسمعه أهل المسجد** " مسجد والے تکبیر سنتے تھے " **فيكبّرون** " پھر مسجد والے تکبیر کہتے تھے۔ **و يكبر أهل الأسواق** ۔ بازار والے بھی تکبیر کہتے تھے۔ " **حتى ترتج منى تكبيراً** " ، یہاں تک کہ منیٰ تکبیر سے گونج اٹھتا تھا۔ یہ تکبیر تشریق نہیں ہے کیونکہ وہ تو نماز کے بعد مسجد میں ہوتی تھی۔

وكان ابن عمر يكبر بمنىٰ تلك الأيام وخلف الصلوات و على فراشه و في فسطاطه و

---

[۲۶] وفي سنن الترمذي ، كتاب الصوم عن رسول الله ، باب ماجاء في العمل في أيام العشر ، رقم : ٦٨٨ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصوم ، باب في صوم العشر ، رقم : ٢٠٨٢ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب الصيام ، باب صيام العشر ، رقم : ١٧١٧ ، ومسند أحمد ، ومن مسند بني هاشم ، باب بداية مسند عبد الله بن العباس ، رقم : ١٨٦٧ ، ٢٩٧٢ ، ٣٠٥٩ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصوم ، باب في فضل العمل في العشر ، رقم : ١٧٠٨ .

مجلسه و ممشاه و تلک الأیام جمیعا — عبداللہ بن عمرؓ ان دنوں میں منیٰ میں نمازوں کے بعد اور اپنے بستر پر، اپنے خیمے میں، اپنی مجلس میں اور چلتے ہوئے بھی تکبیر کہتے تھے۔

و کانت میمونة تکبر یوم النحر۔ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا یوم نحر میں تکبیر کہتی تھیں۔

"**و کان النساء یکبرن خلف أبان بن عثمان ، و عمر بن عبد العزیز لیالی التشریق مع الرجال فی المسجد**" اور عورتیں ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے پیچھے جب نماز پڑھتی تھیں تو وہ بھی تشریق کی راتوں میں مردوں کے ساتھ تکبیر کہتی تھیں اگرچہ ان کی تکبیر کی آواز آہستہ ہوتی تھی۔

سوال

عورتوں کا مسجد میں نماز کے لئے جانے کو حضرت فاروق اعظمؓ نے منع کیا تھا تو عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں کیسے مسجد میں نماز پڑھتی تھیں۔

جواب

وہ ممانعت عورتوں کا گھر سے نماز کی غرض سے نکلنے کی تھی مثلاً حج کا موقع ہے اس میں عورتیں مرد سب نماز جماعت سے ادا کرتے ہیں، عورتوں کو روکا نہیں جا سکتا، حضرت فاروق اعظمؓ نے فتنہ کے دفع کی غرض سے منع کیا تھا لیکن اگر کبھی کوئی عورت گھر سے باہر نکلی ہوئی ہے اور نماز کا وقت آگیا اور وہ مسجد میں نماز پڑھ لیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ میرے نزدیک آج کل عورتوں کے لئے نماز کی ایک الگ جگہ بنانے کا اہتمام کرنا چاہئے اس لئے نہیں کہ عورتیں قصد کر کے یہاں آئیں بلکہ اس لئے کہ جو عورتیں مختلف اغراض کے لئے نکلی ہوئی ہیں اور گھر سے دور ہیں، نماز کا وقت ہو جائے تو سڑک پر پڑھنے کے بجائے مسجد میں پڑھیں۔

سعودی عرب میں اس کا بڑا اہتمام ہے اور یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہر جگہ مارکیٹ اور بازاروں میں مردوں کی نماز کی جگہ الگ ہے اور عورتوں کی نماز کی جگہ الگ ہے، نماز کے وقت مرد مردوں کی جگہ چلے جاتے ہیں اور عورتیں عورتوں کی جگہ چلی جاتی ہیں۔

ہمارے ہاں اگر گھر والوں کے ساتھ کسی ضرورت کی غرض سے گھر سے نکلے اور نماز کا وقت ہو جائے تو مصیبت بن جاتی ہے کہ عورتوں کو کہاں نماز پڑھوائیں، اس لئے خواتین کے لئے الگ جگہ کا انتظام ہونا چاہئے۔

اب کچھ کچھ مساجد میں اس کا انتظام ہونے بھی لگا ہے اور حالات زمانہ کے اعتبار سے ہونا بھی چاہئے۔

اگر ماحول کی خرابی ہے تو اس ماحول کی خرابی میں تھوڑی سی اچھائی پیدا کریں۔ ماحول میں عورتیں نکلی ہوئی ہیں اور تمہارے کہنے سے باز آنے والی بھی نہیں ہیں۔ اب جو عورتیں بازار وغیرہ میں نکلی ہوئی ہیں یا تو انہیں بالکل نماز سے محروم کر دیں کہ باہر کیوں نکلی ہو، اس لئے اب نماز نہیں پڑھ سکتی، قضاء کرنا اور قضا کرنے کے بعد

لوٹانے والی بہت کم ہی ہوتی ہیں۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر گھر سے نکل گئی ہیں تو کم از کم نماز تو پڑھ لیں۔ اور یہ قضا کرنے کی نسبت بہتر ہے۔ اس لئے خواتین کے لئے علیحدہ باپردہ جگہ کا انتظام ہونا چاہئے جہاں وہ نماز ادا کر سکیں۔

۹۷۰- حدثنا أبو نعيم قال: حدثنا مالک بن أنس قال: حدثني محمد بن أبي بكر الثقفي قال: سألت أنسا و نحن غادون من منىً إلى عرفات عن التلبية، كيف كنتم تصنعون مع النبي ﷺ؟ قال: كان يلبي الملبي لا يكثر عليه، و يكبر المكبر فلا ينكر عليه.[انظر: ۱۶۵۹][۱۷]

حدیث کی تشریح

فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جب ہم منیٰ سے عرفات تلبیہ پڑھتے ہوئے واپس آرہے تھے تو تم نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیا کیا کرتے تھے؟

قال: كان يلبي الملبي لا ينكر عليه۔ تلبیہ پڑھنے والا تلبیہ پڑھتا اور اس پر کوئی انکار نہ کرتا اور تکبیر پڑھنے والا تکبیر پڑھتا اور کوئی اس پر انکار نہ کرتا۔ اب یہاں یہ تکبیر مستحب ہے نہ کہ تکبیر تشریق ہے جو کہ واجب ہے۔

۹۷۱- حدثنا محمد: حدثنا عمر بن حفص قال: حدثنا أبي، عن عاصم، عن حفصة، عن أم عطية قالت: كنا نؤمر أن نخرج يوم العيد، حتى نخرج البكر من خدرها، حتى نخرج الحيض فيكن خلف الناس فيكبرن بتكبيرهم، ويدعون بدعائهم، يرجون بركة ذلك اليوم وطهرته. [راجع: ۳۲۴]

مقصود امام بخاریؒ

اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی مقصود ہے کہ حائضہ عورت بھی اگر عیدگاہ جائے تو عیدگاہ سے الگ بیٹھ جائے، لیکن دعا میں شریک رہے اور دعا سے مراد خطبہ کی دعا ہے۔

---

[۱۷] وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب التلبية و التكبير في الذهاب من منىً إلى عرفات في يوم عرفة، رقم: ۲۲۵۴، وسنن النسائي، كتاب مناسك الحج، باب التكبير في المسير إلى عرفة، رقم: ۲۹۵۰، وسنن ابن ماجة، كتاب المناسک، باب الغدو من منىً إلى عرفات، رقم: ۲۹۹۹، وموطأ مالک، كتاب الحج، باب قطع التلبية، رقم: ۶۵۴.

(۱۴) باب الصلاة إلى الحربة

برچھی کی آڑ میں عید کے دن نماز پڑھنے کا بیان

۹۷۲ - حدثنا محمد بن بشار قال: حدثنا عبدالوهاب قال: حدثنا عبيدالله، عن نافع، عن ابن عمر: أن النبي ﷺ كان تركز له الحربة قدامه يوم الفطر والنحر، ثم يصلي. [راجع: ۴۹۴].

"**حربة**"، نیزہ کو کہتے ہیں، یعنی نیزہ کھڑا کر کے اس کی طرف نماز پڑھنا۔

یہ باب اس لئے قائم کیا ہے کہ پہلے گزرا ہے کہ عید کے دن ہتھیار نہ اٹھاؤ، تو یہ اس سے مستثنیٰ ہے، اس لئے علیحدہ ذکر کیا ہے، مقصد یہ ہے کہ جب عید کے لئے نکلیں تو ہتھیار لے کر نہ جائیں، کیونکہ لوگ زیادہ ہوتے ہیں کسی کو لگ جانے کا اندیشہ ہوگا۔

(۱۵) باب خروج النساء والحيض إلى المصلى

عورتوں اور حائضہ عورتوں کا عیدگاہ جانے کا بیان

۹۷۴ - حدثنا عبد الله بن عبد الوهاب قال: حدثنا حماد، عن أيوب، عن محمد عن أم عطية قالت: أمرنا نبينا ﷺ أن نخرج العواتق ذوات الخدور.

وعن أيوب، عن حفصة بنحوه. وزاد في حديث حفصة قال، أو قالت: العواتق وذوات الخدور ويعتزلن الحيض المصلى. [راجع: ۳۲۴][۲۸]

ترجمہ: حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم جوان پردے والی عورتوں کو باہر نکالیں، اور ایوب سے بواسطہ حضرت حفصہؓ اسی طرح روایت ہے اور حضرت حفصہؓ کی روایت میں

---

۲۸ ويقال: هذا كان في ذلك الزمان لأمنهن عن المفسدة بخلاف اليوم، ولهذا صح ((عن عائشة: لو رأى رسول الله ما أحدث النساء لمنعهن المساجد كما منعت نساء بني إسرائيل)). فإذا كان الأمر قد تغير في زمن عائشة حتى قالت هذا القول، فماذا يكون اليوم الذي عم الفساد فيه وفشت المعاصي من الكبار والصغار؟ فنسأل الله العفو والتوفيق. عمدة القاري، ج:۵، ص: ۱۹۳.

اس قدر زیادہ ہے کہ حضرت حفصہؓ نے کہا کہ جوان اور پردے والی عورتیں نکالی جاتی تھیں، اور حائضہ عورتیں نماز کی جگہ سے علیحدہ رہتی تھیں۔

عورتوں کو نماز کے لئے نکلنے کا کیا حکم ہے

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو نماز کے لئے نکلنے کا حکم ابتداء اسلام میں دشمنان اسلام کی نظروں میں مسلمانوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے تھا، اب یہ علت باقی نہیں رہی۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس علت کی وجہ سے اجازت تھی جب کہ فتنہ سے امن کا دور دورہ تھا، اب چونکہ دونوں علتیں ختم ہو چکی ہیں، لہٰذا اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

(۱۸) باب العَلم الذی بالمصلّی

عیدگاہ میں نشان لگانے کا بیان

۹۷۷ - حدثنا مسدد قال : حدثنا یحییٰ ، عن سفیان قال : حدثنی عبدالرحمٰن بن عابس قال : سمعت ابن عباس قیل له : أشهدت العید مع النبی ﷺ ؟ قال : نعم ، ولو لا مکانی من الصغر ما شهدته حتی أتی العَلم الذی عند دار کثیر بن الصلت فصلی ثم خطب ، ثم أتی النساء و معه بلال فوعظهن و ذکرهن و أمرهن بالصدقة ، فرأیتهن یهوین بأیدیهن یقذفنه فی ثوب بلال ثم انطلق هو و بلال إلی بیته . [راجع : ۹۸]

یہاں علَم سے جھنڈا مراد نہیں ہے بلکہ علامت مراد ہے کہ کثیر بن الصلتؓ کے گھر کے پاس ایک علامت بنادی گئی تھی جہاں جا کر آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔

(۱۹) باب موعظة الإمام النساء یوم العید

امام کا عید کے دن عورتوں کو نصیحت کرنے کا بیان

۹۷۸ - حدثنی إسحاق بن إبراهیم بن نصر قال : حدثنا عبدالرزاق قال : حدثنا ابن جریج قال : أخبرنی عطاء عن جابر بن عبداللہ قال : سمعته یقول : قام النبی ﷺ یوم الفطر فصلی فبدأ بالصلاة . ثم خطب فلما فرغ نزل فأتی النساء فذکرهن وهو یتوکأ علی ید بلال ، و بلال باسط ثوبه یلقیی فیه النساء الصدقة. قلت لعطاء : زکاة یوم الفطر؟ قال:

لا، ولكن صدقة يتصدقن حينئذ، تلقي فتخها و يلقين. قلت: أترى حقا على الإمام ذلك يذكرهن؟ قال: إنه لحق عليهم و ما لهم لا يفعلونه؟ [راجع: ۹۵۸]

فتخها۔۔ کے معنی ہیں انگوٹھی۔

۹۷۹ - قال ابن جريج: و أخبرني الحسن بن مسلم، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: شهدت الفطر مع النبي ﷺ و أبي بكر و عمر و عثمان رضي الله عنهم يصلونها قبل الخطبة. ثم يخطب بعد. خرج النبي ﷺ كأني أنظر إليه حين يجلس بيده. ثم أقبل يشقهم حتى أتى النساء معه بلال. فقال: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ ﴾ الآية [الممتحنة: ۱۲] ثم قال حين فرغ منها. «أنتن على ذلك؟» فقالت امرأة واحدة منهن لم يجبه غيرها: نعم ـ لا يدري حسن من هي ـ قال: فتصدقن. فبسط بلال ثوبه ثم قال: «هلم لكن فدا أبي و أمي»، فيلقين الفتخ و الخواتيم في ثوب بلال. قال عبدالرزاق: الفتخ: الخواتيم العظام كانت في الجاهلية. [راجع: ۹۸]

اس حدیث سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ خاص طور پر خواتین کو وعظ کرنے کیلئے مجلس منعقد کرنا بھی جائز ہے۔

اس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت ذکر کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے عید کے موقع پر ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ عید میں آپ ﷺ نے پہلے مردوں کو خطبہ دیا جس میں بعض اوقات خواتین بھی شامل ہوتی تھیں، لیکن بعد میں آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ شاید عورتوں نے پوری بات نہ سنی ہو، ان کو سنانے کے لئے خاص طور سے الگ تشریف لے گئے اور ان کو صدقہ کا حکم دیا، عورتیں اسی وقت صدقہ میں اپنی انگوٹھیاں اور بُندے وغیرہ دینے لگیں جو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے میں لے رہے تھے۔

(۲۲) باب النحر و الذبح بالمصلى يوم النحر

عیدگاہ میں نحر اور ذبح کرنے کا بیان

۹۸۲ - حدثنا عبد الله بن يوسف قال: حدثنا الليث قال: حدثني كثير بن فرقد، عن نافع، عن ابن عمر: أن النبي ﷺ كان ينحر أو يذبح بالمصلى. [أنظر: ۱۷۱۰، ۱۷۱۱، ۵۵۵۱، ۵۵۵۲]

ترجمہ: حضرت نافع حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نحر یا ذبح عیدگاہ میں کرتے تھے۔

(۲۳) باب کلام الإمام والناس فی خطبة العید و إذا سئل الإمام عن شییء وهو یخطب

خطبہ عید میں امام اور لوگوں کے کلام کرنے کا بیان

۹۸۳ - حدثنا مسدد قال: حدثنا أبو الأحوص قال: حدثنا منصور بن المعتمر، عن الشعبی، عن البراء بن عازب قال: خطبنا رسول اللہ ﷺ یوم النحر بعد الصلاة. فقال: «من صلی صلاتنا و نسک نسکنا فقد أصاب النسک. و من نسک قبل الصلاة فتلک شاة لحم». فقام أبو بردة بن نیار فقال: یا رسول اللہ، واللہ لقد نسکت قبل أن أخرج إلی الصلاة، و عرفت أن الیوم یوم أکل و شرب فتعجلت و أکلت و أطعمت أهلی و جیرانی. فقال رسول اللہ ﷺ: «تلک شاة لحم». قال: فإن عندی عناق جذعة هی خیر من شاتی لحم، فهل تجزی عنی؟ قال: «نعم، ولن تجزی عن أحد بعدک». [راجع: ۹۵۱]

دوران خطبہ کلام کا حکم

یہ واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ بار بار لائے ہیں، یہاں اس بات پر استدلال کر رہے ہیں کہ امام خطبہ کے دوران لوگوں سے بات چیت کر سکتا ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ قربانی عید کی نماز کے بعد ہونی چاہئے۔ حضرت ابو بردہؓ نے کہا کہ میں نے تو قربانی پہلے کر لی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اس کی جگہ دوسری کر لو۔ یہ سب باتیں خطبہ کے دوران ہوئی ہیں۔ امام بخاریؒ اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ خطبہ کے دوران اس قسم کی باتیں جائز ہیں۔

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ جو حکم خطبۂ جمعہ کا ہے وہی حکم خطبۂ عید کا بھی ہے کہ امام خطبہ دے تو مقتدیوں کو اہتمام سے سننا چاہئے اور باتیں نہیں کرنا چاہئے، البتہ کسی دینی ضرورت سے امام کوئی مسئلہ بیان کرے اور مقتدی اس کے بارے میں کوئی بات پوچھ لے تو حدیث باب سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

اس معاملہ میں عید کا خطبہ جمعہ کے خطبہ سے اخص ہے، کیونکہ جمعہ کے خطبہ میں یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی

کھڑا ہو جائے اور امام سے کوئی بات پوچھے جبکہ عید کے خطبہ میں اس کی گنجائش ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کا خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہے اس لئے جو کام نماز میں جائز نہیں وہ خطبہ میں بھی جائز نہیں، بخلاف خطبۂ عید کے کہ وہ کسی کا قائم مقام نہیں ہے، لہٰذا اس میں جو انصات کا حکم ہے وہ **"معلل بالعلّة"** ہے اور جہاں وہ علت نہ ہو، کوئی حاجت دینیہ لاحق ہو جائے تو وہاں گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ نے فیض الباری میں اسی کو ترجیح دی ہے کہ خطبۂ عید میں کلام خطبۂ جمعہ سے اہون ہے۔[۲۹]

۹۸۴ - حدثنا حامد بن عمر، عن حماد بن زيد، عن أيوب، عن محمد، عن أنس ابن مالك قال: إن رسول الله ﷺ صلى يوم النحر، ثم خطب فأمر من ذبح قبل الصلاة أن يعيد ذبحه. فقام رجل من الأنصار فقال: يا رسول الله جيران لي ـ إما قال: بهم خصاصة وإما قال: فقر ـ وإني ذبحت قبل الصلاة وعندي عناق لي أحب إلي من شاتي لحم، فرخص له فيها. [راجع: ۹۵۴]

ترجمہ

حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا تو اس خطبہ میں آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جس نے نماز سے پہلے قربانی کی ہے وہ دوبارہ قربانی کرے، انصار میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پڑوسی ہیں اور وہ محتاج ہیں اور میں نے نماز سے پہلے ہی ان کی وجہ سے ذبح کر دیا، اور میرے پاس ایک سال سے کم کا جانور ہے جو گوشت کی دو بکریوں سے بہتر ہے، آپ نے اُسے اس کی اجازت دیدی۔

۹۸۵ - حدثنا مسلم قال: حدثنا شعبة، عن الأسود، عن جندب قال: صلى النبي صلى الله عليه وسلم يوم النحر ثم خطب: ثم ذبح وقال: ((من ذبح قبل أن يصلي فليذبح أخرى مكانها، ومن لم يذبح فليذبح باسم الله)). [انظر: ۵۵۰۰، ۵۵۶۲، ۶۶۷۴، ۷۴۰۰][۳۰]

---

[۲۹] فیض الباری، ج: ص: ۳۳۷، ۳۶۳.

[۳۰] وفي صحيح مسلم، كتاب الأضاحي، باب وقتها، رقم: ۳۶۲۱، وسنن النسائي، كتاب الضحايا، باب ذبح الناس بالمصلى، رقم: ۴۲۹۲، وسنن ابن ماجة، كتاب الأضاحي، باب النهي عن ذبح الأضحية قبل الصلاة، رقم: ۳۱۴۳، ومسند أحمد، أول مسند الكوفيين، باب حديث جندب البجلي، رقم: ۱۸۰۳۵، ۱۸۰۵۲.

ترجمہ

حضرت جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا پھر ذبح کیا، اور فرمایا کہ جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا، تو اس کی جگہ پر دوسرا جانور ذبح کریں اور جس نے ذبح نہیں کیا ہے تو وہ اب اللہ کے نام سے ذبح کرے۔

قربانی واجب ہے

فلیذبح۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قربانی موسر پر واجب ہے۔[۳۱]

ائمہ ثلاثہ کا مسلک

ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ قربانی سنت ہے، اور یہ حضرات ان روایات سے استدلال کرتے ہیں جن میں اُضحیہ کے ساتھ سنت کا لفظ وارد ہوا ہے۔

حنفیہ کا استدلال

پہلی دلیل قرآن کریم کی آیت: **فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ۔** سے ہے۔

اس میں صیغۂ امر وجوب کے لئے ہے، اس لئے حنفیہ فرماتے ہیں کہ قربانی واجب ہے۔

دوسری دلیل ابن ماجہ کی ایک حدیث سے ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **﴿من وجد سعة لأن یضحی فلم یضح فلا یقربن مصلانا﴾**[۳۲]

یعنی جس شخص کے اندر قربانی کی استطاعت ہو پھر وہ قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔

---

[۳۱] فمن هذا قال أبو حنیفة بوجوب الأضحیة ، وبه قال محمد وزفر والحسن وأبو یوسف فی روایة ، وهو قول مالک واللیث وربیعة والثوری والأوزاعی ، وعن أبی یوسف : إنها سنة ، وبه قال الشافعی وأحمد ، وهو قول أکثر أهل العلم ، وذکر الطحاوی : إن علی قول أبی حنیفة واجبة ، وعلی قول أبی یوسف ومحمد : سنت مؤکدة ، عمدة القاری ، ج:۵ ، ص: ۲۰۵ .

[۳۲] سنن ابن ماجه ، أبواب الأضاحی ، باب الأضاحی واجبة هی أم لا .

اس حدیث میں وعید بیان فرمادی، اور وعید ترک واجب پر ہوتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ قربانی واجب ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مدینہ منورہ میں رہے اور ہر سال آپ ﷺ نے قربانی فرمائی، کوئی سال ایسا نہیں گزرا کہ جس میں آپ ﷺ نے قربانی نہ کی ہو، اس سے معلوم ہوا کہ قربانی واجب ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضرت جبلہ بن سحیم فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا کہ قربانی واجب ہے؟ تو جواب میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے اور سارے مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔ اس شخص نے دوبارہ سوال کیا کہ یہ واجب ہے یا نہیں؟ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ تجھے عقل ہے؟ حضور اقدس ﷺ نے بھی اور سارے مسلمانوں نے بھی قربانی کی ہے۔ مطلب آپ کا یہ تھا کہ تم اس بحث میں نہ پڑو کہ اصطلاحاً قربانی واجب ہے یا سنت ہے یا فرض ہے۔ لیکن حضور ﷺ نے بھی قربانی کی ہے اور مسلمانوں نے بھی قربانی کی ہے، لہٰذا تمہیں بھی کرنی چاہئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک طرح سے واجب ہونے کی علامت بتادی کہ میں اگر اس کو واجب کہہ دوں تو تم واجب اور فرض میں فرق نہیں سمجھو گے، بلکہ اس کو فرض ہی سمجھ لو گے۔ اس لئے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قربانی کی ہے اور مسلمانوں نے بھی کی ہے اس لئے تمہیں بھی کرنی چاہئے۔ گویا کہ ایک طرح سے قربانی کو واجب ہی کہہ دیا۔ لہٰذا یہ حدیث اس بارے میں حنفیہ کی دلیل ہے کہ قربانی واجب ہے۔[۴۳]

(۲۴) باب من خالف الطریق إذا رجع یوم العید

عید کے دن راستہ بدل کر واپس ہونے کا بیان

۹۸۶۔ حدثنا محمد قال: أخبرنا أبو تمیلة یحییٰ بن واضح، عن فلیح بن سلیمان عن سعید بن الحارث، عن جابر قال: کان النبی ﷺ إذا کان یوم عید خالف الطریق. تابعه یونس بن محمد، عن فلیح، عن أبی هریرة. و حدیث جابر أصح.[۴۴]

ایک راستہ سے جانا اور دوسرے راستہ سے آنا، اس میں حکمت کیا ہے؟ اللہ ہی بہتر جانیں۔ ہم اس بحث میں کیوں پڑیں۔ البتہ بعض حضرات نے بہت ساری حکمتیں بیان کی ہیں، مثلاً کسی نے کہا کہ مختلف راستوں

---

۴۳ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: تکملة فتح الملهم، کتاب الأضاحی، باب وقتها، الأضحیة واجبة أو سنة، ج:۳، ص:۵۴۸.

۴۴ انفرد به البخاری.

کی مختلف برکتیں حاصل ہوتی ہیں، دونوں راستے گواہی دیں گے، اظہار شوکت بھی ہے، بس حضور ﷺ نے فرمایا ہے اس لئے کرو۔

نماز عید کے بعد قبرستان جانا

عید کی نماز کے بعد قبرستان جانا سنت نہیں بلکہ سنت سمجھ کر جانا بدعت ہے، لیکن میرے خیال میں لوگ سنت سمجھ کر نہیں جاتے، بلکہ اس خیال سے جاتے ہیں کہ عید کے دن ہم اپنے عزیز واقارب کے پاس ملاقات کے لئے جاتے ہیں تو جو اپنے عزیز اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان کی قبر پر بھی چلے جائیں اور ایصال ثواب کر دیں، لہٰذا اگر سنت سمجھ کر یہ کام کرے تو پھر بدعت ہے اور بغیر سنت سمجھے کیا جائے تو پھر مباح ہے۔

معانقہ کا حکم

عید کے دن گلے ملنے کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر اس کو سنت سمجھ کر کیا جائے تو پھر بدعت ہے اور ویسے ہی اظہار مسرت کے طور پر کیا جائے تو جائز ہے، لہٰذا اس میں بھی زیادہ تشدد درست نہیں۔

بعض علماء سے اگر عید کے موقع پر مصافحہ یا معانقہ کرنے جائیں تو وہ بہت تشدد کرتے ہیں، یہ بھی ٹھیک نہیں، کیونکہ جہاں تک میرا خیال ہے لوگ اس کو عید کی سنت نہیں سمجھتے، محض اظہار مسرت کے طور پر ایسا کرتے ہیں، لہٰذا اتنا تشدد اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، جہاں اندیشہ ہو کہ لوگ اس کو سنت سمجھنے لگے ہیں وہاں تقریر میں مسئلہ بتا دیں کہ بھائی یہ سنت نہیں ہے، ویسے ملنا ٹھیک ہے، لیکن جہاں کثرت سے سنت سمجھنے لگیں وہاں ترک کر دینا مناسب ہے۔

(۲۵) باب: إذا فاته العيد يصلي ركعتين.

جب عید کی نماز فوت ہو جائے تو دو رکعتیں پڑھ لیں

و كذلك النساء ومن كان في البيوت والقرى لقول النبي ﷺ: « هذا عيدنا أهل الإسلام ». وأمر أنس بن مالك مولاه ابن أبي عتبة بالزاوية فجمع أهله و بنيه و صلى كصلاة أهل المصر و تكبيرهم . و قال عكرمة : أهل السواد يجتمعون في العيد يصلون ركعتين كما يصنع الإمام . وقال عطاء : إذا فاته العيد صلى ركعتين .

نمازِ عید کی قضا کا حکم

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی سے عید کی نماز چھوٹ جائے تو وہ دو رکعتیں پڑھ لے۔

امام بخاریؒ کے صنیع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کو عید کی جماعت نہ مل سکی تو وہ گھر میں ہی دو رکعتیں پڑھ لے، عید کی قضاء کر لے، بظاہر یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ اسی طرح پڑھے جیسے عید کی نماز ہے یعنی تکبیرات کے ساتھ۔

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کے نزدیک اگر کسی سے عید کی نماز چھوٹ گئی تو اب الگ سے اس کی قضا نہیں ہے، البتہ ایک قضاء سنتوں کی بھی ہوتی ہے، اس قسم کی قضاء ہو سکتی ہے۔

سنتوں کی قضا

سنتوں کی قضا اصطلاحی تو نہیں ہوتی، لیکن تلافی کے معنی میں ہوتی ہے کہ اگر ایک چیز سے محروم رہ گیا اور اب وہ چیز واپس نہیں آسکتی تو کم از کم دو نفلیں پڑھ لے کہ سعادت میں کچھ نہ کچھ حصہ دار بن جائے، مکمل طور پر محروم نہ رہے۔ اس معنی میں سنت کی بھی قضا ہے، نفل کی بھی قضا ہے اور اس معنی میں عید کی بھی قضا ہے۔

لہٰذا اگر کسی کی عید کی نماز رہ گئی اور قریبی مسجد میں بھی نہ ملی تو ایسی صورت میں کم از کم دو نفل پڑھ لے، یہ نفل درحقیقت نہ عید کی نماز ہوگی، نہ قضاء ہوگی، بلکہ یہ ہوگا کہ اگر ایک چیز سے محروم ہو گئے تو جو بس میں ہے وہ پڑھ لیں، اس درجہ میں ٹھیک ہے، یہ قضا بالمعنی الاصطلاحی نہیں ہے۔ امام بخاریؒ بظاہر قضاء بالمعنی الاصلاحی مراد لے رہے ہیں تو یہ ان کا اپنا مذہب ہے۔

و کذلک النساء ۔ کہتے ہیں، اسی طرح عورتیں، یعنی اگر عورتیں عیدگاہ نہ جا سکیں تو گھر میں پڑھ لیں۔

عید فی القریٰ کا حکم

ومن کان فی البیوت و القری ۔ اور جو گھروں یا بستیوں میں ہیں وہ بھی تنہا پڑھ لیا کریں اگر جماعت میں شامل نہ ہو سکیں، **لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ھذا عیدنا أھل الإسلام** ۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا **ھذا عیدنا** ۔ جمع متکلم ہے جس میں پوری امت داخل ہے، اس امت میں عورتیں بھی داخل ہیں اور اہل قریٰ بھی داخل ہیں۔

حنفیہ کا مسلک اور استدلال

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ جس طرح جمعہ قری میں درست نہیں ہے اسی طرح عید بھی درست نہیں ہے۔[۳۵]

حنفیہ کا استدلال جس طرح جمعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر سے ہے اسی طرح عید میں بھی حضرت علی ﷺ کے اثر سے ہے اس لئے کہ انہوں نے فرمایا" **لا جمعة و لا تشریق إلا فی مصر جامع**" تو تشریق میں عید کی نماز بھی آگئی۔

وأمر أنس بن مالک مولاه ابن أبی عتبة بالزاویة۔ زاویہ کا ذکر پہلے بھی آیا ہے کہ بصرہ سے دو فرسخ کے فاصلہ پر ایک جگہ تھی جہاں یہ مقیم تھے، انہوں نے اپنے مولی ابن ابی عتبہ کو حکم دیا" **فجمع أهله و بنيه**" انہوں نے اپنے گھر والوں اور بیٹوں کو جمع کیا" **و صلّی کصلاة أهل المصر** " اور شہر والوں کی طرح نماز پڑھی، مراد یہ ہے کہ عید کی نماز پڑھی۔ اگر عید کی نماز مراد ہے تو حضرت انس ﷺ کا اپنا مذہب ہوا۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ وہاں کسی وجہ سے گئے اور پھر شہر نہ جا سکے اور تلافی کے طور پر یہ سوچا کہ عید کی نماز تو نہیں ملی چلو تلافی کے طور پر کم از کم دو رکعت پڑھ لو، تو اس معنی کی صورت میں یہ حنفیہ کے مخالف نہیں۔

وقال عکرمة : أهل السواد یجتمعون فی العید ، اہل سواد یعنی دیہات کے لوگ عید کے دن جمع ہوئے **یصلون رکعتین کما یصنع الإمام.**

وقال عطاء : إذا فاته العید صلّی رکعتین ۔عطاء بن ابی رباح کا بھی یہی مذہب ہے کہ اگر عید کی نماز فوت ہو جائے تو وہ دو رکعتیں پڑھ لے۔

۹۸۷ ۔ حدثنا یحییٰ بن بکر قال : حدثنا اللیث ، عن عقیل ، عن ابن شهاب ، عن عروة ، عن عائشة : أن أبا بکر دخل علیها و عندها جاریتان فی أیام منی تدففان و تضربان ، والنبی ﷺ متغش بثوبه فانتهرهما أبو بکر فکشف النبی ﷺ عن وجهه و قال : ((دعهما یا أبا بکر فإنها أیام عید . و تلک الأیام أیام منی)) . [راجع : ۹۴۹]

۹۸۸ ۔ وقالت عائشة : رأیت النبی ﷺ یسترنی وأنا أنظر إلی الحبشة وهم یلعبون فی المسجد فزجرهم فقال النبی ﷺ : ((دعهم ، أمنا بنی أرفدة)) ، یعنی من الأمن. [راجع: ۴۵۴]

---

[۳۵] فیض الباری، ج:۲،ص:۳۶۴۔

یہاں جو حدیث لائے ہیں بظاہر وہ ترجمۃ الباب سے مطابقت نہیں رکھتی ہے، لیکن یہ اس سے اس طریق کی طرف اشارہ کررہے ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا " **لکل قوم عید هذا عیدنا ، عیدنا** " جمع متکلم کا صیغہ ہے جس میں مرد، عورت، اہل قریٰ واہل مدینہ سب داخل ہیں، لہٰذا سب کی عید ہوگی۔

دعهم ، أمنا۔ یعنی ان کو بے خوف چھوڑ دو۔

(۲۶) باب الصلاة قبل العيد و بعدها.

عید کی نماز سے پہلے اور اس کے بعد نماز پڑھنے کا بیان

وقال أبو المعلى : سمعت سعيدا عن ابن عباس كره الصلاة قبل العيد .

۹۸۹ ـ حدثنا أبو الوليد قال : حدثنا شعبة قال : حدثني عدى بن ثابت قال : سمعت سعيد بن جبير عن ابن عباس : أن النبي ﷺ خرج يوم الفطر فصلى ركعتين لم يصل قبلها ولا بعدها ومعه بلال .[۳۶]

عید سے قبل نفل کا حکم

عید کی نماز سے پہلے اور بعد کوئی نفل نہ پڑھے، نہ ضحیٰ، نہ اشراق اور نہ اور کچھ، صرف عید کی نماز پڑھے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے نہیں پڑھی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نہیں پڑھ سکتے بلکہ اگر کوئی پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔

جمہور کا قول

جمہور کا کہنا ہے کہ پڑھنا مکروہ ہے۔

---

۳۶ وفي صحيح مسلم ، كتاب صلاة العيدين ، رقم : ۱۴۲۸ ، وسنن النسائي ، كتاب صلاة العيدين ، باب الخطبة في العيدين بعد الصلاة ، رقم : ۱۵۵۱ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب الخطبة يوم العيد ، رقم : ۹۶۵ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها ، باب ماجاء في صلاة العيدين ، رقم : ۱۲۶۳ ، ومسند أحمد ، ومن مسند بني هاشم ، باب باقي المسند السابق ، رقم : ۲۹۸۸ ، ۳۰۵۲ ، ۳۱۴۴ ، ۳۱۶۲ ، ۳۱۸۷ ، ۳۳۰۷ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصلاة ، باب صلاة العيدين بلا أذان ولا إقامة والصلاة قبل الخطبة ، رقم : ۱۵۵۳ .

حنفیہ کا قول

حنفیہ کہتے ہیں قبل العید پڑھنا تو مکروہ ہے لیکن بعد العید پڑھنا جائز ہے۔

قبل العید اس لئے مکروہ ہے کہ اس دن آپ ﷺ نے اشراق نہیں پڑھی جبکہ آپ ﷺ اشراق پر اکثر عمل فرمایا کرتے تھے اگر جائز ہوتی تو کم از کم آپ ﷺ اشراق پڑھتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جیسا کہ آجکل اسی پر عمل ہے کہ نماز اشراق کے متصل بعد عید کی نماز پڑھ لی جائے، تو یہ اشراق کے قائم مقام ہوگئی، اب اشراق کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں جب عید سے فارغ ہوگئے تو اب کوئی رکاوٹ نہیں ہے، اس وقت اگر کوئی نفل پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔

١٣- كتاب الوتر

رقم الحديث : ٩٩٠ - ١٠٠٤

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۴ - کتاب الوتر

(۱) باب ما جاء فی الوتر

ان روایتوں کا بیان جو وتر کے بارے میں منقول ہیں

۹۹۰ - حدثنا عبداللہ بن یوسف قال: اخبرنا مالک، عن نافع و عبداللہ بن دینار عن ابن عمر: أن رجلا سأل رسول اللہ ﷺ عن صلاۃ اللیل: فقال ﷺ: ((صلاۃ اللیل مثنی مثنی، فإذا خشی احدکم الصبح صلی رکعۃ واحدۃ، توتر لہ ما قد صلی)).
[راجع: ۴۷۲][1]

حدیث کا مفہوم

یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے صلوۃ اللیل کے بارے

---

[1] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الليل مثنىٰ مثنى والوتر ركعة من آخر الليل، رقم: ۱۲۳۹، وسنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء أن صلاة الليل مثنى مثنىٰ، رقم: ۴۲۳، وسنن النسائي، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب كيف صلاة الليل، رقم: ۱۶۵۳، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب كم الوتر، رقم: ۱۲۱۱، وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في صلاة الليل والنهار مثنىٰ مثنىٰ رقم: ۱۱۶۵، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب رقم: ۴۲۶۳، ۴۳۳۱، ۴۳۸۰، ۴۵۶۰، ۴۶۱۵، ۴۶۲۸، ۴۷۳۰، ۴۷۹۰، ۴۸۴۱، ۴۸۷۶، ۴۹۶۷، ۵۱۴۴، ۵۱۹۷، ۵۲۱۳، ۵۲۳۳، ۵۲۷۸، ۵۴۹۹، ۵۵۳۱، ۵۶۶۷، ۵۷۳۶، ۵۸۹۳، ۵۹۰۰، ۵۹۷۶، ۶۰۱۸، ۶۰۷۰، ۶۰۸۴، ۶۰۸۵، ۶۱۳۳، وموطا مالک، كتاب النداء للصلوة، باب الأمر بالوتر، رقم: ۲۳۷، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب صلاة الليل والنهار مثنى مثنى، رقم: ۱۴۲۲.

میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "صلوٰۃ اللیل مثنی مثنی" رات کی نماز دو دو کر کے پڑھنی چاہئے، "**فإذا خشي أحدكم الصبح**"، جب تم میں سے کسی کو صبح طلوع ہونے کا اندیشہ ہو تو "**صلی ركعة واحدة، توتر له ما قد صلی**" ایک رکعت پڑھ لے جو اس نے پہلے پڑھی ہے اس کو وتر بنا دے۔

۹۹۱ - وعن نافع: أن عبداللہ بن عمر كان يسلم بين الركعة والركعتين في الوتر حتى يأمر ببعض حاجته.

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے، اس طرح کہ دو رکعتوں اور ایک رکعت کے درمیان سلام پھیرا کرتے تھے "**حتى يأمر ببعض حاجته**" یعنی دو رکعتوں کے بعد کسی کو کوئی کام بتا دیا پھر کھڑے ہو کر ایک رکعت پڑھ لی۔

وتر کا حکم

صلاۃ الوتر کے بارے میں یہ اختلاف ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب نہیں بلکہ سنت ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کو واجب قرار دیتے ہیں۔

وتر کے عدم وجوب پر امام شافعیؒ کا استدلال

امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ حدیث "**الفرائض الصلوٰۃ خمس وما سواهما تطوع**" نقل کر کے لکھا ہے کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور اس کے علاوہ نفل ہے۔ امام شافعیؒ نے اس سے وتر کے عدم وجوب پر استدلال کیا کہ وتر واجب نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور پھر خاص طور پر یہ سوال بھی کیا گیا کہ کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی فرض ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں الا یہ کہ تم نفلی طور پر پڑھنا چاہو اور وتر اس میں داخل نہیں ہے۔[۲]

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا موقف اور اختلاف ائمہ میں تطبیق

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وتر کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ وہ عشاء کے توابع میں سے ہے۔ لہٰذا توابع ہونے کی وجہ سے اسے ان پانچ نمازوں ہی کے اندر داخل کیا اسی لئے الگ ذکر نہیں فرمایا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جس وقت وہ سوال کر رہے ہیں اس وقت وتر واجب نہ ہوا ہو، کیونکہ وتر کے وجوب کے لئے ترمذی میں جو روایت آئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

---

۲ كتاب الأم، ج: ۱، ص: ۶۸.

أن اللہ أمدکم بالصلوۃ ھی خیرلکم من حمر النعم الوتر جعلہ اللہ لکم فیما بین صلاۃ العشاء إلی أن یطلع الفجر. [۲۳]

یعنی اللہ نے تمہارے اوپر زیادتی کی ہے اور کمک بھیجی ہے ایک ایسی نماز کی جو تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شروع میں وتر کی نماز نہیں تھی، بعد میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مشروع کی گئی تو عین ممکن ہے کہ جس وقت حضرت ضمام بن ثعلبہ یہ سوال کر رہے ہوں اس وقت تک وتر واجب نہ ہوا ہو بلکہ بعد میں واجب ہوا ہو، اگر بالفرض پہلے واجب ہوگیا تھا تب بھی عشاء کے توابع میں شمار کرلیا ہو تو یہ بھی کچھ بعید نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ وتر کو فرض نہیں کہتے بلکہ واجب کہتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ کی یہ اصطلاح ہے کہ وہ فرض وواجب میں فرق کرتے ہیں اور عملی اعتبار سے اتنا زیادہ فرق اس لئے نہیں ہے کہ خود امام شافعیؒ جو اس کے وجوب کا انکار کرتے ہیں وہ فرض وواجب میں فرق نہیں کرتے۔

شوافع کے نزدیک وتر **آکد السنن** ہے یعنی تمام سنتوں میں سب سے زیادہ مؤکد سنت ہے۔ گویا ان کے نزدیک وتر کا درجہ سنن مؤکدہ سے ذرا اونچا اور فرض سے نیچا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ بھی یہ کہتے ہیں کہ وہ فرض اور سنت کے درمیان ایک مرتبہ ہے اور وہ اس کو واجب کہتے ہیں۔ [۲۴]

اس سلسلے میں ایک لطیفہ مشہور ہے کہ ایک آدمی امام صاحب کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ دن بھر میں کتنی نمازیں فرض ہیں؟ امام صاحب نے فرمایا کہ پانچ نمازیں فرض ہیں۔ کہا کہ وتر فرض ہے یا نہیں؟ تو آپ نے کہا ہاں وتر بھی واجب ہے پھر کہا اچھا کتنی نمازیں رات بھر میں فرض ہیں؟ تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ پانچ نمازیں، کہا وتر واجب ہے یا نہیں؟ فرمایا واجب ہے۔ یعنی تین مرتبہ یہ سوال وجواب ہوئے اور آخر میں وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ آپ کو حساب نہیں آتا، کیونکہ ایک طرف کہہ رہے ہیں کہ پانچ نمازیں فرض ہیں اور دوسری طرف کہہ رہے ہیں کہ وتر واجب ہے، آپ کو حساب صحیح نہیں آتا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا منشاء یہ تھا کہ وتر کا وجوب کوئی مستقل عبادت نہیں بلکہ عشاء کے توابع میں سے ہے، اس لئے اس کو الگ شمار نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک عشاء کے فرض نہ پڑھے ہوں اس وقت تک وتر صحیح نہیں ہوتے۔

---

[۲۳] سنن الترمذی، کتاب الصلاۃ، ابواب الوتر، باب ماجاء فی فضل الوتر، رقم: ۴۱۴.

[۲۴] بدائع الصنائع، ج:۱، ص:۹۱، و حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ج:۱، ص:۲۵۰.

لہٰذا اگر کسی شخص نے ساری رات عشاء کی نماز نہیں پڑھی، اور آخری رات میں جا کر عشاء کی نماز پڑھی تو جب تک عشاء نہیں پڑھی اس وقت تک وتر واجب نہیں اور نہ ادا ہوسکتا ہے، جب فرض پڑھے گا تو پھر وتر واجب اور ادا ہوں گے۔[۵]

رکعات وتر اور وتر بسلامین کا مسئلہ

شوافع کا مسلک

حدیث باب امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ وتر ایک رکعت بھی ہوسکتی ہے اور تین رکعت بھی ہوسکتی ہے، لیکن تین رکعتیں اس طرح ہیں کہ دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیں اور پھر تیسری رکعت نئی تحریمہ کے ساتھ پڑھیں یعنی تین رکعت بسلامین، اور اگر تین رکعت ایک سلام کے ساتھ پڑھیں تو پھر ان کے نزدیک دوسری رکعت میں قعدہ نہیں ہے۔

امام مالکؒ وامام احمدؒ کا مسلک

امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ بھی وتر بسلامین کے قائل ہیں، اگرچہ امام مالکؒ سے منقول ہے کہ وہ ایک رکعت وتر کو درست نہیں سمجھتے، لیکن وتر بسلامین کو جائز اور مشروع سمجھتے ہیں۔

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کہتے ہیں کہ وتر کی تین رکعتیں ہیں اور تینوں رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہیں درمیان میں دو رکعتوں پر قعدہ بھی ہوگا۔

حنفیہ کے دلائل

حنفیہ کی دلیل بہت ساری احادیث ہیں جن میں وتر کی تین رکعتوں کا ذکر ہے۔

۱۔ صحیح بخاری کی وہ حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

"عن أبي سلمة بن عبدالرحمن انه أخبره انه سأل عائشة رضي الله عنها : كيف كانت صلاة رسول الله ﷺ في رمضان ؟ فقالت : ما كان رسول الله ﷺ يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة ، يصلي أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن ، ثم يصلي أربعاً فلا تسأل

---

[۵] فتح الملهم ، ج: ۱ ، ص: ۵۰۴.

عن حسنهن وطولهن ، ثم يصلي ثلاثا." [۷]

۲۔ ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "كان رسول الله ﷺ يوتر بثلاث يقرأ فيهن بتسع سور من المفصل يقرأ في كل ركعة ثلاث سور آخرهن قل هو الله احد." [۸]

۳۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث مروی ہے کہ: "قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ في الوتر ﴿سبح اسم ربك الاعلى﴾ و ﴿قل يايها الكفرون﴾ و ﴿قل هو الله احد﴾ في ركعة ركعة." [۹]

۴۔ "عن عمرة عن عائشة رضي الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يوتر بثلاث يقرأ في الركعة الأولى ب﴿سبح اسم ربك الاعلى﴾ وفي الثانية ﴿قل يا ايها الكفرون﴾ وفي الثالثة ﴿قل هو الله احد﴾ ﴿قل اعوذ برب الفلق﴾ و ﴿قل اعوذ برب الناس﴾." [۱۰]

۵۔ عبداللہ بن ابی قیس سے مروی ہے کہ: "قال: ((سألت عائشة رضي الله عنها بكم كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر؟ قالت: بأربع وثلاث، وست وثلاث، وثمان وثلاث، وعشرة وثلاث، ولم يكن يوتر بأكثر من ثلاث عشرة ولا أنقص من سبع))." [۱۱]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رکعات تہجد کی تعداد بدلتی رہتی تھی، لیکن وتر کی رکعات کی تعداد میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تھی بلکہ ان کی تعداد ہمیشہ تین ہی ہوتی تھی۔

یہ تمام احادیث وتر کی تین رکعات پر صریح ہیں۔

اس کے علاوہ ایسی متعدد احادیث مثلاً نسائی، طحاوی اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ تینوں رکعتیں ایک ہی سلام کے ساتھ ہوتی تھیں۔

یہ سب حنفیہ کے مضبوط دلائل ہیں۔

---

۷ صحيح البخاري، كتاب التهجد، باب قيام النبي ﷺ بالليل في رمضان وغيره، رقم: ۱۱۴۷.

۸ سنن الترمذي، كتاب، باب ماجاء في الوتر بثلاث، رقم:

۹ إعلاء السنن، ج:۲، ص:۳۱، رقم: ۱۶۵۹.

۱۰ إعلاء السنن، ج:۲، ص:۳۳، رقم: ۱۶۵۵.

۱۱ إعلاء السنن، ج:۲، ص:۳۲، رقم: ۱۶۵۴.

حدیث باب کا جواب

جہاں تک حدیث باب کا تعلق ہے تو اس کے دو حصے ہیں:

ایک حصہ مرفوع ہے اور دوسرا حصہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر موقوف ہے۔

مرفوع حصے میں یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ ایک رکعت پڑھ لے کہ ماقبل کو وتر بنادے گی۔

حنفیہ اس کی تاویل کرتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ دو رکعتیں تو پڑھتا چلا آرہا ہے، اب جب صبح کا اندیشہ ہوا تو ایک رکعت کا اضافہ کرکے تین بنادے، یہ معنی نہیں ہے کہ ایک رکعت تنہا پڑھ لے۔ اس کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے جو ابھی ذکر کی ہیں۔

نیز اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بتیراء سے منع فرمایا۔ "بتیراء" تنہا ایک رکعت کو کہتے ہیں اور اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ مغرب کو وتر النہار کہا گیا ہے اور یہ وتر اللیل ہے اور اس میں سب کا اتفاق ہے کہ مغرب کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہوتی ہیں، لہٰذا وتر اللیل بھی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہونی چاہئیں۔[11]

حدیث باب کا دوسرا حصہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے وہ بے شک دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے اور پھر ایک رکعت پڑھتے تھے، لیکن وہ ان کا اپنا عمل ہے جو احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں حجت نہیں ہے۔[12]

---

[11] وفي كل ذلك دليل على صحة ماروى في الباب من النهي عن البتيراء، فإن الوتر بواحدة أو الفصل بين الركعة والركعتين منه لو كان متعارفا بين الصحابة جوازه لم ينكروا على فاعله ولم يعيبوه عليه، فالحق ماعليه أئمتنا الحنفية رضي الله تعالى عنهم أن الوتر على ثلاث كثلاث المغرب موصولة بتشهدين لا يسلم إلا في آخرهن، وهو الثابت عنه ﷺ فعلا وقولا، وهو الذي أجمع عليه جمهور الصحابة بعده، كماذكرنا كل ذلك مفصلا فيما تقدم، ولعمري لوأنصف المتأمل في الأحاديث الواردة في الباب لأعترف بقوة ما استخرجه أبو حنيفة من لجة هذا العباب، اعلاء السنن، ج: ۲، ص: ۲۸۔

[12] ولا يعارضه أيضا ما رواه الطحاوي من طريق سالم بن عبد الله بن عمر عن أبيه: ((أنه كان يفصل بين شفعه ووتره بتسليمة، وأخبر أن النبي ﷺ كان يفعله))، فإن رواية الفصل في الوتر تفرد بها ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي ﷺ، وخالفه في ذلك أبي بن كعب و عائشة و أنس و ابن مسعود، فرووا عنه ﷺ: ((أنه كان يوتر بثلاث لا يسلم إلا في آخرهن)) كما تقدم، وأيضا:

.... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾ ....

اور یہ اس حدیث کے راوی ہیں جس میں ہے "الوتر رکعة من اللیل" انہوں نے اس کا یہی مطلب سمجھا، لہٰذا اس کے مطابق عمل کیا۔

البتہ مستدرک حاکم میں ایک حدیث ہے جس میں حضور اقدس ﷺ کا دو سلاموں کے ساتھ وتر پڑھنا منقول ہے، بلکہ اس میں یہ لفظ بھی ہے "کان یتکلم بین الرکعتین والرکعة" کہ ایک رکعت اور دو رکعتوں کے درمیان کلام بھی کرتے تھے۔[۱۳]

اس حدیث کا شافی اور اطمینان بخش جواب حنفیہ کے پاس نہیں ہے اور جو تاویلات کی گئی ہیں وہ پُر تکلف ہیں، مثلاً ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ رکعتین سے سنتِ فجر مراد ہے اور رکعۃ سے مراد وہ رکعت جس نے ماقبل کو وتر بنایا، تو معنی یہ ہوئے کہ وتر اور سنتِ فجر کے درمیان بات چیت فرمایا کرتے تھے، اب یہ زبردستی کی تاویل ہے جو بنتی نہیں ہے۔

حدیث سے دونوں طریقے ثابت ہیں

مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم کہ حضور اقدس ﷺ سے دونوں طریقے ثابت ہیں۔ تین رکعتیں بسلام واحد بھی اور تین رکعتیں بسلامین بھی۔

حنفیہ کا طریقہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جب اس قسم کی روایات میں اختلاف ہو تو اس جانب کو اختیار

...... ﴿ گزشتہ سے پیوستہ ﴾ ...... فأما ما رواه ابن عمر حكاية عن الفعل وحديث النهي عن البتيراء قول، والقول مقدم على الفعل، وأيضا: فهو مبيح وذلك حاظر وإذا تعارض المبيح والمحرم يجعل المحرم متأخرا كي لا يلزم النسخ مرتين.

وأما ما رواه البخاري عن ابن عمر: ((أن رجلا سأل النبي ﷺ عن صلاة الليل، فقال: صلاة الليل مثنى مثنى، فإذا خشي أحدكم الصبح صلى واحدة توتر له ما قد صلى))، فلا حجة فيه كما قال الحافظ في "الفتح"، ولفظه: واستدل بقوله ﷺ: ((صلى ركعة واحدة)) على أن فصل الوتر أفضل من وصله، بأنه ليس صريحا في الفصل، فيحتمل أن يريد بقوله: ((صلى ركعة واحدة)) أي مضافة إلى ركعتين مما مضى اهـ (۲: ۳۸۰)، والله أعلم، إعلاء السنن، ج: ٦، ص: ٦٦.

[۱۳] ومنها أن كلام الناس للصلاة والذي يظن أنه ليس فيها لا يبطلها وبهذا قال جمهور العلماء من السلف والخلف وهو قول ابن عباس وعبد الله بن الزبير وأخيه عروة وعطا والحسن والشعبي وقتادة والأوزاعي ومالك والشافعي وأحمد وجميع المحدثين ﷺ وقال أبو حنيفة ﷺ وأصحابه والثوري في أصح الروايتين تبطل صلاته بالكلام ناسيا أو جاهلا لحديث ابن مسعود، شرح النووي على صحيح مسلم، ج: ٥، ص: ٧١.

کرتے ہیں جو احوط ہو اور اوفق بالاصول ہو اور تین رکعتوں کا ایک سلام کے ساتھ پڑھنا احوط بھی ہے کہ اس میں سب کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے اور جو اصول ابھی بیان کئے گئے ہیں ان کے بھی مطابق ہے، لہٰذا حنفیہ نے اسی کو اختیار کیا، ورنہ دوسرا طریقہ بھی ثابت ہے، اس کو غیر ثابت کہنا مشکل ہے۔

میں نے پہلے کہا تھا کہ خود حنفی بنو، حدیث کو حنفی بنانے کی کوشش نہ کرو، لہٰذا دوسرے ائمہ نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ بھی باطلِ محض نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ اس کو مرجوح کہہ سکتے ہیں۔

۹۹۲ - حدثنا عبداللہ بن مسلمة، عن مالک، عن مخرمة بن سليمان، عن كريب أن ابن عباس أخبره: أنه بات عند ميمونة ــ وهي خالته ــ فاضطجعت في عرض وسادة، واضطجع رسول اللهﷺ وأهله في طولها، فنام حتى انتصف الليل أو قريبا منه فاستيقظ يمسح النوم عن وجهه، ثم قرأ عشر آيات من آل عمران، ثم قام رسول الله ﷺ إلى شن معلقة فتوضأ فأحسن الوضوء ثم قام يصلي، فصنعت مثله. فقمت إلى جنبه فوضع يده اليمنى على رأسي وأخذ بأذني يفتلها. ثم صلى ركعتين ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم أوتر. ثم اضطجع حتى جاءه المؤذن فقام فصلى ركعتين ثم خرج فصلى الصبح. [۱۴]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ بنت الحارثؓ کے پاس ایک رات گزاری تھی، ان کے گھر میں رات گزارنے کا منشاء یہ تھا کہ رسول کریم ﷺ کے رات کے معمولات معلوم کرسکیں اور ان پر عمل کریں، پس اس حدیث میں یہ تہجد کی بارہ رکعتیں بیان کی ہیں۔

۹۹۳ - حدثنا يحيىٰ بن سليمان قال: حدثني ابن وهب قال: أخبرني عمرو أن

---

[۱۴] وفي صحيح مسلم كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه، رقم: ۱۲۷۵، وسنن الترمذي كتاب الصلاة، باب ماجاء في الرجل يصلي ومعه رجل، رقم: ۲۱۶،۲۱۵، وسنن النسائي، كتاب الإمامة، باب موقف الإمام والمأموم صبي، رقم: ۷۹۷، وكتاب التطبيق، باب الدعاء في السجود، رقم ۱۱۰۹، وكتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب ماذكر ما يستفتح به القيام، رقم: ۱۶۰۲، وسنن ابي داؤد، كتاب الطهارة، رقم: ۵۳، وكتاب الصلاة، باب السواك لمن قام من الليل، رقم: ۵۱۶، ومسند احمد، ومن مسند بني هاشم، باب بداية مسند عبد اللہ بن العباس، رقم: ۲۱۳۳، ۲۲۱۱، ۲۲۸۸، ۳۰۰۳، ۳۱۰۱، ۳۱۵۳، ۳۳۴۲، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب صلاة النبي في الوتر، رقم: ۲۳۵، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب مقام من يصلي مع الإمام إذا كان وحده، رقم: ۱۲۲۷.

عبدالرحمن بن القاسم حدثه عن أبيه عن عبدالله بن عمر قال : قال النبي ﷺ : ((صلاة الليل مثنى مثنى، فإذا أردت أن تنصرف فاركع ركعة توتر لک ما صليت)) . قال القاسم : ورأينا أناسا منذ أدركنا يوترون بثلاث وإن كلا لواسع ، و أرجو أن لا يكون بشيء منه بأس . [راجع : ۴۷۲]

قاسم بن محمد کہتے ہیں ہم جب سے بڑے ہوئے ہیں لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ تین رکعت وتر پڑھتے ہیں، لیکن ساتھ کہتے ہیں کہ سب جائز ہے، تین سے پڑھو، پانچ سے پڑھو، سات سے پڑھو، نو سے پڑھو۔ وأرجو ان لا يكون بشيء منه بأس۔ یاد رہے کہ احادیث میں بسا اوقات پوری تہجد کی نماز پر بھی وتر کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔

۹۹۴ – حدثنا أبو اليمان قال : أخبرنا شعيب ، عن الزهري ، عن عروة أن عائشة أخبرته : أن رسول الله ﷺ كان يصلي إحدى عشرة ركعة كانت تلک صلاته – تعني بالليل – فيسجد السجدة من ذلک قدر ما يقرأ أحدكم خمسين آية قبل أن يرفع رأسه و يركع ركعتين قبل صلاة الفجر، ثم يضطجع على شقه الأيمن حتى يأتيه المؤذن للصلاة. [راجع : ۶۲۶]

ایک سجدہ اتنا لمبا کرتے تھے جتنی دیر میں تم پچاس آیتیں پڑھو۔

(۲) باب ساعات الوتر ،

وتر کے ساعتوں کا بیان

قال أبو هريرة : أوصاني رسول الله ﷺ بالوتر قبل النوم.

۹۹۵ – حدثنا أبو النعمان قال : حدثنا حماد بن زيد قال : حدثنا أنس بن سيرين قال : قلت لإبن عمر : أرأيت الركعتين قبل صلاة الغداة نطيل فيهما القراءة ؟ فقال : كان النبي ﷺ يصلي من الليل مثنى مثنى ويوتر بركعة ، و يصلي ركعتين قبل صلاة الغداة و كان الأذان بأذنيه . قال حماد : أي بسرعة . [راجع : ۴۷۲]

یعنی فجر کی دو رکعتیں جلدی جلدی پڑھتے تھے زیادہ لمبی نہیں کرتے تھے۔

۹۹۶ – حدثنا عمر بن حفص قال : حدثنا أبي قال : حدثنا الأعمش قال : حدثني مسلم ، عن مسروق عن عائشة قالت : كل الليل أوتر رسول الله ﷺ و انتهى وتره

إلى السحر. [۵][۶]

اس حدیث میں یہ بتانا مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وتر رات کے مختلف حصوں میں پڑھی ہیں، کبھی اول لیل میں، کبھی درمیان میں اور کبھی آخر لیل میں "وانتهى وتره إلى السحر" لیکن آخر میں جو آپ ﷺ نے وتر قائم کئے وہ سحری کا وقت ہے یعنی نماز فجر سے پہلے۔

(۳) باب إيقاظ النبي ﷺ أهله بالوتر

آنحضرت ﷺ کا اپنے گھر والوں کو وتر کے لئے جگانے کا بیان

۹۹۷ - حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيىٰ قال: حدثنا هشام قال: حدثني أبي، عن عائشة قالت: كان النبي ﷺ يصلي وأنا راقدة، معترضة على فراشه. فإذا أراد أن يوتر أيقظني فأوترت. [راجع: ۳۸۲]

وتر کی شرعی حیثیت اور حنفیہ کی دلیل

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تہجد کے لئے تو نہیں اٹھاتے تھے لیکن وتر کے لئے اٹھاتے تھے۔

یہ حنفیہ کی دلیل ہے کہ وتر کی نماز واجب ہے، اگر سنت ہوتی تو جیسا کہ عام سنتیں ہیں تو پھر اس میں اور تہجد میں کوئی فرق نہیں تھا، لیکن اس کے لئے اٹھایا ہے، معلوم ہوا کہ یہ واجب ہے۔ [۷]

---

[۵] لا يوجد للحديث مكررات.

[۶] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي ﷺ في الليل وأن الوتر ركعة، رقم: ۱۲۳۰، وسنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الوتر من أول الليل وآخره، رقم: ۴۱۹، وسنن النسائي، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب وقت الوتر، رقم: ۱۶۹۳، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في وقت الوتر، رقم: ۱۲۲۳، وسنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في الوتر آخر الليل، رقم: ۱۱۷۵، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۸۲۶، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في وقت الوتر، رقم: ۱۵۳۰.

[۷] قال الحافظ في "الفتح" واستدل به على وجوب الوتر لكونه ﷺ سلك به مسلك الواجب حيث لم يدعها نائمة وأيقظها للتهجد، وتعقب بأنه لا يلزم من ذلك الوجوب، نعم يدل على تأكد الوتر وأنه فوق غيره من النوافل الليلية اهـ، فتح القدير، ج: ۲، ص: ۴۸۷، وإعلاء السنن، ج: ۲، ص: ۳۶.

حنفیہ کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس میں ہے:

"الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا ، الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا ، الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا" [۱۸]

ابوداؤد اور ترمذی میں یہ حدیث آئی ہے:

ان اللہ أمدکم بالصلوۃ هی خیر لکم من حمر النعم الوتر جعله اللہ لکم فیما بین صلاۃ العشاء إلی أن یطلع الفجر. [۱۹]

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ایک نماز کا اضافہ کیا ہے۔ اب جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو وہ یا فرض ہے یا واجب، کیونکہ سنت کی نسبت حضور ﷺ کی طرف ہوتی ہے۔ یہ بھی حنفیہ کی دلیل ہے کہ صلوٰۃ وتر واجب ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مسلک

حقیقت میں علمی اعتبار سے یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے بلکہ لفظی جیسا ہے، کیونکہ ائمہ ثلاثہ بھی اس کو آکد السنن کہتے ہیں اور چھوڑنے کو جائز نہیں کہتے، چونکہ ان کے نزدیک واجب کا کوئی مرتبہ نہیں ہے اس لئے وہ وتر کو سنت کہتے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک سنت اور فرض کے درمیان واجب کا مرتبہ ہے، لہٰذا وہ واجب کہتے ہیں۔ تو یہ کوئی بہت بڑا اختلاف نہیں ہے۔

(۴) باب : لیجعل آخر صلاته وترا

وتر کو آخری نماز بنانا چاہیئے

۹۹۸ - حدثنا مسدد قال : حدثنا یحیی بن سعید ، عن عبید اللہ قال : حدثنی نافع ، عن عبد اللہ بن عمر : عن النبی ﷺ قال : ((اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا)) .

نقض وتر کی تحقیق

اجعلوا آخر صلاتکم باللیل وترا . کے امر کو جمہور استحباب پر محمول کرتے ہیں، اس لئے کہ خود

---

[۱۸] إعلاء السنن ، ج: ۶ ، ص: ۳ ، رقم : ۱۶۳۱.

[۱۹] سنن الترمذی ، کتاب الصلاۃ ، ابواب الوتر ، باب ماجاء فی فضل الوتر ، رقم : ۴۱۴.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر کے بعد دو رکعت پڑھنا ثابت ہے۔

خود حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ نقض وتر کا مسئلہ میں نے اپنی رائے سے مستنبط کیا ہے۔ اس پر آنحضرت ﷺ سے میرے پاس کوئی روایت نہیں ہے۔ [۲۰]

اس لئے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس رائے کی تردید فرمائی، حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب ان کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل پہنچا تو انہوں نے فرمایا کہ اس طرح وہ ایک ہی رات میں تین مرتبہ وتر پڑھتے ہیں حالانکہ حدیث باب کے مطابق حضور ﷺ نے دو مرتبہ وتر پڑھنے کو منع فرمایا۔ [۲۱]

رکعتین بعد الوتر کا حکم

وتر کے بعد حضور اقدس ﷺ سے دو رکعت پڑھنے کی متعدد احادیث ثابت ہیں۔

الف) عن أم سلمة أن النبي ﷺ كان يصلي بعد الوتر ركعتين. [۲۲]

ب) أن النبي ﷺ كان يصليهما بعد الوتر وهو جالس يقرأ فيهما إذا زلزلت و قل يا أيها الكفرون. [۲۳]

ج) كان يصلي ثلاث عشرة ركعة يصلي ثمان ركعات ثم يوتر ثم يصلي ركعتين وهو جالس فإذا أراد أن يركع قام فركع ثم يصلي ركعتين بين النداء والإقامة من صلاة الصبح. [۲۴]

د) أن النبي ﷺ كان يصلي بعد الوتر الركعتين وهو جالس ويقرأ في الركعة الأولى بأم القران و" إذا زلزلت"

---

۲۰ قال قال بن عمر رضي الله عنهما لم شيء افعله برأي لا أرويه. شرح معاني الآثار، ج:۱، ص: ۳۴۱.

۲۱ عن ابن عمر أنه كان إذا نام على وتر ثم قام يصلي من الليل صلى ركعة إلى وتره فيشفع له ثم أوتر بعد في آخر صلاته۔ قال الزهري فبلغ ذلك ابن عباس فلم يعجبه فقال إن ابن عمر ليوتر في الليلة ثلاث مرات، مصنف عبد الرزاق، ج:۳، ص:۳۹، باب الرجل يوتر ثم يستيقظ فيريد أن يصلي، رقم: ۴۶۸۴.

۲۲ سنن الترمذي، باب ماجاء لا وتران في ليلة، ج:۲، ص: ۳۳۵، رقم: ۴۷۱.

۲۳ شرح معاني الآثار، ج:۱، ص: ۳۴۱.

۲۴ صحيح مسلم، ج:۱، ص: ۵۰۹، رقم: ۷۳۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

وفی الثانیة "قل یا أیها الکفرون". [۲۵]

بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ "اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وتراً" کے خلاف ہے، اس لئے جن احادیث سے رکعتین بعد الوتر کا ثبوت ہے ان کو سنت فجر پر محمول کیا ہے، حالانکہ بہت سی احادیث سے اس تاویل کی تردید ہوتی ہے۔ جن میں سے ایک حدیث وہ ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم وتر رات کے اول وقت میں پڑھ رہے ہو تو اس کے ساتھ دو رکعتیں پڑھ لو، کیونکہ پتہ نہیں رات کو تہجد کے لئے اٹھ سکو یا نہیں۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ دو رکعتیں فجر والی نہیں ہیں، لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور اقدس ﷺ سے وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا ثابت ہے اور آپ ﷺ کا ان رکعتوں کو بیٹھ کر پڑھنا ثابت ہے، اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ ان رکعتوں میں سنت جلوس ہے نہ کہ قیام، اس لئے ایسی کوئی ایک روایت نہیں ہے بلکہ متعدد روایات ہیں۔ [۲۶]

اور

"اجعلوا آخر صلوتکم باللیل وتراً" کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ رکعتین وتر کے تابع ہیں۔

(۵) باب الوتر علی الدابة

سواری پر وتر پڑھنے کا بیان

"صلوة الوتر علی الراحلة" کا حکم

۹۹۹ - حدثنا إسماعیل قال: حدثنی مالک، عن أبی بکر بن عمر بن عبدالرحمن بن عبدالله بن عمر بن الخطاب، عن سعید بن یسار أنه قال: کنت أسیر مع عبدالله بن عمر بطریق مکة. فقال سعید: فلما خشیت الصبح نزلت فأوترت ثم لحقته، فقال عبدالله بن عمر: أین کنت؟ فقلت: خشیت الصبح فنزلت فأوترت، فقال عبدالله: مالک فی رسول الله ﷺ أسوة حسنة؟ فقلت: بلی والله. قال: فإن رسول الله صلی الله

---

[۲۵] سنن البیهقی الکبری، ج: ۳، ص: ۳۳، باب فی الرکعتین بعد الوتر، رقم: ۴۶۰۲.

[۲۶] وحمله النووی علی أنه صلی الله علیه واله وسلم فعله لبیان جواز التنفل بعد الوتر وجواز التنفل جالسا، فتح الباری، ج:۲، ص: ۴۸۰.

عليه وسلم كان يوتر على البعير. [انظر: ۱۰۰۰، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۸، ۱۱۰۵][۲۷]

ترجمہ: سعید بن یسار رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ کے راستہ پر جارہا تھا جب مجھے صبح ہونے کا خطرہ ہوا تو میں اترا اور وتر پڑھ کر ان سے ملا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہاں رہ گئے تھے؟ میں نے کہا مجھے فجر کا خطرہ ہورہا تھا چنانچہ میں اترا اور وتر پڑھ لیا، عبداللہ نے کہا کہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ میں اچھا نمونہ نہیں ہے؟ میں نے کہا ہاں واللہ! تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اونٹ پر وتر پڑھ لیتے تھے۔

(۲) باب الوتر في السفر

سفر میں وتر پڑھنے کا بیان

۱۰۰۰ – حدثنا موسى بن إسماعيل قال: حدثنا جويرية بن أسماء، عن نافع، عن ابن عمر قال: كان النبي ﷺ يصلي في السفر على راحلته حيث توجهت به يومئ إيماء صلاة الليل إلا الفرائض ويوتر على راحلته. [راجع: ۹۹۹]

سعید بن یسار کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ کے راستے میں سفر کررہا تھا۔ سعید کہتے ہیں کہ جب صبح کا اندیشہ ہوا تو میں اپنی سواری سے نیچے اتر آیا "**فأوترت**" اور وتر ادا کئے۔ "**ثم لحقته**"، پھر میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے ساتھ مل گیا۔

فقال عبدالله بن عمر: حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے پوچھا کہ **اين كنت؟** میں نے کہا: مجھے صبح کا اندیشہ تھا اس لئے میں نے سواری سے اتر کر وتر پڑھے ہیں۔ **فقال عبدالله:** عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا، **مالك في رسول الله أسوة حسنة؟** کیا تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ نہیں ہے۔

---

[۲۷] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز صلاة النافلة على الدابة في السفر حيث توجهت، رقم: ۱۱۳۳، وسنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في الوتر على الراحلة، رقم: ۴۳۳، وسنن النسائي، كتاب الصلاة، باب الحال التي يجوز فيها استقبال غير القبلة، رقم: ۴۸۶، وكتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب الوتر على الراحلة، رقم: ۱۶۷۰، وسنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في الوتر على الراحلة، رقم: ۱۱۹۰، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۳۹۲، ۴۹۵۹، ۵۲۹۸، ۵۹۴۳، ۵۹۴۶، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب الأمر بالوتر، رقم: ۲۳۹، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب الوتر على الراحلة، رقم: ۱۵۴۳.

فقلت : بلى ، والله . قال : فإن رسول الله ﷺ كان يوتر على البعير. حضور ﷺ بعیر کے اوپر وتر پڑھتے تھے۔

مسلک شوافع اور استدلال

اس سے شافعیہ نے استدلال کیا ہے کہ راحلہ پر بالایماء وتر پڑھنا جائز ہے، جس طرح نوافل جائز ہیں۔[۲۸]

مسلک حنفیہ اور استدلال

حنفیہ کا کہنا ہے کہ وتر پڑھنے کے لئے سواری سے اترنا ضروری ہے۔[۲۹]

حنفیہ کا استدلال خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ہے جو طحاوی نے نقل کی ہے کہ "**عبداللہ بن عمرؓ كان يصلي على راحلته و يوتر بالأرض**"۔[۳۰]

تہجد کی نماز راحلہ پر پڑھتے تھے لیکن جب وتر کا وقت آتا تو زمین پر اترتے تھے اور اس عمل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب فرماتے، بظاہر یہ بالکل حدیث باب کے خلاف ہے۔

دونوں میں بات یہ ہے کہ جہاں یہ کہا گیا کہ آپ ﷺ وتر راحلۃ پر پڑھ لیتے تھے اس سے بھی صلوۃ اللیل مراد ہے یعنی تہجد کی نماز، کیونکہ بعض اوقات وتر کا اطلاق صلوۃ اللیل پر بھی ہوجاتا ہے اور طحاوی کی روایت میں تفصیل کردی کہ تہجد تو راحلہ پر پڑھتے تھے، لیکن جب وتر کا وقت آتا تھا تو زمین پر اتر جاتے تھے اس طرح دونوں میں تطبیق ہوسکتی ہے۔[۳۱]

---

[۲۸] المجموع ، ج:۳ ، ص:۲۸.

[۲۹] البحر الرائق ، ج:۲ ، ص: ۴۱ ، وعمدة القاري ، ج:۵ ، ص: ۲۲۸.

[۳۰] شرح معاني الآثار ، ج:۱ ، ص:۴۲۹.

[۳۱] **وقال محمد بن سيرين عن عروة بن الزبير ، و ابراهيم النخعي وأبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد : لا يجوز الوتر إلا على الأرض ، كما في الفرائض ، ويروى ذلك عن عمر بن الخطاب وابنه عبد الله في رواية ذكرها ابن أبي شيبة في (مصنفه) . وقال الثوري : قال صل الفرض والوتر بالأرض ، وإن أوترت على راحلتك فلا بأس ، واحتج أهل المقالة الثانية بما رواه الطحاوي : .... عن نافع عن إبن عمر : أنه كان يصلي على راحلته ويوتر بالأرض ، ويزعم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كذلك كان يفعل . وهذا إسناد صحيح وهو خلاف حديث الباب ، وروى الطحاوي أيضا عن أبي بكرة ، بكار القاضي ، عن عثمان بن عمر و بكر بن بكار ، كلاهما عن عمر بن ذر ((عن مجاهد : أن ابن عمر كان يصلي في السفر على بعيره أينما توجه به ، فإذا كان في السفر نزل فأوتر)) . رواه ابن أبي شيبة في (مصنفه) : حدثنا هشيم قال : حدثنا حصين ((عن مجاهد قال : صحبت ابن عمر من المدينة إلى المكة فكان يصلي على دابته حيث توجهت به، فإذا كانت الفريضة نزل فصلى)) . وأخرجه أحمد في (مسنده) من حديث سعيد بن جبير ((أن ابن عمر كان يصلي على راحلته تطوعا ، فإذا اراد أن يوتر نزل فأوتر على الأرض)) ، عمدة القاري ، ج:۵ ، ص:۲۲۸.**

(۷) باب القنوت قبل الركوع و بعده

رکوع سے پہلے اوراس کے بعد دعائے قنوت پڑھنے کا بیان

۱۰۰۱ – حدثنا مسدد قال : حدثنا حماد بن زيد ، عن أيوب، عن محمد بن سيرين قال : سئل أنس بن مالك : أقنت النبي ﷺ في الصبح ؟ قال : نعم . فقيل : أوقنت قبل الركوع ؟ قال : قنت بعد الركوع يسيرا. [انظر: ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۳۰۰، ۲۸۰۱، ۲۸۱۴، ۳۰۶۴، ۳۱۷۰، ۴۰۸۸، ۴۰۸۹، ۴۰۹۰، ۴۰۹۲، ۴۰۹۴، ۴۰۹۶، ۶۳۹۴، ۷۳۴۱][۳۲]

۱۰۰۲ – حدثنا مسدد قال : حدثنا عبد الواحد قال : حدثنا عاصم قال : سألت أنس بن مالك عن القنوت فقال : قد كان القنوت . قلت : قبل الركوع أو بعده؟ قال : قبله . قال : فإن فلانا أخبرني عنك أنك قلت : بعد الركوع ، فقال : كذب ، إنما قنت رسول الله ﷺ بعد الركوع شهرا ، أراه كان بعث قوما يقال لهم : القراء ، زهاء سبعين رجلا إلى قوم مشركين دون أولئك وكان بينهم وبين رسول الله ﷺ عهد فقنت رسول الله ﷺ شهرا يدعو عليهم . [راجع : ۱۰۰۱]

قنوتِ وتر کا مسئلہ

یہ بعد الرکوع قنوت کا ذکر ہے اور ساتھ صبح کی قید بھی لگی ہوئی ہے اور دوسری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس سے قنوت نازلہ مراد ہے، لہٰذا قنوت نازلہ میں قنوت بعد الرکوع ہے جیسا کہ ہمارا مذہب ہے، لیکن جو قنوت وتر کا ہے وہ قبل الرکوع ہے۔[۳۳]

---

[۳۲] وفي صحيح مسلم ، كتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب استحباب القنوت في جميع الصلاة إذا نزلت بالمسلمين ، رقم : ۱۰۸۶ ، وسنن النسائي ، كتاب التطبيق ، باب القنوت في صلاة الصبح ، رقم : ۱۰۶۱ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب القنوت في الصلوات ، رقم : ۱۲۳۲ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها ، باب ماجاء في القنوت قبل الركوع وبعده ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أنس بن مالك ، رقم : ۱۱۷۰۷، ۱۱۷۰۹، ۱۲۲۲۳، ۱۲۳۸۳، ۱۲۴۴۵، ۱۲۶۳۲، ۱۲۹۵۰، وسنن الدارمي ، كتاب الصلاة ، باب في القنوت بعد الركوع ، رقم : ۱۵۴۸، ۱۵۵۰.

[۳۳] وههنا قد ثبت القنوت في الوتر عن النبي صلى الله عليه وسلم قبل الركوع مطلقا بأسانيد متعددة ثابتة موصولة، ملاحظه فرمائيں : إعلاء السنن ، ج: ۶ ، ص: ۷۰ .

حنفیہ کے نزدیک قنوت وتر قبل الرکوع مشروع ہے، یہی مذہب امام مالک، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام اسحاق رحمہم اللہ کا ہے۔ شافعیہ اور حنابلہ قنوت کو بعد الرکوع مسنون مانتے ہیں۔

ایک قول کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ قنوت قبل الرکوع اور بعد الرکوع میں تخییر کے قائل ہیں۔ [۲۴]

قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھانا

قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھانا شوافع اور حنابلہ کے ہاں ہے، حنفیہ کے ہاں نہیں۔

فقہاء نے اصول یہی بیان کیا ہے کہ جہاں ذکر ہو، وہاں وضع الیدین مسنون ہے اور جس میں ذکر نہ ہو وہاں ارسال مسنون ہے لیکن قنوت نازلہ عام قاعدے سے مستثنیٰ ہے۔

عام قاعدہ کے اعتبار سے وضع الیدین ہونا چاہئے لیکن اس میں ارسال مسنون ہے، جس کی دو وجہیں ہیں:

ایک وجہ تو یہ ہے کہ نص میں وارد ہوا ہے، جب نص آ گئی تو قیاس چلا گیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا محل قومہ ہے اور قومہ طویل ذکر کا محل نہیں ہے، ایک عارض کی وجہ سے طویل ذکر آیا ہے، اور عارض کی وجہ سے جو اس کا اصل طریقہ ہے، یعنی ارسال اس کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس لئے قنوت میں بھی ارسال کیا جائے گا۔

وتر میں شافعی امام کی اقتدا کا حکم

اگر وتر شافعی یا حنبلی امام پڑھا رہا ہو جیسے حرمین میں ہوتا ہے تو ایسی صورت میں ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دو رکعتوں میں بنیت نفل ان کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے اور جب وہ تیسری رکعت میں بیٹھتے تو ان کے ساتھ شامل نہیں ہوتے تھے اور جب وہ دعا کرتے تو دعا میں ان کے ساتھ شامل ہو جاتے، بعد میں اپنے وتر علیحدہ پڑھتے۔

---

[۲۴] وقد اختلف العلماء هل القنوت قبل الركوع أو بعده؟

فمذهب أبي حنيفة أنه قبل الركوع، وحكاه ابن المنذر عن عمر وعلي وابن مسعود وأبي موسى الأشعري والبراء بن عازب و ابن عمر وابن عباس وأنس و عمر بن عبد العزيز و عبيدة السلماني وحميد الطويل وابن أبي ليلى، وبه قال: مالك وإسحاق وابن المبارك، وصحيح مذهب الشافعي: بعد الركوع، وحكاه ابن المنذر عن أبي بكر الصديق وعمر و عثمان و علي في قول، وحكي أيضا التخيير: قبل الركوع وبعده، عن أنس و أيوب بن أبي تميمة وأحمد بن حنبل، عمدة القاري، ج:۵، ص:۲۳۳.

اگرچہ کوئی شخص ان کی اقتداء میں انہی کے طریقے پر وتر پڑھ لے تو میرا غالب گمان یہ ہے کہ ان شاء اللہ اس کی نماز ہو جائے گی، کیونکہ ان کا طریقہ بھی غیر ثابت یا باطل نہیں ہے۔ اگرچہ ہمارے ہاں حنفیہ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ یہ اقتدا جائز نہیں ہے، لیکن حنفیہ میں سے کچھ صاحبان مثلاً ابن وھبانؒ کہتے ہیں کہ جائز ہے اور ان کا قول مجھے زیادہ بہتر لگتا ہے، اور میں یہ کہتا ہوں کہ کیا اگر عبداللہ بن عمرؓ امام ہوتے تو ان کے پیچھے نماز نہ پڑھتے، علیحدہ پڑھتے؟

میرا اپنا عمل یہ ہے کہ بزرگوں کی اقتداء میں وہی طریقہ اختیار کرتا ہوں اس لئے کہ وہ احوط ہے، لیکن کبھی کبھی جماعت میں شامل بھی ہو جاتا ہوں۔

۱۰۰۳ - أخبرنا أحمد بن یونس قال : حدثنا زائدة ، عن التیمی ، عن أبی مجلز ، عن أنس بن مالک قال : قنت النبی صلی اللہ علیه وسلم شهرا یدعو علی رعل وذکوان. [راجع : ۱۰۰۱]

۱۰۰۴ - حدثنا مسدد قال : حدثنا إسماعیل قال : حدثنا خالد ، عن أبی قلابة ، عن أنس قال : کان القنوت فی المغرب والفجر. [۳۵]

جس زمانے میں آپ ﷺ نے رعل اور ذکوان کے خلاف قنوت نازلہ میں بددعا فرمائی تھی اس زمانے میں آپ ﷺ نے مغرب اور فجر میں قنوت پڑھا، اس لئے مغرب میں بھی قنوت پڑھنا آپ ﷺ سے ثابت ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ بعد میں مغرب میں قنوت پڑھنا منسوخ ہو گیا، فجر میں باقی ہے۔

دوسرے ائمہ کہتے ہیں کہ مغرب میں آج بھی قنوت پڑھا جا سکتا ہے، منسوخ نہیں ہوا بلکہ باقی ہے۔

---

۳۵ وفی سنن النسائی ، کتاب التطبیق ، باب القنوت فی صلاة الصبح ، رقم : ۱۰۶۱ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الصلاة ، باب القنوت فی الصلوات ، رقم : ۱۲۳۲ ، وسنن ابن ماجة ، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها ، باب ماجاء فی القنوت قبل الرکوع و بعده ، رقم : ۱۱۷۳ ، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند أنس بن مالک ، رقم : ۱۱۶۷۳ .

١٥- كتاب الاستسقاء

رقم الحديث : ١٠٠٥ - ١٠٣٩

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۵ - کتاب الإستسقاء

(۱) باب الإستسقاء و خروج النبی ﷺ فی الإستسقاء

استسقاء اور استسقاء میں آنحضرت ﷺ کے نکلنے کا بیان

۱۰۰۵ - حدثنا أبو نعیم قال: حدثنا سفیان، عن عبداللہ بن أبی بکر، عن عباد ابن تمیم، عن عمہ قال: خرج النبی ﷺ یستسقی و حوّل رداءہ .[انظر: ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۶۳۴۳][1]

اس روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نکلے اور بارش کے لئے دعا فرمائی، اس میں نماز کا ذکر نہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ استسقاء کے لئے نماز ضروری نہیں ہے، ویسے لوگوں کے باہر نکلنے اور دعا مانگنے سے بھی استسقاء کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

بعض حضرات نے اس قول کی بناء پر امام ابوحنیفہؒ کی طرف یہ منسوب کر دیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ استسقاء کی سنت کے قائل نہیں ہیں، حالانکہ یہ بات نہیں ہے بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ استسقاء نماز کے ساتھ مخصوص نہیں

---

[1] وفی صحیح مسلم، کتاب صلاۃ الإستسقاء، رقم: ۱۴۸۹، وسنن الترمذی، کتاب الجمعة عن رسول اللہ، باب ماجاء فی صلاۃ الإستسقاء رقم: ۵۱۰، وسنن النسائی، کتاب الإستسقاء، باب خروج الإمام إلی المصلی للإستسقاء، رقم: ۱۴۸۸، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاۃ، رقم: ۹۸۱، وسنن ابن ماجة، کتاب إقامة الصلاۃ والسنة فیها، باب ماجاء فی صلاۃ الإستسقاء، رقم: ۱۲۵۷، ومسند أحمد، اول مسند المدنیین أجمعین، باب حدیث عبد اللہ بن زید بن عاصم المازنی، رقم: ۱۵۸۳۷، ۱۵۸۳۹، ۱۵۸۵۳، ۱۵۸۲۵، وموطأ مالک، کتاب النداء للصلاۃ، باب العمل فی الإستسقاء، رقم: ۳۰۲، وسنن الدارمی، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الإستسقاء، رقم: ۱۴۹۰.

ہے، بغیر نماز کے بھی استسقاء ہوسکتا ہے۔[۲]

(۲) باب دعاء النبي ﷺ ((اجعلها سنين كسني يوسف))

۱۰۰۶ - حدثنا قتيبة قال : حدثنا مغيرة بن عبدالرحمن ، عن أبي الزناد ، عن الأعرج ، عن أبي هريرة : أن النبي ﷺ كان إذا رفع رأسه من الركعة الآخرة يقول : ((اللّٰهم أنج عياش بن أبي ربيعة ، اللّٰهم أنج سلمة بن هشام ، اللّٰهم أنج وليد بن الوليد ، اللّٰهم أنج المستضعفين من المؤمنين ، اللّٰهم اشدد وطأتک علی مضر . اللّٰهم اجعلها سنين كسني يوسف)) وأن النبي قال : ((غفار غفر اللّٰه لها ، وأسلم سالمها اللّٰه)). [راجع:۷۹۷]

قال ابن ابالزناد عن أبيه : هذا كله في الصبح.

حضور اکرم ﷺ کی کفار کے حق میں بددعا

نبی کریم ﷺ نے کافروں کے حق میں بددعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کو ایسے قحط میں مبتلا فرما جیسے یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط آیا تھا۔

اب اس کا بظاہر استسقاء سے تعلق نہیں ہے، لیکن یہاں تقابل تضاد ہے کہ جس طرح استسقاء جائز ہے، اسی طرح کافروں کے حق میں بددعا بھی جائز ہے، امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی مقصد ہے۔

۱۰۰۷ - حدثنا عثمان بن أبي شيبة قال : حدثنا جرير، عن منصور، عن أبي الضحى ، عن مسروق قال : كنا عند عبداللّٰه فقال : إن النبي ﷺ لما رأى من الناس إدبارا قال : ((اللّٰهم سبعا كسبع يوسف)) فأخذتهم سنة حصت كل شيء حتى أكلنا الجلود والميتة والجيف، وينظره أحدكم إلى السماء فيرى الدخان من الجوع . فأتاه أبو سفيان فقال : يا محمد إنک تأمر بطاعة اللّٰه و بصلة الرحم، وإن قومک قد هلكوا ، فادع اللّٰه لهم . قال اللّٰه تعالىٰ : ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ﴾ إلى قوله: ﴿إِنَّكُمْ عَائِدُونَ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ﴾ [الدخان : ۱۰ - ۱۲] والبطشة الكبرى يوم بدر . فقد

---

[۲] فهذه الأحاديث و الآثار كلها تشهد لأبي حنيفة أن الإستسقاء استغفار ودعاء ، وأجيب عن الأحاديث التي فيها الصلاة أنه صلى اللّٰه عليه و سلم فعلها مرة وتركها أخرى ، وذا لا يدل على السنية ، وإنما يدل على الجواز ، عمدة القاري، ج:۵،ص: ۲۶۱، ۲۶۸.

مضت الدخان والبطشة واللزام وآية الروم. [انظر : ۱۰۲۰، ۴۶۹۳، ۴۷۶۷، ۴۷۷۴، ۴۸۰۹، ۴۸۲۰، ۴۸۲۱، ۴۸۲۲، ۴۸۲۳، ۴۸۲۴، ۴۸۲۵][۳]

یہ حضرت مسروق رحمہ اللہ کی روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس تھے، انہوں نے فرمایا: "ان النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم لما رأی من الناس إدبارا" ۔ جب نبی کریم ﷺ نے قریش کی طرف سے روگردانی دیکھی، یعنی دیکھا کہ وہ اسلام نہیں لا رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اللّٰهم سبعا کسبع یوسف"، اے اللہ! ان پر سات سال ایسا قحط نازل فرما جیسا حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں سات سال نازل فرمایا تھا۔ "فاخذتهم سنة"، پس قحط سالی آگئی، "حصت کل شیء" جو سب کچھ کھا گئی یعنی کچھ نہیں رہا۔ "حتی أکلنا الجلود والمیتة والجیف" یہاں تک کہ چمڑا چبایا اور مردار کھایا، "وینظر أحدکم إلی السماء فیری الدخان من الجوع"، آسمان کی طرف سر اٹھاتا تو بھوک کی وجہ سے دھواں نظر آتا۔

فأتاه أبو سفیان : ابوسفیان جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہا، یامحمد إنک تأمر بطاعة اللہ و بصلة الرحم، وإن قومک قد هلکوا، فادع اللہ لهم، خود تو کافر ہے مگر عاجز آکر کہہ رہا ہے کہ آپ تو صلہ رحمی کرنے والے ہیں، آپ ﷺ دعا کریں، جانتا ہے کہ یہ دعا فرمائیں گے تو ضرور قبول ہوگی۔

قال اللہ تعالی ، اس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا، فارتقب یوم تأتی السماء بدخان مبین ، اس تفسیر کے مطابق دخان مبین سے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ جب لوگ آسمان کی طرف سر اٹھاتے تو دھواں نظر آتا، إلی قوله :"إنکم عائدون یوم نبطش البطشة الکبری"۔

انہوں نے فرمایا کہ بطشہ کبری سے بدر کا دن مراد ہے جس میں ان کو پکڑا گیا اور ہلاکتیں واقع ہوئیں۔

فقد مضت الدخان ، کہتے ہیں کہ قیامت کی تین علامتیں گزر چکی ہیں:

ایک دخان ہے، جس کا یہی واقعہ ہے کہ آسمان کی طرف دیکھتے تو دھواں دھواں معلوم ہوتا۔

دوسری "لِزَام" ہے، وہ بھی گزر چکی ہے، جس کا ذکر سورۂ فرقان میں ہے، "فقد کذبتم فسوف یکون لزاما"۔ "لزام" کے معنی پکڑ کے ہیں، اور بدر میں یہ ہو چکا ہے۔

---

[۳] وفی صحیح مسلم ، کتاب صفة القیامة والجنة والنار ، باب الدخان ، رقم : ۵۰۰۶ ، وسنن الترمذی ، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ ، باب ومن سورة الدخان ، رقم : ۳۱۷۷ ، ومسند أحمد ، مسند المکثرین من الصحابة ، باب مسند عبد اللہ بن مسعود ، رقم : ۳۴۳۱، ۳۸۹۵، ۳۹۸۹.

تیسری علامت جو سورۃ الروم میں فرمایا ہے، "غلبت الروم ، في أدنى الأرض وهم من بعد غلبهم سيغلبون، في بضع سنين" یہ واقعہ بھی پیش آچکا ہے۔

(۳) باب سؤال الناس الإمام الإستسقاء إذا قحطوا

لوگوں کا امام سے بارش کی دعا کے لئے درخواست کرنے کا بیان جب کہ وہ قحط میں مبتلاء ہوں

۱۰۰۸ - حدثنا عمرو بن علي قال : حدثنا أبو قتيبة قال : حدثنا عبدالرحمن بن عبدالله بن دينار عن أبيه قال : سمعت ابن عمر يتمثل بشعر أبي طالب:

وأبيض يستسقي الغمام بوجهه ثمال اليتامى عصمة للأرامل

[انظر : ۱۰۰۹][۳]

عبدالله بن دينار عن أبيه سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو سنا وہ ابو طالب کے شعر سے تمثل کر رہے تھے۔

ابو طالب کا نعتیہ قصیدہ

ورقہ بن نوفل کے بعد جن صاحب کے اشعار حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ومنقبت میں سب سے زیادہ مشہور ہوئے وہ آپ ﷺ کے چچا جناب ابو طالب ہیں، کفارِ مکہ انہیں مجبور کر رہے تھے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور مدافعت سے دستبردار ہو جائیں، جب ان کی طرف سے یہ مطالبہ بڑھا اور انھوں نے عرب کے دوسرے قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملانا چاہا تو جناب ابو طالب نے ایک زوردار قصیدہ کہا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی محبت، ان کی حمایت اور مدافعت کا حق ادا کر دیا۔ قصیدہ بہت طویل ہے، لیکن اس کے یہ اشعار عربی ادب کا ناقابلِ فراموش سرمایہ ہیں:

جیسے:

كذبتم وبيت الله نبزى محمدا ولما نطاعن حوله ونناضل

---

[۳] وفي سنن ابن ماجة ، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها ، باب ماجاء في الدعاء في الإستسقاء ، رقم : ۱۲۷۲ ، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب باقي المسند السابق ، رقم : ۵۴۱۵.

ونسلمه حتى نصرع حوله	ونذهل عن ابنائنا والحلائل
وما ترك قوم لا ابالك سيدا	يحوط الذمار بين بكر بن وائل
وابيض يستسقى الغمام بوجهه	ثمال اليتامى عصمة للأرامل
يلوذ به الهلاك من ال هاشم	فهم عنده فى نعمة وفواضل

ترجمہ

''اور تم غلط سمجھتے ہو کہ ہم انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے۔ (ایسا اس وقت تک نہیں ہو سکتا) جب تک ان (محمد) کے ارد گرد ہمارے لاشوں کے ڈھیر نہیں لگ جاتے، اور ہم ان کی خاطر اپنے بیٹوں اور بیویوں کو فراموش نہیں کر دیتے۔''

''بیت اللہ کی قسم! تم جھوٹ کہتے ہو کہ ہم محمد (ﷺ) پر کسی کو غالب آنے دیں گے۔''

''حالانکہ ہم نے ابھی ان کے دفاع میں نیزوں اور تلواروں کے جوہر نہیں دکھائے۔''

''اور کوئی قوم اپنے سردار کو کیسے چھوڑ سکتی ہے جو ذمہ داریوں کو نبھاتا ہے، جس کی زبان بے حیا نہیں اور جو دوسروں پر تکیہ کرنے کا عادی نہیں ہے۔''

''وہ روئے منور والا جس کے چہرے کا واسطہ دے کر بادلوں کے برسنے کی دعائیں مانگی جاتی ہیں، جو یتیموں کا نگہبان اور بیواؤں کا پناہ گاہ ہے۔''

''آل ہاشم کے تباہ حال لوگ اس کی پناہ لیتے ہیں اور اس کے پاس رحمتوں اور انعامات کے جلو میں زندگی گزارتے ہیں۔''

ابو طالب یہ قصیدہ اپنے بھتیجے کی شان میں کہہ رہے ہیں جب کہ اسلام بھی نہیں لائے۔ بغیر اسلام لائے یہ تعریف کر رہے ہیں۔

شعر کی عملی تشریح

غزوۂ بدر میں جب شروع میں تین کے مقابلے میں تین نکلے تو مسلمانوں کی طرف سے حضرت علی، حضرت عمر بن حمزہ اور حضرت عبیدہ بن الحارث رضی اللہ عنہم نکلے تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عمر بن حمزہؓ نے تو اپنے اپنے مبارز کو قتل کر دیا تھا، لیکن عبیدہ بن حارثؓ کے مقابل نے اچانک پیچھے سے حملہ کر دیا جس کے نتیجے میں وہ شدید زخمی ہو گئے۔

جب بچنے کی امید نہ رہی تو عبیدہ بن حارثؓ نے ساتھیوں سے کہا کہ مجھے نبی کریم ﷺ کے قدموں میں

لے جا کر ڈال دو اور آپ ﷺ کے قدم مبارک پر میرا سر رکھ دو تا کہ آخر وقت تک میرا سر نبی کریم ﷺ کے قدم مبارک پر ہو، لوگ لے گئے اور لے جا کر ان کا سر حضور اقدس ﷺ کے قدم مبارک پر رکھ دیا۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے اس وقت فرمایا کہ یا رسول اللہ! گواہ رہیے کہ شعر تو ابو طالب نے کہا تھا پورا میں کر رہا ہوں۔ یعنی ابو طالب نے یہ شعر کہا تھا کہ:

نسلمه حتى نصرع حوله

ہم حفاظت کریں گے یہاں تک کہ ان کے اردگرد ہماری لاشوں کے ڈھیر لگ جائیں اور وہ بکھری ہوئی پڑی ہوں۔

۱۰۰۹ - وقال عمر بن حمزة : حدثنا سالم ، عن أبيه : ربما ذكرت قول الشاعر و أنا أنظر إلى وجه النبي ﷺ يستسقى فما ينزل حتى يجيش كل ميزاب :

وابيض يستسقى الغمام بوجهه
ثمال اليتامى عصمة للأرامل

و هو قول ابى طالب. [راجع ۱۰۰۸]

فرماتے ہیں کہ مجھے شاعر کا قول یاد آتا تھا تو میں آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھتا تھا جب لوگ آپ سے بارش کے لئے دعا کرنے کا کہتے یعنی جب لوگ آ کر کہتے یا رسول اللہ! بارش نہیں ہوئی، بارش کے لئے دعا کیجئے تو اس وقت میں آپ کے چہرہ کی طرف دیکھتا اور شاعر کے قول کو یاد کرتا۔

فما ينزل حتى يجيش كل ميزاب

اس کے بعد آپ دعا کر کے اترتے نہیں تھے کہ ہر پرنالہ جوش میں آ جاتا تھا اور بارش برسنے لگتی تھی۔ میں اس شعر کو یاد کرتا تھا۔

و ابيض يستسقى الغمام بوجهه
ثمال اليتامى عصمة للارامل

سوال مقدر کا جواب

حضور اقدس ﷺ کی نبوت سے پہلے بھی چالیس سال گزرے ہیں، مشرکین مکہ دشمن تو اعلان نبوت کے بعد ہوئے تھے اور وہ سب یہ جانتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ عجیب و غریب اور غیر معمولی شخصیت ہیں، اس نے وہ بے شمار مسائل میں، جھگڑے نمٹانے میں اور اپنے معاملات سلجھانے میں حضور اقدس ﷺ سے رجوع کرتے تھے۔ انہی میں سے ایک یہ مسئلہ بھی تھا کہ اگر بارش نہ ہوتی تو وہ حضور اقدس ﷺ کے پاس آتے اور دعا کی درخواست

کرتے اور یہ کوئی ایک واقعہ نہیں بلکہ اس کا معمول تھا۔

اسی کی طرف ابو طالب نے اشارہ کیا کہ جس کے چہرہ مبارک کے واسطے سے دعائیں کرتے ہو، اسی کی ابھی تکذیب کر رہے ہو اور ستا رہے ہو؟

۱۰۱۰ - حدثني الحسن بن محمد قال : حدثنا الأنصاري قال : حدثني أبي عبدالله بن المثنى ، عن ثمامة بن عبدالله بن أنس ، عن أنس : أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه كان إذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبدالمطلب فقال : اللّٰهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا ﷺ فتسقينا ، وإنا نتوسل إليك بعم نبينا فاسقنا قال : فيسقون . [انظر : ۳۷۱۰] [۵]

مسئلہ توسل

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا معمول یہ تھا کہ **كان إذا قحطوا** ۔ جب قحط پڑتا اور بارش نہ ہوتی تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ توسل کر کے ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کرتے۔ اور فرماتے:

فقال : اللّٰهم إنا كنا نتوسل إليك بنبينا فتسقينا

اے اللہ! ہم آپ سے اپنے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ توسل کیا کرتے تھے تو آپ ہمیں بارش عطا کر دیا کرتے تھے۔

و إنا نتوسل إليك بعمّ نبيّنا فاسقنا.

اب ہم اپنے نبی کریم ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ توسل کرتے ہیں، آپ ہمیں بارش عطا فرما دیجئے۔

قال: فيسقون، چنانچہ بارش ہو جایا کرتی تھی۔

آج بھی مدینہ منورہ میں وہ جگہ موجود ہے جہاں استسقاء کی نماز پڑھتے تھے اور جہاں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نکل کر حضرت عباسؓ کے توسل سے دعا کی۔ اس کو مسجد سُقیا کہتے ہیں۔

مسئلۂ توسل میں نزاع کی وجہ

یہ مسئلہ اس لحاظ سے خاصا طویل بن گیا ہے کہ اس پر بے انتہا مناظرے، مجادلے اور بحث و مباحثے

---

[۵] وهذا الحديث تفرد به البخاري عن الستة.

ہوتے رہے ہیں، لیکن ان لمبی چوڑی تفصیلات میں جائے بغیر مختصر طور پر مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ توسل کے بارے میں جو مختلف آراء سامنے آئی ہیں اور ان پر جو بحث و مباحثے ہوئے ہیں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے توسل کے معنی متعین کئے بغیر بحث شروع کر دی۔ اس لئے بعض لوگوں نے کہا جائز ہے اور بعض نے کہا ناجائز ہے، کسی نے کہا شرک ہے، کسی نے کہا بُری بات ہے، کسی نے کہا کیوں بُری بات ہے؟

یہ ساری بحثیں اس لئے پھیلیں کہ کسی نے توسل کے صحیح معنی متعین نہیں کئے، حالانکہ توسل کے لفظ میں بہت سارے معانی کا احتمال ہے۔ ان میں سے بعض معنی ایسے ہیں جو یقیناً حرام اور ناجائز ہیں بلکہ شرک تک پہنچ جاتے ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو یقیناً جائز ہیں اور ان میں کوئی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

اگر توسل کے معنی متعین کر لئے جائیں تو بڑی حد تک مسئلہ حل ہو جائے گا اور شاید نزاع لفظی ہی رہ جائے۔ تو یوں سمجھیں کہ توسل میں کئی معنوں کا احتمال ہے۔

توسل کے مختلف معنی

پہلا معنی یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نفع وضرر کی طاقت عطا کر دی ہے، لہٰذا اب اُسی سے اپنی حاجت مانگے اور اللہ کا نام محض تبرک کے طور پر استعمال کرے۔ اس میں یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اصل دینے والا متوسل بہ ہے یعنی جس سے توسل کیا جا رہا ہے اور اس کو اس لئے شرک بھی نہیں سمجھتے کہ کہتے ہیں اس کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت عطا فرما دی ہے، لہٰذا اب نفع وضرر اسی کے ہاتھ میں ہے اس لئے اسی سے مانگتے ہیں۔

اگر کوئی اس معنی سے توسل کرے تو یہ باجماع حرام بلکہ شرک ہے، کیونکہ یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے نفع وضرر کی طاقت کسی کو تفویض کر دی ہے علی الاطلاق یہ بھی شرک کا ایک شعبہ ہے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ جس ذات سے توسل کیا جا رہا ہے اس کے بارے میں یہ تصور کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے نفع وضرر کی طاقت اس کو اس طرح تفویض کی ہے کہ خود اپنے پاس بھی رکھی ہے، یہ بھی شرک کا ایک شعبہ ہے جو کہ حرام ہے۔

تیسرا معنی یہ ہے کہ کسی کے بارے میں یہ سمجھنا کہ یہ اللہ کا نیک بندہ ہے اور اللہ کے ہاں اس کی دعا قبول ہوتی ہے، اس لئے اس سے درخواست کرے کہ آپ میرے حق میں اس مراد کے لئے دعا کر دیں، گویا یہ توسل بمعنی طلب الدعاء یا شفاعت فی الدعا ہے، یعنی میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ میری مراد پوری ہو جائے یا یہ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری دعا قبول فرمائیں۔

اس صورت میں شرک نہیں ہے، لیکن اس کا ثبوت صرف احیاء کے ساتھ خاص ہے۔ اموات سے ایسا

کرنا ثابت نہیں ہے، یعنی جو زندہ بزرگ ہیں آدمی ان کے پاس جائے اور کہے کہ میرے لئے دعا فرما دیجئے، تو ایسا کرنا جائز ہے، البتہ اموات سے یہ کہنا کہ میرے لئے دعا کر دیجئے یا میرے حق میں سفارش کر دیں، یہ بات کہیں ثابت نہیں ہے، اس لئے اس کی اجازت نہیں دینی چاہئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو توسل فرمایا وہ اسی معنی میں ہے کہ جب تک نبی کریم ﷺ دنیا میں تشریف فرما تھے تو ہم آپ سے توسل کیا کرتے تھے کہ آپ ہمارے حق میں دعا فرما دیں۔ اب آپ ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ہم آپ کے چچا حضرت عباسؓ سے توسل کرتے ہیں یعنی ان سے دعا کی درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہمارے حق میں دعا فرما دیں تا کہ اللہ تعالیٰ بارش برسا دیں۔ تو یہ **توسل بمعنی طلب الدعاء** ہے۔

چوتھا معنی یہ ہے کہ **توسل بالذوات لا بالمعنیین الأولین**، یعنی جو پہلے دو معنی بیان کئے ہیں ان معنوں میں نہ ہو کہ اس میں نفع وضرر کی کوئی طاقت ہے یا اس کو ایسی کوئی طاقت اللہ تعالیٰ نے تفویض کی ہے۔ تو اس **توسل بالذوات لا بالمعنیین الأولین** میں عام طور سے اختلاف اور جھگڑا واقع ہوا ہے۔

جمہور کا قول

جمہور اہل سنت کا کہنا یہ ہے کہ اگر پہلے دو معنوں میں نہ ہو تو توسل بالذوات بھی جائز ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی رائے

علامہ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں کہ توسل بالذوات جائز نہیں، علامہ ابن تیمیہؒ کے متبعین بھی اس کو ناجائز اور شرک کہہ دیتے ہیں، اسی طرح جن لوگوں میں تھوڑی سی خشکی ہے وہ بھی اس کو شرک کہتے ہیں۔[۹]

لیکن کسی چیز پر حکم لگانے سے پہلے اس کے معنی متعین کرنا ضروری ہے کہ کس معنی میں توسل بالذوات کیا جا رہا ہے، اگر توسل بالذوات پہلے دو معنوں کے اعتبار سے ہے تو پھر تو بے شک غیر مختلف فیہ طور پر شرک اور حرام ہے۔ لیکن اگر یہ دو معنی مراد نہیں ہیں اور طلب دعا بھی مراد نہیں ہے تو پھر توسل بالذوات سے سوائے اس کے اور کچھ مراد نہیں ہے کہ یا اللہ یہ آپ کے مقرب اور محبوب بندے ہیں اور ہمیں ان کے مقرب بندہ ہونے یا ولی ہونے یا نبی ہونے یا ان کے کسی اور دینی مرتبہ اور مقام کی وجہ سے ان سے محبت ہے، ہمارے پاس تو یہی پونجی ہے کہ ہم اس بزرگ سے محبت کرتے ہیں، اس محبت کا واسطہ دے کر ہم آپ سے دعا مانگ رہے ہیں، ہماری اس دعا

---

۹ کتب و رسائل و فتاوی ابن تیمیہ في الفقہ، ج: ۲۷، ص: ۸۱.

کو آپ قبول فرما لیجئے۔

اب توسّل کے اس معنی میں قطعاً کوئی خرابی نہیں ہے، بلکہ اگر دیکھا جائے تو یہ توسّل بالاعمال ہے اس واسطے کہ کسی بھی اللہ کے نیک بندے سے محبت کرنا عمل صالح ہے، جب میں یہ کہتا ہوں کہ میں حضور اقدس ﷺ کے توسل سے دعا کرتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مجھے حضور اقدس ﷺ سے محبت ہے اس محبت کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے سوال کر رہا ہوں، تو یہ **توسّل بحُبّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم** ہوا، تو یہ **توسل بالعمل الصالح** ہوا۔ جس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں جیسا کہ حدیث غار میں گزرا ہے، وہاں بھی **توسل بالعمل الصالح** ہے۔[۲]

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں فلاں بزرگ کے توسل سے دعا کرتا ہوں تو اس کی یہی مراد ہوتی ہے اور اس مراد میں نہ کفر ہے، نہ شرک ہے نہ فسق و فجور ہے۔ اسی مراد کے تحت اہل سنت والجماعت توسّل بالاشخاص کے قائل ہیں۔

اگر کوئی یوں توسل کرے کہ "**اللّٰھم انی أتوسل إلیک بحب نبیک**" تو اب بتایئے! اس کو کون نا جائز کہے گا؟

علامہ ابن تیمیہؒ نے فتویٰ میں صراحت کی ہے کہ اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور محبت سے توسل کرے تو کہتے ہیں **من أقوی اسباب الاستیجاب**، یہ اسباب استیجاب میں قوی ترین سبب ہے۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ **اللّٰھم إنا نتوسل إلیک بنبیک**، جبکہ اس سے توسل کے پہلے دو معنی بھی وہ مراد نہیں لیتا؟ اور نبی کریم ﷺ سے دعا بھی نہیں کرا رہا ہے؟ تو اب اس میں یہی معنی متعین ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کی محبت کا واسطہ دے کر دعا کر رہا ہے جو بالآخر **توسل بالعمل الصالح** کی طرف راجع ہوتا ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

اہل سنت والجماعت اسی معنی میں توسّل بالذوات کو جائز کہتے ہیں اور یہ توسل خود نبی کریم ﷺ نے سکھایا ہے۔

ترمذی شریف میں حدیث ہے کہ ایک نابینا صحابیؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! میرے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بینائی عطا فرما دے۔

آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو صبر کرو اور صبر کا اجر حاصل کرو اور اگر چاہو تو میں تمہارے لئے دعا کروں۔ انہوں نے کہا یارسول اللہ! دعا فرما دیجئے۔

آنحضرت ﷺ نے دعا بھی فرمائی ہوگی جس کا لفظوں میں ذکر نہیں ہے اور پھر فرمایا کہ تم جاؤ اور جا کر اللہ

---

[۲] باب قصة أصحاب الغار الثلاثة والتوسل بصالح الأعمال، رقم: ۶۹۰۲، تکملة فتح الملھم، ج:۵، ص:۶۱۳.

تعالیٰ سے ان الفاظ میں دعا کرو۔ **اللّٰھم إنی أتوجه إلیک بنبیک**، اور آخر میں فرمایا ان شاء اللہ تمہاری دعا قبول ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ گئے اور انہی الفاظ میں دعا کی **اللّٰھم إنی أتوجه إلیک بنبیک**.

علامہ ابن تیمیہؒ اس میں تاویل کرتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طلب دعا ہے یعنی توسل بمعنی طلب الدعا ہے۔[۸]

لیکن دعا تو حضور ﷺ نے پہلے فرمائی ہوگی انہوں نے عرض کیا کہ میرے لئے دعا فرمائیں تو بظاہر پہلے دعا فرمائی ہوگی بعد میں فرمایا کہ تم جاؤ اور جا کر ان الفاظ سے دعا کرو۔ اس میں توسل کے کسی اور معنی کا احتمال نہیں ہے سوائے اس کے جو اوپر عرض کئے ہیں۔

اس کا جواز ایک اور حدیث سے بھی ہے جو سند کے لحاظ سے مستند ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک شخص حضرت عثمان بن حنیفؓ کے پاس آیا اور اپنے کسی مقصد کے پورا ہونے کے لئے دعا کے لئے کہا۔

انہوں نے جواباً یہی کلمات تلقین فرمائے: "**اللّٰھم إنی أسئلک أتوجه إلیک بنبیک نبی الرحمة**".[۹]

اب یہ حضور اقدس ﷺ کے وصال کے بعد کی بات ہے اس لئے اس کو طلب دعا پر محمول کرنا جائز نہیں، لہٰذا اس میں سوائے اس معنی کے جو عرض کئے گئے کوئی اور معنی ممکن ہی نہیں ہیں۔

اس لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ سارا جھگڑا توسل کے معنی نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ توسل بالذوات مراد لیتے ہیں، کسی شخص کی وفات کے بعد اس معنی میں توسل کے اہل سنت والجماعت میں سے کوئی بھی قائل نہیں ہے۔

یہ اس بحث کا خلاصہ ذکر کیا گیا ہے، اس میں زیادہ چوں و چرا کرنا اور بحث ومباحثہ کرنا وقت کو ضائع کرنا ہے، کیونکہ یہ نزاع لفظی جیسا ہے، البتہ جن مقامات پر توسل کے غلط معنی جو موہم شرک ہیں وہ معروف ومشہور ہو گئے ہوں تو اس وقت صحیح معنی کے توسل سے بھی پرہیز کرنا مناسب ہے تاکہ لوگوں کے غلط عقائد کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

بالخصوص جبکہ توسل والی احادیث دو تین ہیں اور ادعیۂ ماثورہ جو نبی اکرم ﷺ سے منقول ہیں ان میں سے اکثر وہ ہیں جن میں توسل کا کوئی کلمہ نہیں ہے اور ادعیۂ ماثورہ یقیناً افضل ترین دعائیں ہیں، اس لئے ان کی اتباع بہتر ہے، لیکن اگر کوئی توسل کر رہا ہو اور صحیح معنی مراد ہوں تو اس کو ناجائز کہنا بھی غلط ہے۔

میرے نزدیک توسل معنی مذکور میں **توسل بالأعمال الصالحة** سے بہتر ہے، اس لئے کہ توسل

---

۸ کتب و رسائل و فتاوی ابن تیمیه فی الفقه، ج:۲۷، ص:۱۳۲.

۹ المستدرک علی الصحیحین، رقم: ۱۹۲۹، ج:۱، ص:۷۰۷.

بالأعمال الصالحة میں ایک طرح سے دعویٰ پایا جاتا ہے کہ یا اللہ! میں نے یہ عمل صالح کیا تھا مجھے اس کے بدلے میں یہ چیز دے دیں، مجھے تو اس سے ڈر لگتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی عمل کو اس مقدار کا سمجھے کہ اُسے اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کر سکے، لیکن توسل بالذوات معنیٰ مذکور میں ہو تو اس کا حاصل یہ ہے کہ یا اللہ! میرے پاس اور تو کوئی عمل نہیں ہے جو آپ کی بارگاہ میں پیش کر سکوں، البتہ صرف اتنا ہے کہ مجھے آپ کے اس محبوب بندے سے محبت ہے، اے اللہ! اس لئے میری دعا کو قبول فرمالیجئے۔ اس میں تواضع ہے اور اپنے کسی عمل کو بڑا سمجھنے کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ قیامت کب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! تیاری تو کچھ نہیں ہے بس آپ کی ذات سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا **المرء مع من أحب**. [۲۱]

(۴) باب تحویل الرداء في الإستسقاء

استسقاء میں چادر الٹنے کا بیان

۱۰۱۱ - حدثنا إسحاق قال: حدثنا وهب قال: أخبرنا شعبة عن محمد بن أبي بكر، عن عباس بن تميم، عن عبد الله بن زيد: أن النبي صلى الله عليه وسلم إستسقى فقلب رداءه. [راجع: ۱۰۰۵]

۱۰۱۲ - حدثنا علي بن عبدالله قال: حدثنا سفيان قال: عبدالله بن أبي بكر: إنه سمع عباد بن تميم يحدث أباه عن عمه عبدالله بن زيد: أن النبي ﷺ خرج إلى المصلى فاستسقى، فاستقبل القبلة و حول رداءه و صلى ركعتين. قال أبو عبدالله: كان ابن عيينة يقول: هو صاحب الأذان، ولكنه وهم لأن هذا عبدالله بن زيد بن عاصم المازني، مازن الأنصار. [راجع: ۱۰۰۵]

یہ حدیث بار بار لا کر اس سے تحویل رداء کا مسئلہ مستنبط کر رہے ہیں۔ آخر میں فرمایا کہ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں، راوی عبداللہ بن زید صاحب اذان ہیں **ولکنه وهم** ۔ لیکن سفیان بن عیینہ کو وہم ہوا ہے یہ عبداللہ بن زید صاحب اذان نہیں، بلکہ یہ عبداللہ بن زید بن عاصم المازنی ہیں۔

---

[۲۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: مسئلة التوسل في الدعاء، تكملة فتح الملهم، ج: ۵، ص: ۲۲۰-۲۲۹.

(۵) باب انتقام الرب عز وجل من خلقه بالقحط إذا انتهكت محارمه.

اللہ ﷻ کا اپنے بندوں سے قحط کے ذریعے انتقام لینے کا بیان جب کہ حدود الٰہی کا خیال لوگوں کے دلوں سے جاتا رہے

اب یہاں باب قائم کیا اور اس کے ذیل میں کوئی حدیث نہیں ہے، باب قائم کیا ہے کہ جب اس کے محارم کا زیادہ ارتکاب کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے قحط کے ذریعہ انتقام لیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا یا تو یہ ارادہ ہوگا کہ یہاں بعد میں کسی وقت حدیث لائیں گے لیکن بعد میں موقع نہیں ملا، یا بعض اوقات تمرین بھی کراتے ہیں کہ دیکھو میں نے باب تو قائم کیا ہے اس کے تحت حدیث لانی چاہئے۔

(۶) باب الإستسقاء فی المسجد الجامع

جامع مسجد میں بارش کی دعا کرنے کا بیان

۱۰۱۳ - حدثنا محمد قال: أخبرنا أبو ضمرة أنس بن عياض قال: حدثنا شريک ابن عبدالله بن أبي نمر انه سمع أنس بن مالک يذكر: أن رجلا دخل يوم الجمعة من باب كان وجاه المنبر، و رسول الله ﷺ قائم يخطب، فاستقبل رسول الله ﷺ قائما فقال: يا رسول الله، هلكت الأموال و انقطعت السبل، فادع الله يغيثنا. قال: فرفع رسول الله ﷺ يديه فقال: «اللّٰهم اسقنا، اللّٰهم اسقنا، اللّٰهم اسقنا» قال أنس: ولا والله ما نرى في السماء من سحاب ولا قزعة ولا شيئاً وما بيننا و بين سلع من بيت ولا دار. قال: فطلعت من ورائه سحابة مثل الترس فلما توسطت السماء انتشرت ثم أمطرت. قال: واللّٰه ما رأينا الشمس سبتا. ثم دخل رجل من ذلک الباب في الجمعة المقبلة و رسول الله ﷺ قائم يخطب فاستقبله قائما، فقال: يا رسول الله، هلكت الأموال، وانقطعت السبل، فادع اللّٰه يمسكها. قال: فرفع رسول الله و يديه ثم قال: «اللّٰهم حوالينا ولا علينا. اللّٰهم على الآكام والجبال والظراب والأودية ومنابت الشجر». قال: فانقطعت. وخرجنا نمشي في الشمس. قال شريک: فسألت أنسا: أهو الرجل الأول؟ قال: لاأدري. [راجع: ۹۳۲]

ظراب، ظرب کی جمع ہے، ٹیلے کو کہتے ہیں۔

فسألت أنسا: یعنی دوسری مرتبہ جو صاحب آئے یہ وہی تھے جو پہلی مرتبہ آئے تھے اور دعا مانگی تھی یا کوئی اور تھے۔ انہوں نے کہا مجھے پتا نہیں ہے۔

یہ ایک حدیث بار بار لاتے رہے ہیں اور اس پر مختلف ابواب قائم کرکے مسائل مستنبط کرتے چلے گئے ہیں۔

(۲۱) باب ما قيل: إن النبي ﷺ لم يحول رداءه في الإستسقاء يوم الجمعة

اس روایت کا بیان کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن بارش کی دعا میں تحویل رداء نہیں فرمائی

۱۰۱۸ - حدثنا الحسن بن بشر قال: حدثنا معافى بن عمران، عن الأوزاعي، عن إسحاق بن عبدالله بن أبي طلحة، عن أنس بن مالك: أن رجلا شكا إلى النبي ﷺ هلاك المال وجهد العيال، فدعا الله يستسقي، ولم يذكر أنه حول رداءه، ولا استقبل القبلة. [راجع: ۹۳۲]

یہ باقاعدہ صلوۃ الاستسقاء نہیں تھی، آپ ﷺ نے بارش کے لئے دعا فرمائی، نہ اس میں استقبال قبلہ فرمایا نہ تحویل رداء فرمائی اور یہ اس وقت ہے جب باقاعدہ صلوۃ الاستسقاء پڑھی جائے۔

تحویل رداء عند الحنفیہ

حنفیہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ وہ تحویل رداء کے قائل نہیں ہیں، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ حنفیہ کے متون میں جو کچھ لکھا ہے کہ تحویل رداء نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تحویل رداء واجب نہیں ہے۔

دوسرا یہ کہ مقتدیوں کے ذمہ نہیں ہے، امام کے لئے مسنون ہے۔ مقتدیوں کے لئے تحویل رداء کا حنفیہ نے انکار کیا ہے۔

جبکہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں کے لئے مسنون ہے جبکہ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اس کی مسنونیت صرف امام کے حق میں ہے۔ یہی مسلک حضرت سعید بن المسیب، عروہ اور سفیان ثوری کا ہے، حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ روایات میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تحویل رداء کا ذکر

آیا ہے۔ یہ ایک غیر مدرک بالقیاس عمل ہے، لہٰذا اپنے مورد پر منحصر رہے گا اور مقتدی کو امام پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا۔[۱]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے صلوۃ الاستسقاء کی مسنونیت کا انکار کیا ہے کہ سنت مؤکدہ نہیں ہے، جس طرح کسوف مسنون ہے اس طرح استسقاء مسنون نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے اور جب جماعت سے کی جائے گی تو اس صورت میں تحویل رداء کی جائے گی اور یہ تحویل رداء امام کرے گا۔[۲]

(۱۲) باب: إذا استشفعوا إلى الإمام ليستسقي لهم لم يردهم

جب لوگ امام سے بارش کی دعا کے لئے سفارش کرے تو وہ اسے رد نہ کرے

۱۰۱۹ - حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال: أخبرنا مالک، عن شریک بن عبد اللہ بن أبي نمر، عن أنس بن مالک أنه قال: جاء رجل إلى رسول اللہ ﷺ فقال: یارسول اللہ

---

[۱] یدل على أن تحويل الرداء فيه سنة. وقال صاحب (التوضيح): تحويل الرداء سنة عند الجمهور، وانفرد أبو حنيفة و أنكره ووافقه ابن سلام — من قدماء العلماء بالأندلس — والسنة قاضية عليه. قلت: أبو حنيفة لم ينكر التحويل الوارد في الأحاديث إنما أنكر كونه من السنة لأن تحويله ﷺ كان لأجل التفاؤل لينقلب حالهم من الجدب إلى الخصب، فلم يكن لبيان السنة، وما ذكرناه من حديث ابن زيد الذي رواه الحاكم يقوي ماذهب إليه أبو حنيفة، ووقت التحويل عندنا عند مضي صدر الخطبة، وبه قال ابن الماجشون، وفي رواية ابن القاسم بعد تمامها، وقيل: بين الخطبتين، والمشهور عن مالک: بعد تمامها، وبه قال الشافعي، ولا يقلب القوم أرديتهم عندنا، وهو قول سعيد بن المسيب وعروة والثوري والليث بن سعد وابن عبد الحكم وابن وهب وعند مالک والشافعي و أحمد: القوم كالإمام، يعني يقلبون أرديتهم، واستثنى ابن الماجشون النساء. عمدة القاری، ج:۵، ص: ۲۳۵ و إعلاء السنن، ج:۸، ص: ۱۸۳

[۲] وفي الهداية: "ويقلب رداء ه لما روينا. قال: وهذا قول محمد، أما عند أبي حنيفة فلا يقلب رداء ه لأنه دعاء فيعتبر بسائر الأدعية وما رواه كان تفاؤلا". وفي العناية: ليس بحرام بلا خلاف، إنما الكلام في كونه سنة. وفي فتح القدير: قوله: "وما رواه كان تفاؤلا" اعتراف بروايته، ومنع استنانه، لأنه فعل لأمر لا يرجع إلى معنى العبادة اھ (۲:۹۱). وفي رد المحتار (۱:۸۸۳): وعن أبي يوسف روايتان، واختار القدوري قول محمد، لأنه عليه الصلاة والسلام فعل ذلک نهر، وعليه الفتوى كما في "شرح درر البحار" اھ. إعلاء السنن، ج: ۸، ص: ۱۸۵، والهدية شرح البداية، ج: ۱، ص: ۸۹.

هلكت المواشي ، وتقطعت السبل ، فادع الله . فدعا الله فمطرنا من الجمعة إلى الجمعة. فجاء رجل إلى النبي ﷺ فقال : يا رسول الله ، تهدمت البيوت وتقطعت السبل وهلكت المواشي . فقال رسول الله ﷺ : ((اللّٰهم على ظهور الجبال والآكام وبطون الأودية ومنابت الشجر)) . فانجابت عن المدينة انجياب الثوب.

(۱۳) باب : إذا استشفع المشركون بالمسلمين عند القحط

قحط کے وقت مشرکوں کا مسلمانوں سے دعا کرنے کو کہنے کا بیان

۱۰۲۰ ـ حدثنا محمد بن كثير، عن سفيان قال : حدثنا منصور والأعمش عن ابي الضحى ، عن مسروق ، قال : أتيت ابن مسعود فقال : إن قريشاً أبطؤا عن الإسلام ، فدعا عليهم النبي ﷺ ، فأخذتهم سنة حتى هلكوا فيها وأكلوا الميتة والعظام . فجاء ه أبو سفيان فقال : يا محمد ، جئت تأمر بصلة الرحم ، وإن قومك هلكوا فادع الله تعالىٰ. فقرأ : ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِيْنٍ﴾ الآية . ثم عادو إلى كفرهم . فذلك قوله تعالى : ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى﴾ يوم بدر . قال : وزاد أسباط ، عن منصور : فدعا رسول الله ﷺ فسقوا الغيث فأطبقت عليهم سبعا . وشكا الناس كثرة المطر . قال : ((اللّٰهم حوالينا ولا علينا)) . فانحدرت السحابة عن رأسه فسقوا، الناس حولهم. [راجع : ۱۰۰۷]

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ ابوسفیان نے آکر قحط سالی کی دوری کے لئے بارش کی درخواست کی تھی۔

اس میں کلام ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت سے پہلے کا ہے یا بعد کا ہے؟

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مدینہ منورہ کا واقعہ ہے، ابتداء میں جب حضور ﷺ تشریف لائے تھے تو بددعا فرمائی تھی، پھر ابوسفیان نے دُعا کی درخواست کی تھی۔ **فدعا رسول الله صلى الله عليه وسلم فسقوا الغيث فأطبقت عليهم سبعا.**

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔

یہاں اسباط کو وہم ہوگیا، کیونکہ یہ واقعہ پیچھے حدیث میں گزرا ہے کہ ایک صحابیؓ نے جمعہ کے دن آکر حضور ﷺ سے دعا کی درخواست کی، آپ ﷺ نے دعا فرمائی، سارا دن بارش جاری رہی۔ پھر اس نے آکر درخواست کی **اللّٰهم حوالينا ولا علينا**.

اسباط نے اس قصہ کو ابوسفیان والے قصے سے جوڑ دیا، کہتے ہیں کہ یہ وہم ہوگیا، لیکن حافظ ابن

حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات کا امکان ہے کہ ہفتہ بھر بارش جاری رہی ہو اور بعد میں اللّٰھم حوالینا ولا علینا کی دُعا فرمائی ہو۔ یہ اس اعرابی کے علاوہ ابوسفیان کے واقعہ میں بھی پیش آیا ہوگا۔ تو اگر اسباط نے اس واقعہ کو ابوسفیان کے واقعہ کے ساتھ مربوط کیا ہے تو اس میں بھی کوئی بُعد نہیں ہے۔ [۱۳]

(۱۴) باب الدعاء إذا كثر المطر : حوالينا ولا علينا

بارش کی زیادتی کے وقت یہ دعا کرنے کا بیان کہ ہمارے اردگرد اور ہم پر نہ برسے

۱۰۲۱ - حدثني محمد بن أبي بكر قال : حدثنا معتمر ، عن عبيد الله ، عن ثابت ، عن أنس رضي الله عنه أنه قال : كان رسول الله ﷺ يخطب يوم جمعة ، فقام الناس فصاحوا فقالوا : يارسول الله ، قحط المطر واحمرت الشجر وهلكت البهائم ، فادع الله أن يسقينا ، فقال : « اللّٰهم اسقنا » ، مرتين . وايم الله مانرى في السماء قزعة من سحاب فنشأت سحابة ، فأمطرت ، ونزل عن المنبر فصلى . فلما انصرف لم يزل المطر إلى الجمعة التي تليها . فلما قام النبي ﷺ يخطب صاحوا إليه : تهدمت البيوت وانقطعت السبل . فادع الله يحبسها عنا . فتبسم النبي ﷺ وقال : « اللّٰهم حوالينا ولا علينا » فكشطت المدينة فجعلت تمطر حولها ولا تمطر بالمدينة قطرة . فنظرت إلى المدينة وانها لفي مثل الإكليل . [راجع : ۹۳۲]

اس حدیث کی تشریح کتاب الجمعة ، باب رفع اليدين في الخطبة میں گزر چکی ہے۔

(۱۵) باب الدعاء في الإستسقاء قائما

استسقاء میں کھڑے ہوکر دعا کرنے کا بیان

۱۰۲۲ - وقال لنا أبو نعيم : عن زهير ، عن أبي إسحاق : خرج عبدالله بن يزيد الأنصاري ، وخرج معه البراء بن عازب وزيد بن أرقم رضي الله عنهم فاستسقى فقام بهم على رجليه ، على غير منبر فاستسقى ثم صلى ركعتين يجهر بالقراءة ولم يؤذن ولم يقم .

---

[۱۳] واقعہ کی تفصیل وتطبیق کے لئے دونوں شارحین کی عبارت ملاحظہ فرمائیں: عمدة القاري ، ج: ۵ ، ص: ۲۷۳ ، وفتح الباري ، ج: ۲ ، ص: ۵۱۱ .

قال أبو إسحاق . ورأى عبدالله بن يزيد النبی ﷺ .[۱۴]

۱۰۲۳ - حدثنا أبو اليمان قال : حدثنا شعيب عن الزهری قال : حدثنی عباد بن تميم أن عمه ، وكان من أصحاب النبی ﷺ ، أخبره : أن النبی ﷺ خرج بالناس يستسقی لهم ، فقام فدعا الله قائما ، ثم توجه قبل القبلة وحول رداءه فأسقوا . [راجع : ۱۰۰۵]

عبداللہ بن یزیدؓ انصاری صحابی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے کوفہ کے امیر مقرر کیے گئے تھے، ان کے ساتھ حضرت براء بن عازبؓ نکلے اور انہوں نے نماز استسقاء پڑھی۔

"فقام بهم على رجليه على غير منبر" ۔ وہ منبر کے علاوہ ویسے ہی کھڑے ہوئے، **"فاستسقى"** ۔ پس استسقاء کی دعا کی **"ثم صلى ركعتين يجهر بالقراءة"** ۔ پھر دو رکعت پڑھی جس میں جہراً قراءت کر رہے تھے۔ **"ولم يؤذن ولم يقم"** ۔ اور اذان و اقامت نہیں کہی۔

یہاں دعاء استسقاء پہلے اور دو رکعتیں بعد میں پڑھنا مذکور ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک یہی طریقہ ہے، جیسے امام مالک رحمہ اللہ کی طرف یہی منسوب ہے، لیکن جمہور فقہاء نے کہا ہے کہ پہلے دو رکعتیں ہیں، پھر خطبہ ہے جس میں دعا ہے۔[۱۵]

(۱۶) باب الجهر بالقراءة فی الإستسقاء

استسقاء میں جہر سے قرأت کرنے کا بیان

۱۰۲۴ - حدثنا أبو نعيم قال : حدثنا ابن أبی ذئب ، عن الزهری ، عن عباد بن تميم ، عن عمه قال : خرج النبی ﷺ يستسقی ، فتوجه إلی القبلة يدعو ، وحول رداءه ثم صلی ركعتين يجهر فيهما بالقراءة . [راجع : ۱۰۰۵]

(۱۷) باب : كيف حول النبی ﷺ ظهره إلی الناس

نبی ﷺ نے کس طرح اپنی پیٹھ لوگوں کی طرف پھیری

۱۰۲۵ - حدثنا آدم قال : حدثنا ابن أبی ذئب ، عن الزهری ، عن عباد بن تميم عن عمه قال : رأيت النبی ﷺ يوم خرج يستسقی قال : فحول إلی الناس ظهره

---

[۱۴] لا يوجد للحديث مكررات.

واستقبل القبلة يدعو، ثم حول رداء ه ثم صلى لنا ركعتين جهر فيهما بالقراء ة.
[راجع: ۱۰۰۵]

ان احادیث میں بھی دو رکعتوں کا ذکر ہے، ایسا لگتا ہے کہ پہلے دعا کی اور پھر نماز پڑھی، لیکن دوسری روایات کی روشنی میں راجح یہ ہے کہ نماز استسقاء پہلے ہے اور دعا بعد میں۔[۱۶]

(۲۱) باب رفع الناس أيديهم مع الإمام في الإستسقاء

استسقاء میں لوگوں کا امام کے ساتھ اپنے ہاتھ اٹھانے کا بیان

۱۰۲۹ - وقال أيوب بن سليمان: حدثني أبو بكر بن أبي أويس، عن سليمان بن بلال، عن يحيىٰ بن سعيد قال: سمعت أنس بن مالك قال: أتى رجل أعرابي من أهل البدو إلى رسول الله ﷺ يوم الجمعة فقال: يا رسول الله هلكت الماشية، هلك العيال، هلك الناس، فرفع رسول الله ﷺ يديه يدعو ورفع الناس أيديهم مع رسول الله ﷺ يدعون، قال: لما خرجنا من المسجد حتى مطرنا، فما زلنا نمطر حتى كانت الجمعة الأخرى، فأتى الرجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله، بشق المسافر و منع الطريق. [راجع: ۹۳۲]

۱۰۳۰ - وقال الأويسي: حدثني محمد بن جعفر عن يحيى بن سعيد وشريك سمعا أنسا عن النبي ﷺ: رفع يديه حتى رأيت بياض إبطيه.

يشق المسافر کے معنی یہ ہیں کہ بارش کی وجہ سے راستہ میں مسافر کو بڑی دشواری پیش آتی ہے۔

---

[۱۶] وقال مالك والشافعي و أبو يوسف و محمد: الصلاة قبل الخطبة. وقال الطحاوي: وفي حديث أبي هريرة أنه خطب بعد الصلاة، فوجدنا الجمعة فيها خطبة وهي قبل الصلاة، ورأينا العيدين فيهما الخطبة وهي بعد الصلاة، وكذلك كان رسول الله صلى الله عليه وسلم، يفعل فينظر في خطبة الإستسقاء بأي الخطبتين أشبه فنعطفُ حكمها على حكمها، فالجمعة فرض وكذلك خطبتها، وخطبة العيد ليست كذلك، لأنها تجوز بغير الخطبة، وكذلك صلاة الإستسقاء تجوز وإن لم يخطب، غير أنه إذا تركها أساء، فكانت بخطبة العيدين أشبه منها بخطبة الجمعة، فدل ذلك أنها بعد الصلاة. ومن فوائد الحديث: الجهر بالقراء ة في صلاة الإستسقاء، وهو مما أجمع عليه الفقهاء، عمدة القاري، ج: ۵، ص: ۲۷۷.

(۲۴) باب رفع الإمام يده في الإستسقاء

استسقاء میں امام کے ہاتھ اٹھانے کا بیان

۱۰۳۱ - أخبرنا محمد بن بشار قال : حدثنا يحيى و ابن أبي عدي ، عن سعيد، عن قتادة ، عن أنس بن مالك قال : كان النبي ﷺ لا يرفع يديه في شيء من دعائه إلا في الإستسقاء و إنه يرفع حتى يرى بياض إبطيه. [انظر: ۳۵۶۵، ۶۳۴۱] [۱۷]

یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ سوائے استسقاء کے کسی نماز میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔

اس روایت کا ظاہر یہ ہے کہ رفع الیدین صرف صلوٰۃ الاستسقاء میں ثابت ہے کسی اور دعا میں حضور ﷺ سے رفع الیدین ثابت ہی نہیں ہے، لیکن یہ بات بداہت کے خلاف ہے، اس لئے کہ روایت کثیرہ موجود ہیں جو **رفع اليدين عند الدعاء غير استسقاء** پر دلالت کرتی ہیں۔

صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیثیں نکالی ہیں، اس کی توجیہ یہ ہے کہ جس طرح کا رفع یدین آپ ﷺ نے استسقاء میں فرمایا کسی اور موقع پر نہیں فرمایا یعنی ہاتھوں کو اتنا بلند کیا کہ **حتى يرى بياض إبطيه.**

(۲۵) باب : إذا هبت الريح

آندھی کے چلنے کا بیان

۱۰۳۲ - حدثنا سعيد بن أبي مريم قال : أخبرنا محمد بن جعفر قال : أخبرني حميد أنه سمع أنس بن مالك يقول : كانت الريح الشديدة إذا هبت عرف ذلك في وجه النبي ﷺ. [۱۸]

---

[۱۷] وفي صحيح مسلم ، كتاب صلاة الإستسقاء ، باب رفع اليدين في الدعاء في الإستسقاء ، رقم : ۱۴۹۰ ، وسنن النسائي ، كتاب الإستسقاء ، باب كيف يرفع ، رقم : ۱۴۹۱ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب رفع اليدين في الإستسقاء ، رقم : ۹۸۹ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها ، باب من كان لا يرفع يديه في القنوت ، رقم : ۱۱۷۰ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أنس بن مالك ، رقم : ۱۲۳۰۲ ، ۱۳۳۹۵ .

تیز ہوا کے چلنے کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے چہرہ مبارک پر وجہ سے گھبراہٹ کے آثار نظر آتے تھے کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب نہ آرہا ہو۔

(۲۶) باب قول النبی ﷺ: ((نصرت بالصبا))

نبی ﷺ کے اس ارشاد کا بیان کہ بادِ صبا کے ذریعہ میری مدد کی گئی

۱۰۳۵ - حدثنا مسلم قال: حدثنا شعبة عن الحکم، عن مجاهد، عن ابن عباس أن النبی ﷺ قال: ((نصرت بالصبا، و أهلکت عاد بالدبور)). [أنظر: ۳۲۰۵، ۳۳۴۳، ۴۱۰۵] [۵۱]

"**نصرت بالصباء**" کے معنی یہ ہیں کہ مختلف مواقع پر نبی کریم ﷺ کی مدد کی گئی جیسے غزوۂ خندق کے موقع پر۔

(۲۷) باب ما قیل فی الزلازل و الآیات

زلزلوں اور قیامت کی نشانیوں کے متعلق روایتوں کا بیان

۱۰۳۶ - حدثنا أبو الیمان قال: أخبرنا شعیب قال: حدثنا أبو الزناد، عن عبدالرحمٰن الأعرج، عن أبی هریرة، قال: قال النبی ﷺ: ((لا تقوم الساعة حتی یقبض العلم، و تکثر الزلازل، و یتقارب الزمان، و تظهر الفتن، و یکثر الهرج — وهو القتل القتل — حتی یکثر فیکم المال فیفیض)). [راجع: ۸۵] [انظر: فی الحدود والأدب و الفتن.]

علاماتِ قیامت

یہ قیامت کی علامات بیان کی گئی ہیں کہ علم قبض کرلیا جائے گا، زلزلوں کی کثرت ہوگی، زمانہ قریب ہوجائے گا۔

"**یتقارب الزمان**" کے مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں: ایک معنی یہ ہے کہ جو واقعات بڑے بڑے عرصے کے بعد پیش آتے تھے، وہ جلدی جلدی پیش آنے لگیں گے اور یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ زمانہ بہت

---

[۵۱] وفی مسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أنس بن مالک، رقم: ۱۲۱۵۹۔

تیزی سے گزرے گا، سال ایسے گزرے گا جیسے مہینہ گزرا ہے۔

و تظهر الفتن و يكثر الهرج وهو القتل القتل ـــ قتل وغارت گری ہوگی اور مال اتنا ہو جائے گا کہ بہے گا۔

(۲۸) باب: قول الله تعالى: ﴿وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ﴾ [الواقعة: ۸۲]

قال ابن عباس: شكركم.

ترجمہ: اور اپنا حصہ تم یہی لیتے ہو کہ اس کو جھٹلاتے ہو۔[۲۰]

۱۰۳۸ ـ حدثنا إسماعيل، قال: حدثني مالك، عن صالح بن كيسان، عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود، عن زيد بن خالد الجهني أنه قال: صلى لنا رسول الله ﷺ صلاة الصبح بالحديبية على إثر سماء كانت من الليل. فلما انصرف النبي ﷺ أقبل على الناس فقال: «هل تدرون ما ذا قال ربكم؟» قالوا: الله و رسوله أعلم. قال: «أصبح من عبادي مؤمن بي و كافر. فأما من قال: مطرنا بفضل الله و رحمته، فذلك مؤمن بي كافر بالكوكب. وأما من قال: مطرنا بنوء كذا و كذا، فذلك كافر بي و مؤمن بالكوكب». [انظر: ۸۴۶، ۴۱۴۷، ۷۵۰۳].[۲۱]

حدیث کی تشریح کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، جلد: ۳، صفحہ: ۵۳۹۔

---

[۲۰] یعنی کیا یہ ایسی دولت ہے جس سے منتفع ہونے میں تم سستی اور کاہلی کرو، اور اپنا حصہ اتنا ہی سمجھو کہ اس کو اور اس کے بتلانے ہوئے حقائق کو جھٹلاتے رہو، جیسے بارش کو دیکھ کر کہہ دیا کرتے ہو کہ فلاں ستارہ فلاں برج میں آگیا تھا اس سے بارش ہوگئی، گویا خدا سے کوئی مطلب ہی نہیں۔ اسی طرح اس باران رحمت کی قدر نہ کرنا جو قرآن کی صورت میں نازل ہوئی ہے اور یہ کہہ دینا کہ وہ اللہ کی اتاری ہوئی نہیں، سخت بدبختی اور حرماں نصیبی ہے۔ کیا ایک نعمت کی شکرگذاری یہی ہے کہ اس کو جھٹلایا جائے۔ تفسیر عثمانی، صفحہ ۷۱۲، سورۃ الواقعۃ، آیت: ۸۲، ف ۱۲۔

[۲۱] وفي صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كفر من قال مطرنا بالنوء، رقم: ۱۰۴، وسنن النسائي، كتاب الإستسقاء، باب كراهية الإستمطار بالكوكب، رقم: ۱۵۰۸، وسنن أبي داؤد، كتاب الطب، باب في النجوم، رقم: ۳۴۰۷، ومسند احمد، ومسند الشاميين، باب بقية حديث زيد بن خالد الجهني عن النبي، رقم: ۱۶۴۴۳، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب الإستمطار بالنجوم، رقم: ۴۰۵.

(۲۹) باب: لا يدري متى يجيء المطر إلا الله تعالى،

اللہ ﷻ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب ہوگی

وقال أبو هريرة عن النبي ﷺ: ((خمس لا يعلمهن إلا الله)).

۱۰۳۹ - حدثنا محمد بن يوسف قال: حدثنا سفيان، عن عبدالله بن دينار، عن ابن عمر قال: قال النبي ﷺ: ((مفتاح الغيب خمس لا يعلمها إلا الله: لا يعلم أحد مايكون في غد، ولا يعلم أحد ما يكون في الأرحام، ولا تعلم نفس ما ذا تكسب غدا، وما تدري نفس بأي أرض تموت، وما يدري أحد متى يجيء المطر)). [انظر: ۴۶۲۷، ۴۶۹۷، ۴۷۷۸، ۷۳۷۹] [۲۲]

وما يدري أحد متى يجيء المطر.

بارش کی پیشنگوئی

اہل عرب کے ہاں عقیدہ تھا کہ فلاں ستارہ طلوع ہو تو وہ بارش کی علت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی تردید فرمائی کہ **"وما يدري أحد متى يجيء المطر"**۔ [۲۳]

---

[۲۲] وفي مسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۵۳۶، ۴۸۸۷، ۴۹۷۵، ۵۷۷۰.

[۲۳] ف ا: یعنی قیامت آ کر رہے گی، کب آئے گی؟ اس کا علم خدا کے پاس ہے، نہ معلوم کب یہ کارخانہ توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا جائے۔ آدمی دنیا کے باغ و بہار اور وقتی ترو تازگی پر ریجھتا ہے، کیا نہیں جانتا کہ علاوہ فانی ہونے کے فی الحال بھی یہ چیز اور اس کے اسباب سب خدا کے قبضہ میں ہیں۔ زمین کی ساری رونق اور مادی برکت (جس پر تمہاری خوشحالی کا مدار ہے) آسمانی بارش پر موقوف ہے سال دو سال مینہ نہ برسے تو خاک اڑنے لگے۔ نہ سامان معیشت رہیں نہ اسباب راحت، پھر تعجب ہے کہ انسان دنیا کی زینت اور ترو تازگی پر فریفتہ ہو کر اس ہستی کو بھول جائے جس نے اپنی باران رحمت سے اس کو ترو تازہ اور پر رونق بنا رکھا ہے۔ علاوہ بریں کسی شخص کو کیا معلوم ہے کہ دنیا کے عیش و آرام میں اس کا کتنا حصہ ہے۔ بہت سے لوگ کوشش کرکے اور ایڑیاں رگڑ کر مر جاتے ہیں لیکن زندگی بھر چین نصیب نہیں ہوتا۔ بہت ہیں جنہیں بے محنت دولت مل جاتی ہے، یہ دیکھ کر بھی کوئی آدمی جو دین کے معاملہ میں تقدیر الٰہی پر بھروسہ کئے بیٹھا ہو، دنیوی جد و جہد میں تقدیر پر قانع ہو کر ذرہ برابر کمی نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ تدبیر کرنی چاہئے۔ کیونکہ اچھی تقدیر عموماً کامیاب تدبیر ہی کے ضمن میں ظاہر ہوتی ہے،

...........﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾...........

...... ﴿گذشتہ سے پیوستہ﴾ ......

یہ علم خدا کو ہے کہ فی الواقع ہماری تقدیر کیسی ہوئی اور صحیح تدبیر بن پڑے گی یا نہیں، یہی بات اگر ہم دین کے معاملہ میں سمجھ لیں تو شیطان کے دھوکہ میں ہرگز نہ آئیں۔ بے شک جنت دوزخ جو کچھ ملے گی تقدیر سے ملے گی جس کا علم خدا کو ہے مگر عموماً اچھی یا بُری تقدیر کا چہرہ اچھی یا بُری تدبیر کے آئینہ میں نظر آتا ہے، اس لئے تقدیر کا حوالہ دے کر ہم تدبیر کو نہیں چھوڑ سکتے، کیونکہ یہ پتہ کسی کو نہیں کہ اللہ کے علم میں وہ سعید ہے یا شقی، جنتی ہے یا دوزخی، مفلس ہے یا غنی، لہٰذا ظاہری عمل اور تدبیر ہی وہ چیز ہوئی جس سے عادۃً ہم کو نوعیت تقدیر کا قدرے پتہ چل جاتا ہے۔ ورنہ یہ علم حق تعالیٰ ہی کو ہے کہ عورت کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، اور پیدا ہونے کے بعد اس کی عمر کیا ہو، روزی کتنی ملے، سعید ہو یا شقی۔

اسی کی طرف ''وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ'' میں اشارہ کیا ہے۔ رہا شیطان کا یہ دھوکا کہ فی الحال تو دنیا کے مزے اڑالو، پھر توبہ کر کے نیک بن جانا، اس کا جواب ''وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا'' الخ میں دیا ہے۔ یعنی کسی کو خبر نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ اور کچھ کرنے کے لئے زندہ بھی رہے گا؟ کب موت آجائے گی اور کہاں آئے گی؟ پھر یہ وثوق کیسے ہو کہ آج کی بدی کا تدارک کل نیکی سے ضرور کرے گا اور توبہ کی توفیق ضرور پائے گا؟ ان چیزوں کی خبر تو اسی علیم وخبیر کو ہے۔

(تنبیہ) یاد رکھنا چاہئے کہ مغیبات جنس احکام سے ہوں گی یا جنس اکوان سے، پھر اکوان غیبیہ زمانی ہیں یا مکانی، اور زمانی کی باعتبار ماضی، مستقبل اور حال کے تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے احکام غیبیہ کا کلی علم پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ الی آخر الآیہ (جن۔ رکوع ۲) جس کی جزئیات کی تفصیل وتبویب ازکیائے امت نے کی۔ اور اکوان غیبیہ کی کلیات واصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا، ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا جس کا کوئی انداز نہیں ہو سکتا۔ تاہم اکوان غیبیہ کا علم کلی رب العزت ہی کے ساتھ مختص رہا۔

آیت ہذا میں جو پانچ چیزیں مذکور ہیں احادیث میں ان کو مفاتیح الغیب فرمایا ہے جن کا علم (یعنی علم کلی) بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ فی الحقیقت ان پانچ چیزوں میں کل اکوان غیبیہ کی انواع کی طرف اشارہ ہو گیا۔ ''بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ'' میں غیوب مکانیہ ''مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا'' میں زمانیہ مستقلبہ ''مَا فِي الْأَرْحَامِ'' میں زمانیہ حالیہ اور ''يُنَزِّلُ الْغَيْثَ'' میں غالباً زمانیہ ماضیہ پر تنبیہ ہے۔ یعنی بارش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں کہ پہلے سے کیا ایسے اسباب فراہم ہو رہے تھے کہ ٹھیک اسی وقت اسی جگہ اسی مقدار میں بارش ہوئی، ماں بچہ کو پیٹ میں لئے پھرتی ہے پر اسے پتہ نہیں کہ پیٹ میں کیا ہے، لڑکی یا لڑکی؟ انسان واقعات آئندہ پر حاوی ہونا چاہتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ کل میں خود کیا کام کروں گا؟ میری موت کہاں واقع ہو گی؟ اس جہل و بیچارگی کے باوجود تعجب ہے کہ دنیا کی زندگی پر مفتوں ہو کر خالق حقیقی کو اور اس دن کو بھول جائے جب پروردگار کی عدالت میں کشاں کشاں حاضر ہونا پڑے گا۔

بہرحال ان پانچ چیزوں کے ذکر سے تمام اکوان غیبیہ کے علم کلی کی طرف اشارہ کرنا ہے حصر مقصود نہیں، اور غالباً ذکر میں ان پانچ کی تخصیص اس لئے ہوئی کہ ایک سائل نے سوال انہیں پانچ باتوں کی نسبت کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ کمافی الحدیث۔ سورۂ انعام اور سورۂ نمل میں بھی علم غیب کے متعلق تفصیل گزر چکی ہے۔ تفسیر عثمانی، صفحہ نمبر ۵۵۲، ف ۱۔

اور محکمۂ موسمیات کا کردار اور پیشنگوئی اس میں داخل نہیں، کیونکہ محکمۂ موسمیات صرف علامت بتاتا ہے کہ علامتیں ایسی ہیں کہ اس میں بارش ہونے کی توقع ہے یا نہیں۔ اس کا تعلق اس سے نہیں ہے کہ فلاں ستارہ بارش کی علت ہے۔ یہ اہل عرب جو تھے وہ ستارے کو بارش کی علت تامہ مانتے تھے اور علامات سے اندازہ لگانا کہ بھائی آثار ایسے ہو رہے ہیں تو یہ پیشنگوئی اس میں داخل نہیں تو جو پیشنگوئیاں ہوتی ہیں وہ محض قیاسات ہوتے ہیں، علم قطعی نہیں ہوتا۔

١٦- كتاب الكسوف

رقم الحديث: ١٠٤٠ - ١٠٦٦

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۶ - کتاب الکسوف

(۱) باب الصلاة فی کسوف الشمس

سورج گہن میں نماز پڑھنے کا بیان

۱۰۴۰ - حدثنا عمرو بن عون قال: حدثنا خالد، عن یونس، عن الحسن، عن ابی بکرة قال: کنا عند النبی ﷺ فانکسفت الشمس، فقام رسول اللّٰہ ﷺ یجر رداءہ حتی دخل المسجد فدخلنا فصلی بنا رکعتین حتی انجلت الشمس. فقال النبی ﷺ: ((إن الشمس والقمر لا ینکسفان لموت احد، فإذا رأیتموھا فصلوا وادعوا حتی ینکشف ما بکم)). [انظر: ۱۰۴۸، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۵۷۸۵][1]

صلوٰۃ کسوف کے رکوع میں اختلاف ائمہ

حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک

کسوف کے معاملہ میں حنفیہ اور شافعیہ کا جو مشہور اختلاف ہے وہ تعداد رکوع کے بارے میں ہے۔

حنفیہ کے نزدیک کسوف کی بھی ایک رکعت میں ایک ہی رکوع ہے جیسے اور نمازوں میں ہوتا ہے۔ مالکیہ کے ہاں بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

شافعیہ اور حنابلہ کا مسلک

شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ دو رکوع ہوں گے، ایک رکوع کے بعد امام کھڑا ہو کر دوبارہ تلاوت کرے

---

[1] وفی سنن النسائی، کتاب الکسوف، باب کسوف الشمس والقمر، رقم: ۱۴۴۲، ومسند أحمد، اول مسند البصریین باب حدیث أبی بکرة نفیع بن الحارث بن کلدة، رقم: ۱۹۴۹۶.

گا، پھر رکوع کرے گا۔

امام احمد بن حنبلؒ کی دوسری روایت

امام احمد بن حنبلؒ اور امام اسحاقؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ جتنے چاہو رکوع کرتے رہو **"ھذا علی قدر کسوف"** یعنی کسوف جتنا لمبا ہے اتنے ہی زیادہ رکوع کریں، دو، تین، چار، پانچ رکوع، جتنے چاہیں کر سکتے ہیں۔

اس بارے میں آگے بکثرت روایات آرہی ہیں جن میں یہ آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سے زائد رکوع فرمائے۔

ائمہ ثلاثہ کا استدلال

ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت عائشہؓ، حضرت اسماءؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن العاصؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی معروف روایات ہیں جو ان سے مروی ہیں اور ان میں دو رکوع کی تصریح پائی جاتی ہے۔

حنفیہ کا استدلال

حنفیہ کا استدلال ان احادیث سے ہے جو نسائی نے ساری روایات یکجا جمع اور ذکر کی ہیں، جن میں ایک رکوع کا ذکر ہے:

۱۔ حنفیہ حضرت ابو بکرہؓ کی اس حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ **کنا عند النبی ﷺ فانکسفت الشمس، فقام رسول اللہ ﷺ یجر رداءہ حتی دخل المسجد فدخلنا فصلی بنا رکعتین.**

۲۔ نسائی میں حضرت سمرۃ بن جندبؓ کی ایک طویل روایت ہے جس میں وہ فرماتے ہیں **((فصلی فقام بنا کأطول ما قام بنا فی صلاۃ قط لا نسمع لہ صوتا، قال: ثم رکع بنا کأطول ما رکع بنا فی صلاۃ قط لا نسمع لہ صوتا، قال: ثم سجد بنا کأطول ما سجد بنا فی صلاۃ قط لا نسمع لہ صوتا، قال: ثم فعل فی الرکعۃ الأخری مثل ذلک)).** [۲۲]

اس سے معلوم ہوا کہ عام نمازوں میں اور اس میں کوئی فرق نہیں تھا۔

---

[۲۲] اس موضوع پر تمام روایات اور تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: عمدۃ القاری، ج:۵، ص:۲۹۸.

ایک سے زائد رکوع والی احادیث کی توجیہ

جن احادیث میں ایک سے زائد رکوع کا ذکر آیا ہے عام طور سے حنفیہ کی طرف سے ان کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اصل میں جو لوگ پچھلی صف میں تھے انہوں نے طولِ رکوع کی وجہ سے سر اٹھا کر دیکھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ اٹھ گئے ہوں اور ہمیں پتہ نہ چلا ہو، لیکن دیکھا کہ ابھی حضور ﷺ رکوع میں ہی ہیں چنانچہ وہ پھر رکوع میں چلے گئے، ان کے پیچھے جو لوگ تھے انہوں نے سمجھا کہ یہ دوسرا رکوع ہے، اس واسطے غلط فہمی ہوگئی۔

لیکن یہ جواب اطمینان بخش نہیں ہے۔ اول تو صحابۂ کرامؓ کی طرف اتنی بڑی غلط فہمی کو منسوب کرنا درست نہیں اور اگر بالفرض غلط فہمی تھی بھی تو کیا وہ ساری عمر رفع نہ ہوئی؟ ساری عمر پتا نہیں چلا کہ کیا ہوا تھا جبکہ صحابۂ کرامؓ نماز کے معاملے میں بہت ہی اہتمام فرمانے والے تھے؟ لہٰذا یہ جواب اطمینان بخش نہیں ہے۔

صاحب بدائع اور حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ سے صلوٰۃ الکسوف میں دو رکوع ہی ثابت ہیں، لیکن اس وقت حضور ﷺ پر کچھ غیر معمولی کیفیت طاری ہوئی تھی۔ آپ ﷺ کو جنت اور جہنم کا نظارہ کرایا گیا، عذاب قبر کا تصور لایا گیا جیسا کہ آگے احادیث میں آرہا ہے۔ تو اس وقت حضور اقدس ﷺ نے تخشعاً ایک رکوع زائد فرمایا اور یہ نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی۔

آپ ﷺ نے جب خطبہ دیا اور لوگوں کو صلوٰۃ کسوف پڑھنے کی تلقین فرمائی تو اس میں الفاظ یہ ہیں۔

صلوا کاحدث صلاة صليتموها کہ قریب ترین جو نماز تم نے پڑھی ہے کسوف کی نماز اس جیسی پڑھو۔ اور قریب ترین نماز فجر کی نماز ہے۔ تو عمل دو رکوع کا فرمایا اور تاکید فرمائی کہ قریب ترین نماز کی طرح پڑھو، لہٰذا قولی حدیث فعلی حدیث پر راجح ہوگی، اس لئے کہ جو قول ارشاد فرمایا وہ ہمارے لئے قاعدہ کلیہ کا بیان ہے اور دستور العمل ہے۔[۳]

۱۰۴۱ - حدثنا شهاب بن عباد قال: حدثنا ابراهيم بن حميد، عن اسماعيل، عن قيس قال: سمعت أبا مسعود يقول: قال النبي ﷺ: ((إن الشمس والقمر لا ينكسفان لموت أحد من الناس ولكنهما آيتان من آيات الله، فإذا رأيتموها فقوموا فصلوا)). [انظر: ۱۰۵۷، ۳۲۰۴]

۱۰۴۲ - حدثنا أصبغ قال: أخبرني ابن وهب قال: أخبرني عمرو عن عبد الرحمن بن القاسم حدثه عن أبيه، عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان يخبر عن النبي ﷺ: ((إن

---

۳ راجع للتفصيل: بدائع الصنائع، ج: ۱، ص: ۲۸۱، و عمدة القاري، ج: ۵، ص: ۲۹۷، و فيض الباري، ج: ۲، ص: ۳۸۱.

الشمس والقمر لا یخسفان لموت أحد ولا لحیاته ولکنهما آیتان من آیات الله، فإذا رأیتموها فصلوا)) . [انظر : ۳۲۰۱] [۴]

یہ اس لئے فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ گہن اس لئے ہوا تھا کہ حضرت ابراہیمؓ کی وفات ہوئی تھی۔

اور یہ تو ممکن نہیں کہ ہر مرتبہ کسوف کے موقع پر حضرت ابراہیمؓ کی موت واقع ہوتی ہو، اس کی تردید اس طرح بھی ہوجاتی ہے کہ نماز کے بعد آپ ﷺ نے جو خطبہ دیا اس میں فرمایا گیا کہ کسی کی موت سے کسوف کا تعلق نہیں۔

۱۰۴۳ – حدثنا عبد الله بن محمد قال : حدثنا هاشم بن القاسم قال : حدثنا شیبان أبو معاویة، عن زیاد بن علاقة، عن المغیرة بن شعبة قال : کسفت الشمس علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم مات ابراهیم، فقال الناس : کسفت الشمس لموت ابراهیم، وقال رسول الله ﷺ : ((إن الشمس والقمر لا ینکسفان لموت أحد ولا لحیاته، فإذا رأیتم فصلوا وادعوا الله)) . [انظر : ۱۰۶۰، ۶۱۹۹] [۵]

کسفت الشمس علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم مات ابراهیم — یہ (کسوف وخسوف) اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا مظہر ہے، اسی لئے اس کی عظمت وجلال کے اعتراف کے لئے نماز مشروع ہوئی۔ درحقیقت کسوف وخسوف اس وقت کی ایک ادنیٰ جھلک دکھلا دیتے ہیں جب تمام اجرام فلکیہ بے نور ہوجائیں گے، اس اعتبار سے یہ واقعات تنبیہ آخرت ہیں، اس لئے ایسے مواقع پر رجوع الی اللہ ہی مناسب ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے پچھلی امتوں پر جتنے عذاب آئے ان کی شکل یہ ہوئی کہ بعض معمولی امور جو روزمرہ اسباب طبعیہ کے ماتحت ظاہر ہوتے رہتے ہیں اپنی معروف حد سے آگے بڑھ گئے تو عذاب کی شکل اختیار کرگئے، مثلاً قوم نوح پر بارش اور قوم عاد پر آندھی وغیرہ، اسی بناء پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہے کہ جب تیز ہوائیں چلتیں تو آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک متغیر ہوجاتا اس ڈر سے کہ کہیں یہ ہوئیں بڑھ کر عذاب کی صورت نہ اختیار کرلیں۔

چنانچہ ایسے مواقع آپ ﷺ بطور خاص دعاء واستغفار میں مشغول ہوجاتے۔ اسی طرح یہ کسوف وخسوف

---

[۴] وفی صحیح مسلم، کتاب الکسوف، باب ذکر النداء بصلاة الکسوف الصلاة جامعة، رقم : ۱۵۲۱، وسنن النسائی، کتاب الکسوف، باب الأمر بالصلاة عند کسوف الشمس، رقم : ۱۴۴۴، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب باقی المسند السابق، رقم : ۵۶۱۷، ۵۷۲۳.

بھی اگر چہ طبعی اسباب کے تحت رونما ہوتے ہیں لیکن اگر یہ اپنی معروف حد سے بڑھ جائیں تو عذاب بن سکتے ہیں، خاص طور سے جدید سائنس کی تحقیق کے مطابق کسوف وخسوف کے لمحات انتہائی نازک ہوتے ہیں، کیونکہ کسوف کے وقت چاند، سورج اور زمین کے درمیان حائل ہو جاتا ہے تو سورج اور زمین دونوں اپنی کشش ثقل سے اُسے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کرتے ہیں، ان لمحات میں خدانخواستہ اگر کسی ایک جانب کی کشش غالب آجائے تو اجرام فلکیہ کا نظام درہم برہم ہو جائے، لہٰذا ایسے نازک وقت میں رجوع الی اللہ ہی ہونا چاہئے۔

(۲) باب الصدقة فی الکسوف

سورج گہن میں خیرات کرنے کا بیان

۱۰۴۴ ۔ حدثنا عبد اللہ بن مسلمة ، عن مالک ، عن هشام بن عروة عن أبيه ، عن عائشة أنها قالت : خسفت الشمس فی عهد رسول اللہ ﷺ ، فصلی رسول اللہ ﷺ بالناس فقام فأطال القيام ، ثم رکع فأطال الرکوع ، ثم قام فأطال القيام وهو دون القيام الأول ثم رکع فأطال الرکوع وهو دون الرکوع الأول ، ثم سجد فأطال السجود . ثم فعل فی الرکعة الثانية مثل ما فعل فی الأولی ثم انصرف وقد تجلت الشمس فخطب الناس فحمد اللہ وأثنی عليه . ثم قال : « إن الشمس والقمر آيتان من آيت اللہ لا ينخسفان لموت أحد ولا لحياته فإذا رأيتم ذلک فاذکروا اللہ وکبروا وصلوا وتصدقوا » ، ثم قال : « يا أمة محمد ، واللہ مامن أحد أغير من اللہ أن يزنی عبده أو تزنی أمته ، يا أمة محمد ، واللہ لو تعلمون ما أعلم لضحکتم قليلا ولبکيتم کثيرا » . [انظر: ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۵۰، ۱۰۵۶، ۱۰۵۸، ۱۰۶۴، ۱۰۶۶، ۱۲۱۲، ۳۲۰۳، ۳۶۴۴، ۵۲۲۱، ۶۶۳۱] [۶]

---

۵ وفی صحيح مسلم ، کتاب الکسوف ، باب ذکر النداء بصلاة الکسوف الصلاة جامعة ، رقم : ۱۵۲۲ ، ومسند أحمد ، أول مسند الکوفيين ، باب حديث المغيرة بن شعبة ، رقم : ۱۷۴۲۱ ، ۱۷۴۷۲ .

۶ وفی صحيح مسلم ، کتاب الکسوف ، باب صلاة الکسوف ، رقم ۱۴۹۹ ، وسنن الترمذی ، کتاب الجمعة عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی صلاة الکسوف ، رقم : ۵۱۲ ، وسنن النسائی ، کتاب الکسوف ، باب نوع آخر من صلاة الکسوف ، رقم : ۱۴۵۳ ، وسنن أبی داود ، کتاب الصلاة ، باب صلاة الکسوف ، رقم : ۹۹۵ ، وسنن ابن ماجة ، کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها ، باب ماجاء فی صلاة الکسوف ، رقم : ۱۲۵۳ ، ومسند أحمد ، باقی مسند الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۲۹۱۷، ۲۳۳۳۳، ۲۳۳۷۹، ۲۳۵۲۹، ۲۳۰۸۸، ۲۳۱۳۸، ۲۳۱۸۳، ۲۳۸۱۵، وموطأ مالک ، کتاب النداء للصلاة، باب العمل فی صلاة الکسوف ، رقم : ۳۹۸ ، وسنن الدارمی ، کتاب الصلاة ، باب الصلاة عند الکسوف ، رقم : ۱۴۸۶ .

عہد رسالت میں کسوف شمس

خسفت الشمس فی عهد رسول الله ﷺ......... وقد تجلة الشمس فخطب الناس فحمدالله واثنی علیه.

عہد رسالت میں کسوف شمس صرف ایک مرتبہ ہوا، پھر صلاۃ الکسوف کی متعارض روایات میں تطبیق دینے کے لئے بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ صلاۃ الکسوف عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں کئی بار پڑھی گئی۔

کسوف کی روایات میں اس بات کی تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد جو خطبہ دیا اس میں فرمایا کہ کسی کی موت سے کسوف کا کوئی تعلق نہیں، یہ بات آپ ﷺ نے لوگوں کے اس خیال کی تردید فرمائی تھی کہ کسوف آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کی وفات کی بناء پر ہو، اس لئے کہ ہر کسوف کے موقع پر حضرت ابراہیمؑ کی موت واقع ہوئی ہو، یہ تو ممکن نہیں!

اور ماہرین فلکیات نے بھی باتفاق یہ بتایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کسوف صرف ایک ہی مرتبہ پیش آیا تھا۔

(۳) باب النداء بـ: ((الصلاة جامعة)). فی الکسوف

سورج گرہن میں نماز کے لئے جمع کرنے کے لئے پکارنے کا بیان

۱۰۴۵ ـ حدثنی إسحاق قال: أخبرنا یحیی بن صالح قال: حدثنا معاویة بن سلام ابن أبی سلام الحبشی الدمشقی قال: أخبرنا یحییٰ بن أبی کثیر قال: أخبرنی أبو سلمة بن عبدالرحمٰن بن عوف الزهری، عن عبدالله بن عمرو رضی الله تعالیٰ عنهما قال: لما کسفت الشمس علی عهد رسول الله ﷺ نودی: أن الصلاة جامعة. [انظر: ۱۰۵۱][۷]

صلاۃ کسوف کے لئے اذان تو نہیں ہے، لیکن اعلان کر سکتے ہیں کہ نماز ہو رہی ہے کہ آ جاؤ۔

[۷] وفی صحیح مسلم، کتاب الکسوف، باب ذکر النداء بصلاة الکسوف الصلاة الجامعة، رقم: ۱۵۱۵، وسنن النسائی، کتاب الکسوف، باب نوع آخر منه، رقم: ۱۴۶۲، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب مسند عبدالله بن عمرو بن العاص، رقم: ۶۲۳۲، ۶۴۷۹.

(۵) باب : هل يقول: كسفت الشمس أو خسفت؟

کیا ”کسفت الشمس“ یا ”خسفت“ کہہ سکتے ہیں؟

وقال الله تعالىٰ : ﴿وَخَسَفَ الْقَمَرُ﴾ [القيامة: ٨]

امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمہ میں یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ شمس کے لئے کسوف کا لفظ بھی استعمال کر سکتے ہیں اور خسوف کا بھی۔ اور چاند کے لئے خسوف کا لفظ استعمال کرنا چاہئے، جبکہ عام استعمال یہ ہے کہ شمس کے لئے کسوف اور قمر کے لئے خسوف کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

(۷) باب التعوذ من عذاب القبر في الكسوف

سورج گرہن میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگنے کا بیان

۱۰۴۹ ـ حدثنا عبدالله بن مسلمة، عن مالك، عن يحيىٰ بن سعيد، عن عمرة بنت عبدالرحمن، عن عائشة زوج النبي ﷺ: أن يهودية جاءت تسألها، فقال لها: أعاذك الله من عذاب القبر. فسألت عائشة رضي الله عنها رسول الله ﷺ: أيعذب الناس في قبورهم؟ فقال رسول الله ﷺ عائذا بالله من ذلك. [انظر: ۱۰۵۵، ۶۳۶۶][۵]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک یہودی عورت آئی اور اس نے سوال کیا اور پھر یہ دعا دی **أعاذك الله من عذاب القبر**، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پتا نہیں تھا کہ قبر میں بھی عذاب ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہؓ نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ کیا لوگوں کو قبر میں عذاب ہوگا؟ **فقال رسول الله**: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا **عائذا بالله من ذلك**۔ یعنی میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں **ثم ركب الخ**۔

---

۵ وفي صحيح مسلم، كتاب الكسوف، باب صلاة الكسوف، رقم: ۱۴۹۹، وسنن الترمذي، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء في صلاة الكسوف، رقم: ۵۱۳، وسنن النسائي، كتاب الكسوف، باب نوع منه، رقم: ۱۰۵۵، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب صلاة الكسوف، رقم: ۹۹۵، وسنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة و السنة فيها، باب ماجاء في صلاة الكسوف، رقم: ۱۲۵۳، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۰۴۸، ۲۳۱۳۳، ۲۳۳۳۳، ۲۳۳۷۹، ۲۳۸۱۵، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب العمل في صلاة الكسوف، رقم: ۴۰۰، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب الصلاة عند الكسوف، رقم: ۱۴۸۲.

۱۰۵۰ - ثم ركب رسول الله ﷺ ذات غداة مركبا فخسفتِ الشمس، فرجع ضحى، فمر رسول الله ﷺ بين ظهراني الحجر، ثم قام يصلي وقام الناس وراء ه فقام قياما طويلا ثم ركع ركوعا طويلا، ثم رفع فقام قياما طويلا وهو دون القيام الأوّل، ثم ركع ركوعا طويلا وهو دون الركوع الأوّل، ثم رفع فسجد، ثم رفع فقام قياما طويلا، وهو دون القيام الأوّل. ثم ركع ركوعا طويلا وهو دون الركوع الأول. ثم رفع فسجد ثم قام وهو دون القيام الأول، ثم ركع ركوعا طويلا وهو دون الركوع الأول. ثم رفع فسجد، وانصرف، فقال ما شاء الله أن يقول، ثم أمرهم أن يتعوذوا من عذاب القبر. [راجع: ۱۰۴۴]

پھر اس واقعہ کے بعد ایک روز ایک سواری پر سوار ہوئے اور سورج گرہن ہو گیا، آپ ضحیٰ کے وقت واپس تشریف لائے تو آپ گزرے **بين ظهراني الحجر**، حجروں کے پاس سے یعنی امہات المؤمنین کے جو حجرے تھے ان کے درمیان سے گزرے۔

ثم قام يصلي الخ آگے صلوٰۃ کسوف کا واقعہ بیان فرمایا اور اس میں آپ ﷺ نے یہ حکم بھی دیا کہ عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔

علماء کرام یہ فرماتے ہیں کہ **عائذا بالله من ذلك** سے فرما کر آپ ﷺ نے عذاب قبر کا اثبات فرمایا تھا۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس وقت تک آپ کو عذاب قبر ہونے کا علم باری تعالیٰ کی طرف سے نہیں عطا ہوا تھا، اس لئے آپ ﷺ نے یہودیہ کی تردید فرمائی، لیکن بعد میں آپ ﷺ کو علم عطا فرما دیا گیا، اس لئے آپ ﷺ نے خود عذاب قبر سے پناہ مانگی۔

اس دوسری بات کی تائید مسند احمدؒ کی ایک روایت سے ہوتی ہے جس میں یہودیہ کی جواب میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا منقول ہے کہ:

عن عائشة ثم أن يهودية كانت تخدمها فلا تصنع عائشة إليها شيئا من المعروف إلا قالت لها اليهودية وقاك الله عذاب القبر قالت فدخل رسول الله ﷺ على فقلت يا رسول الله هل للقبر عذاب قبل يوم القيٰمة قال لا. وأما ذاك قالت هذه اليهودية لا تصنع إليها من المعروف شيئا إلا قالت وقاك الله عذاب القبر قال كذبت زفر وهم على الله عزوجل كذب لا عذاب دون يوم القيٰمة قالت ثم مكث بعد ذاك ماشاء الله أن يمكث فخرج ذات يوم نصف النهار مشتملا بثوبه محمرة عيناه وهوينادى بأعلى صوته ايها الناس أظلتكم الفتن كقطع الليل المظلم ايهاالناس لو تعلمون ما اعلم لبكيتم كثيرا و

ضحکتم قلیلا أیها الناس استعیذوا باللہ من عذاب القبر فإن عذاب القبر حق [۹]

البتہ اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ **"النار یعرضون علیها غدوًا و عشیًا"** والی آیت مکہ میں نازل ہوچکی تھی، جس میں عذاب برزخ کا صریح تذکرہ ہے، پھر آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں یہودیہ کی تردید کیوں فرمائی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں فرعون اور کفار کا ذکر ہے، آپ ﷺ نے مؤحدین پر عذاب قبر کی تردید فرمائی تھی، بعد میں وحی سے معلوم ہوا کہ مؤحدین پر بھی عذاب قبر ہوسکتا ہے۔

(۹) باب صلاة الکسوف جماعة

سورج گرہن کی نماز باجماعت پڑھنے کا بیان

"وصلی لهم ابن عباس فی صفة زمزم . وجمع علی بن عبد اللہ بن عباس وصلی ابن عمر".

جمہور کے نزدیک صلاۃ کسوف سنت مؤکدہ ہے، بعض مشائخ حنفیہ اس کے وجوب کے قائل ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک صلاۃ کسوف اور عام نمازوں میں کوئی فرق نہیں، اور امام مالک نے اُسے جمعہ کا درجہ دیا ہے۔ [۱۰]

۱۰۵۲ - .... قال صلی اللہ علیہ وسلم : إنی رأیت الجنة فتناولت منها عنقودا ولو أصبته لأکلتم منه ما بقیت الدنیا.

یعنی میں نے جنت کے انگور کا ایک خوشہ لیا تھا، اگر میں اس کو لے لیتا تو تم اسے ساری عمر کھاتے جب تک دنیا باقی رہتی۔

(۱۰) باب صلاة النساء مع الرجال فی الکسوف

سورج گرہن میں مردوں کے ساتھ عورتوں کے نماز پڑھنے کا بیان

۱۰۵۳ - حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال : أخبرنا مالک ، عن هشام بن عروة ، عن

---

[۹] مسند أحمد ، رقم : ۲۳۵۶۴ ، ج:۶ ، ص:۸۱ ، مؤسسة قرطبة ، مصر .

[۱۰] أنها سنة ولیست بواجبة ، وهو الأصح . وقال بعض مشایخنا : إنها واجبة للأمر بها . ونص فی (الأسرار) علی وجوبها ، وصرح أبو عوانة أیضا بوجوبها ، وعن مالک أنه : أجراها مجری الجمعة . وقیل : إنها فرض کفایة واستبعد ذلک . عمدة القاری ، ج:۵ ، ص:۲۹۶ .

امرأته فاطمة بنت المنذر ، عن أسماء بنت أبي بكر أنها قالت : أتيت عائشة زوجة النبي صلى الله عليه وسلم حين خسفت الشمس فإذا الناس قيام يصلون وإذا هي قائمة تصلي . فقلت : مالناس ؟ فأشارت بيدها إلى السماء وقالت : سبحان الله ، فقلت : آية ؟ فأشارت أي نعم . قالت : فقمت حتى تجلاني الغشي فجعلت أصب فوق راسي الماء. فلما انصرف رسول الله ﷺ حمد الله وأثنى عليه ، ثم قال : ((ما من شئ كنت لم أراه إلا وقد رأيته في مقامي حتى الجنة والنار . ولقد أوحي إلي أنكم تفتنون في القبور مثل أو قريبا من فتنة الدجال ـــ لا أدري أيتهما قالت أسماء ـــ يؤتى أحدكم فيقال له : ما علمك بهذا الرجل ؟ فأما المؤمن أو الموقن ـــ لا أدري أي ذلك قالت أسماء ـــ فيقول : محمد رسول الله ﷺ جاء نا بالبينات والهدى . فأجبنا و آمنا واتبعنا . فيقال له : نم صالحا . فقد علمنا إن كنت لموقنا ، وأما المنافق أو المرتاب ـ لا أدري أيتهما قالت أسماء ـــ فيقول : لا أدري ، سمعت الناس يقولون شيئا فقلته)) . [راجع : ۸۶]

(۱۱) باب من أحب العتاقة في كسوف الشمس

کسوف شمس (سورج گرہن) میں غلام آزاد کرنے کو بہتر سمجھنا

۱۰۵۴ ـ حدثنا ربيع بن يحيى قال : حدثنا زائدة ، الهشام ، عن فاطمة ، عن أسماء قالت : لقد أمر النبي ﷺ بالعتاقة في كسوف الشمس . [راجع : ۸۶]

یہ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس آئی جبکہ آپ نماز پڑھ رہی تھیں۔

یہ نماز کسوف کا مسئلہ ہے کہ جب سورج گرہن ہو گیا تھا تو حضور اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام ؓ کو جمع کر کے مسجد نبوی میں نماز کسوف کی جماعت کرائی، ازواج مطہراتؓ اپنے اپنے حجروں میں جماعت کے ساتھ مل کر پڑھ رہی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے حجرے میں پڑھ رہی تھیں کہ اس دوران حضرت اسماءؓ بھی آ گئیں۔

فقلت : "ماشأن الناس" دیکھا کہ غیر وقت میں جماعت ہو رہی ہے، پہلے کبھی اس طرح جماعت نہیں ہوئی تھی، اس لئے حضرت اسماءؓ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ لوگوں کو یہ کیا ہو گیا ہے؟

"فأشارت إلى السماء" حضرت عائشہؓ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا کہ دیکھو آسمان میں یہ جو کچھ ہورہا ہے یہ اس کا سبب ہے **"فإذا الناس قيام"** دیکھا کہ لوگ جماعت میں کھڑے ہیں۔ **"فقالت سبحان الله"** تو حضرت عائشہؓ نے نماز کے دوران کہا **"سبحان الله"**۔

اس حدیث کی مزید تشریح انعام الباری، جلد۲ ،صفحہ ۵ا۱ میں گذر چکی ہے۔

۱۰۶۶ ـ وقال الأوزاعي وغيره : سمعت الزهري : عن عروة ، عن عائشة رضى الله عنها : أن الشمس خسفت على عهد رسول الله ﷺ فبعثا مناديا بـ : الصلاة جامعة . فتقدم فصلى أربع ركعات في ركعتين وأربع سجدات . قال الوليد : وأخبرني عبدالرحمن بن نمر : سمع ابن شهاب مثله . قال الزهري : فقلت : ما صنع أخوك ذلك عبدالله بن الزبير ، ما صلى إلا ركعتين مثل الصبح إذ صلى بالمدينة قال : أجل ، إنه أخطأ السنة . تابعه سليمان بن كثير وسفيان بن حسين عن الزهري في الجهر .[راجع: ۱۰۴۴]

انہوں نے کہا کہ **"أربع ركعات في ركعتين"** ، دو رکعتوں میں چار رکوع کریں گے تو انہوں نے کہا کہ آپ کے بھائی عبداللہ بن زبیرؓ نے دو رکعتیں صبح کی طرح ہی پڑھی تھیں جب انہوں نے مدینہ منورہ میں خسوف کی نماز پڑھی تھی۔

قال: أجل ، أنه أخطأ السنة ، انہوں نے کہا پڑھی تو تھیں لیکن انہوں نے سنت کے خلاف کیا تھا۔ بات وہی ہے کہ انہوں نے **"کا حدث الصلوة صليتموها"** ، والی روایت پر عمل کیا۔

حدیث میں فرمایا کہ **"إن الشمس والقمر آيتان من آيت الله"**۔ جب کبھی ایسا ہو تو **فصلوا وادعوا** ، اس میں آپ ﷺ نے سورج اور چاند دونوں کے لئے یہ بات فرمائی۔

حنفیہ کے ہاں خسوف قمر کے موقع پر جماعت مسنون نہیں ، فرادی پڑھنا ثابت ہے یعنی اکیلے پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا جو مقصد ہے یعنی تخویف ، اگر وقت سے پہلے حساب کے ذریعے اس کا وقت معلوم ہو جائے تو یہ اس تخویف کے منافی نہیں ہے۔ جتنی بھی چاند اور سورج کی گردشیں ہیں ان کا حساب مقرر ہے ، لیکن ان میں سے ہر چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی نشانی ہے۔ اور جو واقعہ زرا دقوراً بعد پیش آتا ہے وہ انسان کی تنبیہ کا زیادہ سبب بنتا ہے۔

ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ سورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہو جاتا ہے ، دیکھتے دیکھتے ہم اس کے عادی ہو گئے ہیں ، اب اس میں کوئی اچھنبے کی بات معلوم نہیں ہوتی۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کا اتنا استحضار نہیں ہوتا ، لیکن جب کوئی ایسا واقعہ پیش آتا ہے جو روزمرہ کے حالات سے ہٹ کر ہو تو انسان

اس سے زیادہ متاثر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا زیادہ استحضار ہوتا ہے اور انسان اس سے ڈرتا ہے۔

سوال: یہودیہ عذاب قبر سے واقف تھی اور حضرت عائشہؓ عذاب قبر سے ناواقف تھیں جو آپ ﷺ سے سوال کیا، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہودیہ کے پاس مدت سے پوری کتاب موجود تھی اس لئے وہ مدت سے اس سے واقف تھی اور اسلام کے احکامات رفتہ رفتہ آرہے تھے، کسی بات کا کسی کو علم ہوتا تھا کسی کو نہیں ہوتا تھا، اس لئے اگر یہودیہ کو علم تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو نہیں تھا تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔

١٧- كتاب سجود القرآن

رقم الحديث : ١٠٦٧ - ١٠٧٩

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۷ - کتاب سجود القرآن

(۱) باب ماجاء في سجود القرآن وسنتها

ان روایات کا بیان جو قرآن کے سجدوں اور اس کے سنت ہونے کے متعلق آئی ہیں

۱۰۶۷ - حدثنا محمد بن بشار قال: حدثنا غندر قال: حدثنا شعبة، عن أبي إسحاق قال: سمعت الأسود، عن عبدالله رضي الله عنه قال: قرأ النبي ﷺ النجم بمكة فسجد فيها وسجد من معه غير شيخ أخذ كفا من حصى أو تراب ورفعه إلى جبهته وقال: يكفيني هذا، فرأيته بعد ذلك قتل كافرا. [انظر: ۱۰۷۰، ۳۸۵۳، ۳۹۷۲، ۴۸۶۳] [۱]

تشریح

اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ **"قرأ النبي ﷺ النجم بمكة"** نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں سورۂ نجم کی تلاوت فرمائی **"فسجد فيها"** اور اس میں جو آخری آیت کریمہ جس میں سجدہ ہے اس میں سجدہ فرمایا **"وسجد من معه"** اور جتنے لوگ آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ان سب نے بھی سجدہ کرلیا، مسلمانوں نے تو حضور ﷺ کی اقتدا میں سجدہ کیا اس واسطے کہ آیت سجدہ کی تلاوت کی گئی تھی اور کافروں اور مشرکین نے بھی سجدہ کیا جو وہاں پر موجود تھے۔

انہوں نے اس لئے کیا کہ سورۃ النجم میں ان کے معبودان باطلہ کا ذکر آیا ہے، **"أفرأيتم اللات والعزى**

---

[۱] وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب سجود التلاوة، رقم: ۹۰۲، وسنن النسائي، كتاب الإفتتاح، باب السجود في والنجم، رقم: ۹۵۰، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من رأى فيها السجود، رقم: ۱۱۹۷، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن مسعود، رقم: ۳۳۹۹، ۳۶۱۳، ۳۹۵۱، ۴۰۱۳، ۴۱۷۳، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب السجود في النجم، رقم: ۱۴۲۹.

ومناۃ الثالثۃ الاخری" چونکہ اس میں بتوں کا نام آیا تھا اس واسطے انہوں نے ان بتوں کے نام پر سجدہ کیا، سجدہ ریز سب ہوئے لیکن مسلمان آیت سجدہ کی تلاوت کی وجہ سے اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوئے اور مشرکین اپنے بتوں کے خاطر سجدہ ریز ہوئے ۔"**غیر شیخ**" سوائے ایک بڑے میاں کے کہ انہوں نے "**جبھتہ اخذ کفا من حصی او تراب**" بجائے سجدہ کرنے کے ایک سنگ ریزوں کی مٹھی یا مٹی کی ایک مٹھی لی "**ورفعہ إلی جبھتہ**" اس کو اپنے جبھہ پر لگالیا۔" **وقال یکفینی ھذا**" اور کہا میرے لئے اتنا ہی کافی ہے "**فرایتہ بعد قتل کافرا**" بعض نے کہا کہ یہ امیہ بن خلف تھا، بعض نے کہا کہ ابوجہل تھا، بعض نے کہا کہ یہ ابولہب تھا، مختلف روایتیں ہیں، بہر حال جو بھی ہو اس نے یہ کام کیا، تو اس آیت سجدہ پر حضور ﷺ نے سجدہ فرمایا اور دوسروں نے اس طرح کیا، باقی اس میں جو دوسری روایتیں ہیں "**تلک الغرانیق العُلی**" وغیرہ آپ کی زبان پر جاری ہوگیا تھا اس وجہ سے مشرکین نے سجدہ کیا تو وہ روایت معتبر نہیں، معلول ہے، اگرچہ اس کے بعض اسانید کے رجال بھی ثقات ہیں لیکن وہ حدیث معلول ہے، لہٰذا اس پر بھروسہ نہیں۔

(۲) باب سجدۃ ﴿تنزیل﴾ السجدۃ

سورہ "آلم تنزیل" میں سجدہ کرنے کا بیان

۱۰۶۸ ـ حدثنا محمد بن یوسف قال: حدثنا سفیان، عن سعد بن إبراھیم، عن عبدالرحمٰن عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: کان النبی ﷺ قرأ فی الجمعۃ فی صلاۃ الفجر ﴿الٓمٓ تنزیل﴾ السجدۃ، و﴿ھل أتی علی الإنسان﴾ [راجع: ۸۹۱][۲]

(۳) باب سجدۃ صٓ

سورہ "صٓ" میں سجدہ کرنے کا بیان

۱۰۶۹ ـ حدثنا سلیمان بن حرب وأبو النعمان قالا: حدثنا حماد ـ ھو ابن زید ـ عن أیوب، عن عکرمۃ، عن ابن عباس رضی اللہ عنھما قال: ﴿صٓ﴾ لیس من عزائم

---

۲ قلت: الحکمۃ فی ذلک الإشارۃ إلی ما فی ھاتین السورتین من ذکر خلق آدم وأحوال یوم القیامۃ، والھا تقع یوم الجمعۃ، کذا ذکرہ العینی فی العمدۃ، ج:۵، ص:۳۸.

السجود . وقد رأيت النبی يسجد فيها . [انظر: ۳۴۲۲][۳]

سورۂ ص کے سجدہ میں اختلاف

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ اپنا خیال ظاہر فرمایا کہ سورۂ صٓ کا جو سجدہ ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، یہ عزائم السجود میں سے نہیں ہے یعنی سجدہ یہاں پر واجب نہیں ہے اگرچہ میں نے اس وقت نبی کریم ﷺ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا، یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا کہ سورۂ صٓ میں سجدہ نہیں ہے۔[۴]

حنفیہ کہتے ہیں کہ سورۂ صٓ میں سجدہ ہے اور حنفیہ استدلال حضور ﷺ کے عمل اور آپ ﷺ کے ارشاد **"سجدها داؤد توبة ونسجدها شكرا"** سے فرماتے ہیں۔ داؤد علیہ السلام نے توبہ کیلئے سجدہ کیا تھا اور ہم شکر کے طور پر سجدہ کرتے ہیں، تو آپ ﷺ کا سجدہ کرنا بھی ثابت اور مسلمانوں کو اس کی تاکید کرنا بھی ثابت ہے، لہٰذا اس سجدہ میں اور دوسرے سجدہ میں کوئی فرق نہیں۔[۵]

---

۳ وفي سنن الترمذي ، كتاب الجمعة عن رسول الله ، باب ماجاء في السجدة في ص ، رقم : ۵۲۲ ، وسنن النسائي، كتاب الإفتتاح ، باب سجود القرآن السجود في ص ، رقم : ۹۴۸ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب السجود في ص رقم : ۱۲۰۰ ، ومسند أحمد ، ومن مسند بني هاشم ، باب بداية مسند عبد الله بن العباس ، رقم : ۲۲۹۰ ، ۳۲۱۳ ، ۳۲۵۹ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصلاة ، باب السجود في ص ، رقم : ۱۴۳۱ .

۴ فعند الشافعي ليست من العزائم وإنما هي سجدة شكر تستحب في غير الصلاة وتحرم فيها في الأصح ، وهذا هو المنصوص عنده ، وبه قطع جمهور الشافعية ، عمدة القاري ، ج:۵ ، ص: ۳۳۶ ، والمجموع ، ج:۴ ، ص: ۶۷ .

۵ وعند أبي حنيفة وأصحابه هي من العزائم وبه قال ابن شريح و أبو إسحاق المروزي ، وهو قول مالك أيضا . وعن أحمد كالمذهبين والمشهور منهما كقول الشافعي ..... ولابن عباس حديث آخر في سجوده في ص أخرجه النسائي من رواية عمر بن أبي ذر عن أبيه عن سعيد بن جبير عن ابن عباس أن النبي ﷺ سجد في ص فقال : سجدها داؤد علیہ السلام توبة ونسجدها شكرا . وله حديث آخر أخرجه البخاري على ما يأتي ، والنسائي أيضا في الكبير في التفسير عن عتبة بن عبد الله عن سفيان ولفظه : رأيت النبي ﷺ يسجد في ص ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ [الأنعام : ۹۰]. قلنا : هذا كله حجة لنا والعمل بفعل النبي ﷺ أولى من العمل بقول ابن عباس ، وكونها توبة لا ينافي كونها عزيمة ، عمدة القاري ، ج:۵ ، ص: ۳۳۶ ، والمبسوط للسرخسي ، ج:۲ ، ص: ۲ ، والنسائي ، ج:۲ ، ص: ۱۵۹ ، رقم ۹۵۷ ، مكتب المطبوعات الإسلامية ، حلب .

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے اجتہاد سے یہ سمجھا کہ آپ نے جو فرمایا **نسجدها شكرا.** اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں اختیار ہے چاہے کریں چاہے نہ کریں۔ حنفیہ کا کہنا یہ ہے کہ حدیث مرفوع: "**سجدها داؤد توبة ونسجدها شكرا**" یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ہے اور حضور ﷺ کا عمل احق بالاتباع ہے۔

اس لئے کہ بخاری میں حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا "**أفي ص سجدة ؟ فقال : نعم ، ثم تلا ﴿ووهبنا﴾ إلى قوله : ﴿فبهداهم اقتده﴾ .... فقال نبيكم ممن أمر أن يقتدى به.**"[۱]

(۴) باب سجدة النجم

سورہ "نجم" میں سجدہ کرنے کا بیان

قاله ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي ﷺ .

۱۰۷۰ - حدثنا حفص بن عمر قال : حدثنا شعبة ، عن أبي إسحاق ، عن الأسود ، عن عبدالله رضي الله عنه : أن النبي ﷺ قرأ سورة النجم فسجد بها ، فما بقي أحد من القوم إلا سجد ، فأخذ رجل من القوم كفا من حصى أو تراب فرفعه إلى وجهه وقال : يكفيني هذا ، قال عبدالله : فلقد رأيته بعد قتل كافرا . [راجع : ۱۰۶۷]

اس حدیث کو دوبارہ امام مالک رحمہ اللہ کا رد کرنے کے لئے لائے ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کی طرف یہ قول منسوب ہے کہ ان کے نزدیک مفصل میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔ مفصل کے معنی سورۂ ق سے لے کر آخر قرآن تک کا جو حصہ ہے اس میں امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ کوئی سجدہ نہیں ہے گویا کہ سورۂ نجم، سورۂ انشقاق، اور سورۂ اقرأ کے سجدہ کے بھی قائل نہیں۔ تو ان کی تردید کیلئے حدیث دوبارہ لائے ہیں کہ دیکھو حضور ﷺ نے سورۂ نجم میں سجدہ کیا۔[۲]

---

[۱] صحيح البخاري ، كتاب التفسير ، باب قوله : ﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ﴾ ، رقم : ۴۶۳۲ .

[۲] فتح الباري ، ج : ۲ ، ص : ۵۵۵ .

(۵) باب سجود المسلمين مع المشركين .
والمشرك نجس ليس له وضوء ،

مسلمانوں کا مشرکوں کے ساتھ سجدہ کرنے کا بیان
اور مشرک ناپاک ہے اس کا وضو نہیں ہوتا

وكان ابن عمر رضي الله عنهما يسجد على غير وضوء .

۱۰۷۱ - حدثنا مسدد قال : حدثنا عبدالوارث قال ، حدثنا أيوب ، عن عكرمة ، عن ابن عباس رضي الله عنهما : أن النبي ﷺ سجد بالنجم ، وسجد معه المسلمون والمشركون ، والجن والإنس . ورواه إبراهيم بن طهمان عن أيوب . [انظر : ۴۸۶۲][۸]

مقصود بخاری

اس ترجمۃ الباب میں دو باتیں بیان کرنا مقصود ہے:

ایک تو یہ کہ اگر مسلمانوں کے ساتھ مشرک بھی سجدے میں شریک ہو جائیں تو اس سے مسلمانوں کے سجدے پر کوئی اثر نہیں پڑتا جیسا کہ سورۂ نجم کے موقع پر ہوا۔

دوسرا مسئلہ جس کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ آیا سجدۂ تلاوت کے لئے طہارت شرط ہے کہ نہیں، بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

امام شعبی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت جائز ہے۔

اور یہی قول ابن جریر طبری کی طرف بھی منسوب ہے۔

اور اس ترجمۃ الباب کی وجہ سے بعض حضرات نے امام بخاریؒ کی طرف بھی اس کی نسبت کی ہے کہ وہ بھی بغیر وضوء کے سجدۂ تلاوت کے جواز کے قائل ہیں۔ تو ترجمۃ الباب میں امام بخاریؒ کے مذہب کی صراحت تو نہیں، لیکن احتمال ضرور ہے کہ شاید امام بخاریؒ اس مذہب کے قائل ہوں۔[۹]

---

۸ وفي سنن الترمذي ، كتاب الجمعة عن رسول الله ، باب ماجاء في السجدة في النجم ، رقم : ۵۲۳.

۹ عمدة القاري ، ج:۵ ، ص:۳۳۸.

آگے فرمایا کہ: **والمشرک نجس لیس له وضوء.**

یہ ان لوگوں کا استدلال ذکر کر رہے ہیں جو سجدۂ تلاوت کے لئے وضو کے شرط ہونے کے قائل نہیں کہ مشرکین نے سورۂ نجم کے موقع پر سجدہ کیا اور مشرکین کے بارے میں قرآن نے کہا کہ: **انما المشرکون نجس** ۔ وہ تو خود سراپا نجس ہیں " **لا وضوء لهم** " وہ اگر وضو کر بھی لیں تو معتبر نہیں، تو ان کا سجدہ بغیر وضوء کے ہوا۔

اس سے استدلال بڑا ہی عجیب وغریب ہے کہ مشرکین نے اگر بغیر وضو کے سجدہ کیا تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ مسلمان بھی بغیر وضو کے سجدہ کر سکتا ہے۔ مشرکین نے جو سجدہ کیا تھا وہ نہ شرعاً معتبر تھا اور نہ ان کے کسی قول وفعل سے استدلال کسی مسلمان کے لئے جائز ہے۔ تو اس واسطے اس کو بطور دلیل پیش کرنا بڑی ہی عجیب وغریب بات ہے۔

آگے فرمایا:

" **وکان ابن عمر رضی اللّٰه عنهما یسجد علی غیر وضوء** "۔ اس میں دو نسخے ہیں:

ایک میں ہے " **یسجد علی غیر وضوء** " اور دوسرے میں ہے " **یسجد علی وضوء** " **غیر** کا لفظ نہیں تو " **علی وضوء** " ہوا۔ تو پھر اشکال کی کوئی بات ہی نہیں لیکن جس نسخے میں لفظ **غیر** ہے یعنی " **علی غیر وضوء** " اس کی تائید بعض روایات سے بھی ہوتی ہے جس میں عبداللہ بن عمرؓ کا یہ فعل نقل کیا ہے کہ وہ سفر میں جا رہے تھے، کہیں اتر کر انہوں نے پیشاب کیا، پیشاب کر کے پھر روانہ ہوئے اور تلاوت کرتے رہے، یہاں تک کہ آیت سجدہ آگئی تو اسی حالت میں سجدہ بھی کر لیا، عبداللہ بن عمرؓ کا مسلک اس سے معلوم ہوتا ہے۔[10]

لیکن اس کے معارض بیہقی کی ایک روایت ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول منقول ہے کہ " **لا یسجد الرجل إلا وهو طاهر** "۔[11]

بعض لوگوں نے دونوں میں تطبیق یوں دی ہے کہ جس روایت میں ہے کہ طہارت کے بغیر سجدہ کو جائز نہیں سمجھتے تھے اس سے مراد طہارت کبریٰ یعنی طہارت بالحدث الاکبر ہے اور جہاں یہ ہے کہ بغیر وضو کے سجدہ کر لیا، وہاں یہ ہے کہ حدث اصغر کی حالت میں جائز سمجھتے تھے۔

لیکن جمہور فقہاء کا مذہب یہی ہے کہ وضو ضروری ہے اور ان کا استدلال " **لا تقبل صلوة بغیر طهور** "

---

[10] وکان ابن عمر ینزل عن راحلته فیهریق الماء ثم یرکب فیقرأ السجدة فیسجد وما یتوضأ، مصنف ابن ابی شیبة، رقم: ۴۳۲۲، ج: ۱، ص: ۳۷۵۔

[11] سنن البیهقی الکبری، رقم: ۴۳۱، ج: ۱، ص: ۹۰، مکتبة دار الباز، وعمدة القاری، ج: ۵، ص: ۳۳۸۔

سے ہے اور کہتے ہیں کہ صلوٰۃ کا اطلاق سجدے پر بھی ہوتا ہے **"وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل الغروب"**. **"ومن اللیل فاسجد لہ"** تو سجدہ سے مراد نماز ہے اور سجدہ نماز کے اعظم ارکان میں سے ہے، لہٰذا جو احکام نماز کے ہیں وہ اس کے اوپر بھی عائد ہوں گے۔

(۶) باب من قرأ السجدة ولم يسجد

اس کا بیان جو سجدہ کی آیت پڑھے اور سجدہ نہ کرے

۱۰۷۲ ـ حدثنا سليمان بن داؤد أبوالربيع قال: حدثنا إسماعيل بن جعفر قال: حدثنا يزيد بن خصيفة، عن ابن قسيط، عن عطاء بن يسار أنه أخبره: أنه سأل زيد ابن ثابت ﷺ فزعم أنه قرأ على النبى ﷺ ﴿والنجم﴾ فلم يسجد فيها. [انظر: ۱۰۷۳] [۱۲]

۱۰۷۳ ـ حدثنا آدم بن أبي إياس قال: حدثنا ابن أبي ذئب قال: حدثنا يزيد بن عبدالله بن قسيط، عن عطاء بن يسار، عن زيد بن ثابت قال، قرأت على النبى ﷺ ﴿والنجم﴾ فلم يسجد فيها. [انظر: ۱۰۷۲]

سجدۂ تلاوت کی شرعی حیثیت

حضور ﷺ کے سامنے حضرت زید بن ثابتؓ نے سورۂ نجم تلاوت کی تو آپ نے سجدہ نہیں کیا۔ اس سے امام مالک رحمہ اللہ اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ مفصل میں سجدہ نہیں، جس کی تردید پیچھے آگئی ہے۔

شوافع کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ اس بات پر استدلال کرتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، بلکہ سنت ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص سجدۂ تلاوت ترک کردے تو ترک واجب کا گناہ اس پر نہیں ہوگا۔

---

۱۲ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد و مواضع الصلاة، باب سجود التلاوة، رقم: ۹۰۳، وسنن الترمذي، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب باب ماجاء من لم يسجد فيه، رقم: ۵۲۵، وسنن النسائي، كتاب الإفتتاح، باب ترک السجود في النجم، رقم: ۹۵۱، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب من لم ير السجود في المفصل، رقم: ۱۱۹۲، ومسند أحمد، مسند الأنصار، باب حديث زيد بن ثابت عن النبي، رقم: ۲۰۲۰۹، ۲۰۶۳۶.

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ سجود قرآن واجب ہے۔

اور حدیث باب کا جواب یہ ہے کہ **لم یسجد فیھا** کے معنی یہ ہے کہ **لم یسجد فیھا علی الفور**، چونکہ سجدۂ تلاوت علی الفور واجب نہیں ہوتا کسی وقت بھی آدمی سجدہ کرلے تو ادا ہو جائے گا اور جتنے دلائل شافعیہ وغیرہ نے سجدۂ تلاوت کے واجب نہ ہونے پر پیش کئے ہیں ان میں بیشتر وہ ہیں جن میں یہ کہا گیا کہ حضور ﷺ نے سجدہ نہیں کیا، فلاں آیت تلاوت کی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سجدہ نہیں کیا، فلاں صحابی نے نہیں کیا۔

حنفیہ کی طرف سے جواب

ان سب کا مشترک جواب حنفیہ کی طرف سے یہ ہے کہ **"لم یسجد فیھا"** کا مطلب یہ ہے کہ **"لم یسجد فیھا علی الفور"**، اور وجوب کی دلیل یہ ہے کہ جہاں جہاں آیت سجدہ ہے وہاں یا تو صیغہ امر کا ہے جیسے سورۂ اقرأ کے آخر میں، اور سورۂ نجم کے آخر میں انبیاء علیہم السلام کا عمل مذکور ہے کہ انہوں نے سجدہ کیا، اور انبیاء علیہم السلام کے عمل کے بارے میں قرآن نے فرمایا **"وبھدا ھم اقتدہ"**، ان کی اقتدا واجب ہے، نیز سجدہ نہ کرنے والوں پر وعید ہے تو اس وعید سے بچنا بھی واجب ہے، اس واسطے حنفیہ واجب کہتے ہیں۔[۱۳]

سوال: سورہ ص کا سجدہ **"فغفرنا لہ ذلک"** کی آیت کے اختتام پر ہے یا اس سے قبل والی آیت کے اختتام پر۔

دوسرا سوال: یہ ہے کہ سجدہ صرف لفظ سجدہ یعنی اس کے مشتقات یا ہم معانی الفاظ پڑھنے سے واجب

---

[۱۳] واجاب الطحاوی عن ذلک فقال: لیس فی الحدیث دلیل علی أن لا سجود فیھا لأنہ قد یحتمل أن یکون ترک النبی ﷺ السجود فیھا حینئذ لأنہ کان علی غیر وضوء فلم یسجد لذلک، ویحتمل أن یکون ترکہ لأنہ کان وقتا لا یحل فیہ السجود، ویحتمل أن یکون ترکہ لأن الحکم عندہ بالخیار إن شاء سجد وإن شاء ترک، ویحتمل أن یکون ترکہ لأنہ لا سجود فیھا، فلما احتمل لا ترکہ السجود ھذہ الإحتمالات یحتاج إلی شئی آخر من الأحادیث نلتمس فیہ حکم ھذہ السورۃ، ھل فیھا سجود أم لا؟ فوجدنا فیھا حدیث عبد اللہ بن مسعود الذی مضی فیما قبل فیہ تحقیق السجود فیھا، فالأخذ بھذا أولی، وکان ترکہ فی حدیث زید لمعنی من المعانی التی ذکرنا. وأجیب أیضا بأنہ ﷺ لم یسجد علی الفور، ولا یلزم منہ أن لا یکون فیہ سجدۃ، ولا فیہ نفی الوجوب، عمدۃ القاری، ج:۵، ص: ۳۵۵، وشرح معانی الآثار، باب المفصل ھل فیہ سجود أم لا، ج: ۱، ص: ۳۵۲.

ہوتا ہے یا پوری آیت سجدہ پڑھنے سے؟

جواب یہ ہے کہ یہ دونوں مسئلے مختلف فیہ ہیں۔

ایک مسئلہ یہ کہ سورۂ صٓ کی آیت سجدہ کہاں پوری ہوتی ہے اور یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے کہ اگر کوئی شخص آیت سجدہ کا وہ حصہ جو سجدے سے متعلق ہے وہ پڑھ لے آگے پیچھے کے الفاظ چھوڑ دے تو سجدہ واجب ہوگا یا نہیں ہوگا؟

دونوں معاملات میں محتاط قول یہ ہے کہ سورۂ صٓ کا سجدہ آیت **"فغفرنا له ذلک وان له عندنا لزلفى وحسن مآب"** کے اختتام پر آیت سجدہ پوری ہوتی ہے، لہٰذا جب تراویح میں تلاوت کر رہے ہوں تو یہاں پر رکوع یا سجدہ کرنا چاہئے محتاط یہی ہے۔[۱۴]

اور دوسرے مسئلہ میں محتاط طریقہ یہ ہے کہ اگرچہ پوری آیت تلاوت نہ کی ہو، لیکن صرف اتنا حصہ تلاوت کر لیا جو سجدے سے متعلق ہے تو اس پر بھی سجدہ کر لینا چاہئے، دونوں میں محتاط طریقہ کار یہ ہے۔

(۷) باب سجدة: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾

سورۂ "اذا السّماء انشقّت" میں سجدہ کرنے کا بیان

۱۰۷۴ ـ حدثنا مسلم بن إبراهيم ومعاذ بن فضالة قالا: أخبرنا هشام، عن يحيى، عن أبي سلمة قال: رأيت أبا هريرة قرأ ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ فسجد بها. فقلت: يا أبا هريرة، ألم أرك تسجد؟ قال: لو لم أر النبي ﷺ سجد لم أسجد.[۱۵]

---

[۱۴] وذكر أبو يوسف في "الأمالي": وإذا قرأ آية السجدة في الصلاة فإن شاء ركع لها، وإن شاء سجدلها يعني إن شاء أقام ركوع الصلاة مقامها، وإن شاء سجد لها، ذكر هذا التفسير أبو يوسف في الإملاء عن أبي حنيفة ثم أخذوا بالقياس لقوة دليله، وذلك لما روا عن ابن مسعود، وعبد الله بن عمر رضي الله عنهم أنهما كانا أجازا أن يركع عن السجود في الصلاة، ولم يرو عن غيرهما خلاف ذلك، فكان بمنزلة الإجماع. إعلاء السنن، ج:۷، ص:۲۵۲.

[۱۵] وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب سجود التلاوة، رقم: ۹۰۸، وسنن الترمذي، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء في السجدة في إقرأ باسم ربك الذي خلق، رقم: ۵۲۳، وسنن النسائي، كتاب الإفتتاح، باب السجود في إذا السماء انشقت، رقم: ۹۵۲، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب السجود في إذا السماء انشقت و إقرأ، رقم: ۱۱۹۹، وسنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب عدد سجود القرآن، رقم: ۱۰۴۸، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۸۴۳، ۷۰۸۹، ۸۹۸۰، ۹۲۲۳، ۹۳۲۷، ۹۳۵۴، ۹۴۹۹، ۹۵۳۵، ۹۶۳۷، وموطا مالک، كتاب النداء للصلاة، باب ماجاء في سجود القرآن، رقم: ۴۲۹، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب السجود في إذا السماء انشقت، رقم: ۱۴۳۲.

حضرت ابوسلمہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوہریرہؓ کو دیکھا کہ انہوں نے سورۃ "إذا السماء انشقت" تلاوت کی "**فسجد بها**" اور اس میں سجدہ کیا "**فقلت یا ابا ھریرۃ الم أرک تسجد**" میں نے ابوہریرہؓ سے کہا کہ کیا میں نے نہیں دیکھا تھا کہ آپ یہاں پر سجدہ کر رہے تھے یعنی "**إذا السماء انشقت**" میں، تو انہوں نے کہا کہ "**لو لم أر النبی ﷺ سجد لم أسجد**" اگر میں نے حضور ﷺ کو سجدہ کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں سجدہ نہ کرتا، حضرت ابوسلمہؒ نے جو سوال کیا وہ گویا اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ سورۃ "**إذا السماء انشقت**" میں سجدہ کرنے کا حکم بہت سے لوگوں کو معلوم نہیں تھا، اس واسطے انہیں تعجب ہوا کہ حضرت ابوہریرہؓ یہاں پر سجدہ کر رہے ہیں، لیکن حضرت ابوہریرۃؓ نے حضور ﷺ کی طرف نسبت کی کہ میں نے آپ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، تو اس سے سجدہ ثابت ہو گیا۔

(۸) باب من سجد لسجود القارئ

قاری کے سجدہ پر سجدہ کرنے کا بیان

اس باب میں فرمایا کہ جو شخص قاری کے سجدہ کرنے کے بعد سجدہ کرے "**لسجود القاری**" یعنی قاری کے سجدہ کے وقت، لام وقتیہ ہے۔

"**وقال ابن مسعود لتميم بن حذلم وهو غلام فقرأ عليه سجدة فقال: أسجد فإنک إمامنا فيها**".

وقال ابن مسعود لتميم بن حذلم ۔عبداللہ بن مسعودؓ نے تمیم ابن حذلم سے کہا اور وہ نو عمر لڑکے تھے۔ تمیم بن حذلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے سامنے آیت سجدہ تلاوت کی "**فقال اسجد**" تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا تم سجدہ کرو۔ "**فإنک إمامنا فيها**"۔ اس لئے کہ تم اس معاملہ میں ہمارے امام ہو۔ کیا معنی؟ کہ جو آیت سجدہ تلاوت کر رہا ہو تو مسنون یہ ہے کہ پہلے وہ سجدہ کرے پھر سامع سجدہ کرے، جیسا کہ نماز میں امام مثلاً رکوع پہلے ادا کرتا ہے اور مقتدی اس کے پیچھے ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح تلاوت میں بہتر یہ ہے کہ جو قاری ہے وہ پہلے سجدہ کرے، وہ اس معاملے میں امام ہوگا، اور سامع اس کے بعد سجدہ کرے۔

۱۰۷۵ ۔ حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيىٰ: عن عبيدالله قال: حدثني نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كان النبي ﷺ يقرأ علينا السورة فيها السجدة فيسجد ونسجد حتى ما يجد أحدنا موضع جبهته. [انظر: ۱۰۷۶، ۱۰۷۹]

(۹) باب ازدحام الناس إذا قرأ الإمام السجدة

امام کے سجدہ کی آیت پڑھتے وقت لوگوں کے ازدحام کرنے کا بیان

۱۰۷۶ ۔ حدثنا بشر بن آدم قال : حدثنا علي بن مسهر قال : أخبرنا عبيدالله عن نافع ، عن ابن عمر قال : كان النبي ﷺ يقرأ السجدة ونحن عنده فيسجد ونسجد معه فنزدحم حتى مايجد أحدنا لجبهته موضعا يسجد عليه. [راجع: ۱۰۷۵]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ ہمارے اوپر بعض اوقات سورت تلاوت کرتے تھے جس میں سجدہ ہوتا تھا، "**فیسجد**" آپ سجدہ فرماتے تو ہم بھی سجدہ کرتے تھے "**حتی مایجد أحدنا موضع جبهته**" سجدہ کرنے میں اتنا رش ہوجاتا تھا کہ بعض اوقات پیشانی ٹیکنے کی جگہ نہیں ملتی تھی، تو کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ تلاوت کے دوران پہلے حضور ﷺ سجدہ فرماتے پھر باقی لوگ سجدہ فرماتے۔

(۱۰) باب من رأى أن الله عزوجل لم يوجب السجود

ان لوگوں کا بیان جو اس کے قائل کہ اللہ جل جلالہ نے سجدہ واجب نہیں کیا

وقيل لعمران بن حصين : الرجل يسمع السجدة ولم يجلس لها ؟ قال : أرأيت لو قعد لها ؟ كأنه لا يوجبه عليه . وقال سلمان : ما لهذا غدونا . وقال عثمان رضي الله عنه : إنما السجدة على من استمعها . وقال الزهري : لايسجد إلا أن يكون طاهرا . فإذا سجدت وأنت في حضر فاستقبل القبلة ، فإن كنت راكبا فلا عليك حيث كان وجهك . وكان السائب بن يزيد لا يسجد لسجود القاص .

سجدہ تلاوت کے عدم وجوب پر امام شافعیؒ کی دلیل

یہ باب امام شافعی رحمہ اللہ کی تائید کے لئے قائم کیا کہ "**باب من رأى أن الله عزوجل لم يوجب السجود**"۔ ان لوگوں کا مسلک جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سجدۂ تلاوت واجب نہیں کیا، جیسے امام شافعیؒ کا قول ہے، اس کے دلائل بھی جمع کئے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال

کہتے ہیں "**وقیل لعمران بن حصین : الرجل یسمع السجدة ولم یجلس لها ؟**" "ایک شخص نے حضرت عمران بن حصین سے سوال کیا کہ اس شخص کا حکم بتایئے جو آیت سجدہ کی تلاوت سنے جبکہ "**لم یجلس لها**" اس کام کیلئے نہ بیٹھا ہو۔ یعنی کہنا یہ ہے کہ ایک شخص کسی مجلس میں قصد کے بغیر شریک ہوگیا، مجلس میں ایک قاری صاحب بیٹھے تلاوت کر رہے تھے، اب کوئی آدمی اپنے کسی مقصد سے وہاں پر آیا یہ مقصد نہیں تھا کہ اس قاری صاحب کی تلاوت سنوں گا، لیکن کسی اور مقصد سے آیا اور قاری صاحب نے آیت سجدہ تلاوت کر لی اور اس نے بغیر قصد کے سن لیا تو اس پر سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟ عمران بن حصین سے کسی نے سوال کیا کہ "**الرجل یسمع السجدة**" ایک آدمی سجدہ سن لیتا ہے "**ولم یجلس لها**" اور اس مقصد کے لئے بیٹھا نہیں تھا کہ تلاوت سنے گا، اس کا کیا حکم ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا "**أرأیت لو قعد لها**" انہوں نے کہا کہ تم تو کہتے ہو کہ اس کام کے لئے بیٹھا نہیں تھا، مجھے یہ بتاؤ کہ اگر اس کام کے لئے بیٹھا ہوتا یعنی اس کام کے لئے آیا ہوتا کہ میں اس قاری کی تلاوت سنوں گا اور باقاعدہ قصد کر کے آیت سجدہ سنتا، تو اس وقت بھی سجدہ واجب نہ ہوتا، تو جب اس مقصد کے لئے نہیں بیٹھا تو بطریق اولیٰ واجب نہیں، یہ مقصد ہے۔ تو جواب میں کہا "**ارأیت لو قعد لها ارأیت أی أخبر نی لو قعد لها یعنی لو قعد لها بقصد سماع التلاوة ما کان علیها یجب السجود التلاوة فکیف إذا لم یجلس لهذا الغرض**"، "**أرأیت لو قعد لها**" کا یہ مطلب ہے، "**کأنه لا یوجبه علیه**" گویا حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سجدے کو کسی ایسے سننے والے پر واجب نہیں کر رہے تھے، یہ امام شافعیؒ کا استدلال ہے۔

حنفیہ کی طرف سے جواب

حنفیہ کہتے ہیں کہ بھائی عمران بن حصینؓ کے اس ارشاد کو نفی وجوب کے معنی میں لینے کے لئے کتنے لمبے چوڑے محذوفات نکالنے پڑے اور اتنی تفصیل کرنی پڑی تو ہم اس کی تشریح دوسری طرح کر دیں تو کیا مضائقہ؟

وہ تشریح یہ ہے کہ سوال کرنے والے نے یہ سوال کیا تھا کہ اگر کوئی قاری صاحب بیٹھے تلاوت کر رہے ہوں تو کیا دوسرے شخص پر واجب ہے کہ وہاں پر بیٹھے، تو کہتے ہیں کہ "**الرجل یسمع السجدة ولم یجلس لها**"، ایک آدمی سجدہ سن رہا ہے مگر چلا جا رہا ہے بیٹھتا نہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس سوال کرنے والے نے یہ پوچھا، تو جواب میں حضرت عمران بن حصینؓ نے فرمایا کہ "**أریت لو قعد لها**" کہ بھئی! یہ بتاؤ کہ اگر بیٹھ

جاتا تو کیا فرق پڑتا؟ سامع دونوں صورتوں میں تھا بیٹھ جاتا یا نہ بیٹھتا ۔ تو بیٹھنے نہ بیٹھنے سے سجدے کے وجوب اور عدم وجوب پر کوئی فرق نہیں پڑتا، تو یہ معنی بھی لے سکتے ہیں ۔ اس لئے یہ اثر امام شافعیؒ کے مسلک کے اوپر صریح نہیں اور اگر ہو تو زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ عمران بن حصینؓ کا اپنا مذہب یہ تھا ۔ [۱۶]

اور دوسرے دلائل وجوب کے اوپر موجود ہیں ۔ " **وقال سلمان ما لهذا غدونا** " یہ ایک اور تفصیلی روایت کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو کسی کام کے لئے کوئی آدمی لے گیا تھا، دیکھا کہ ایک واعظ وعظ فرما رہے ہیں اور آیت سجدہ بھی تلاوت فرما رہے تھے تو کسی نے کہا کہ یہاں پر بیٹھ جایئے ان کی تلاوت سنئے اور اس مجلس میں شریک ہو جایئے ۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا " **مالهذا غدونا** " ہم اس کام کے لئے نہیں آئے، ہم کسی اور مقصد سے آئے ہیں ۔ بعض حضرات نے اس کو اس پر محمول کیا کہ چونکہ ہم تلاوت کے مقصد کے لئے نہیں آئے، لہٰذا اگر تلاوت سجدہ ہو بھی گئی تو ہم پر سجدہ واجب نہیں، حالانکہ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ چونکہ اس وقت ہم دوسرے کام سے نکلے ہوئے ہیں، لہٰذا اس وقت ہم کو سجدہ کرنے کی اتنی ضرورت نہیں ہے، بعد میں کرلیں گے ۔ لہٰذا یہ بھی صریح نہیں ۔

وقال عثمان رضی الله عنه : إنما السجدة علی من استمعها ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا کہ سجدہ اس پر واجب ہوتا ہے جو استماع کرے، یعنی جان بوجھ کر قصداً سنے ۔ اگر ویسے ہی آیت کان میں پڑ گئی تو واجب نہیں ۔ یہ حضرت عثمان ﷛ کا ارشاد ہے ان کا مذہب یہ تھا ۔

امام مالک رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر قصداً سنے گا تو سجدہ واجب ہوگا اور اگر بلا قصد کان میں پڑ جائے تو سجدہ واجب نہیں، لیکن اگر بالقصد سن رہا ہے تو حضرت عثمان ﷛ بھی لفظ استعمال کر رہے ہیں " **علی من استمعها** " اور " **علی** " کا لفظ وجوب پر دلالت کرتا ہے ۔ [۱۷]

آگے فرمایا: " **وقال الزهري لايسجد إلا أن يكون طاهرا** " زہریؒ کہتے ہیں کہ سجدہ نہیں

---

[۱۶] وعند أصحابنا: يجب على القارئ والسامع جميعا ، ولا يسقط عن أحدهما بترك الآخر ، ومذهب أبي حنيفة : وجوبه على السامع والمستمع و القارئ ، وروى ابن أبي شيبة في (مصنفه) عن ابن عمر أنه قال : السجدة على من سمعها . ومن تعليقات البخاري قال عثمان : إنما السجود على من استمع ، عمدة القاري ، ج:۵ ، ص:۳۵۵ ، ومصنف ابن أبي شيبة (۲۰۷) من قال السجدة على من جلس لها ومن سمعها ، رقم : ۴۲۲۵ ، ج:۱ ، ص:۳۶۸.

[۱۷] استدل به البيهقي وغيره على أن السامع لا يسجد مالم يكن مستمعاً ، قال : وهو أصح الوجهين ، واختاره إمام الحرمين ، وهو قول المالكية والحنابلة . عمدة القاري ، ج:۵ ، ص:۳۵۵.

کرے گا مگر طہارت کی حالت میں "**فاذا سجدت وانت فی حضر**" اگر حضر میں ہو تو "**فاستقبل القبلة**" قبلہ کا استقبال کرو اور اس کی طرف سجدہ کرو "**فان کنت راکبا فلا علیک حیث کان وجھک**" تو تمہارا کچھ حرج نہیں، جس طرف بھی تمہارا منہ ہو، سجدہ کر سکتے ہو۔

اس کا حاصل یہ ہوا کہ طہارت شرط ہے البتہ استقبال قبلہ حالت سفر میں فوت ہو سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس باب میں لانے کا منشأ یہ ہے کہ امام زہریؒ نے دابہ پر بغیر استقبال قبلہ کے سجدہ تلاوت کی اجازت دی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں، کیوں کہ دابہ پر بغیر استقبال قبلہ کے کسی کے نزدیک فرض نماز ادا نہیں ہوتی، نوافل اور سنن ادا ہو جاتے ہیں۔ تو جب سجدہ تلاوت کو انہوں نے بغیر استقبال قبلہ کے دابہ پر جائز قرار دیا تو معنی یہ ہوئے کہ وہ اس کو واجب نہیں سمجھتے، اگر واجب سمجھتے تو دابہ پر جائز نہ کہتے۔ تو ٹھیک ہے امام زہریؒ کا مذہب یہی تھا، لیکن امام زہریؒ کا مذہب امام ابو حنیفہؒ کے اوپر حجت نہیں۔ [۱۸]

"**وکان السائب بن یزید لا یسجد لسجود القاص**" سائب بن یزید واعظ کے سجدہ کرنے پر سجدہ نہیں کرتے تھے۔ **قاص** کے معنی واعظ۔ اصل میں **قاص** کے معنی ہوتے ہیں قصہ کہنے والا لیکن یہ لفظ بکثرت واعظوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، کیونکہ ماشاء اللہ واعظوں کے پاس قصوں کا خزانہ ہوتا ہے تو ان کا وعظ قصوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے، اس واسطے واعظ کو **قاص** کہتے ہیں اور **قص یقص** (نصر) معنی میں وعظ کرنے کے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے "**لا یقص إلا امیر او مامور أو مختال**" تو کہتے ہیں **قاص** یعنی واعظ جب سجدہ کرتا ہے تو سائب بن یزید اس کے سجدہ کے اوپر سجدہ نہیں کرتے تھے۔ اب یہ ہو سکتا ہے کہ ان کا مذہب یہ ہو کہ واجب نہیں جیسا امام شافعیؒ کہتے ہیں اور ہو سکتا ہے سجدہ نہ کرنے سے سجدہ علی الفور نہ کرنا مراد ہو، ہو سکتا ہے جس وقت واعظ سجدہ کر رہا ہے دوسرا آدمی وضو سے نہ ہو یا کوئی اور عذر ہے جس کی وجہ سے سجدہ نہیں کر سکتا، لہٰذا نہیں کیا، لیکن اس سے عدم وجوب مطلق مستفاد نہیں ہوتا۔

سوال: ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈر سے اگر آیت سجدہ سنی گئی تو سجدہ واجب ہوگا یا نہیں؟

جواب: ریڈیو سے اگر براہ راست کوئی تلاوت کر رہا ہے اس وقت ریڈیو سے سننے والوں نے سنی تو واجب ہے، لیکن اگر ریکارڈ ہے خواہ وہ ٹیپ ریکارڈ سے سن رہے ہوں یا ریڈیو پر کسی کی تلاوت ریکارڈ کی ہوئی ہو اور وہ سن رہے ہوں تو اس میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا، کیوں کہ سجدۂ تلاوت کسی عاقل کے منہ سے نکلے ہوئے کلمہ پر واجب ہوتا ہے۔ [۱۹]

۱۸، ۱۹ وقال الشافعی فی (مختصر البویطی) : لا أؤكده عليه كما أؤكده على المستمع ، وإن سجد فحسن ، ومذهب أبي حنيفة : وجوبه على السامع والمستمع والقارئ ، وروى ابن أبي شيبة في (مصنفه) عن ابن عمر أنه قال : السجدة على من سمعها . ومن تعليقات البخاري قال عثمان : إنما السجود على من استمع. عمدة القاري ، ج:۵، ص:۳۵۵.

۱۰۷۷ ـ حدثنا إبراهيم بن موسى قال : أخبرنا هشام بن يوسف أن ابن جريج أخبرهم قال : أخبرني أبوبكر بن أبي مليكة ، عن عثمان بن عبدالرحمن التيمي ، عن ربيعة بن عبدالله بن الهدير التيمي ـ قال أبوبكر : وكان ربيعة من خيار الناس ـ عما حضر ربيعة من عمر بن خطاب رضي الله عنه : قرأ يوم الجمعة على المنبر بسورة النحل حتى إذا جاء السجدة نزل فسجد وسجد الناس ، حتى إذا كانت الجمعة القابلة قرأ بها حتى إذا جاء السجدة قال : يا أيها الناس، إنا نمر بالسجود فمن سجد فقد أصاب ، ومن لم يسجد فلا إثم عليه ، ولم يسجد عمر رضي الله عنه . وزاد نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما: إن الله لم يفرض علينا السجود إلا أن نشاء .[۲۰]

وجوب علی الفور کی نفی

ابو بکر بن ابی ملیکہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ " **وكان ربيعة من خيار الناس**" ربیعہ بن عبد اللہ بن الہدیر جو اس حدیث کے مدار ہیں وہ اچھے لوگوں میں سے تھے، "**عما حضر ربيعة من عمر بن الخطاب** " "**عما**" کا تعلق "**أخبرني**" سے ہے ۔ عبارت یوں ہوگی " **أخبرني عما حضر ربيعة من عمر بن خطاب**ؓ" انہوں نے خبر دی مجھے اس حدیث سے جو ربیعہ کے پاس حضرت عمر بن خطابؓ کی موجودگی تھی کہ انہوں نے جمعہ کے دن منبر پر سورۂ نحل کی تلاوت کی، یہاں تک کہ جب آیت سجدہ آئی تو نیچے اترے انہوں نے خود بھی سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی سجدہ کیا، یہاں تک کہ جب اگلا جمعہ آیا پھر دوبارہ اسی آیت کی تلاوت کی یہاں تک کہ جب سجدہ کی آیت آئی تو کہا کہ اے لوگو! "**إنما نمرّ بالسجود**" ہم بعض اوقات سجدے کی آیت سے گزرتے ہیں "**فمن سجد فقد أصاب**" جو سجدہ کرے وہ ٹھیک ہے "**ومن لم يسجد فلا إثم عليه**" اور جو سجدہ نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، "**ولم يسجد عمر**ؓ" اور حضرت عمرؓ نے اس وقت سجدہ نہیں کیا، اور پھر ابن عمرؓ نے اس پر یہ بھی اضافہ کیا کہ "**إن الله لم يفرض السجود إلا أن يشاء**" حنفیہ اس کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ یہ وجوب علی الفور کی نفی ہے۔

[۲۰] لا يوجد للحديث مكررات و انفرد به البخاري .

١٨- كتاب تقصير الصلاة

رقم الحديث : ١٠٨٠ - ١١١٩

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۸ - کتاب تقصیر الصلاۃ

اس کتاب (تقصیر الصلاۃ) میں تین مسئلے پر گفتگو ہوگی۔ (۱) مدت قصر (۲) مسافت قصر اور (۳) قصر عزیمت ہے یا رخصت۔

باب ماجاء فی التقصیر وکم یقیم حتی یقصر

نماز میں قصر کرنے کے متعلق جو روایتیں آئی ہیں ان کا بیان اور کتنی مدت تک قیام میں قصر کرے

۱۰۸۰ - حدثنا موسی بن إسماعیل قال: حدثنا أبو عوانة، عن عاصم وحصین، عن عکرمة، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: أقام رسول اللہ ﷺ تسعة عشر یقصر، فنحن إذا سافرنا تسعة عشر قصرنا وإن زدنا أتممنا. [انظر: ۴۲۹۸، ۴۲۹۹] [۱]

۱۰۸۱ - حدثنا أبو معمر قال: حدثنا عبدالوارث قال: حدثنا یحیی بن أبی إسحاق قال سمعت أنسا یقول: خرجنا مع النبی ﷺ من المدینة إلی مکة، فکان یصلی رکعتین رکعتین حتی رجعنا إلی المدینة، قلت: أقمتم بمکة شیئا؟ قال: أقمنا بها عشرا. [انظر: ۴۲۹۷].

---

[۱] وفی سنن الترمذی، کتاب الجمعة عن رسول اللہ، باب ماجاء فی کم تقصیر الصلاة، رقم: ۵۰۳، وسنن النسائی، کتاب تقصیر الصلاة فی السفر، باب المقام الذی یقصر بمثله الصلاة، رقم: ۱۴۳۲، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب متی یتم المسافر، رقم: ۱۰۳۱، وسنن ابن ماجة، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب کم یقصر الصلاة المسافر إذا أقام ببلدة، رقم: ۱۰۶۵.

پہلا مسئلہ: مدتِ قصر کے بارے میں ائمہ کے اقوال

یہ باب امام بخاری رحمہ اللہ نے قصر صلوۃ کے بارے میں قائم کیا ہے کہ کتنا قیام کرے جس سے اس کے اندر قصر جائز ہو۔

اس باب کے اندر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے انیس دن مکہ مکرمہ میں فتح مکہ کے موقع پر قیام فرمایا اور اس عرصہ میں آپ قصر فرماتے رہے۔ تو فرماتے ہیں کہ ہم جب سفر کریں گے انیس دن تک تو قصر کریں گے اور جب زیادہ ٹھہریں گے تو اتمام کریں گے۔ یہ عبداللہ بن عباسؓ کا مسلک ہے۔

بعض ائمہ کرام نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

امام اسحاق بن راہویہؒ اس کے قائل ہیں کہ انیس دن تک قصر کیا جاسکتا ہے۔[۲]

لیکن جمہور نے اس قول کو اختیار نہیں کیا۔ حنفیہ کے نزدیک کل پندرہ دن ہیں اور شافعیہ کے نزدیک کل چار دن ہیں۔ چار دن سے زیادہ قصر ان کے ہاں جائز نہیں۔[۳]

جبکہ مالکیہ کے ہاں بیس نمازوں کی حد مقرر ہے یعنی وہی چار دن بنے۔ تقریباً یہی قول امام احمد بن حنبل کا ہے وہ اکیس نمازوں سے زائد کی نیت معتبر مانتے ہیں۔[۴]

تو انیس دن پر عمل ائمہ اربعہ میں سے کسی کا بھی نہیں ہے، اور ائمہ اربعہ اس کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ آپ نے انیس دن تک بغیر نیت اقامت کے قیام فرمایا، اتمام اس وقت واجب ہوتا ہے جبکہ آدمی پندرہ دن تک اقامت کی نیت کرے، لیکن اگر پندرہ دن تک اقامت کی نیت نہیں کی ہے کہ ہر روز سوچتا ہے کل جاؤں گا پرسوں جاؤں گا یا اس نے کوئی نیت نہیں کر رکھی کہ کب جانا ہے تو اگر سال بھی گزر جائے تو قصر ہی کرتا رہے گا۔ تو یہاں پر آنحضرت ﷺ نے اس بناء پر قصر فرمایا کہ آپ ﷺ نے مدت اقامت متعین نہیں فرمائی تھی۔

حنفیہ کی دلیل

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ پندرہ دن سے کم مدت قصر ہے اور پندرہ دن یا اس

---

[۲] سافر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفراً فصلی تسعة عشرة یوم رکعتین رکعتین، سنن الترمذی، ج:۲، ص:۴۳۲.

[۳] احتج به الشافعی، رحمه الله، أن المسافر إذا أقام ببلدة أربعة أیام قصر، لأن إقامة النبی ﷺ بمكة كانت أربعة أیام، كما ذكرنا. وبه قال مالك وأحمد وأبو ثور. عمدة القاری، ج:۵، ص:۳۷۳، والأم، ج:۱، ص:۱۸۲.

[۴] المغنی، ج:۲، ص:۶۵، دار الفكر، بیروت، ۱۴۰۵ھ.

سے زائد مدت قیام کی نیت کرنے کی صورت میں اتمام ضروری ہوگا۔

اس بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اثر ہے جو امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں روایت کیا ہے، **إذا كنت مسافرا فوطنت نفسك على إقامة خمسة عشر يوما فأتمم الصلاة وإن كنت لا تدري فاقصر الصلوة.**[۵]

(۲) باب الصلوة بمنى

منیٰ میں نماز پڑھنے کا بیان

۱۰۸۲ - حدثنا مسدد قال: حدثنا يحيى عن عبيد الله قال: أخبرني نافع عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما قال: صليت مع النبي بمنى ركعتين، وأبي بكر وعمر ومع عثمان صدرا من إمارته، ثم أتمها. [انظر: ۱۶۵۵]

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دس دن تک آپ قصر پڑھتے رہے

۱۰۸۳ - حدثنا أبو الوليد قال: حدثنا شعبة قال: أنبأنا أبو إسحاق قال: سمعت حارثة بن وهب قال: صلى بنا النبي ﷺ آمن ما كان بمنى ركعتين. [انظر ۱۶۵۶][۶]

"إن خفتم" الخ ایک شبہ کا ازالہ

قصر صلوٰۃ کی اجازت میں " **وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا** " [النساء: ۱۰۱] کے الفاظ آئے ہیں، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قصر صلوٰۃ کی اجازت حالتِ خوف کے ساتھ مشروط ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی

---

۵ نصب الراية، باب صلاة المسافر، ج: ۲، ص: ۱۸۳۔

۶ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب قصر الصلاة بمنى، رقم: ۱۱۲۳، وسنن الترمذي، كتاب الحج عن رسول الله، باب ماجاء في تقصير الصلاة بمنى، رقم: ۸۰۸، وسنن النسائي، كتاب تقصير الصلاة في السفر، باب الصلاة بمنى، رقم: ۱۴۲۸، و سنن أبي داؤد، كتاب المناسك، باب القصر لأهل مكة، رقم: ۱۶۷۶، ومسند أحمد، اول مسند الكوفيين، باب حديث حارثة بن وهب، رقم: ۱۶۹۷۹۔

حالت میں قصر کیا ہے جبکہ نہ دشمن کا خوف تھا اور نہ ہی تعداد کی کمی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ خوف قصر کے لئے شرط نہیں، اور قرآن کریم میں مفہوم شرط معتبر نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں نماز قصر کیا تھا، اس قصر کی علت میں اختلاف ہے۔

جمہور یعنی امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد، سفیان ثوری اور عطاء رحمہم اللہ وغیرہ کا مسلک ہے کہ یہ قصر سفر کی بناء پر تھا، اس لئے ان کے نزدیک اہل مکہ کے لئے منیٰ میں قصر نہیں ہوگا۔ جبکہ امام مالک، امام اوزاعی اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ منیٰ میں قصر کرنا اسی طرح مناسک حج میں سے ہے، جیسے عرفات و مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین، لہٰذا جو لوگ مکہ مکرمہ یا اس کے آس پاس سے آئے ہوں یعنی مسافر نہ ہوں وہ بھی منیٰ میں قصر کریں۔[۷]

امام مالک رحمہ اللہ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں قصر کرنے کے بعد کسی بھی نماز کے بعد مقیمین کو اتمام کی ہدایت نہیں فرمائی، جیسا کہ آپ ﷺ کا معمول تھا۔[۸]

معلوم ہوا کہ یہ قصر سفر کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ مناسک حج میں سے تھا اور اہل مکہ پر بھی واجب تھا۔

امام مالک کی دلیل کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ کی مذکورہ دلیل صحیح تسلیم کرلی جائے کہ منیٰ میں قصر صلاۃ سفر کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ مناسک حج کا ایک جز ہے اس سے یہ لازم آئے گا کہ اہل منیٰ بھی حج کرتے وقت منیٰ میں قصر کریں، حالانکہ ان کے حق میں قصر صلاۃ کے آپ بھی قائل نہیں۔[۹]

مذکورہ بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ **"إن خفتم أن يفتنكم الذين كفروا ... الخ"** یہ قید احترازی نہیں ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں قصر سے مراد قصر کمیت نہیں بلکہ قصر کیفیت ہے اور صلوۃ

---

[۷] اعلاء السنن، ج:۷، ص:۲۹۵۔

[۸] أن عمر بن الخطاب لما قدم مكة صلى بهم ركعتين ثم انصرف فقال يا أهل مكة أتموا صلاتكم فإن قوم سفر، وقد أخرجه مالك في موطا، إعلاء السنن، ج:۷، ص:۳۰۱۔

[۹] والحجة فيه مارواه أحمد بإسناده حسن عن عباد بن عبد الله بن الزبير قال: لما قدم علينا معاوية حاجاً صلى بنا الظهر ركعتين بمكة ثم انصرف إلى دار الندوة، فدخل عليه مروان وعمرو بن عثمان فقالا: لقد عبت أمر ابن عمك لأنه كان قد أتم الصلاة، قال: وكان عثمان حيث أتم الصلاة إذا قدم مكة يصلي بها الظهر والعصر والعشاء أربعاً ثم إذا خرج إلى منى وعرفة قصر الصلاة، فإذا فرغ من الحج وأقام بمنى أتم الصلاة. عمدة القاري، ج:۵، ص:۲۹۷، ومسند أحمد، ج:۴، ص:۹۴، مؤسسة قرطبة، مصر، و إعلاء السنن، ج:۴، ص:۳۰۲۔

سے مراد صلوۃ الخوف ہے۔

۱۰۸۳ - حدثنا قتیبة قال: حدثنا عبدالواحد، عن الأعمش قال: حدثنا إبراهيم قال: سمعت عبدالرحمن بن يزيد يقول: صلى بنا عثمان بن عفان رضي الله عنه بمنى اربع ركعات. فقيل ذلك لعبدالله بن مسعود رضي الله عنه فاسترجع قال: صليت مع رسول الله ﷺ بمنى ركعتين، وصليت مع ابي بكر الصديق رضي الله عنه بمنى ركعتين، وصليت مع عمر بن الخطاب رضي الله عنه ركعتين. فليت حظي من أربع ركعات ركعتان متقبلتان. [انظر: ۱۶۵۷] [۱]

منیٰ میں قصرِ صلوٰۃ کا حکم

حضرت عبدالرحمٰن بن زیدؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان ﷺ نے منیٰ میں ہمیں چار رکعتیں نماز پڑھائی۔ **"فقيل ذلك لعبد الله بن مسعود رضي الله عنه"**. عبداللہ بن مسعودؓ سے ذکر کیا گیا **"فاسترجع"** تو انہوں نے **"انا للّٰہ"** کہا۔ اور پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں تھیں اور میں نے حضرت صدیق اکبر ﷺ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں تھیں اور میں نے حضرت عمر ﷺ کے ساتھ منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں تھیں۔ **"فليت حظي من اربع ركعات ركعتان متقبلتان"**۔ تو کاش میرا حصہ بجائے چار رکعتوں کے دو قبول شدہ رکعتیں ہو جائیں۔ یعنی چار رکعتیں پڑھنا کوئی فضیلت کی بات نہیں، لیکن دو رکعتیں پڑھے اور وہ قبول ہوں یہ ہے قابل فضیلت، ورنہ چار رکعتیں پڑھنے سے کچھ حاصل نہیں۔ گویا انہوں نے حضرت عثمان ﷺ کی تردید فرمائی کہ انہوں نے چار رکعتیں کیوں پڑھیں۔

بات دراصل یہ تھی کہ حضرت عثمان بن عفان ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اپنا گھر بنا لیا تھا۔ تو ان کا مذہب یہ تھا کہ آدمی اگر کسی شہر میں اپنا گھر بنا لے تو وہ بھی اس کے وطن کے حکم میں ہو جاتا ہے چاہے وہ وہاں پر رہتا نہ ہو۔ تو اگرچہ مستقل قیام مدینہ منورہ میں تھا، لیکن اپنا گھر چونکہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں بنا لیا تھا، لہٰذا یہ جب مکہ مکرمہ تشریف لاتے تو اتمام فرماتے اور اسی واسطے منیٰ میں بھی اتمام فرمایا۔ تو یہ ان کا اپنا مذہب بھی تھا اور اس کا اپنا عذر

---

[۱] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب قصر الصلاة بمنى، رقم: ۱۱۲۲، وسنن النسائي، كتاب تقصير الصلاة في السفر، باب الصلاة بمنى، رقم: ۱۴۳۲، وسنن أبي داؤد، كتاب المناسك، باب الصلاة بمنى، رقم: ۱۶۷۵، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن مسعود، رقم: ۳۳۱۲، ۳۷۵۷، ۳۸۲۹، ۴۱۹۵، وسنن الدارمي، كتاب المناسك، باب قصر الصلاة بمنى، رقم: ۱۷۹۹.

بھی تھا کہ انہوں نے وہاں جا کر گھر بنا لیا تھا اور گھر بنانے کو وہ توطن کے قائم مقام سمجھتے تھے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو یا تو یہ بات معلوم نہیں تھی یا وہ اس بات کے قائل تھے کہ صرف گھر بنا لینے سے کوئی شہر وطن نہیں بن جاتا۔

چنانچہ حنفیہ کا بھی مذہب یہی ہے کہ محض گھر کہیں بنا لیا تو اس سے وہ جگہ آدمی کا وطن نہیں بنتا جب تک کہ وہ توطن اختیار نہ کرے، یا توطن کی نیت نہ کرے، محض گھر بنا لینا یہ کسی شہر کے وطن بننے کے لئے کافی نہیں ہے۔

اس حدیث سے امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ نے اس بات پر استدلال بھی فرمایا ہے کہ حج کے دوران منیٰ وغیرہ میں جو قصر کیا جاتا ہے وہ سفر کی بنا پر نہیں، بلکہ مناسک حج کا ایک حصہ ہونے کی وجہ سے ہے، لہٰذا مقیم بھی قصر کرے گا۔

حنفیہ کے نزدیک یہ قصر سفر کی بنا پر ہے، لہٰذا مقیم قصر نہیں کرے گا۔

(۳) باب: کم أقام النبی ﷺ فی حجته؟

حج میں آنحضرت ﷺ کتنے دن ٹھہرے

۱۰۸۵ ـ حدثنا موسی بن إسماعیل قال: حدثنا وهیب قال: حدثنا أیوب، عن أبی العالیه البراء، عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قدم النبی ﷺ وأصحابه لصبح رابعة یلبون بالحج فأمرهم أن یجعلوها عمرة إلا من معه الهدی. تابعه عطاء عن جابر. [انظر: ۱۵۶۴، ۲۵۰۵، ۳۸۳۲] [۱۱]

أبو العالیه البراء بتشدید الراء. "براء" اس شخص کو کہتے ہیں جو تیر وغیرہ چھیلتا ہو، "**بری یبری**" کے معنی چھیلنا، کہا جاتا ہے "**براء النبل**" تیروں وغیرہ کا چھیلنے والا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ تشریف لائے "**لصبح رابعة**" "**رابعة**" یہ صبح سے بدل ہے، چار ذی الحجہ کو صبح کے وقت آئے "**یلبون بالحج**" حج کا تلبیہ پڑھ رہے تھے "**فأمرهم أن یجعلوها عمرة**" تو آپ نے ان کو عمرہ بنانے کا حکم دیا "**إلا من کان معه**

---

[۱۱] وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز العمرة فی أشهر الحج، رقم: ۲۱۷۸، وسنن النسائی، کتاب مناسک الحج، رقم: ۲۸۲۱، ومسند أحمد، ومن مسند بنی هاشم، باب بدایة مسند عبد الله بن العباس، رقم: ۲۰۱۰، ۲۱۲۱، ۲۱۶۳، ۲۲۳۰، ۲۲۳۲، ۲۲۶۳، ۲۵۰۹، ۲۹۶۲، ۳۰۰۶، ۳۳۲۹.

هدی" سوائے ان لوگوں کے جو اپنے ساتھ ہدی لے کر آئے تھے، ان کو فرمایا کہ تم عمرہ نہ بناؤ، باقی سب کو عمرہ بنانے کا حکم دے دیا۔ تفصیل اس کی کتاب الحج میں آئے گی انشاء اللہ، لیکن اس سے پتہ چل رہا ہے کہ آپ چار ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ آئے اس سے آپ حساب لگا سکتے ہیں کہ کتنے دن قیام فرمایا۔

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا کم أقام النبی ﷺ فی حجتہ۔

(۴) باب: فی کم یقصر الصلاۃ؟

کتنی مسافت میں نماز قصر کرے

وسمی النبی ﷺ یوما ولیلۃ سفرا. وکان ابن عمر وابن عباس رضی اللہ عنہم یقصران ویفطران فی أربعۃ برد وھی ستۃ عشر فرسخا.

۱۰۸۶ - حدثنا إسحاق بن إبراھیم الحنظلی قال: قلت لأبی أسامۃ: حدثکم عبید اللہ، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنھما أن النبی ﷺ قال: ((لا تسافر المرأۃ ثلاثۃ أیام إلا مع ذی محرم)). [انظر، ۱۰۸۷][۱۲]

۱۰۸۷ - حدثنا مسدد قال: حدثنا یحیی، عن عبید اللہ، عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنھما عن النبی ﷺ قال: ((لا تسافر المرأۃ ثلاثا إلا مع ذی محرم)). [راجع: ۱۰۸۶]

تابعہ أحمد، عن ابن المبارک عن عبید اللہ، عن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ.

۱۰۸۸ - حدثنا آدم قال: حدثنا ابن أبی ذئب قال: حدثنا سعید المقبری، عن أبیہ عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال النبی ﷺ: ((لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر أن تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ لیس معھا حرمۃ)). تابعہ یحیی بن أبی کثیر، وسھیل، ومالک عن المقبری، عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ.

[۱۲] وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المرأۃ مع محرم إلی حج وغیرہ، رقم: ۲۳۸۱، وسنن أبی داؤد، کتاب المناسک، باب فی المرأۃ تحج بغیر محرم، رقم: ۱۴۲۷، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، باب بدایۃ مسند عبد اللہ بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۳۸۶، ۴۴۶۷، ۵۰۰۷، ۵۰۰۸.

دوسرا مسئلہ: سفر شرعی کی مقدار اور اقوال فقہاء

یہ دوسرا مسئلہ شروع کیا کہ کتنی مقدار کے سفر میں قصر جائز ہوتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور کا مذہب اختیار کیا ہے، اور وہ یہ کہ تین دن تین رات کا جو سفر ہے وہ اگر میلوں کے حساب سے لگایا جائے، تو تین مراحل اڑتالیس میل کے ہوتے ہیں، کیونکہ وسط مرحلہ تقریباً سولہ میل کا ہوتا ہے۔

فقہاء کرام کے اس میں اقوال متقارب ہیں، کسی نے اس کو تین مراحل سے تعبیر کیا ہے، کسی نے اس کو تین دن تین راتوں سے تعبیر کیا اور کسی نے اڑتالیس میل سے تعبیر کیا، کسی نے اس کو **"اربعة برد"** سے تعبیر کیا، لیکن قریب قریب سب برابر ہیں۔

استدلال کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہمیشہ سفر کے احکام تین دن تین راتوں کے اوپر جاری فرمائے۔ چنانچہ عورت کے بارے میں فرمایا کہ **((لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر مسيرة يوم وليلة ليس معها حرمة))**۔ تین دن تین رات کے سفر پر یہ حکم دیا گیا۔ **مسح علی الخفین** پر جو مدت مقرر فرمائی وہ تین دن تین رات کی فرمائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سفر شرعی کی مقدار تین دن تین رات ہے۔[۱۳]

(۵) باب: يقصر إذا خرج من موضعه،

جب اپنے گھر سے نکلے تو قصر کرے

"وخرج علي رضي الله عنه فقصر وهو يرى البيوت. فلما رجع قيل له: هذه الكوفة؟ قال: لا، حتى ندخلها".

قصر کب سے شروع کرے

یہ باب ہے **"يقصر إذا خرج من موضعه"** یعنی آدمی اس وقت قصر شروع کرے گا جب اپنے شہر سے نکل جائے۔ **"وخرج علي بن أبي طالب فقصر"** حضرت علی رضی اللہ عنہ نکلے اور انہوں نے قصر ایسی جگہ پڑھی جہاں گھر نظر آرہے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ آبادی نظر آنے کے باوجود آدمی قصر کر سکتا ہے۔

---

۱۳ عمدۃ القاری، ج: ۵، ص: ۳۸۴۔

حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جب آدمی اس جگہ سے آگے چلا جائے جہاں متواتر آبادی ختم ہوگئی ہو اور آگے جنگل شروع ہوگیا تو جنگل میں پہنچ کر قصر کرے گا، چاہے آبادی نظر آرہی ہو۔ **"فلما رجع قیل له ، هذه الكوفة ؟"** ان لوگوں نے کہا سامنے کوفہ نظر آرہا ہے، **" قال لا ، حتى تدخلها"** فرمایا کہ نہیں، ہم اتمام نہیں کریں گے، یہاں تک کہ شہر میں داخل نہ ہو جائیں۔ [۱۴]

موجودہ دور کی آبادی کے لحاظ سے قصر کا حکم

اب آج کل ایک بڑا مسئلہ یہ ہوگیا کہ پہلے شہر کی آبادی ایک حد میں ہوا کرتی تھی اور جب آدمی وہاں سے نکل گیا اور جنگل شروع ہوگیا تو آسان بات تھی کہ جب جنگل شروع ہو جائے تو قصر پڑھ لو، اب آج کل یہاں پتہ نہیں کہ کہاں جنگل ہے کہاں شہر ہے۔ اس واسطے کہ آبادی متواتر چلتی جاتی ہے اور بعض ممالک تو ایسے ہیں کہ وہاں آبادی ختم ہی نہیں ہوتی۔ اگر ہزار میل بھی چلے جائیں تو آبادی ختم نہیں ہوتی۔ اس واسطے کہ ایک کے بعد دوسرا شہر شروع ہوگیا، دوسرے کے بعد تیسرا شروع ہوگیا، تیسرے کے بعد چوتھا شروع ہوگیا اور آبادی ختم ہی نہیں ہوتی۔

ایسے مقامات پر میں تو فتوی یہ دیتا ہوں کہ جہاں انتظامی اعتبار سے اس شہر کی حدود ختم ہوگئی ہوں تو وہاں سمجھیں گے کہ اپنے شہر سے باہر آگیا، جیسے ضلع بنے ہوئے ہوتے ہیں کہ یہ ضلع وہاں پر ختم ہوگیا، اب اگرچہ آبادی ختم نہیں ہوتی بلکہ آبادی آگے بھی موجود ہے لیکن وہ دوسرا ضلع شروع ہوگیا تو کہیں گے کہ شہر ختم ہوگیا تو وہاں سے قصر کر سکتے ہیں، مثلاً اب راولپنڈی اور اسلام آباد ہے کہ دونوں بالکل جڑے ہوئے ہیں، لیکن دونوں کی ضلعی انتظامیہ الگ الگ ہے، حدود متعین ہیں تو جب اسلام آباد سے پنڈی کی حدود میں داخل ہو جائے گا تو جو آدمی اسلام آباد سے چلا ہے تو وہ وہاں قصر کر سکے گا اور اسی طرح راولپنڈی سے اسلام آباد کی حدود میں داخل ہوگیا تو قصر کر سکے گا، البتہ شرط یہ ہے کہ اڑتالیس میل سفر کی نیت سے چلا ہو۔

ضلع سے میری مراد یہ ہے کہ جہاں شہر کا نام ہی بدل جائے، جیسے راولپنڈی اور اسلام آباد۔ لیکن یہاں کراچی کے اندر ضلع شرقی سے غربی میں داخل ہوگیا تو یہ مراد نہیں۔ اس لئے کہ عرفاً ان کو الگ شہر نہیں سمجھا جاتا اور ایئر پورٹ اور اسٹیشن کا حکم یہ ہے کہ ایئر پورٹ اگر شہر کے اندر آبادی میں واقع ہے تو وہاں ایئر پورٹ یا اسٹیشن پر پہنچنے سے مسافر نہیں ہوگا، لیکن اگر اسٹیشن اور ایئر پورٹ شہر سے باہر یعنی آبادی سے دور ہیں تو پھر وہاں پہنچنے سے مسافر ہو جائے گا۔ کراچی کا ایئر پورٹ شہر کے بیچ میں ہے اور اسٹیشن بھی ایسا ہی ہے، لہٰذا یہاں پر ایئر پورٹ یا

اسٹیشن پہنچنے پر قصر شروع نہیں ہوسکتی۔ [۱۵]

۱۰۸۹ – حدثنا أبو نعیم قال : حدثنا سفیان عن محمد بن المنکدر ، وابراهیم بن میسرة ، عن أنس رضی الله عنه قال : صلیت الظهر مع النبی ﷺ با المدینة أربعا ، وبذی الحلیفة رکعتین . [انظر : ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۵۱، ۱۷۱۲، ۱۷۱۴، ۱۷۱۵، ۲۹۵۱، ۲۹۸۶] [۱۶]

---

[۱۴]، [۱۵] فعندنا إذا فارق المسافر بیوت المصر یقصر ، وفی (المبسوط) : یقصر حین یخلف عمران المصر ، وفی (الذخیرة) : إن کانت لها محلة منتبذة من المصر وکانت قبل ذلک متصلة بها فإنه لا یقصر مالم یجاوزها ، ویخلف دورها ، بخلاف القریة التی تکون بفناء المصر فإنه یقصر وإن لم یجاوزها . وفی (التحفة) : المقیم إذا نوی السفر ومشی أو رکب لا یصیر مسافراً مالم یخرج من عمران المصر ، لأن بنیة العمل لا یصیر عاملاً مالم یعمل ، لأن الصائم إذا نوی الفطر لا یصیر مفطراً . وفی (المحیط) : والصحیح أنه تعتبر مجاوزة عمران المصر إلا إذا کان ثمة قریة أو قری متصلة بربض المصر ، فحینئذ تعتبر مجاوزة القری . وقال الشافعی : فی البلد یشترط مجاوزة السور لا مجاوزة الأبنیة المتصلة بالسور خارجة ، وحکی الرافعی وجها : أن المعتبر مجاوزة الدور ، ورجح الرافعی هذا الوجه فی (المحرر) ، والأول فی الشرح وإن لم یکن فی جهة خروجه سور أو کان فی قریة یشترط مفارقة العمران . وفی (المغنی) لابن قدامة : لیس لمن نوی السفر القصر حتی یخرج من بیوت مصره أو قریته ویخلفها وراء ظهره . قال : وبه قال مالک والأوزاعی وأحمد والشافعی وإسحاق وأبو ثور .

وقال ابن المنذر : أجمع کل من یحفظ عنه من أهل العلم علی هذا ، وعن عطاء وسلیمان بن موسی أنهما کانا یبیحان القصر فی البلد لمن نوی السفر ، وعن الحارث بن أبی ربیعة أنه أراد سفرا فصلی بالجماعة فی منزله رکعتین ، وفیهم الأسود بن یزید وغیر واحد من أصحاب عبد الله ، وعن عطاء أنه قال : إذا دخل علیه وقت صلاة بعد خروجه من منزله قبل أن یفارق بیوت المصر یباح له القصر ، وقال مجاهد : إذا ابتدأ السفر بالنهار لا یقصر حتی یدخل اللیل ، وإذا ابتدأ باللیل لا یقصر حتی یدخل النهار . عمدة القاری ، ج:۵ ، ص: ۳۹۳ ، والمبسوط للسرخسی ، ج:۱ ، ص: ۲۳۶ ، وتحفة الفقهاء ، ج:۱ ، ص: ۱۴۷ ، والمغنی لابن قدامة ، ج:۲ ، ص: ۵۰ .

[۱۶] وفی صحیح مسلم ، کتاب صلاة المسافرین وقصرها ، رقم : ۱۱۱۳ ، وسنن الترمذی ، کتاب الجمعة عن رسول الله ، باب ماجاء فی التقصیر فی السفر ، رقم : ۵۰۶ ، وسنن النسائی ، کتاب الصلاة ، باب عدد صلاة الظهر فی الحضر ، رقم : ۴۶۵ ، وکتاب مناسک الحج ، باب البیداء ، رقم : ۲۶۱۳ ، ۲۸۸۲ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الصلاة ، باب متی یقصر المسافر ، رقم : ۱۰۲۲ ، وکتاب المناسک ، باب فی وقت الإحرام ، رقم : ۱۵۱۰ ، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند أنس بن مالک ، رقم : ۱۱۶۳۶ ، ۱۱۶۳۰ ، ۱۲۳۵۳ ، ۱۲۴۹۲ ، ۱۳۰۰۱ ، ۱۳۳۲۹ ، ۱۳۵۱۰ ، وسنن الدارمی ، کتاب الصلاة ، باب قصر الصلاة فی السفر ، رقم : ۱۴۲۸ ، ۱۴۲۹ .

مدینہ میں ظہر چار رکعتیں پڑھی اور ذی الحلیفہ میں دو رکعتیں پڑھیں اس لئے کہ ارادہ دور جانے کا تھا تو وہاں پر ذو الحلیفہ سے قصر شروع ہو گیا۔[۱۷]

۱۰۹۰ - حدثنا عبداللہ بن محمد قال: حدثنا سفیان، عن الزهری، عن عروة، عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: الصلاة أول ما فرضت رکعتین، فأقرت صلاة السفر وأتمت صلاة الحضر. قال الزهری: فقلت لعروة: ما بال عائشة تتم؟ قال: تأولت ما تأول عثمان. [راجع: ۳۵۰]

تیسرا مسئلہ: قصر عزیمت ہے نہ کہ رخصت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "**الصلاة أول ما فرضت رکعتین**" کہ نماز اول میں جب فرض ہوئی تھی تو وہ دو ہی رکعتیں تھیں۔

"**فأقرت صلاة السفر**" تو سفر کی نماز برقرار رکھی گئی یعنی دو رکعتیں ہی رہیں "**وأتمت صلاة الحضر**" اور حضر کی نماز بڑھا کر چار کر دی گئیں۔

حنفیہ کا مسلک اور استدلال

یہ حدیث اس بارے میں حنفیہ کی دلیل ہے کہ قصر عزیمت ہے نہ کہ رخصت اور قصر کرنا واجب ہے۔

اور یہی مسلک امام مالکؒ کا بھی ہے کہ وہ بھی اس کو واجب کہتے ہیں اگرچہ ان کے ہاں اور اقوال بھی ہیں لیکن یہ قول بھی ہے کہ واجب ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اس کو رخصت قرار دیتے ہیں، لہٰذا وہ حضرات کہتے ہیں کہ اگر دو کے بجائے چار پڑھ لے تو بھی جائز ہے۔[۱۸]

شافعیہ کا استدلال

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال اس آیت کریمہ:

---

[۱۷] وفی (التوضیح): أورد الشافعی هذا الحدیث مستدلاً علی أن من أراد سفراً وصلی قبل خروجه فإنه یتم، کما فعله الشارع فی الظهر بالمدینة، وقد نوی السفر، ثم صلی العصر بذی الحلیفة رکعتین، والحاصل أن من نوی السفر فلا یقصر حتی یفارق بیوت مصره. عمدة القاری، ج: ۵، ص: ۳۹۳.

[۱۸] أن مذهبنا أن القصر والإتمام جائزان وأن القصر أفضل من الإتمام، المجموع، ج: ۴، ص: ۲۸۳، دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷هـ.

"وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ "[النساء: ۱۰۱] سے ہے، یہاں "لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ" کے الفاظ دلیل ہیں کہ قصر کرنے میں حرج نہیں۔ یہ واجب پر نہیں بولا جاتا بلکہ مباح کے لئے بولا جاتا ہے کہ کوئی حرج نہیں ہے اگر تم قصر کرلو۔

حنفیہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ نفی جناح بعض اوقات واجب پر بھی صادق آتی ہے جیسے "فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا" سعی کے بارے میں فرمایا گیا صفا اور مروہ کے درمیان کہ باتفاق وہ واجب ہے، تو جس طرح یہ واجب ہے اسی طرح قصر بھی واجب ہے۔

دوسرا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ بھی دیا جاتا ہے کہ یہ آیت کریمہ "وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" صلوۃ الخوف کے بارے میں ہے نہ کہ قصر صلوۃ کے بارے میں۔

تیسرا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ قصر کمیت مراد نہیں ہے، بلکہ قصر کیفیت مراد ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ اور حافظ ابن جریر طبریؒ وغیرہ کا مسلک یہی ہے، انہوں نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

اس صورت میں نفی جناح کو وجوب پر محمول کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اور "اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا" جو آگے آرہا ہے اس قید کو اتفاقی قرار دینے کی بھی ضرورت نہیں۔[۱۹]

شافعیہ کا دوسرا استدلال سنن نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے ہے کہ "انها اعتمرت مع رسول الله ﷺ من المدينة إلى مكة إذا قدمت مكة قالت يا رسول الله بأبي أنت وأمي قصرت وأتممت وأفطرت وصمت قال أحسنت يا عائشة وما عاب علي "۔[۲۰]

اس سے معلوم ہوا کہ اتمام جائز بلکہ بہتر ہے۔

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ زیلعی رحمہ اللہ نے اس کو منکر قرار دیا ہے،[۲۱] جس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔[۲۲]

---

۱۹ تفسير طبري، ج:۵، ص:۲۴۲، وتفسير ابن كثير، ج:۱، ص:۵۴۵، دار الفكر، بيروت، ۱۴۰۱هـ.

۲۰ سنن النسائي، كتاب تقصير الصلاة، باب المقام الذي يقصر بمثله الصلاة، رقم: ۱۴۳۹، وعمدة القاري، ج:۵، ص:۳۹۸.

۲۱ قلت: كيف يحكم بصحته وقد قال أحمد: المغيرة بن زياد منكر الحديث أحاديثه مناكير؟ وقال أبو حاتم و أبو زرعة: شيخ لا يحتج بحديثه؟ وأدخله البخاري في "كتاب الضعفاء" و عادة البيهقي التصحيح عند الاحتجاج لإمامه والتضعيف عند الاحتجاج لغيره، عمدة القاري، ج:۵، ص:۳۹۸، ونصب الراية، ج:۲، ص:۱۹۱.

۲۲ مسند أحمد، رقم: ۱۳۵۹۰، ج:۳، ص:۲۳۵، و صحيح مسلم، باب بيان عدد عمر النبي ﷺ وزمانهن، رقم: ۱۲۵۳.

شافعیہ حضرات میں سے بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ فتح مکہ کا واقعہ ہو، کیونکہ فتح مکہ رمضان میں ہوئی۔ [۴۳]

حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ توجیہ درست نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ فتح مکہ کے سفر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھیں، بلکہ ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں اور تاریخی اعتبار سے حضور ﷺ کے کسی سفر پر منطبق نہیں ہوتی، لہذا اس سے استدلال درست نہیں۔

شافعیہ کا تیسرا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے جو سنن دارقطنی میں ہے، **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقصر فی السفر ویتم ویفطر ویصوم**۔ [۴۴] جیسا کہ دارقطنی نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

حنفیہ کے دلائل

حنفیہ کے نزدیک قصر عزیمت ہے رخصت نہیں۔ اس کے دلائل:

۱- حدیث باب کی یہ حدیث "**عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: الصلاة أول ما فرضت رکعتین، فأقرت صلاة السفر وأتمت صلاة الحضر**" یعنی سفر کی نماز برقرار رکھی گئی یعنی دو رکعتیں رہیں اور حضر کی نماز بڑھا کر چار کر دی گئیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں دو رکعتیں تخفیف کی بناء پر نہیں ہیں بلکہ اپنے فرائض اصلیہ پر برقرار ہیں، لہذا یہ عزیمت ہے رخصت نہیں۔

۲- حنفیہ کے مسلک پر زیادہ صریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو نسائی میں آئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "**صلوة السفر رکعتان والجمعة رکعتان والعید رکعتان قصر علی لسان محمد ﷺ**" [۴۵]

تو یہ بھی حنفیہ کے مسلک پر بہت صریح ہے۔

---

[۴۳] أن رسول اللہ ﷺ غزا غزوة الفتح فی رمضان، صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الفتح فی رمضان، رقم: ۳۹۲۰۔

[۴۴] سنن الدارقطنی، کتاب الصیام، باب القبلة للصائم، رقم: ۴۴، ج: ۲، ص: ۱۸۹۔

[۴۵] سنن ابن ماجة، رقم: ۱۰۶۳، ج: ۱، ص: ۳۳۸، دار الفکر، بیروت، و صحیح ابن حبان، رقم: ۲۷۸۳، ج: ۷، ص: ۲۲۔

۳- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ **"السفر رکعتان من خالف السنة / ترک السنة کفر"**[۲۶]

جو سنت ترک کرے اس نے ناشکری کی، تو اس سے بھی وجوب معلوم ہوتا ہے۔

۴- جمہور صحابہ کرام ﷺ کا مسلک بھی حنفیہ کے مطابق ہے۔[۲۷]

۵- سنن نسائی میں حضرت عمر ﷺ سے مروی ہے کہ **" صلاۃ الجمعة رکعتان والفطر رکعتان والنحر رکعتان والسفر رکعتان تمام غیر قصر علی لسان النبی ﷺ "**.[۲۸]

۶- حضرت عمر ﷺ کی روایت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **" فقال صدقة تصدق اللہ بها علیکم فاقبلوا صدقته "**.[۲۹]

قال الزھری : فقلت لعروۃ : ما بال عائشة تتم ؟ قال : تأولت ما تأول عثمان.

اشکال کا جواب

اب آگے زہری کہتے ہیں میں نے عروہ سے کہا کہ **"ما بال عائشة تتم ؟"** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک طرف تو یہ روایت کر رہی ہیں کہ اصل رکعتیں دو ہی تھیں جو سفر میں برقرار ہیں اور حضر میں بڑھا دی گئیں اور دوسری طرف جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ آتی ہیں تو چار رکعت پڑھتی ہیں، تو کیا وجہ ہے؟ میں نے عروہ سے پوچھا؟

"قال تأولت ما تأول عثمان" تو انہوں نے کہا کہ اسی قسم کی تاویل کی جیسا حضرت عثمان ﷺ نے کی تھی۔ یہ تشبیہ نفس تاویل میں ہے طریق تاویل میں نہیں۔

حضرت عثمان ﷺ کی یہ تاویل تھی کہ انہوں نے مکہ میں گھر بنا لیا تھا اور ان کا اجتہاد یہ تھا کہ جس شہر میں انسان گھر بنا لے اُس شہر میں اتمام واجب ہے۔[۳۰]

---

[۲۶] سأل صفوان بن محرز ابن عمر عن الصلاة في السفر ؟ فقال : أخشى أن تكذب علي : ركعتان ، من خالف سنة كفر . عمدة القاري ، ج:۵ ، ص:۳۹۹ ، وشرح معاني الآثار ، ج:۱ ، ص:۳۲۲ ، وسنن البيهقي الكبرى ، رقم : ۵۲۰۲ ، ج:۳ ، ص:۱۴۰ ، وشرح ابن ماجة ، ج:۱ ، ص:۷۵ ، قديمي كتب خانه ، كراچي.

[۲۷] شرح معاني الآثار ، ج:۱ ، ص:۴۱۹.

[۲۸] سنن النسائي ، باب عدد صلاة الجمعة ، رقم : ۱۴۲۰ ، ج:۳ ، ص:۱۱۱.

[۲۹] صحيح مسلم ، كتاب صلاة المسافرين وقصرها ، ج:۱ ، ص:۲۴۱.

[۳۰] أن عثمان صلى أربعاً لأنه إتخذها (أي مكة) وطناً ، سنن أبي داؤد ، كتاب المناسك ، باب الصلاة بمنىٰ ، ج:۱ ، ص:۲۷۰.

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اُسی قسم کی کوئی تاویل ہوگی جس کی بنا پر حضرت عائشہؓ وہاں پر اتمام کرتی ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ بعینہ وہی تاویل ہو، اور ہوسکتا ہے کہ کچھ اور ہو۔ تو وہ اس وجہ سے اتمام کرتی تھیں اس وجہ سے نہیں کہ وہ قصر کو واجب نہیں سمجھتی تھیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ عروہ نے کہا کہ **"تأولت ماتأول عثمان"** یعنی جس تاویل سے حضرت عثمان ﷺ مکہ میں اتمام فرماتے اُسی قسم کی تاویل کی بناء پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اتمام فرمایا کرتی تھیں، تو اب عائشہؓ کے پاس جواز اتمام میں اگر حدیث مرفوع ہوتی تو عروہ یہ نہ فرماتے **"تأولت ماتأول عثمان"** بلکہ اس حدیث مرفوع کا حوالہ دیتے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کوئی حدیث مرفوع نہ تھی بلکہ ان کا یہ اپنا اجتہاد تھا۔[۳۱]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت حضرت عائشہؓ کے نزدیک قصر کا دارومدار مشقت پر ہے، یہ ان کا اجتہاد ہے۔[۳۲]

(۲) باب : تصلی المغرب ثلاثا فی السفر

مغرب کی نماز سفر میں تین رکعت پڑھے

۱۰۹۱ - حدثنا أبو اليمان قال: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني سالم، عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنهما قال: رأيت رسول اللہ ﷺ اذا أعجله السير في السفر يؤخر المغرب حتى يجمع بينهما وبين العشاء». قال سالم: وكان عبد اللہ يفعله إذا أعجله السير. [انظر: ۱۰۹۲، ۱۱۰۶، ۱۱۰۹، ۱۶۶۸، ۱۶۷۳، ۱۸۰۵، ۳۰۰۰].

---

۳۱ التلخيص الحبير، كتاب صلاة المسافرين، رقم: ۶۰۳، ج: ۲، ص: ۴۳.

۳۲ وأما عائشة فقد جاء عنها سبب الإتمام صريحا، وهو فيما أخرجه البيهقي من طريق هشام بن عروة عن أبيه "أنها كانت تصلي في السفر أربعا، فقلت لها: لو صليت ركعتين، فقالت: يا ابن أختي إنه لا يشق علي" إسناده صحيح، وهو دال على أنها تأولت أن القصر رخصة، وأن الإتمام لمن لا يشق عليه أفضل. ويدل على إختيار الجمهور ما رواه أبو يعلى والطبراني بإسناد جيد عن أبي هريرة أنه سافر مع النبي ﷺ ومع أبي بكر و عمر فكلهم كان يصلي ركعتين من حين يخرج من المدينة إلى المكة حتى يرجع إلى المدينة في السير وفي لمقام بمكة. قال الكرماني ماملخصه: تمسك الحنفية بحديث عائشة في أن الفرض في السفر أن يصلي الرباعية ركعتين، فتح الباري، ج: ۲، ص: ۵۷۱.

۱۰۹۲ ۔ وزادا للیث: حدثنی یونس عن ابن شهاب قال سالم: کان ابن عمر رضی الله عنهما یجمع بین المغرب والعشاء بالمزدلفة. قال سالم: وأخر ابن عمر المغرب وکان استصرخ علی امرأته صفیة بنت أبی عبید، فقلت له: الصلاة، فقال: سر، فقلت له: الصلاة، فقال: سر. حتی سار میلین أو ثلاثة، ثم نزل فصلی ثم قال: هکذا رأیت رسول الله ﷺ یصلی إذا أعجله السیر. وقال عبدالله: رأیت النبی ﷺ إذا أعجله السیر یقیم المغرب فیصلیها ثلاثا ثم یسلم، ثم قلما یلبث حتی یقیم العشاء فیصلیها رکعتین ثم یسلم، ولا یسبح بعد العشاء حتی یقوم من جوف اللیل.[۳۳]

کان استصرخ ۔ استصرخ کے معنی ہیں فریاد کر کے کسی کو بلانا۔ یعنی وہ سفر میں تھے اور ان کی اہلیہ شدید بیمار ہوگئیں، اسی لئے ان کو فریاد کر کے بلایا گیا کہ آپ کی اہلیہ بیمار ہیں جلدی آیئے، اس واسطے ان کو جلدی کی ضرورت تھی۔

اس حدیث میں جمع بین الصلوتین کا ذکر ہے، پھر ذکر ہے ثم قلما یلبث تھوڑی دیر ٹھہرتے تھے پھر عشاء قائم کرتے تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جمع صوری تھی اس واسطے کہ اگر جمع حقیقی ہوتی تو پھر ٹھہرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ ابو داؤد اور دار قطنی کی روایت میں صراحت ہے کہ یہ ٹھہرنا اس لئے ہوتا تھا کہ شفق غائب ہو جائے اور جب شفق غائب ہو جاتی تو پھر عشاء پڑھتے۔[۳۴]

---

۳۳ وفی صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین و قصرها، باب جواز الجمع بین الصلاتین فی السفر م، رقم: ۱۱۳۹، وکتاب الحج، باب الإفاضة من عرفات إلی المزدلفة وإستحباب صلاتی المغرب والعشاء جمیعاً بالمزدلفة فی هذه اللیلة، رقم: ۲۲۶۵، وسنن الترمذی، کتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء فی الجمع بین الصلاتین، رقم: ۵۰۹، وسنن النسائی، کتاب المواقیت، باب الوقت الذی یجمع فیه المسافرین الظهر والعصر، رقم: ۵۸۲، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الجمع بین الصلاتین، رقم: ۱۰۲۱، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۳۲۲۲، ۴۳۰۳، ۴۳۱۴، ۴۸۶۳، ۵۰۵۳، ۵۲۵۹، ۵۵۲۹، ۵۵۶۳، ۵۸۱۰، ۶۰۶۹، ۶۰۸۶، ۶۱۱۱، ۶۱۸۳، وموطأ مالک، کتاب النداء للصلاة، باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر والسفر، رقم: ۲۹۹، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب الجمع بین الصلاتین رقم: ۱۴۷۸.

۳۴ أن ابن عمر استصرخ علی صفیة وهو بمکة فسار حتی غربت الشمس وبدت النجوم فقال إن النبی ﷺ کان إذا عجل به امر فی سفر جمع بین هاتین الصلاتین فسار حتی غاب الشفق فنزل فجمع بینهما، سنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الجمع بین الصلاتین، رقم: ۱۰۲۱، وسنن الدارقطنی، باب الجمع بین الوقوف فی السفر، رقم: ۸، ج: ۱، ص: ۳۹۰.

سوال: تبلیغی جماعت کی ایک ماہ یا زائد کی تشکیل میں مسجدیں بدل رہی ہوں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: اگر ایک ماہ ایک شہر میں ٹھہرنا ہے چاہے کسی بھی مسجد میں ہوں اس سے مقیم سمجھے جائیں گے۔ ہاں اگر شہر سے باہر کسی مسجد میں جانا پڑے تو پھر اگر پندرہ دن سے پہلے گئے ہیں تو پھر اس صورت میں مسافر شمار ہوں گے۔

(۷) باب صلاة التطوع على الدواب، وحيثما توجهت

سواری پر نفل نماز پڑھنے کا بیان سواری کا رخ جس طرف بھی ہو

۱۰۹۳ ـ حدثنا علي بن عبد الله قال: حدثنا عبد الأعلى قال: حدثنا معمر، عن الزهري، عن عبد الله بن عامر بن ربيعة، عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ يصلي على راحلة حيث توجهت به. [انظر: ۱۰۹۷، ۱۱۰۴]

۱۰۹۴ ـ حدثنا أبو نعيم قال: حدثنا شيبان، عن يحيى، عن محمد بن عبد الرحمن أن جابر بن عبد الله أخبره: أن النبي ﷺ كان يصلي التطوع وهو راكب في غير القبلة. [راجع: ۴۰۰]

۱۰۹۵ ـ حدثنا عبد الأعلى بن حماد قال: حدثنا وهيب قال: حدثنا موسى بن عقبة، عن نافع قال: كان ابن عمر رضي الله عنهما يصلي على راحلته ويوتر عليها، ويخبر أن النبي ﷺ كان يفعله. [راجع: ۹۹۹]

(۸) باب الإيماء على الدابة

سواری پر اشارہ سے نماز پڑھنے کا بیان

۱۰۹۶ ـ حدثنا موسى بن إسماعيل قال: حدثنا عبد العزيز بن مسلم قال: حدثنا عبد الله بن دينار قال: كان عبد الله بن عمر رضي الله عنهما يصلي في السفر على راحلته، أينما توجهت يومئ، وذكر عبد الله أن النبي ﷺ كان يفعله. [راجع: ۹۹۹]

(۹) باب ينزل للمكتوبة

فرض نماز کے لئے سواری سے اترنے کا بیان

۱۰۹۷ ـ حدثنا يحيى بن بكير قال: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب،

عن عبد اللّٰه بن عامر بن ربيعة أن عامر بن ربيعة أخبره قال : رأيت النبي ﷺ وهو على الراحلة يسبح ، يومئ برأسه قبل أى وجه توجه ، ولم يكن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يصنع ذلك في الصلاة المكتوبة . [راجع : ۱۰۹۳]

۱۰۹۸ ـ وقال الليث : حدثني يونس ، عن ابن شهاب قال : قال سالم : كان عبد الله بن عمر يصلي على دابته من الليل وهو مسافر ، مايبالي حيث كان وجهه . قال ابن عمر : وكان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يسبح على الراحلة قبل أى وجه توجه ويوتر عليها غير أنه لا يصلي عليها المكتوبة . [راجع : ۹۹۹]

۱۰۹۹ ـ حدثنا معاذ بن فضالة قال : حدثنا هشام ، عن يحيى ، عن محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان قال : حدثنا جابر بن عبد اللّٰه : أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يصلي على راحلته نحو المشرق ، فإذا أراد أن يصلي المكتوبة نزل فاستقبل القبلة . [راجع: ۴۰۰]

(۱۰) باب صلاة التطوع على الحمار

گدھے پر نماز نفل پڑھنے کا بیان

۱۱۰۰ ـ حدثنا أحمد بن سعيد قال : حدثنا حبان قال : حدثنا همام : حدثنا أنس ابن سيرين قال : استقبلنا أنس بن مالک حين قدم من الشام فلقيناه بعين التمر ، فرأيته يصلي على حمار ووجهه من ذا الجانب ، يعني عن يسار القبلة ، فقلت : رأيتک تصلي لغير القبلة . فقال : لولا أني رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فعله لم أفعله .

رواه ابراهيم بن طهمان ، عن حجاج ، عن أنس بن سيرين ، عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه عن النبي ﷺ .

احادیث کی تشریح

رأيت النبي ﷺ يصلي على راحلة حيث توجهت به۔

حيث توجهت به ــ قبلہ کی طرف رخ کرنا جہاں بھی آدمی ہو۔

اس کے دو مطلب ہیں:

ایک تو یہ ہے کہ انسان دنیا میں جس جگہ بھی ہو، اس کو قبلہ کی طرف رُخ کرنا چاہئے **"وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ"**. القرآن

دوسرا مطلب یہ ہے کہ نفل پڑھنے کے وقت یعنی جب دابہ پر نفل پڑھ رہا ہے تو چاہے کسی طرف بھی ہو یا اس کے علاوہ کسی ایسی حالت میں ہے کہ جس میں استقبال قبلہ متعذر ہے تو آدمی جس طرف بھی رُخ کر کے نماز پڑھے اس کی نماز ہو جائے گی لیکن اس کی نیت وتوجہ قبلے کی طرف ہونی چاہئے، اگرچہ قبلہ اس کی جہت مقابل میں موجود نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ سفر کی نفلی نماز کے اندر استقبال قبلہ ضروری نہیں ہوتا، البتہ دل اس کا قبلے کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔

فرائض میں استقبال قبلہ حالت سفر میں بھی ضروری ہے

آپ ﷺ اپنی راحلہ پر نفلی نماز پڑھتے رہتے تھے چاہے وہ جس طرف بھی رُخ کرے لیکن جب آپ ﷺ فریضے کا ارادہ فرماتے تو راحلہ سے اُتر کر باقاعدہ استقبال کرتے۔ معلوم ہوا کہ فرائض میں استقبال قبلہ حالت سفر میں بھی فرض ہے، البتہ نوافل میں جبکہ آدمی سواری پر سفر کر رہا ہو تو اس صورت میں استقبال قبلہ کی فرضیت باقی نہیں رہتی، اور جو حکم دابہ کا ہے وہی پہیوں والی سواری کا بھی ہے یعنی بس، ریل، کار وغیرہ، تو اس میں نفلی نماز آدمی کیلئے اشارے سے بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

حالت سفر ہو یا حضر نفلی نماز سواری پر پڑھ سکتے ہیں

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ اجازت صرف حالت سفر کے اندر ہے اور اگر آدمی حضر میں ہو تو پھر اجازت نہیں ہے۔

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مصر ہو یا غیر مصر، سفر ہو یا حضر، نفلی نماز ہر حالت میں دابہ پر پڑھنا جائز ہے۔ ان کا استدلال وہ روایات ہیں کہ جن میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ میں ایک حمار پر سوار ہو کر غابہ کی طرف تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے حمار کے اوپر نماز پڑھی (غابہ مدینہ منورہ ہی کا ایک حصہ تھا) اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

ایک اور روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو مدینہ منورہ کی گلیوں میں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ حمار پر سوار نماز پڑھ رہے تھے۔ اس روایت کی سند نسبتاً بہتر ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے قول کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے لہٰذا ان کا قول اس لحاظ سے قابل ترجیح ہے اور خاص طور سے آج کل کے شہر کافی بڑے بڑے ہو گئے ہیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے میں بعض اوقات کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں، لہٰذا امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے آدمی بس وغیرہ میں سفر کرتے ہوئے

شہر ہی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہوئے نفلی نماز پڑھ سکتا ہے۔[۳۵]

(۱۱) باب من لم یتطوع فی السفر دبر الصلوۃ

اس شخص کا بیان جو سفر میں فرض نماز سے پہلے اور اس کے بعد نفل نہ پڑھے

۱۱۰۱ - حدثنا یحیی بن سلیمان قال: حدثنی ابن وهب قال: حدثنی عمر بن محمد أن حفص بن عاصم حدثه قال: سافر ابن عمر فقال: صحبت النبی ﷺ فلم أره یسبح فی السفر. وقال الله جل ذکره ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الأحزاب: ۲۱]. [انظر: ۱۱۰۲].[۳۶]

۱۱۰۲ - حدثنا مسدد قال: حدثنا یحیی، عن عیسی بن حفص بن عاصم قال: حدثنی أبی أنه سمع ابن عمر: صحبت رسول الله ﷺ فکان لا یزید فی السفر علی رکعتین، وأبا بکر و عمر و عثمان کذلک رضی الله عنهم. [راجع: ۱۱۰۱]

سفر میں نفل نماز کا حکم

عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے، آپ کے ساتھ سفر میں ساتھ رہا ہوں تو "**فلم أره یسبح فی السفر**" تو میں نے آپ ﷺ کو سفر میں نفلی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا "**وقال الله جل ذکره ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾**" اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، لہٰذا مقصد یہ ہے کہ تم بھی سفر میں نہ پڑھو۔

ان حضرات نے اس سے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ سفر کی حالت میں سنن رواتب پڑھنا جائز نہیں یا کم از کم خلاف اولیٰ اور مکروہ ہے۔

آج کل لوگ اس کے اوپر بڑا ہی زور دیتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرض معاف کر دیئے تو سنتیں کیوں پڑھتے ہو۔ تو اسی حدیث پر سارا مدار ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا۔ لیکن اول تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے نہ دیکھنے سے نہ پڑھنا لازم نہیں آتا۔

---

[۳۵] مزید تفصیل کے لئے انعام الباری، جلد۳، صفحہ ۱۲۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

[۳۶] وفی سنن أبی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب التطوع فی السفر، رقم: ۱۰۳۳.

اور دوسری احادیث میں نبی کریم ﷺ کا سنت پڑھنا بھی ثابت ہے بلکہ خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، آگے آ رہی ہے **"عن ابن عمر رضي الله عنهما : أن رسول الله ﷺ كان يسبح على ظهر راحلته حيث كان وجهه يومئ برأسه. وكان ابن عمر يفعله"**۔

تو وہاں تسبیح کی نفی ہے یہاں تسبیح کا اثبات ہے۔ اس کی توجیہ وہ لوگ یوں کرتے ہیں کہ پہلی حدیث سنن رواتب کے بارے میں ہے اور یہ حدیث نوافل کے بارے میں ہے کہ نوافل تو پڑھی ہیں لیکن سنن رواتب نہیں پڑھیں اور ہم اس کی توجیہ یوں کر سکتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ نے جو فرمایا کہ میں نے نہیں دیکھا وہ حالت اقامت میں نہیں دیکھا، یعنی سفر کے دوران اگر کسی جگہ اتر گئے تو وہاں پر میں نے آپ کو پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ حالت سیر میں دیکھا جیسا کہ یہاں پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ **"كان يسبح على ظهر راحلة"**۔

بہر حال دوسری احادیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ نے رواتب پڑھی بھی ہیں اور چھوڑی بھی ہیں۔ اس کا مطلب حنفیہ نے یہ نکالا کہ سنن رواتب سفر کے اندر نفل بن جاتی ہیں۔ پڑھے تو ثواب ہے نہ پڑھے تو کوئی گناہ نہیں۔

اور حنفیہ میں سے علامہ ہندوانیؒ وغیرہ نے فرمایا کہ حالت سیر میں رواتب کا ترک افضل ہے اور اگر سفر کے دوران کہیں ٹھہر گیا ہو تو پڑھنا افضل ہے اور اکثر حنفیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔[۳۷]

(۱۲) باب من تطوع في السفر في غير دبر الصلوات وقبلها،

جس نے سفر میں فرض نمازوں کے پہلے اور اس کے بعد نفل نماز پڑھی

وركع النبي ﷺ في السفر ركعتي الفجر.

---

۳۷ يتنفل بالنوافل الرواتب التي قبل الفرائض وبعدها ، وقال الترمذي : اختلف أهل العلم بعد النبي ، فرأى بعض أصحاب النبي أن يتطوع الرجل في السفر ، وبه يقول أحمد و إسحاق ، ولم تر طائفة من أهل العلم أن يصلي قبلها ولا بعدها ، ومعنى : من لم يتطوع في السفر ، قبول الرخصة ، ومن تطوع فله في ذلك فضل كثير ، وقول أكثر أهل العلم يختارون التطوع في السفر. وقال السرخسي في (المبسوط) والمرغيناني : لا قصر في السنن ، وتكلموا في الأفضل ، قيل : الترك ترخصا ، وقيل : الفعل تقربا ، وقال الهندواني : الفعل أفضل في حال النزول والترك في حال السير ، قال هشام : رأيت محمدا كثيرا لا يتطوع في السفر قبل الظهر ولا بعدها ولا يدع ركعتي الفجر والمغرب ، وما رأيته يتطوع قبل العصر ولا قبل العشاء ويصلي العشاء ثم يوتر. عمدة القاري ، ج:۵ ، ص:۴۱۱ ، وحاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ، ج:۱ ، ص:۲۷۶ ، وحاشية ابن عابدين ، ج:۲ ، ص:۱۳۱ .

۱۱۰۳ - حدثنا حفص بن عمر قال : حدثنا شعبة ، عن عمرو بن مرة ، عن ابن أبي ليلى قال : ما أخبرنا أحد أنه رأى النبي ﷺ صلى الضحى غير أم هانئ ، ذكرت أن النبي ﷺ يوم فتح مكة اغتسل في بيتها فصلى ثمان ركعات فما رأيته صلى صلاة أخف منها غير أنه يتم الركوع والسجود . [انظر : ۱۱۷۶، ۴۲۹۲][۳۸]

۱۱۰۴ - وقال الليث : حدثني يونس ، عن ابن شهاب قال : حدثني عبدالله بن عامر أن أباه أخبره : أنه رأى النبي ﷺ صلى السبحة بالليل في السفر على ظهر راحلته حيث توجهت به . [راجع : ۱۰۹۳]

۱۱۰۵ - حدثنا أبو اليمان قال : أخبرنا شعيب ، عن الزهري قال : أخبرنا سالم ابن عبدالله عن ابن عمر رضي الله عنهما : أن رسول الله ﷺ كان يسبح على ظهر راحلته حيث كان وجهه يومئ برأسه . وكان ابن عمر يفعله . [راجع : ۹۹۹]

یہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ نفل نماز ان کے نزدیک سفر میں فرض نماز سے پہلے اور فرض نماز کے بعد پڑھنی ثابت نہیں، لیکن دوپہر ما قبل نماز کے علاوہ دوسرے وقت کے اندر سفر میں تطوع پڑھنا حضور اکرم ﷺ سے ثابت ہے۔ اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ فجر کی رکعتیں ضرور پڑھنی ہیں۔

گویا کہ خلاصہ یہ نکلا کہ فجر کی دو رکعت سنن پڑھنا ثابت ہے اور اس کے علاوہ صلوٰۃ الضحیٰ پڑھنا ثابت ہے، باقی اور سنتیں ثابت نہیں، لیکن دوسری روایتیں جو ترمذی میں آئی ہیں ان میں ان کا ثبوت ملتا ہے۔

البتہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صلاۃ الضحیٰ کے بارے میں دو مختلف روایتیں منقول ہیں: ایک میں حضور ﷺ سے صلوٰۃ الضحیٰ کا اثبات ہے اور دوسری میں نفی ہے۔

مذکورہ بالا تشریح موجودہ نسخے کے مطابق ہے۔[۳۹]

---

[۳۸] وفي صحيح مسلم ، كتاب صلاة المسافرين وقصرها ، باب استحباب صلاة الضحى وأن أقلها ركعتان وأكملها ، رقم : ۱۱۷۷ ، وسنن الترمذي ، كتاب الصلاة ، باب ماجاء في صلاة الضحى ، رقم : ۴۳۶ ، وسنن النسائي ، كتاب الطهارة ، باب ذكر الاستتار عند الاغتسال ، رقم : ۲۱۵ ، ومسند أحمد ، من مسند القبائل ، باب ومن حديث أم هانئ بنت أبي طالب ، رقم : ۲۶۱۱۱ ، وموطا مالک ، كتاب النداء للصلاة ، باب صلاة الضحى ، رقم : ۳۲۳ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الضحى ، رقم : ۱۴۱۶ .

[۳۹] وابن ماجة والترمذي في (الشمائل) من رواية معاذة العدوية ، قالت : قلت لعائشة : أكان رسول الله ﷺ يصلي الضحى ؟ قالت : نعم أربعا ويزيد ماشاء الله ..... ومنها : حديث أبي سعيد الخدري عند الترمذي قال : ((كان النبي ﷺ الضحى حتى نقول : إنه لا يدعها ، ويدعها حتى نقول : إنه لا يصليها)) . قال أبو عيسى : هذا حديث حسن غريب . قلت : تفرد به الترمذي . عمدة القاري ، ج : ۵ ، ص : ۲۱۴ .

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ کے نسخوں میں ان دونوں بابوں کے اندر "وقبلها" کا لفظ موجود نہیں، اس صورت میں امام بخاریؒ کا منشاء یہ ہوگا کہ فرض کے بعد کی سنتیں پڑھنی نہیں چاہئیں، لیکن پہلے کی سنتیں پڑھ سکتے ہیں۔ وجہ فرق یہ ہے کہ پہلے پڑھنے کی صورت میں سنت اور فرض کے درمیان عموماً وقفہ کم از کم اقامت کا ہو جاتا ہے، بخلاف سنن بعدیہ کے کہ ان میں وقفہ نہیں ہوتا۔ اس صورت میں سنن قبلیہ کے جواز پر سنتِ فجر سے استدلال ہوگا۔

(۱۵) باب يؤخر الظهر إلى العصر إذا ارتحل قبل أن تزيغ الشمس

آفتاب ڈھلنے سے پہلے سفر کے لئے روانہ ہو تو ظہر کو عصر کے وقت تک مؤخر کرے

فيه ابن عباس عن النبي ﷺ.

۱۱۱۱ ـ حدثنا حسان الواسطي قال: حدثنا المفضل بن فضالة، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن أنس بن مالک قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا ارتحل قبل أن تزيغ الشمس أخر الظهر إلى وقت العصر ثم يجمع بينهما. وإذا زاغت صلى الظهر ثم ركب. [انظر: ۱۱۱۲][۲۰]

(۱۶) باب: إذا ارتحل بعد ما زاغت الشمس صلى الظهر ثم ركب

آفتاب ڈھلنے کے بعد سفر شروع کرے تو ظہر کی نماز پڑھ کر سوار ہو

۱۱۱۲ ـ حدثنا قتيبة بن سعيد قال: حدثنا المفضل بن فضالة، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن أنس بن مالک قال: كان النبي ﷺ إذا ارتحل قبل أن تزيغ

---

[۲۰] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب جواز الجمع بين الصلاتين في السفر، رقم: ۱۱۴۴، وسنن الترمذي، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء في الجمع بين الصلاتين، رقم: ۵۰۹، وسنن النسائي، كتاب المواقيت، باب الوقت الذي يجمع فيه المسافر بين الظهر والعصر، رقم: ۵۸۲، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب المسافر يصلي وهو يشک في الوقت، رقم: ۱۰۱۸، ۱۰۳۰، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۲۳۳، ۴۳۰۳، ۴۳۱۴، ۴۸۶۳، ۴۹۱۹، ۶۰۸۶، وموطا مالک، كتاب النداء للصلاة، باب الجمع بين الصلاتين في الحضر و السفر، رقم: ۲۹۹، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب الجمع بين الصلاتين، رقم: ۱۴۶۸.

الشمس أخر الظهر إلى وقت العصر . ثم نزل فجمع بينهما . فإذا زاغت الشمس قبل أن يرتحل صلى الظهر ثم ركب. [انظر: ۱۱۱۱]

یہ غزوۂ تبوک کا واقعہ ہے کہ اس میں جب آپ ﷺ زوال آفتاب سے پہلے روانہ ہوئے تو **"أخر الظهر إلى وقت العصر"** تو ظہر کو عصر کے وقت کی طرف مؤخر فرمایا اور پھر دونوں کو جمع تاخیر کے ساتھ ادا فرمایا یعنی ظہر کو عصر کے وقت میں ادا فرمایا۔ **"إذا زاغت"** سورج زائل ہوگیا اور ابھی تک منزل سے روانہ نہیں ہوئے یہاں تک کہ سورج کا زوال ہوگیا تو پھر ظہر پڑھتے پھر سوار ہوتے۔

یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جمع تاخیر کو جمع صوری پر محمول کیا جاسکتا ہے، لیکن جمع تقدیم کی روایت کو جمع صوری پر محمول کرنا ممکن نہیں۔

اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جمع تقدیم فرمانے کا ذکر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے جو سنن ابی داؤد میں مروی ہے:

أن النبي ﷺ كان في غزوة تبوك إذا ارتحل قبل ان تزيغ الشمس اخر الظهر حتى يجمعها إلى العصر فيصليهما جميعاً وإذا ارتحل بعد زيغ الشمس صلى الظهر والعصر جميعاً ثم سار وكان إذا ارتحل قبل المغرب اخر المغرب حتى يصليهما مع العشاء وإذا ارتحل بعد المغرب عجل العشاء فصلاها مع المغرب . الخ

ابوداؤد رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **قال ابو داؤد لم يرو هذا الحديث إلا قتيبة وحده ، وهي إشارة إلى ضعف هذا الحديث .**

یعنی یہ حدیث ضعف کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے **باب ماجاء في الجمع بين الصلاتين** باب قائم کرکے اس کے تحت بھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت تخریج کی ہے اور آخر میں فرمایا: **وحديث معاذ حديث حسن غريب تفرد به قتيبة لا نعرف أحدا .**

اور امام حاکم رحمہ اللہ جن کا تساہل مشہور ہے انہوں نے بھی اس حدیث کو ضعیف شمار کیا ہے، اور انہوں نے علوم الحدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے **ان بعض الضعفاء أدخله على قتيبة .**

چنانچہ اس روایت کو دوسرے جتنے حفاظ روایت کرتے ہیں وہ جمع تقدیم کا کوئی ذکر نہیں کرتے، اور کسی کی روایت میں بھی عصر کا ذکر نہیں۔

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ابوداؤد ہی میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا ارتحل قبل أن تزيغ الشمس اخر الظهر إلى وقت العصر ثم نزل فجمع بينهما فإن زاغت الشمس قبل أن يرتحل صلى الظهر ثم ركب صلى الله عليه وسلم.

اس میں زوالِ شمس کے بعد صرف ظہر پڑھنے کا ذکر ہے، عصر کا کوئی ذکر نہیں، اسی وجہ سے امام ابوداؤدؒ کا یہ قول مشہور ہے: **ليس في تقديم الوقت حديث قائم.**

البتہ ائمہ ثلاثہ نے جمع تقدیم کی حدیث کو جو ترمذی وغیرہ میں آئی ہے، قابل استدلال سمجھ کر اس پر عمل کیا ہے۔[42]

۱۱۱۵ ـ حدثنا إسحاق بن منصور قال: أخبرنا روح بن عبادة قال: أخبرنا حسين، عن عبدالله بن بريدة، عن عمران بن حصين رضي الله عنه أنه سأل نبي الله ﷺ. ح وأخبرنا إسحاق قال: أخبرنا عبدالصمد قال: سمعت أبي قال: حدثنا الحسين عن ابن بريدة قال: حدثني عمران بن حصين وكان مبسورا قال: سألت رسول الله ﷺ عن صلاة الرجل قاعدا فقال «إن صلى قائما فهو أفضل ومن صلى قاعدا فله نصف أجر القائم، ومن صلى نائما فله نصف أجر القاعد». [أنظر: ۱۱۱۶، ۱۱۱۷][43]

(۱۸) باب صلاة القاعد بالإيماء

بیٹھنے والے کا اشارے سے نماز پڑھنے کا بیان

۱۱۱۶ ـ حدثنا أبو معمر قال: حدثنا عبدالوارث قال: حدثنا حسين المعلم،

---

[41]، [42] سنن أبي داؤد، رقم: ۱۲۲۰، ج:۲، ص:۷، و عمدة القاري، ج:۵، ص:۳۲۸.

[43] وسنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء أن صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم، رقم: ۳۳۹، وسنن النسائي، كتاب قيام الليل و تطوع النهار، باب فضل صلاة القاعد على صلاة النائم، رقم: ۱۶۴۲، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في صلاة القاعد، رقم: ۸۱۴، وسنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب صلاة القاعد على النصف من صلاة القائم، رقم: ۱۲۲۱، ومسند أحمد اول مسند البصريين، باب حديث عمران بن حصين، رقم: ۱۹۰۳۱، ۱۹۰۵۳، ۱۹۱۲۳، ۱۹۱۳۲.

عن عبداللہ بن بریدۃ أن عمران بن حصین ــ و کان رجلا مبسورا ــ وقال أبو معمر مرۃ عن عمران بن حصین قال : سألت النبی ﷺ عن صلاۃ الرجل وھو قاعد. فقال : ((من صلی قائما فھو أفضل ، ومن صلی قاعدا فلہ نصف أجر القائم ، ومن صلی نائما فلہ نصف أجر القاعد)) . [راجع: ۱۱۱۵]

حضرت عمران بن حصینؓ کو بواسیر کا مرض تھا تو وہ بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے، تو اس واسطے انہوں نے یہ حدیث روایت کی، اور باقی مسئلہ اس حدیث میں صاف ہے " ومن صلی نائما فلہ نصف أجر القاعد " نائما کا معنی مضطجعاً ہے۔ یعنی لیٹ کر جو پڑھے اس کو بیٹھ کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملے گا۔

اشکال: اگر کوئی آدمی عذر کی وجہ سے لیٹ کر پڑھ رہا ہے تب تو ثواب اس کو پورا ملتا ہے اور اگر بغیر عذر کے پڑھ رہا ہے تو یہ جائز ہی نہیں اور تطوع بھی جائز نہیں۔

جواب: یہ اس شخص کے اوپر محمول ہے کہ جو بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بمشقت شدیدہ قادر ہے، اس واسطے شریعت نے لیٹ کر پڑھنے کی اجازت دی ہے، لیکن اگر یہ شدید مشقت گوارا کرلے اور بیٹھ کر پڑھے تو اس کو ثواب زیادہ ملے گا۔

(۲۰) باب : إذا صلی قاعدا ثم صح أو وجد خفۃ تمم مابقي ،

جب بیٹھ کر نماز پڑھے پھر تندرست ہو جائے یا کچھ آسانی پائے تو باقی کو پورا کرے

وقال الحسن : إن شاء المریض صلی رکعتین قائما ورکعتین قاعدا.

۱۱۱۸ ــ حدثنا عبداللہ بن یوسف قال : أخبرنا مالک ، عن ھشام بن عروۃ ، عن أبیہ ، عن عائشۃ رضی اللہ عنھا أم المؤمنین أنھا أخبرتہ : أنھا لم تر رسول اللہ ﷺ یصلی صلاۃ اللیل قاعدا قط حتی أسن فکان یقرأ قاعدا حتی إذا أراد أن یرکع قام فقرأ نحوا من ثلاثین آیۃ أو أربعین آیۃ ثم رکع. [انظر: ۱۱۱۹، ۱۱۴۸، ۱۱۶۱، ۱۱۶۸، ۴۸۳۷]. [۳۳]

---

[۳۳] وفی صحیح مسلم ، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا ، باب جواز النافلۃ قائماً و قاعداً وفعل بعض الرکعۃ قائماً ، رقم : ۱۲۰۲ ، وسنن النسائی ، کتاب قیام اللیل و تطوع النھار ، باب کیف یفعل إذا افتتح الصلاۃ قائماً وذکر اختلاف الناقلین عن عائشۃ فی ذلک ، رقم : ۱۶۳۰ ، ۱۶۳۲ ، وسنن ابن ماجۃ ، کتاب إقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا ، باب فی صلاۃ النافلۃ قاعداً ، رقم : ۱۲۱۶ .

۱۱۱۹ ـ حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال : أخبرنا مالک ، عن عبد اللہ بن یزید ، وأبی النضر مولی عمر بن عبید اللہ ، عن أبی سلمة بن عبد الرحمن ، عن عائشة أم المؤمنین رضی اللہ عنها : أن رسول اللہ ﷺ کان یصلی جالساً فیقرأ وهو جالس ، فإذا بقی من قرأته نحو من ثلاثین آیة أو أربعین آیة قام فقرأها وهو قائم ثم رکع ثم سجد ، یفعل فی الرکعة الثانیة مثل ذلک . فإذا قضی صلاته نظر فإن کنت یقظی تحدث معی ، وإن کنت نائمة اضطجع . [راجع : ۱۱۱۸]

اگر بیٹھ کر پڑھ رہا ہے، پھر اس دوران اس میں قوت آگئی تو کھڑا ہو کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

١٩- كتاب التهجد

رقم الحديث: ١١٢٠ - ١١٨٧

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۹ - کتاب التہجّد

(۱) باب التہجد باللیل

رات کو تہجد نماز پڑھنے کا بیان

وقوله عزوجل : ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ﴾ [الاسرى : ۷۹]

"**فتهجد به نافلة لک**" بعض علماء نے اس کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ تہجد آپ ﷺ کے لئے نفل ہے اور بعض نے کہا کہ "**نافلة**" کے لغوی معنی "زیادہ" مراد ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے لئے فرائض پر تہجد کی فرضیت زائد ہے۔

ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اگر پہلے معنی مراد ہوتے تو "**لک**" نہ کہا جاتا، کیونکہ تہجد بطور نفل تو سب کے لئے ہے، مگر اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اور لوگوں کے لئے وہ کفارۂ سیئات ہے اور آنحضرت ﷺ کے لئے موجب ازدیادِ اجر و درجات ہے، اس لئے "**نافلة لک**" فرمایا گیا۔[1] واللہ اعلم

۱۱۲۰ - حدثنا علي بن عبد الله قال : حدثنا سفيان قال : حدثنا سليمان بن أبي مسلم ، عن طاؤس : سمع ابن عباس رضي الله عنهما قال :

كان النبي ﷺ إذا قام من الليل يتهجد قال :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے، اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی کہ آنحضرت ﷺ اس کو پڑھا کرتے تھے۔

دعا یہ ہے:

[1] عمدة القاری، ج:۵، ص: ۲۳۰۔

((اللّٰهم لک الحمد ، أنت قيم السموات والأرض ومن فيهن . ولک الحمد لک ملک السموات والارض ومن فيهن . ولک الحمد، أنت نور السموات والأرض ، ولک الحمد انت ملک السموات والأرض . ولک الحمد أنت الحق ووعدک الحق ، ولقاؤک حق ، وقولک حق ، والجنة حق ، والنار حق والنبيون حق ومحمد ﷺ حق ، والساعة حق . اللّٰهم لک أسلمت وبک آمنت ، وعليک توکلت ، وإليک أنبت ، وبک خاصمت ، وإليک حاکمت فاغفرلي ما قدمت وما أخرت ، وما أسررت وما أعلنت ، أنت المقدم وأنت المؤخر لا اله إلا أنت ، أو لا اله غيرک)) .

قال سفيان : وزاد عبد الكريم أبو أمية : ((ولا حول ولا قوة إلا باللّٰه)) . قال سفيان : قال سليمان بن أبي مسلم : سمعه من طاؤس عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي ﷺ .[انظر : ۶۳۱۷، ۷۳۸۵، ۷۴۴۲، ۷۴۹۹].[ع]

(۲) باب فضل قيام الليل

رات کو کھڑے ہونے کی فضیلت کا بیان

۱۱۲۱ ۔ حدثنا عبدالله بن محمد قال : حدثنا هشام قال : أخبرنا معمر ح

[ع] وفي صحيح مسلم ، كتاب صلاة المسافرين وقصرها ، باب الدعا في صلاة الليل وقيامه ، رقم : ۱۲۸۸ ، وسنن الترمذي ، كتاب الدعوات عن رسول اللّٰه ، باب ماجاء مايقول إذا قام من الليل إلى الصلاة ، رقم : ۳۳۴۰ ، وسنن النسائي ، كتاب قيام الليل و تطوع النهار ، باب ذكر مايستفتح به القيام ، رقم : ۱۶۰۱ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب ما يستفتح به الصلاة من الدعاء ، رقم : ۶۵۵ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها ، باب ماجاء في الدعاء إذا قام الرجل من الليل ، رقم : ۱۳۴۵ ، ومسند أحمد ، ومن مسند بني هاشم ، باب بداية مسند عبد الله بن العباس ، رقم : ۲۵۷۵ ، ۲۶۲۳ ، ۳۱۹۲ ، وموطأ مالک كتاب النداء للصلاة ، باب ماجاء في الدعاء ، رقم : ۴۵۱ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصلاة ، باب الدعاء عند التهجد ، رقم : ۱۴۴۸ .

وحدثني محمود قال: حدثنا عبدالرزاق قال: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن سالم، عن أبيه قال: كان الرجل في حياة النبي ﷺ إذا رأى رؤيا قصها على رسول الله ﷺ فتمنيت أن أرى رؤيا فأقصها على رسول الله ﷺ، وكنت غلاما شابا، وكنت أنا في المسجد على عهد النبي ﷺ فرأيت في النوم كأن ملكين أخذاني فذهبا بي إلى النار فإذا هي مطوية كطي البئر، وإذا لها قرنان، وإذا فيها أناس قد عرفتهم فجعلت أقول: أعوذ بالله من النار. قال: فلقينا ملك آخر فقال لي: لم ترع. [راجع: ۴۴۰]

۱۱۲۲ - فقصصتها على حفصة، فقصتها على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: نعم الرجل عبد الله لو كان يصلي من الليل. فكان بعد لا ينام من الليل إلا قليلا. [أنظر: ۱۱۵۷، ۳۷۳۹، ۳۷۴۱، ۷۰۱۶، ۷۰۲۹، ۷۰۳۱][۳]

حدیث کی تشریح

یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے "كان الرجل في حياة النبي ﷺ إذا رأى رؤيا قصها على رسول الله ﷺ"۔ جب کوئی شخص خواب دیکھتا تو حضور اقدس ﷺ کو بتاتا کہ میں نے یہ خواب دیکھا۔

"فتمنيت أن أرى رؤيا فأقصها على رسول الله ﷺ" مجھے بھی تمنا ہوتی کہ میں بھی خواب دیکھوں اور حضور اقدس ﷺ کو سناؤں، لوگ رسول اللہ ﷺ سے لذت کلام حاصل کرتے ہیں، مجھے بھی خواہش ہوئی کہ میں بھی حاصل کروں۔

"وكنت غلاما شابا، وكنت أنا في المسجد على عهد النبي ﷺ فرأيت في النوم" میں نے خواب میں دیکھا "كأن ملكين أخذاني" دو فرشتوں نے مجھے پکڑ لیا "فذهبا بي إلى النار" اور

[۳] وفي صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب فضائل عبد الله بن عمر، رقم: ۴۵۲۷، وسنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في النوم في المسجد، رقم: ۲۹۵، وسنن النسائي، كتاب المساجد، باب النوم في المسجد، رقم: ۷۱۳، وسنن ابن ماجة، كتاب المساجد والجماعات، باب النوم في المسجد، رقم: ۷۴۳، وكتاب تعبير الرؤيا، باب تعبير الرؤيا، رقم: ۳۹۰۹، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۲۶۵، ۴۳۷۸، ۵۵۷۵، ۶۰۳۸، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب باب النوم في المسجد، رقم: ۱۳۶۳، وكتاب الرؤيا، باب في القمص والبئر واللبن والعسل والسمن والتمر وغير ذلك في النوم، رقم: ۲۰۵۹.

دوزخ کی طرف لے گئے، یہ دکھانے کے لئے کہ دوزخ کیا ہوتی ہے " **فاذا هي مطوية كطي البئر** " میں نے دیکھا کہ دوزخ کی منڈیر بنی ہوئی ہے جس طرح کنویں کے اوپر منڈیر ہوتی ہے۔ " **وإذا لها قرنان** " اور میں نے دیکھا کہ اس کے دو سینگ ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ دو ستون اوپر اٹھے ہوئے ہیں، **العیاذ باللہ**. " **وإذا فيها أناس قد عرفتهم** " اور میں نے اس کے اندر کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جن کو میں پہچانتا تھا۔ نام نہیں بتایا **ستراً علیهم. فجعلت أقول : أعوذ بالله من النار**.

قال : " فلقينا ملک آخر فقال لي " پھر ایک فرشتہ ہم کو ملا، اس نے مجھے کہا، "**لم ترع**" تمہیں کچھ خوف نہیں، یعنی تمہیں ڈرایا نہیں گیا کہ تمہیں جہنم کے اندر ڈال دیا جائے۔

" **فقصصتها على حفصة** " میں نے یہ خواب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو سنایا "**فقصتها على رسول الله ﷺ** " حضرت حفصہؓ نے یہ خواب رسول اللہ ﷺ کو سنایا۔

آپ ﷺ نے فرمایا " **نعم الرجل عبد الله لو كان يصلي من الليل** " کہ عبداللہ اچھا آدمی ہے اگر وہ رات کو نماز پڑھا کرے یعنی تہجد کی نماز۔ تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی تعریف فرمائی اور ساتھ اپنی خواہش بھی ظاہر فرمادی کہ کاش! وہ رات میں نماز پڑھا کرے۔

فرماتے ہیں " **فكان بعد لا ينام من الليل إلا قليلا** " اس کے بعد وہ رات کو بہت کم وقت سوتے تھے، زیادہ وقت نماز میں گزارا کرتے تھے، کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے یہ بات فرمائی تھی۔

اب یہاں حضور اقدس ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے ساتھ معاملہ دیکھئے کہ ایک طرف تو یہ ظاہر کردیا کہ یہ واجب نہیں ہے لیکن اگر پڑھا کرے تو اچھا ہے اور یہ اس لئے کہ آپ ﷺ کو اعتماد تھا کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ سنیں گے تو نماز شروع کردیں گے۔

اس کے بعد انہوں نے ساری عمر اس کو جاری رکھا۔ یہ صحابۂ کرام ؓ کا جذبۂ اتباع اور حضور اقدس ﷺ کا صحابہؓ پر اعتماد ہے۔

قیام اللیل کی فضیلت پر استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے قیام اللیل کی فضیلت پر استدلال کرتے ہیں اور ساتھ اس بات پر بھی کہ قیام اللیل واجب نہیں ہے، اگر واجب ہوتا تو آپ ﷺ باقاعدہ حکم دیتے، یہاں حکم نہیں دیا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ "**لو كان يصلي من الليل**".

وكنت غلاما شابا، وكنت أنا في المسجد على عهد النبي ﷺ۔

حدیث باب میں فقہی مسئلہ

مسئلہ نوم فی المسجد

امام بخاری رحمہ اللہ نے ماقبل کتاب الصلاۃ میں باب قائم کیا ہے کہ **"باب نوم الرجال فی المسجد"** مسجد کے اندر مردوں کا سونا بھی جائز ہے جس کے لئے تین روایتیں لائے ہیں ایک عرنیین کی، کیونکہ عرنیین کو شروع میں مسجد میں ٹھہرایا گیا تھا تو وہ وہاں پر سوئے بھی ہوں گے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ میں نوجوان تھا اور کنوارا تھا میرا کوئی گھر نہیں تھا تو وہیں مسجد نبوی کے اندر سویا کرتا تھا۔

تو ان دونوں روایتوں کے نقل کرنے سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مسجد کے اندر سونا مرد کے لئے بھی جائز ہے، اور عورت کے لئے بھی جائز ہے اور یہی مسلک امام شافعی رحمہ اللہ کا ہے کیونکہ ان کے ہاں نوم فی المسجد مطلقاً جائز ہے۔

حنفیہ اور مالکیہ کا مسلک

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مسجد کے اندر سونا مکروہ ہے اور جب مردوں کے لئے مکروہ ہے تو عورتوں کے لئے بطریق اولیٰ مکروہ ہوگا کیونکہ ان کے سونے میں تو اور زیادہ فتنہ ہے اس واسطے مکروہ ہے، البتہ کوئی مسافر ہو جس کا کوئی اور ٹھکانہ نہ ہو تو وہ مسجد میں سوسکتا ہے یا کوئی ایسا شخص ہے جو بے گھر ہے تو وہ بھی مسجد میں سوسکتا ہے یا معتکف ہے تو وہ بھی حالت اعتکاف میں مسجد میں سوسکتا ہے۔

لیکن عام حالت میں جب کہ آدمی نہ مسافر ہو نہ معتکف ہو نہ بے گھر ہو تو ایسی صورت میں اس کے لئے مسجد کے اندر سونا مکروہ ہے۔[۴]

حنفیہ دلیل میں یہ بات پیش کرتے ہیں کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مسجد میں سوگیا تو حضور اکرم ﷺ تشریف لائے اور آپ نے مجھے لات مار کر اٹھایا۔ لات مار کر اٹھانا اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد کے اندر سونے کو آپ ﷺ نے پسند نہیں فرمایا اور مکروہ قرار دیا۔[۵]

---

۴ وفیہ : جواز النوم فی المسجد ، ولا کراھة فیہ عند الشافعی . ومالک وابن القاسم یکرھان المبیت فیہ للحاضر القوی وجوزہ ابن القاسم للضعیف الحاضر الخ ، عمدة القاری ج: ۵، ص: ۴۳۷.

۵ عن أبی ذر قال أتانی نبی اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وأنا نائم فی المسجد فضربنی برجلہ قال ألا اراک نائماً فیہ قلت یانبی اللّٰہ غلبتنی عینی ، کذا ذکرہ الدارمی فی "سننہ" باب النوم فی المسجد ، رقم: ۱۳۹۹ ، ج: ۱ ، ص: ۳۷۹، دارالنشر دارالکتب العربی ، بیروت ، سنة النشر ۱۴۰۷ھ.

جتنی روایتیں جواز کی آئی ہیں جیسے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے متعدد مقامات پر ذکر کی ہیں وہ یا تو مسافر ہیں یا بے گھر ہیں، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ خود کہہ رہے ہیں کہ میرا کوئی گھر نہیں تھا۔ عرنیین مسافر لوگ تھے اور بے گھر تھے، یہ خاتون جو تھیں یہ بھی انتہائی ضرورت کی وجہ سے اکیلی آئی تھی اور آ کر مسلمان ہوگئی تھی، اس نے قبیلہ کو چھوڑا تھا، تو اس کو کوئی جگہ دینے والا نہیں تھا، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے وقتی طور پر مسجد میں جھونپڑی ڈال دی۔

تو ان وقتی احکام کو جو کسی ضرورت سے پیش آئے ایک عام قاعدہ بنالینا اور اس کی وجہ سے اتنا توسع کرنا کہ مسجد میں سونا بلا کراہت مردوں کے لئے بھی اور عورتوں کے لئے بھی جائز ہے، یہ مناسب نہیں، جہاں جو چیز جس ماحول میں، جس سیاق میں وارد ہوئی ہے، اسی سیاق میں اس کو رکھنا چاہئے۔

یہ ساری توجیہات اُس وقت ہیں جب یہ کہا جائے کہ یہ خیمہ عین مسجد کے اندر گاڑھا گیا تھا یا عرنیین اور عبداللہ بن عمرؓ عین مسجد میں سوتے تھے، لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مسجد کی جو فنا ہے اس میں یہ واقعات ہوئے ہوں۔

(۴) باب ترک القیام للمریض

مریض کے لئے تمام قیام چھوڑ دینے کا بیان

۱۱۲۴ - حدثنا أبو نعیم قال: حدثنا سفیان، عن الأسود قال: سمعت جندبا یقول: اشتکی النبی ﷺ فلم یقم لیلة أو لیلتین. [انظر: ۱۱۲۵، ۴۹۵۰، ۴۹۵۱، ۴۹۸۳][۷]

۱۱۲۵ - حدثنا محمد بن کثیر قال: أخبرنا سفیان، عن الأسود بن قیس، عن جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال: احتبس جبریل علیہ السلام عن النبی ﷺ فقالت امرأة من قریش: أبطأ علیہ شیطانہ. فنزلت ﴿وَالضُّحَی وَاللَّیْلِ إِذَا سَجَی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلَی﴾ [الضحی: ۱-۳]. [راجع: ۱۱۲۴]

"**فقالت امرأة من قریش: أبطأ علیہ شیطانہ**" یہ ابولہب کی کمبخت بیوی تھی جس نے یہ کہا تھا۔

اس واقعہ کو اس باب میں لانے کا منشا یہ ہے کہ دوسری روایت میں جو خود امام بخاریؒ نے تفسیر میں ذکر کی ہے کہ جب آپ ﷺ کچھ بیماری کی وجہ سے دو تین راتیں تہجد نہ پڑھ سکے تو اس وقت کسی نے آنحضرت ﷺ کو کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ میاں نے تمہیں چھوڑ دیا ہے، اس لئے تم اللہ تعالیٰ کے پاس حاضری نہیں دے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے بیماری کی بنا پر قیام اللیل ترک فرمایا تھا۔

---

[۷] وفی صحیح مسلم، کتاب الجھاد والسیر، باب مالقی النبی من أذی المشرکین والمنافقین، رقم: ۳۳۵۵، ومسند أحمد، اول مسند الکوفیین، باب حدیث جندب البجلی، رقم: ۱۸۰۴۳، ۱۸۰۵۳.

(۵) باب تحريض النبي ﷺ على قيام الليل والنوافل من غير إيجاب،

رات کی نمازوں اور نوافل کی طرف نبی ﷺ کے رغبت دلانے کا بیان

وطرق النبي ﷺ فاطمة وعليا عليهما السلام ليلة للصلاة.

۱۱۲۶ - حدثنا ابن مقاتل: قال حدثنا عبدالله قال: أخبرنا معمر، عن الزهري، عن هند بنت الحارث، عن أم سلمة رضي الله عنها: أن النبي ﷺ استيقظ ليلة فقال: «سبحان الله، ماذا أنزل الليلة من الفتنة! ماذا أنزل من الخزائن من يوقظ صواحب الحجرات؟ يارب كاسية في الدنيا عارية في الآخرة. [راجع: ۱۱۵]

یہ حدیث کتاب العلم میں گزر چکی ہے۔ یہاں لانے کا منشا یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس خاص رات میں ازواج مطہرات کو جگانے کا اہتمام فرمایا، دوسری راتوں میں اہتمام نہیں فرماتے تھے۔ اگر واجب ہوتا تو اور راتوں میں بھی اہتمام فرماتے۔ معلوم ہوا کہ واجب نہیں اس لئے ترجمہ قائم کیا کہ "باب تحريض النبي ﷺ" آگے فرمایا "وطرق النبي ﷺ فاطمة وعليا عليهما السلام ليلة للصلاة" اس کی تفصیل اگلی روایت میں آرہی ہے۔

۱۱۲۷ - حدثنا أبو اليمان قال: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني علي ابن حسين أن حسين بن علي أخبره: أن علي بن أبي طالب أخبره: أن رسول الله ﷺ طرقه وفاطمة بنت النبي ﷺ ليلة فقال: ألا تصليان؟ فقلت: يا رسول الله، أنفسنا بيدالله، فإذا شاء أن يبعثنا بعثنا. فانصرف حين قلت ذلك ولم يرجع إلي شيئاً. ثم سمعته وهو مول يضرب فخذه وهو يقول ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ [الكهف: ۵۴]. [انظر: ۴۷۲۴، ۷۳۴۷، ۷۴۶۵] [ے]

یہ ساری حدیث اہل بیت سے مروی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات حضرت نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے "طرق" کے معنی ہیں "رات کے وقت کسی کے پاس جانا"۔

ے وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب ما روى فيمن نام الليل اجمع حتى اصبح، رقم: ۱۲۹۴، وسنن النسائي، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب الترغيب في قيام الليل، رقم: ۱۵۹۳، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب ومن مسند علي بن أبي طالب، رقم: ۵۳۹، ۶۷۲، ۸۵۸.

" **وفاطمة بنت النبي ﷺ ليلة فقال : ألا تصليان ؟** " آکر انہیں اٹھایا اور فرمایا: کیا تم نماز نہیں پڑھتے یعنی تہجد کی نماز؟

" **فقلت : يا رسول الله، أنفسنا بيد الله، فإذا شاء أن يبعثنا بعثنا** " میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری ساری جانیں اللہ کے قبضے میں ہیں، جب اللہ تعالیٰ ہمیں اٹھانا چاہیں تو اٹھا دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہم سو گئے تو غیر اختیاری طور پر آنکھ نہیں کھلی، اس لئے نہیں اٹھے۔

" **فانصرف حين قلت ذلك** " جب میں نے یہ بات کی تو حضور اقدس ﷺ واپس تشریف لے گئے " **ولم يرجع إلي شيئاً** " اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ " **ثم سمعته وهو مول** " پھر میں نے آپ ﷺ کو سنا کہ آپ ﷺ پیٹھ پھیر کر تشریف لے جا رہے ہیں۔

" **وهو مول يضرب فخذه وهو يقول ﴿وَكَانَ الْإِنسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾** " اپنی ران مبارک پر ہاتھ مارا اور فرما رہے تھے کہ انسان بڑا حجت کرنے والا ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا اس کا مطلب حضرت علیؓ کے جواب اور عذر کے صحیح ہونے کا اثبات ہے کہ حضرت علیؓ نے جو یہ فرمایا کہ غیر اختیاری طور پر سو گئے تھے، گویا یہ عذر آپ ﷺ نے قبول فرمالیا۔

لیکن یوں لگتا ہے کہ اس میں تھوڑا سا پہلو نکیر کا بھی ہے، جس کی دلیل نسائی کی روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رات کو حضور ﷺ نے جا کر ان کو جگایا کہ نماز پڑھ لو، لیکن یہ دوبارہ سو گئے اور جب آپ ﷺ دوبارہ تشریف لائے تو دوبارہ جگایا کہ کیا نماز نہیں پڑھتے؟

اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا " **انما انفسنا بيد الله** " کہ ہماری جانیں تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔[۵]

آنحضرت ﷺ اس کا جواب دیئے بغیر واپس تشریف لے گئے اور فرمایا " **وكان الإنسان أكثر شئي جدلا** " کہ یہ بات ایک طرح کی تاویل ہے کیونکہ پہلے اٹھا کر گیا تھا، تو یہ تاویل کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

نسائی کی روایت کی روشنی میں اس میں اس بات کا عنصر بھی پایا جاتا ہے کہ جب آپ ﷺ ایک مرتبہ پہلے اٹھا چکے تھے تو دوبارہ شدید نکیر فرماتے اور ناراضگی کا اظہار فرماتے، لیکن اس طرح نہیں کیا، کیونکہ اس طرح اس وقت کیا جاتا ہے جب واجب ترک ہو رہا ہو، لیکن یہاں واجب ترک نہیں ہو رہا ہے، کیونکہ صلوٰۃ اللیل ہے اور یہ واجب نہیں ہے اس لئے شدید نکیر نہیں فرمائی بلکہ واپس تشریف لائے اور ذرا سا اس طرف اشارہ فرما دیا " **وكان الإنسان أكثر شئي جدلا** "۔

---

۵ سنن النسائي، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب رقم: ۱۵۹۳.

۱۱۲۸ - حدثنا عبدالله بن يوسف قال : أخبرنا مالک عن ابن شهاب ، عن عروة ، عن عائشة رضی الله عنها قالت : إن كان رسول الله ﷺ ليدع العمل وهو يحب أن يعمل به خشية أن يعمل به الناس فيفرض عليهم. وما سبح رسول الله ﷺ سبحة الضحى قط ، وإني لأسبحها. [انظر: ۱۱۷۷] [۹]

یہ اپنے علم کے مطابق فرما رہی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ضحیٰ کبھی نہیں پڑھی لیکن دوسرے صحابہ کرام ﷺ کی طرف سے اثبات ہے۔

۱۱۲۹ - حدثنا عبد اللّٰه بن يوسف قال : أخبرنا مالک عن ابن شهاب ، عن عروة ابن الزبير ، عن عائشة أم المؤمنين رضی اللّٰه عنها : أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صلى ذات ليلة في المسجد فصلى بصلاته ناس ، ثم صلى من القابلة فكثر الناس ، ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة أو الرابعة فلم يخرج إليهم رسول اللّٰه ﷺ فلما أصبح قال : ((قد رأيت الذی صنعتم ولم يمنعني من الخروج إليكم إلا أني خشيت أن تفرض عليكم)) . وذلک في رمضان . [راجع : ۷۲۹]

یہاں حجرہ کا ذکر ہے، ظاہری الفاظ سے یوں لگ رہا ہے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کا حضرت عائشہؓ والا معروف حجرہ تھا جس میں آپ ﷺ قیام فرمایا کرتے تھے، لیکن آگے احادیث میں آئے گا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے وہ حجرہ مراد نہیں ہے بلکہ ہوتا یہ تھا کہ رمضان المبارک میں جب نبی کریم ﷺ اعتکاف فرماتے تھے تو اعتکاف کے لئے ایک چٹائی مبارک ہوتی تھی جو دن کے وقت زمین پر بچھا دی جاتی اور اس پر آپ ﷺ تشریف فرماتے ہوتے اور رات کے وقت اس کو کھڑا کر کے ایک کمرے کی شکل دیدیتے اور اس میں آپ ﷺ رات کے وقت نماز پڑھا کرتے تھے۔ تو حجرہ سے مراد چٹائی والا حجرہ ہے اور یہ نماز رمضان المبارک کی نماز ہے یعنی تراویح اور لوگوں کا آکر اقتدا کرنا بھی اسی نماز تراویح میں ہے، جیسا کہ روایتوں میں مذکور ہے، لہٰذا اس سے جن لوگوں نے تہجد کی نماز پر استدلال کیا ہے وہ استدلال درست نہیں اس لئے کہ یہ نماز تراویح کی تھی۔

---

[۹] وفي صحيح مسلم ، كتاب صلاة المسافرين وقصرها ، باب إستحباب صلاة الضحى وأن أقلها ركعتان وأكملها ، رقم : ۱۱۷۳ ، وسنن أبي داود ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الضحى ، رقم : ۱۱۰۱ ، ومسند أحمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۲۹۲۷ ، ۲۳۲۲۰ ، ۲۳۱۸۳ ، ۲۳۱۹۵ ، ۲۳۲۷۹ ، ۲۳۶۸۵ ، ۲۳۸۱۸ ، وموطا مالک ، كتاب النداء للصلاة ، باب صلاة الضحى ، رقم : ۳۲۳ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصلاة ، باب ماجاء في الكراهية فيه ، رقم : ۱۴۱۹ .

(٦) باب قيام النبي ﷺ الليل

نبی ﷺ کے کھڑے ہونے کا بیان

”وقالت عائشة رضي الله تعالىٰ عنها : كان يقوم حتى تفطر قدماه . والفطور : الشقوق ، إنفطرت : إنشقت“ .

۱۱۳۰ ۔ حدثنا أبو نعيم قال : حدثنا مسعر ، عن زياد قال : سمعت المغيرة رضي الله عنه يقول : إن كان النبي ﷺ ليقوم أو ليصلي حتى ترم قدماه أو ساقاه : فيقال له فيقول : ((أفلا أكون عبدا شكورا ؟)) . [انظر : ۴۸۳۶ ، ۶۴۷۱] [۱۰]

حدیث کی تشریح وتفصیل کتاب التفسیر میں آ جائے گی ان شاء اللہ۔ البتہ مفہوم وخلاصہ حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ [۱۱]

---

[۱۰] وفي صحيح مسلم ، كتاب صفة القيامة والجنة والنار ، باب رقم : ۵۰۴۴ ، وسنن الترمذي ، كتاب الصلاة ، باب رقم : ۳۷۷ ، وسنن النسائي ، كتاب قيام الليل وتطوع النهار ، باب رقم :

[۱۱] فائدہ: ”حدیبیہ“ کی صلح بظاہر ذلت ومغلوبیت کی صلح نظر آتی ہے اور شرائط صلح پڑھ کر بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کفار قریش کے حق میں ہوا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی صلح کی ظاہری سطح دیکھ کر سخت محزون ومضطرب تھے۔ لیکن بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک یعنی تقریباً دو سال کی مدت میں اتنی کثرت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے کہ کبھی اس قدر نہ ہوئے تھے، اور نامور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی دوران میں اسلام کے حلقہ بگوش بنے کہ یہ جسموں نہیں دلوں کو فتح کر لینا اسی صلح حدیبیہ کی اعظم ترین برکت تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ صلح حدیبیہ نہ صرف فتح مکہ اور فتح خیبر بلکہ آئندہ کی کل فتوحات اسلامیہ کے لئے صلح حدیبیہ بطور اساس وبنیاد اور زرین دیباچہ کے تھی اور اس تحمل وتوکل اور تعظیم حرمات اللہ کی بدولت، جو صلح کے سلسلہ میں ظاہر ہوئی، جن علوم ومعارف قدسیہ اور باطنی مقامات ومراتب کا فتح باب ہوا ہوگا اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے! ہاں! تھوڑا سا اجمالی اشارہ حق تعالیٰ نے ان آیتوں میں فرمایا یعنی جیسے سلاطین دنیا کسی بہت بڑے فاتح جرنیل کو خصوصی اعزاز واکرام سے نوازتے ہیں، خداوند قدوس نے اس فتح مبین کے صلہ میں آپ ﷺ کو چار چیزوں سے سرفراز فرمایا جن میں پہلی چیز غفران ذنوب ہے (ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب کوتاہیاں جو آپ کے مرتبہ رفیع کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائے بالکلیہ معاف ہیں) یہ بات اللہ تعالیٰ نے اور کسی بندہ کے لئے نہیں فرمائی۔ مگر حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر عبادت اور محنت کرتے تھے کہ راتوں کو کھڑے کھڑے پاؤں سوج جاتے تھے جس کو دیکھ کر لوگوں کو رحم آتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عرض کرتے کہ یا رسول اللہ! آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما چکا۔ آپ ﷺ فرماتے: ”أَفَلَا أَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا“ (تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں) ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ایسی بشارت اسی بندہ کو سنائیں گے جو سن کر نڈر نہ ہو جائے بلکہ اور زیادہ خدا تعالیٰ سے ڈرنے لگے۔ شفاعت کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مخلوق جمع ہو کر حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس جائے گی تو وہ فرمائیں گے کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ جو خاتم النبیین ہیں اور جن کی اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ تعالیٰ معاف کر چکا ہے (یعنی اس مقام شفاعت میں اگر بالفرض کوئی تقصیر بھی ہو جائے تو وہ بھی عفو عام کے تحت میں پہلے ہی آ چکی ہے) بجز ان کے اور کسی کا یہ کام نہیں۔ سورۃ الفتح، تفسیر عثمانی، فائدہ نمبر ۱۰، صفحہ نمبر ۶۷۹۔

(۷) باب من نام عند السحر

رات کے آخری حصہ میں سو جانے کا بیان

۱۱۳۱ ۔ حدثنا علي بن عبدالله قال: حدثنا سفيان قال: حدثنا عمرو بن دينار أن عمرو بن أوس أخبره: أن عبدالله بن عمرو بن العاصي رضي الله عنهما أخبره أن رسول الله ﷺ قال له: «أحب الصلاة إلى الله صلاة داؤد عليه السلام. وأحب الصيام إلى الله صيام داود، وكان ينام نصف الليل، ويقوم ثلثه، وينام سدسه. ويصوم يوما ويفطر يوما».
[انظر: ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۹۷۴، ۱۹۷۵، ۱۹۷۶، ۱۹۷۷، ۱۹۷۸، ۱۹۷۹، ۱۹۸۰، ۳۴۱۸، ۳۴۱۹، ۳۴۲۰، ۵۰۵۲، ۵۰۵۴، ۵۱۹۹، ۶۱۳۴، ۶۲۷۷] [۱۲]

أحب الصلاة إلى الله صلاة داؤد عليه السلام. وأحب الصيام إلى الله صيام داود ۔ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پسندیدہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اور ان کے روزے ہیں۔ ان کی نماز یہ ہے کہ "ینام نصف الليل" آدھی رات سوتے تھے "ويقوم ثلثه" اور ایک تہائی کھڑے ہو کر عبادت کرتے تھے "وينام سدسه" اور پھر آخری حصہ یعنی چھٹا حصہ سوتے تھے۔

معلوم ہوا کہ تہجد کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ آدمی شروع میں سوئے پھر بیدار ہو جائے پھر آخر شب میں سوئے بشرطیکہ پھر جاگنے کا اہتمام کرے۔ حضور اقدس ﷺ سے بھی یہ طریقہ ثابت ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۱۱۳۲ ۔ حدثنا عبدان قال: أخبرني أبي، عن شعبة، عن أشعث قال سمعت أبي قال: سمعت مسروقا قال: سألت عائشة رضي الله عنها: أي العمل كان أحب إلى رسول الله ﷺ؟ قالت: الدائم. قلت: متى كان يقوم؟ قالت: كان يقوم إذا سمع الصارخ.

---

[۱۲] وفي صحيح مسلم، كتاب الصيام، باب النهي عن صوم الدهر لمن تضرر به أو فوت به حق، رقم: ۱۹۶۹، وسنن الترمذي، كتاب الصوم عن رسول الله، باب ماجاء في سرد الصوم، رقم: ۷۰۱، وسنن النسائي، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب ذكر صلاة نبي الله داؤد بالليل، رقم: ۱۶۱۲، وكتاب الصيام، باب صوم نبي الله داؤد، رقم: ۲۳۰۳، وسنن أبي داؤد، كتاب الصوم، باب في صوم يوم وفطر يوم، رقم: ۲۰۹۲، وسنن ابن ماجة، كتاب الصيام، باب ماجاء في صيام داؤد، رقم: ۱۷۰۲، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمرو بن العاص، رقم: ۶۱۸۸، ۶۲۰۳، ۶۲۶۶، ۶۵۲۲، ۶۲۷۴، ۶۲۲۰، ۶۸۰۲، وسنن الدارمي، كتاب الصوم، باب في صوم داؤد، رقم: ۱۶۸۷.

حدثنا محمد بن سلام قال : أخبرنا أبوالأحوص : عن الأشعث قال : إذا سمع الصارخ قام فصلى . [انظر : ۶۴۶۱، ۶۴۶۲] [۱۳]

حضور اقدس ﷺ کو وہ عمل پسند تھا جو دائمی ہو جس کو آدمی پابندی سے کر سکے اور ساتھ پوچھا کہ "متی کان یقوم ؟" یعنی آپ ﷺ کس وقت بیدار ہوتے تھے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا" كان يقوم إذا سمع الصارخ "اس وقت بیدار ہوا کرتے تھے جب "صارخ" کی آواز سنتے۔ "صارخ" کے معنی ہیں چیخنے والا، مراد مرغا ہے اور مرغ آدھی رات کو بولتے تھے۔

۱۱۳۳ - حدثنا موسیٰ بن إسماعيل قال : حدثنا إبراهيم بن سعد قال : ذكر أبي ، عن أبي سلمة ، عن عائشة رضي الله عنها قالت : ما ألفاه السحر عندي إلا نائما ، تعني النبي ﷺ .

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سحری کے وقت اپنے پاس نہیں پایا مگر سوئے ہوئے یعنی فجر سے ذرا پہلے جو سحری کا وقت ہوتا ہے تو اس میں آپ ﷺ میرے پاس سویا کرتے تھے۔

اب بعض اوقات سو جایا کرتے تھے اور بعض اوقات ویسے ہی لیٹ جایا کرتے تھے، دونوں باتیں ثابت ہیں، اسی پر زیادہ عمل تھا جو حضرت داؤد علیہ السلام کا عمل تھا یعنی ینام سُدُسَہ، آخری حصہ میں سویا کرتے تھے۔

(۸) باب من تسحر فلم ينم حتى صلى الصبح

اس شخص کا بیان جس نے سحری کھائی اور وقت تک نہ سویا جب تک صبح کی نماز پڑھ لی

۱۱۳۴ - حدثنا يعقوب بن إبراهيم قال : حدثنا روح قال : حدثنا سعيد بن أبي عروبة ، عن قتادة ، عن أنس بن مالك رضي الله عنه : أن رسول الله ﷺ وزيد بن ثابت رضي الله عنه : تسحرا ، فلما فرغا من سحورهما قام نبي الله ﷺ إلى الصلاة فصلى . فقلنا

---

[۱۳] وفي صحيح مسلم ، كتاب صلاة المسافرين وقصرها ، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي في الليل وأن الوتر ركعة وأن الركعة صلاة صحيحة ، رقم : ۱۲۲۵ ، وسنن النسائي ، كتاب قيام الليل وتطوع النهار ، باب وقت القيام ، رقم: ۱۵۹۸ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب ما يؤمر به من القصد في الصلاة ، رقم : ۱۱۲۳ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب الزهد ، باب المداومة على العمل ، رقم : ۴۲۲۸ ، ومسند أحمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۲۹۹۳، ۲۳۰۳۳، ۲۳۱۱۱.

لأنس : کم کان بین فراغهما من سحورهما و دخولهما فی الصلاة ؟ قال : کقدر مایقرأ الرجل خمسین آیة. [راجع : ۵۷۶]

یہ حدیث پہلے گزر گئی ہے، یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ پیچھے حدیث میں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بیان فرمایا ہے کہ سحری میں میرے پاس سویا کرتے تھے، اس حدیث کو لا کر بتا رہے ہیں کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں تھا، کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ جاگ رہے ہوتے تھے۔

چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ والے اس واقعہ میں حضرت انسؓ اس کو بیان کر رہے ہیں کہ اس وقت آپ ﷺ سحری کے وقت جاگے ہوئے تھے، سحری کی اور پھر فوراً نماز کے لئے تشریف لے گئے، درمیان میں سوئے نہیں۔

۱۱۳۶ ۔ حدثنا حفص بن عمر قال : حدثنا خالد بن عبداللہ ، عن حصین ، عن أبی وائل ، عن حذیفة رضی اللہ عنه : أن النبی ﷺ کان إذا قام للتهجد من اللیل یشوص فاه بالسواک. [راجع : ۲۴۵]

ترجمۃ الباب سے مناسبت

جب آپ ﷺ تہجد کے لئے کھڑے ہوتے تو مسواک سے اپنے دانت وغیرہ مانجھا کرتے تھے۔ اس کو **"باب طول القیام فی صلوٰۃ اللیل"** میں لانے کا بظاہر کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا، شراح بڑے حیران ہوئے کہ یہاں اس حدیث کو کیوں لائے؟

قریب ترین توجیہ یہ ہے کہ بیدار ہونے کے بعد مسواک کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ لمبے قیام کی تیاری کی جارہی ہے۔ اگر تھوڑا سا پڑھنا ہوتا تو پھر یہ سب اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

(۱۰) باب کیف صلاة النبی ﷺ ؟ وکم کان النبی ﷺ یصلی باللیل؟

نبی ﷺ کی نماز کیسی تھی اور یہ کہ نبی ﷺ رات کو کس قدر نماز پڑھتے تھے

۱۱۳۷ ۔ حدثنا أبو الیمان قال : أخبرنا شعیب ، عن الزهری قال : أخبرنی سالم ابن عبد اللہ أن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنهما قال : أن رجلا قال : یا رسول اللہ ، کیف صلاة اللیل ؟ قال : ((مثنی مثنی ، فإذا خفت الصبح فأوتر بواحدة)). [راجع : ۴۷۲]

۱۱۳۸ ۔ حدثنا مسدد قال : حدثنی یحیی عن شعبة قال : حدثنی أبو جمرة ، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال : کانت صلاة النبی ﷺ ثلاث عشرة رکعة ، یعنی باللیل .

۱۱۳۹ ۔ حدثني إسحاق قال : حدثنا عبيدالله بن موسى قال : أخبرني إسرائيل ، عن أبي حصين ، عن يحيى بن وثاب عن مسروق قال : سألت عائشة رضي الله عنها عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم بالليل فقالت : سبع ، وتسع ، وإحدى عشرة ، سوى ركعتي الفجر .

۱۱۴۰ ۔ حدثنا عبيدالله بن موسىٰ قال : أخبرنا حنظلة عن القاسم بن محمد ، عن عائشة رضي الله عنها قالت : كان النبي ﷺ يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة ، منها الوتر وركعتا الفجر .[۴۱]

سوال: تیرہ رکعتیں کس طرح ہوئیں؟

جواب: آٹھ رکعتیں تہجد کی، تین رکعتیں وتر کی اور دو رکعتیں سنت فجر کی۔ اس طرح کل تیرہ رکعتیں ہو گئیں۔

(۱۱) باب قيام النبي ﷺ بالليل من نومه وما نسخ من قيام الليل،

آنحضرت ﷺ کا رات کو کھڑے ہونے اور سونے کا بیان

وقوله تعالىٰ ﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ . قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيْلًا . نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا . أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيْلًا . إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا . إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيْلًا . إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحاً طَوِيْلاً ﴾[المزمل : ۱ ـ ۷]وقوله : ﴿عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ عَلِمَ أَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَرْضَى وَآخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللهِ . وَآخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللهِ فَاقْرَؤُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ . وَأَقِيْمُوْا الصَّلَاةَ وَآتُوْا الزَّكَاةَ . وَأَقْرِضُوْا اللهَ قَرْضاً حَسَناً . وَمَا تُقَدِّمُوْا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللهِ هُوَ خَيْراً وَأَعْظَمَ أَجْراً﴾[المزمل : ۲۰] قال أبو عبدالله : قال ابن عباس رضي

---

[۴۱] وفي صحيح مسلم ، كتاب صلاة المسافرين وقصرها ، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي في الليل وأن الوتر ركعة وأن الركعة صلاة صحيحة ، رقم : ۱۲۱۵ ، وسنن الترمذي ، كتاب الصلاة ، باب ماجاء في وصف صلاة النبي بالليل ، رقم : ۴۰۳ ، وسنن النسائي ، كتاب قيام الليل وتطوع النهار ، باب كيف الوتر بواحدة ، رقم : ۱۶۷۸ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب في صلاة الليل ، رقم : ۱۱۳۷ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب إقامة الصلاة و السنة فيها ، باب ماجاء في كم يصلي بالليل ، رقم : ۱۳۴۸ ، ومسند أحمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۲۹۲۸ .

اللہ عنہما : نشأ : قام بالحبشیة . وطاء ، قال : مواطأة للقرآن ، أشد موافقة لسمعه وبصره وقلبه. لیواطئوا : لیوافقوا.

تہجد کا شرعی حکم

نبی کریم ﷺ کا رات کے وقت میں قیام فرمانا بھی ثابت ہے اس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حالات ونشاط کے مطابق کبھی کم رکعتیں پڑھتے اور کبھی زیادہ، اور سونا بھی ثابت ہے یعنی عدم قیام تو اس طرح دونوں ثابت ہیں۔

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ ایک اختلاف کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں۔ جو فقہاء اور علماء کرام کے درمیان ہوا ہے۔ اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ صلوٰۃ اللیل امت کے حق میں واجب نہیں، صرف ابن حزم اس کو واجب کہتے ہیں، باقی کسی کے نزدیک واجب نہیں۔

لیکن اس میں اختلاف ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لئے تہجد کی نماز واجب تھی یا نہیں؟

اس پر بھی اتفاق ہے کہ شروع میں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ . قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا . نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا. [المزمل: ۱-۳]

اس میں چونکہ صیغۂ **قم** اور **انقص** امر ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اس لئے واجب تھی، لیکن بعد میں جب امت کے حق میں منسوخ ہوئی تو کیا اس وقت رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی وجوب منسوخ ہوا یا نہیں؟ اس میں علماء وفقہاء کے دونوں قول ہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے لئے آخر وقت تک وجوب باقی رہا۔ بعض کہتے ہیں کہ بعد میں حضور ﷺ کے لئے بھی وجوب منسوخ ہوگیا تھا۔ دونوں فریق ایک ہی آیت سے استدلال کرتے ہیں اور وہ ہے "**ومن الليل فتهجد به نافلة لك**"۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ وجوب منسوخ ہوگیا، وہ کہتے ہیں "**نافلة لك**" کے معنی یہ ہیں کہ حضور ﷺ کے لئے بھی صلوٰۃ اللیل نفل اور تطوع تھی، فرض نہ تھی۔

اور جو حضرات کہتے ہیں کہ واجب تھی وہ کہتے ہیں کہ "**نافلة**" بمعنی "**نافلة لك**" میں جب "**لك**" کہا گیا، اگر یہ عام نفل ہوتی تو پھر "**لك**" نہ کہا جاتا، بلکہ سارے مؤمنین کے لئے نفل تھی "**لك**"

کے معنی ہیں "نافلة لک" یعنی "واجبا زائدا"۔ ﴿١﴾

امام بخاری رحمہ اللہ ان حضرات کی رائے کو راجح قرار دے رہے ہیں اور اختیار کر رہے ہیں جو یہ کہتے

﴿١﴾ للعلماء فيه أقوال : الأول : أنه ليس بفرض ، يدل على ذلك أن بعده : ﴿نصفه أو انقص منه قليلا أو زد عليه﴾ وليس كذلك يكون الفرض ، وإنما هو ندب . والثاني : أنه هو حتم . والثالث : أنه فرض على النبي ﷺ وحده ، وروى ذلك عن ابن عباس ، رضي الله تعالى عنهما ، قال : وقال الحسن وابن سيرين : صلاة الليل فريضة على كل مسلم ، ولو قدر حلب شاة . وقال إسماعيل بن إسحاق : قالا ذلك لقوله تعالى: ﴿فاقرء وا ما تيسر منه﴾ ، وقال الشافعي ، رحمه الله : سمعت بعض العلماء يقول : إن الله تعالى أنزل فرضا في الصلاة قبل فرض الصلوات الخمس ، فقال : ﴿يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ . قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ الآية ، ثم نسخ هذا بقوله : ﴿فاقرء وا ما تيسر منه﴾ ثم احتمل قوله : ﴿فاقرء وا ما تيسر منه﴾ أن يكون فرضا ثانيا ، لقوله تعالى : ﴿ومن الليل فتهجد به نافلة لك﴾ [الإسراء : ٧٩] . فوجب طلب الدليل من السنة على أحد المعنيين ، فوجدنا سنة النبي ﷺ أن لا واجب من الصلوات إلا الخمس . قال أبو عمر : قول بعض التابعين : قيام الليل فرض ولو قدر حلب شاة ، قول شاذ متروك لإجماع العلماء أن قيام الليل نسخ بقوله : ﴿علم أن لن تحصوه ....﴾ الآية . وروى النسائي من حديث عائشة : افترض القيام في أول هذه السورة على رسول الله ﷺ وعلى أصحابه حولا حتى انتفخت أقدامهم ، وأمسك الله خاتمتها اثني عشر شهرا ، ثم نزل التخفيف في آخرها ، فصار قيام الليل تطوعا بعد أن كان فريضة ، وهو قول ابن عباس ومجاهد وزيد بن أسلم و آخرين ، فيما حكمي عنهم النحاس ، وفي (تفسير ابن عباس) : ﴿قم الليل﴾ يعني : قم الليل كله إلا قليلا منه ، فاشتد ذلك على النبي ، صلى الله عليه وسلم ، وعلى أصحابه وقاموا الليل كله ولم يعرفوا ما حد القليل ، فأنزل الله تعالى : ﴿نصفه أو انقص منه قليلا﴾ فاشتد ذلك أيضا على النبي ، صلى الله تعالى عليه وسلم ، وعلى أصحابه فقاموا الليل كله حتى انتفخت اقدامهم ، وذلك قبل الصلوات الخمس ، ففعلوا ذلك سنة ، فأنزل الله تعالى ناسخها فقال : ﴿علم أن لن تحصوه﴾ يعني : قيام الليل من الثلث والنصف ، وكان هذا قبل أن تفرض الصلوات الخمس ، فلما فرضت الخمس نسخت هذه كما نسخت الزكاة كل صدقة ، وصوم رمضان كل صوم ، وفي (تفسير ابن الجوزي): كان الرجل يسهر طول الليل مخافة أن يقصر فيما أمر به من قيام ثلثي الليل أو نصفه أو ثلثه ، فشق عليهم ذلك ، فخفف الله عنهم بعد سنة ، ونسخ وجوب التقدير بقوله : ﴿علم أن لن تحصوه فتاب عليكم فاقرء وا ماتيسر من﴾ أى : صلوا ما تيسر من الصلاة ، ولو قدر حلب شاة ، ثم نسخ وجوب قيام الليل بالصلوات الخمس بعد سنة أخرى ، فكان بين الوجوب والتخفيف سنة ، وبين الوجوب والنسخ بالكلية سنتان . عمدة القارى ، ج:٥ ، ص:٣٧٣ ، و التمهيد لإبن عبدالبر ، ج:١٣ ، ص:٢٠٩ ، وأحكام القرآن للشافعي ، ج:١ ، ص:٥٣ ، والأم ، ج:١ ، ص:٦٨ .

ہیں کہ تہجد کی نماز حضور اکرم ﷺ کے ذمہ واجب نہیں تھی۔ چنانچہ کہتے ہیں "وما نسخ من قیام اللیل"

فرمایا "قال ابن عباس رضي الله عنهما : نشأ : قام بالحبشية" سورۂ مزمل میں آیا ہے "إن ناشئة الليل هي أشد وطأ وأقوم قيلا" تو "ناشئة" "نشأ" سے نکلا ہے، اس کی تشریح کر دی "قام" حبشی زبان میں۔

اور "وطأ" یعنی جو" أشد وطأ " ہے اس کے معنی ہیں "موافقة للقرآن" یعنی "أشد موافقة لسمعه وبصره وقلبه" کیونکہ "ليواطئوا، ليوافقوا" کے معنی میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت تمہارے دل، زبان، کان، اور نگاہ سب میں موافقت پیدا ہوگی۔

بعض حضرات نے "أشد وطأ" کی تشریح کی ہے اشد مشقة تو "وطأ" کے معنی مشقت کے بھی ہوتے ہیں۔

۱۱۴۳ـ حدثنا مؤمل بن هشام قال : حدثنا إسماعيل بن علية قال : حدثنا عوف قال : حدثنا أبو رجاء قال : حدثنا سمرة بن جندب رضي الله عنه عن النبي ﷺ في الرؤيا قال : « أما الذي يثلغ رأسه بالحجر فإنه يأخذ القرآن فيرفضه وينام عن الصلاة المكتوبة » [راجع: ۸۴۵]

تشریح

حضور اقدس ﷺ نے جو رؤیا کے متعلق ارشاد فرمایا یعنی وہ لمبی حدیث ہے جس میں ہے کہ جہنم کے مناظر دیکھے، اس میں یہ حصہ ہے " **أما الذي يثلغ رأسه بالحجر** " کہ جس شخص کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا یہ وہ شخص تھا " **فإنه يأخذ القرآن فيرفضه وينام عن الصلاة المكتوبة** " جو قرآن کو لیتا ہے یعنی اس نے قرآن یاد کیا پھر اس کا انکار کرتا ہے۔

اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ قرآن سیکھا مگر اس پر عمل نہ کیا، یا یہ ہیں کہ اس کو یاد کیا پھر بھلا دیا اور جو فرض نماز سے سو جاتا ہے وہ بھی اسی قسم کے عذاب میں مبتلا ہوگا۔

اس کو یہاں لانے کا منشأ یہ ہے کہ صلوۃ المکتوبۃ سے سونے پر یہ عذاب ہوگا، اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ صلوۃ غیر المکتوبۃ سے سونے پر عذاب نہیں، معلوم ہوا کہ اگر کوئی صلوۃ اللیل سے سو جائے تو اس پر عذاب نہیں۔

(۱۴) باب الدعاء والصلاة من آخر الليل،

رات کے آخری حصہ میں دعا اور نماز

وقال الله عزوجل : ﴿كَانُوا قَلِيلاً مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ﴾ أي : ما ينامون .

﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ [الذاريات: ۱۷۔۱۸]

كَانُوْا قَلِيْلاً مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ.

ترجمہ: نیکی والے وہ تھے رات کو تھوڑا سوتے اور صبح کے وقتوں میں معافی مانگتے۔

فائدہ: یعنی رات کا اکثر حصہ عبادت الٰہی میں گذارتے اور سحر کے وقت جب رات ختم ہونے کو آتی اللہ سے اپنی تقصیرات کی معافی مانگتے کہ الٰہی حق عبودیت ادا نہ ہوسکا جو کوتاہی رہی اپنی رحمت سے معاف فرمادیجئے۔ کثرت عبادت اُن کو مغرور نہ کرتی تھی بلکہ جس قدر بندگی میں ترقی کرتے جاتے خشیت وخوف بڑھتا جاتا تھا۔

۱۱۴۵۔ حدثنا عبد اللہ بن مسلمة، عن مالک، عن ابن شهاب، عن أبي سلمة، وأبي عبد اللہ الأغر، عن أبي هريرة رضي اللہ عنه أن رسول اللہ ﷺ قال: ((ينزل ربنا تبارک وتعالى كل ليلة إلى سماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الآخر يقول: من يدعوني فأستجيب له؟ من يسألني فأعطيه؟ من يستغفرني فأغفر له؟)). [انظر: ۶۳۲۱، ۷۴۹۴]

ينزل ربنا تبارک وتعالى .... من يدعوني فأستجيب له؟

تشریح

حدیث میں یہ الفاظ فرمائے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تہائی رات گذرنے پر سماء دنیا کی طرف نزول فرماتے ہیں اس لئے اس حدیث میں بڑے معرکۃ الآراء کلامی مسائل پیدا ہو گئے جو کسی زمانہ میں بحث مناظرہ اور نزاع وجدال کا سبب بنے رہے ہیں۔ اور اصل مسئلہ کی حقیقت سمجھنی بھی ضروری ہے اس لئے اس بحث کا مختصر خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

جمہور سلف اور محدثین کا مذہب

مذکورہ مسئلہ میں جمہور سلف اور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ یہ احادیث متشابہات میں سے ہیں "نزول" کے ظاہری معنی جو تشبیہ کو مستلزم ہیں وہ مراد نہیں، باری تعالیٰ کے لئے "نزول" کو اتباعاً للنصوص ثابت مانا جائے گا، اس کے معنی مراد اور اس کی کیفیت کے بارے میں توقف اور سکوت کیا جائے گا اور اس میں خوض نہیں کیا جائے گا۔ ان حضرات کو "مفوضہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ کا موقف

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں یہ قصہ مشہور ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ جامع مسجد دمشق کے منبر

پر تقریر کرتے ہوئے حدیث کی تشریح کے دوران خود منبر سے دو سیڑھیاں اُتر کر کہا کہ **"ینزل کنزولی هذا"** یعنی باری تعالیٰ کا نزول میرے اس نزول کی طرح ہوتا ہے۔

اگر یہ واقعہ ثابت ہو تو بلا شبہ یہ نہایت خطرناک بات ہے، اور اس سے لازم آتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تشبیہ کے قائل ہیں، لیکن تحقیق یہ ہے کہ مستند طریقہ سے اس واقعہ کی نسبت علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف ثابت نہیں ہوتی۔

جہاں تک اس سلسلے میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے صحیح موقف کا تعلق ہے اس موضوع پر ان کی ایک مستقل کتاب ہے جو "شرح حدیث النزول" کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں علامہ ابن تیمیہؒ نے تشبیہ کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں **"وليس نزوله كنزول اجسام بني آدم من السطح الى الأرض بحيث يبقي السقف فوقهم ، بل الله منزه عن ذلك"**۔

تو علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نظریے کا یہ مختصر خلاصہ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ لفظ "نزول" کی تشریح سے توقف نہیں کرتے، بلکہ لفظ نزول کو حقیقی معنی پر محمول کر کے اس کی کیفیت سے توقف کرتے ہیں۔ جبکہ جمہور محدثین کے قول کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لفظ "نزول" کی تشریح سے توقف فرماتے ہیں، نہ یہ کہتے ہیں کہ اس کے حتمی معنی مراد ہیں اور نہ ہی یہ کہتے ہیں کہ مجازی معنی مراد ہیں۔

لہٰذا ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ دعویٰ محل نظر ہے کہ اُن کا مسلک بعینہٖ وہ ہے جو جمہور سلف کا ہے، بلکہ ان کے موقف میں اور جمہور محدثین کے موقف میں باریک فرق پایا جاتا ہے، جس کے تذکرے سے قدیم کتابیں لبریز ہیں۔ البتہ یہ معاذ اللہ تشبیہ اور تنزیہ کا فرق نہیں بلکہ تنزیہ ہی کی تعبیر کا فرق ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں ان کو جمہور اہل سنت سے مختلف قرار دے کر نشانائے ملامت بنانا درست نہیں۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کے مسائل میں سلامتی کا راستہ جمہور سلف ہی کا ہے جو ان الفاظ کی تشریح ہی سے توقف کرتے ہیں، کیونکہ تشریح کے نقطۂ آغاز سے ہی انسان اس پرخار وادی میں پہنچ جاتا ہے جہاں افراط و تفریط سے دامن بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔ علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے مقدمہ میں بڑی اچھی بات لکھی ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ کے مسائل عقل کے ادراک سے ماوراء ہیں۔

(۱۵) باب من نام أول الليل وأحيا آخره،

اس شخص کا بیان جو رات کے ابتدائی حصہ میں سو رہا اور آخری حصہ میں جاگا

وقال سلمان لأبي الدرداء رضي الله عنهما : نم ، فلما كان من آخر الليل قال:

ثم، قال النبي ﷺ: ((صدق سلمان)).

۱۱۴۶ - حدثنا أبو الوليد، حدثنا شعبة، وحدثني سليمان قال: حدثنا شعبة عن أبي إسحاق، عن الأسود قال: سألت عائشة رضي الله عنها كيف صلاة رسول الله ﷺ بالليل؟ قالت: كان ينام أوله ويقوم آخره فيصلي، ثم يرجع إلى فرشه، فإذا أذن المؤذن وثب، فإن كانت به حاجة إغتسل وإلا توضأ وخرج.

یہ دوسرا واقعہ ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ حضرت ابو درداءؓ کے پاس تھے، ان کی اہلیہ کو انہوں نے میلے کچیلے کپڑوں میں دیکھا۔ تو پوچھا کہ تم اپنے شوہر کے لئے کوئی تیاری نہیں کرتیں، انہوں نے کہا کہ یہ رات میں آتے ہیں اور نماز میں کھڑے ہوجاتے ہیں، میں کس کیلئے تیاری کروں؟

حضرت سلمان فارسیؓ نے حضرت ابو درداء سے کہا کہ تم سو جاؤ" فلما كان من آخر الليل قال: ثم، قال النبي ﷺ: صدق سلمان "بعد میں حضور ﷺ نے حضرت سلمانؓ کی اس ہدایت کی تصدیق کی۔

(۱۶) باب قيام النبي ﷺ بالليل في رمضان وغيره

حضور ﷺ کا رمضان اور غیر رمضان کی راتوں میں کھڑے ہونے کا بیان

۱۱۴۷ - حدثنا عبدالله بن يوسف قال: أخبرنا مالك، عن سعيد بن أبي سعيد المقبري، عن أبي سلمة بن عبدالرحمٰن أنه أخبره أنه سأل عائشة رضي الله عنها: كيف كانت صلاة رسول الله ﷺ في رمضان؟ فقالت: ما كان رسول الله ﷺ يزيد في رمضان ولا في غيره على إحدى عشرة ركعة، يصلي أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي أربعاً فلا تسأل عن حسنهن وطولهن، ثم يصلي ثلاثا. قالت عائشة: فقلت: يارسول الله، أتنام قبل أن توتر؟ فقال: ((ياعائشة إن عيني تنامان ولا ينام قلبي)). [انظر: ۲۰۱۳، ۳۵۶۹][۱۲]

---

[۱۲] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب صلاة الليل وعدد ركعات النبي في الليل وأن الوتر ركعة وأن الركعة صلاة صحيحة، رقم: ۱۲۲۰، وسنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في وصف صلاة النبي بالليل، رقم: ۴۰۳، وسنن النسائي، كتاب قيام الليل وتطوع النهار، باب كيف الوتر بثلاث، رقم: ۱۶۷۹، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في صلاة الليل، رقم: ۱۱۴۲، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۲۹۳۳، ۲۲۹۸۲، ۲۳۳۰۲، ۲۳۵۸۹، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب صلاة النبي في الوتر، رقم: ۲۴۳.

یہ تراویح نہیں تہجد ہے

یہ حدیث آپ نے بار بار پڑھی ہے، غیر مقلدین اس سے تراویح کی آٹھ رکعت پر استدلال کرتے ہیں۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ تراویح کے بارے میں نہیں ہے بلکہ تہجد کے بارے میں ہے، اس کی دلیل یہاں موجود ہے، کیونکہ تراویح اول اللیل میں ہوتی ہے اور تہجد آخر اللیل میں، اور یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا "یارسول اللہ ﷺ اتنام قبل ان توتر ؟" کیا آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا " یاعائشة إن عيني تنامان ولا ينام قلبي "معلوم ہوا کہ جو یصلّی ثلاثا ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو آخر شب میں پڑھتے ہوئے دیکھا، اسی لئے پوچھا کہ آپ نے اول شب میں وتر نہیں پڑھتے تھے۔

معلوم ہوا یہ آخر شب کا واقعہ ہے نہ کہ اول شب کا۔ تو یہ حنفیہ کی اس بارے میں دلیل ہے کہ یہ حدیث تراویح کے بارے میں نہیں ہے بلکہ تہجد کے بارے میں ہے۔ نبی کریم ﷺ کا قیام رمضان کا حکم اول لیل کے بارے میں ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ تمام صحابہ ؓ اول لیل میں تراویح پڑھتے تھے۔

جب آپ ﷺ نے تین دن تراویح پڑھائی تو وہ بھی اول اللیل میں پڑھائی۔ معلوم ہوا کہ تراویح اول اللیل میں پڑھائی ہے اور یہ جو ذکر ہو رہا ہے یہ آخر اللیل کا ہے، لہٰذا یہ تراویح نہیں بلکہ تہجد ہے۔

(۱۷) باب فضل الطهور بالليل والنهار، وفضل الصلاة عند الطهور بالليل والنهار

رات اور دن کو پاکی حاصل کرنے اور رات اور دن میں وضو کے بعد نماز کی فضیلت کا بیان

۱۱۴۹ - حدثنا إسحاق بن نصر، حدثنا أبو أسامة، عن أبي حيان، عن أبي زرعة، عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن النبي ﷺ قال لبلال عند صلاة الفجر: «يابلال، حدثني بأرجى عمل عملته في الإسلام، فإني سمعت دف نعليك بين يدي في الجنة». قال: ماعملت عملا أرجى عندي أني لم أتطهر طهورا في ساعة ليل أو نهار إلا صليت بذلك الطهور ما كتب لي أن أصلي. [۱۷]

---

[۱۷] وفي صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل بلال، رقم: ۴۴۹۷، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب باقي المسند السابق، رقم: ۸۰۵۲، ۹۲۹۵.

حضور ﷺ سے آگے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قدموں کی چاپ سنائی دینے پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا کہ حضور ﷺ سے آگے جنت میں کیسے نکل گئے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مرتبہ میں آگے نکلنا مراد نہیں ہے بلکہ عین ممکن ہے کہ ان کا آگے ہونا ایسا ہو جیسا کسی بڑے کے آگے محافظ چلتا ہے۔

یہ اس بات کی دلیل تھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو یہ مقام بخشیں گے کہ وہ ایک محافظ کے طور پر یا جس طرح آج کل پائلٹ ہوتا ہے، حضور ﷺ کے آگے چلیں گے، یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی منقبت اور خصوصیت تھی۔

(۱۸) باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ

عبادت میں شدت اختیار کرنے کی کراہت کا بیان

۱۱۵۰ - حدثنا أبو معمر قال: حدثنا عبدالوارث، حدثنا عبدالعزیز بن صهیب عن أنس بن مالک رضی اللہ عنه قال: دخل النبی ﷺ فإذا حبل ممدود بین الساریتین، فقال: ((ما هذا الحبل؟)) قالوا: هذا حبل لزینب فإذا فترت تعلقت. فقال: النبی ﷺ ((لا، حلوه لیصل أحدکم نشاطه، فإذا فتر فلیقعد)). [۱۸]

عبادت نشاط کے بقدر کرنا چاہئے

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو دیکھا کہ دو ستونوں کے درمیان ایک رسّی لٹکی ہوئی ہے۔ پوچھا یہ رسّی کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہ رسّی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ہے، جب وہ نماز پڑھنے کے لئے کھڑی ہوتی ہیں تو بہت لمبی نماز پڑھتی ہیں یہاں تک کہ " **فإذا فترت تعلقت** "

---

[۱۸] وفی صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب أمر من نعس فی صلاته أو إستعجم علیه القرآن أو الذکر بأن یرقد أو یقعد حتی یذهب عنه ذلک، رقم: ۱۳۰۶، وسنن النسائی، کتاب قیام اللیل وتطوع النهار، باب الإختلاف علی عائشة فی إحیاء اللیل، رقم: ۱۶۲۵، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب النعاس فی الصلاة، رقم: ۱۱۱۷، وسنن ابن ماجة، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب ماجاء فی المصلی إذا نعس، رقم: ۱۳۶۱، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند انس بن مالک، رقم: ۱۱۵۴۸، ۱۲۴۴۹، ۱۳۱۹۵.

جب تھک جاتی ہیں تو اس رسّی کے ساتھ ٹیک لگا لیتی ہیں۔

"فقال النبي ﷺ: لا" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، اس رسّی کو کھول دو۔ **" ليصل أحدكم نشاطه "** تم میں سے ہر شخص اس وقت تک نماز پڑھے جب تک کہ اس کا نشاط باقی ہو، **"فإذا فتر فليقعد "** اور جب سست پڑنے لگے تو بیٹھ جائے۔ معلوم ہوا کہ اپنے نفس پر بہت زیادہ مشقت ڈالنا بھی پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

ہمارے بزرگوں میں سے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عبادات میں انسان کو ایسا کرنا چاہئے کہ ایسے وقت میں چھوڑ دے جب مزید کچھ کرنے کی خواہش باقی ہو، یہ نہیں کہ ساری خواہش ختم ہو جائے اور جتنی طاقت تھی ایک ہی دفعہ انڈیل دے اور بعد میں کہے یہ بہت لمبا مسئلہ ہے کون اتنی لمبی مشقت اٹھائے، بلکہ ابھی مزید کرنے کی خواہش باقی ہو ایسے وقت چھوڑ دے، اس سے دوبارہ کرنے کی توفیق ہوگی۔

حضرت گنگوہیؒ اس کی مثال دیا کرتے تھے کہ چک ڈوری لٹو کی طرح ایک کھیل کی چیز ہوتی ہے، اسے چکٹی اور چک ڈوری کہتے ہیں، اس میں رسی یا دھاگہ بندھا ہوتا ہے اس کو اس طرح پھینکتے تھے کہ وہ دور تک جاتی اور پھر واپس آتی تھی۔ اس کا قاعدہ یہ ہوتا تھا کہ اس کو ایسے پھینکتے تھے کہ کچھ رسّی ہاتھ میں باقی رہ جاتی تھی جس سے وہ واپس آتی تھی۔ حضرت گنگوہیؒ نے مثال دی کہ عبادت کی مثال چک ڈوری جیسی ہے کہ اگر ایک مرتبہ ساری رسّی کھول دی جائے تو وہیں گر جائے گی، پھر واپس نہیں آئے گی۔

۱۱۵۱ – قال: وقال عبدالله بن مسلمة: عن مالك، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها قالت: كانت عندي امرأة من بني أسد فدخل علي رسول الله ﷺ فقال: ((من هذه؟)) قلت: فلانة، لا تنام بالليل، تذكر من صلاتها، فقال: ((مه، عليكم ما تطيقون من الأعمال، فإن الله لا يمل حتى تملوا)). [راجع: ۴۳]

اس عورت پر بھی آپ ﷺ نے نکیر فرمائی جو ساری رات جاگتی تھی۔ فرمایا **" مه، عليكم ما تطيقون من الأعمال "** تمہیں چاہئے کہ اتنا ہی کام کرو جتنی تم میں طاقت ہے، **" فإن الله لا يمل حتى تملوا "** اس لئے کہ اللہ تعالیٰ دینے میں نہیں اکتاتے یہاں تک کہ تم اکتا جاؤ گے۔ اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ **"اكثار في التعبد"** بدعت ہے، حالانکہ حضور ﷺ کا نہی فرمانا طاقت سے زیادہ کام کرنے پر ہے، ورنہ خود حضور ﷺ کے بارے میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک پر ورم آجایا کرتا تھا، اس لئے یہ قول درست نہیں۔

اس موضوع پر حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمہ اللہ کا مستقل رسالہ ہے **"إقامة الحجة على أن الإكثار في التعبد ليس ببدعة.**

(۱۹) باب مایکره من ترک قیام اللیل لمن کان یقومه

جو شخص رات کو کھڑا ہوتا تھا اس کے لئے ترک کرنے کی کراہت کا بیان

۱۱۵۲ - حدثنا عباس بن الحسین قال : حدثنا مبشر بن إسماعیل ، عن الأوزاعی. ح وحدثنی محمد بن مقاتل ابو الحسن قال : أخبرنا عبد الله : قال اخبرنا الأوزاعی قال : حدثنا یحیی بن أبی کثیر قال : حدثنی ابو سلمة بن عبد الرحمن قال : حدثنی عبد الله بن عمرو بن العاص رضی الله عنهما قال : قال لی رسول الله ﷺ : ((یاعبد الله لا تکن مثل فلان کان یقوم من اللیل فترک قیام اللیل)) .

وقال هشام :حدثنا ابن أبی العشرین : قال حدثنا الأوزاعی قال : حدثنا یحیی عن عمر بن الحکم بن ثوبان قال : حدثنی أبو سلمة بهذا مثله . وتابعه عمرو بن أبی سلمة ، عن الأوزاعی . [راجع : ۱۱۳۱]

اس حدیث کی بنا پر علماء نے فرمایا کہ نفلی عبادت کا بھی جو معمول مقرر کرلیا جائے اُسے چھوڑنا نہیں چاہئے، لیکن چھوڑنے کے معنی میں اپنے شیخ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب قدس سرہ سے بحوالہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ یہ سنے ہیں کہ ترک کا ارادہ کرلے۔ اگر ترک کا ارادہ نہیں کیا، لیکن اتفاقاً کچھ عرصے تک چھوٹ گیا اور نیت ہے کہ پھر جاری رکھوں گا تو امید ہے کہ ان شاء اللہ اس وعید میں داخل نہیں ہوگا۔

وقال هشام حدثنا ابن أبی العشرین ۔ اس روایت کو لانے کا منشأ یہ ہے کہ اوپر کی حدیث یحییٰ بن ابی کثیر نے براہ راست ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے بصیغۂ تحدیث روایت کی تھی، لیکن ہشام کی اس روایت میں یحییٰ اور ابوسلمہ کے درمیان عمر بن حکم کا واسطہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت کو لاکر اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ مزید فی متصل الاسانید کی قبیل سے ہے۔ مزید فی متصل الاسانید کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک راوی نے ایک حدیث اپنے شیخ سے بلا واسطہ بھی سنی ہوتی ہے اور بالواسطہ بھی، ایسی صورت میں بالواسطہ روایت کو مزید فی متصل الاسانید کہا جاتا ہے یعنی سند کے اس واسطے کے بغیر بھی متصل تھی، لیکن دوسری روایت میں اس متصل سند میں ایک واسطے کا اضافہ ہوگیا، لیکن کسی روایت کو مزید فی متصل الاسانید قرار دینے کے لئے ضروری ہے کہ اس روایت کا بلا واسطہ مروی ہونا ثابت ہو، موجودہ روایت میں چونکہ یحییٰ بن ابی کثیر نے حدثنا ابوسلمۃ کی تصریح کی ہے اس لئے اس کا بلا واسطہ مروی ہونا ثابت ہوگیا، اب جو روایت بیچ میں عمر بن حکم کا واسطہ بیان کر رہی ہے وہ "**مزید فی متصل الاسانید**" ہوگی۔

(٢٠) باب

١١٥٣ ـ حدثنا علي بن عبد الله قال : حدثنا سفيان ، عن عمرو ، عن أبي العباس قال : سمعت عبدالله بن عمرو رضي الله عنهما قال : قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم : ((ألم أخبر أنك تقوم الليل وتصوم النهار ؟)) قلت : إني أفعل ذلك . قال : ((فإنك إذا فعلت هجمت عينك ونفهت نفسك ، وإن لنفسك حقاً ، ولأهلك حقاً ، فصم وأفطر ، وقم ونم)) . [راجع : ١١٣١]

"نفهت نفسک" "نفهت" باب سمع سے ہے۔ اس کے معنی ہیں تھک جانا۔

(٢١) باب فضل من تعارّ من الليل فصلّى

اس شخص کی فضیلت کا بیان جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے

تعارّ کا معنی ہے رات کو سوتے ہوئے جاگ جانا۔

١١٥٥ ـ حدثنا يحيى بن بكير قال : حدثنا الليث ، عن يونس ، عن ابن شهاب قال : أخبرني الهيثم بن أبي سنان أنه سمع أبا هريرة رضي الله عنه وهو يقص في قصصه ، وهو يذكر رسول الله ﷺ : ((إن أخا لكم لا يقول الرفث)) ، يعني بذلك عبدالله بن رواحة.

وفينا رسول الله يتلو كتابه ... إذا انشق معروف من الفجر ساطع

أرانا الهدى بعد العمى فقلوبنا ... به موقنات أن ما قال واقع

يبيت يجافي جنبه عن فراشه ... إذا استثقلت بالمشركين المضاجع

تابعه عقيل ، وقال الزبيدي : أخبرني الزهري عن سعيد والأعرج ، عن أبي هريرة. [انظر : ٦١٥١][١٩]

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ اپنے مختلف واقعات بیان کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی باتیں ذکر کیا کرتے تھے، انہوں نے فرمایا "إن أخا لكم لا يقول الرفث" کہ تمہارے ایک بھائی ہیں جو فضول باتیں نہیں کرتے "رفث" کے معنی ہیں فحش باتیں اور ان کی مراد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ تھے۔

---

[١٩] وفي مسند أحمد ، مسند المكيين ، باب حديث عبد الله بن رواحه ، رقم : ١٥١٧٨ .

حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ شاعر تھے لیکن شاعروں کی طرح فحش باتیں نہیں کرتے تھے، انہوں نے یہ شعر کہے ہیں۔

وفينا رسول الله يتلو كتابه
إذا انشق معروف من الفجر ساطع

جب صبح کا وقت ہوتا ہے تو اس وقت حضور ﷺ کتاب اللہ کی تلاوت فرماتے ہیں۔

أرانا الهدى بعد العمى فقلوبنا
به موقنات أن ما قال واقع

ہماری نابینگی کی حالت میں آپ نے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھایا، ہمیں قلبی یقین ہے کہ جو کچھ فرمایا وہ واقع ہوگا۔

يبيت يجافي جنبه عن فراشه
إذا استثقلت بالمشركين المضاجع

آپ اس حالت میں رات گزارتے ہیں کہ آپ کا پہلو بستر سے جدا ہوتا ہے، جب مشرکین کے بچھونے ان کے جسموں سے گراں بار ہوتے ہیں۔

١١٥٧ – فقصت حفصة على النبي ﷺ إحدى رؤياى . فقال النبي ﷺ : ((نعم الرجل عبد الله لو كان يصلي من الليل)) . [راجع : ١١٢٢]

١١٥٨ – فكان عبدالله رضي الله عنه يصلي من الليل . وكانوا لايزالون يقصون على النبي ﷺ الرؤيا أنها في الليلة السابعة من العشر الأواخر . فقال النبي ﷺ : ((أرى رؤياكم قد تواطأت في العشر الأواخر . فمن كان متحريها فليتحرها من العشر الأواخر)) . [انظر : ٢٠١٥ ، ٦٩٩١][٣٠]

عشرۂ لیلۃ القدر

بہت سے لوگوں نے خواب بیان کئے کہ لیلۃ القدر عشرۂ اخیرہ کی ساتویں رات ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے

---

[٣٠] وسنن ابن ماجة ، كتاب تعبير الرؤيا ، باب تعبير الرؤيا ، رقم : ٣٩٠٩ ، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب ، رقم : ٤٢٦٥ ، ٦٠٢٨ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصلاة ، باب النوم في المسجد ، رقم : ١٢٦٣ ، و كتاب الرؤيا ، باب في القمص والبئر واللبن والعسل و السمن والتمر وغير ذلك في النوم ، رقم : ٢٠٥٩ .

فرمایا کہ میرا خیال ہے تمہارے خواب اس بات پر متفق ہیں کہ لیلۃ القدر عشرۂ اخیرہ میں ہے، لہٰذا جو کوئی لیلۃ القدر کو تلاش کرنا چاہے تو وہ عشرۂ اخیرہ میں تلاش کرے۔

(۲۲) باب المداومة علی رکعتي الفجر

فجر کی دو رکعتوں پر مداومت کرنے کا بیان

۱۱۵۹ ۔ حدثنا عبداللہ بن یزید قال: حدثنا سعید، هو ابن أبي أیوب، قال: حدثني جعفر بن ربیعة، عن عراک بن مالک، عن أبي سلمة، عن عائشة رضي اللہ عنها قالت: صلی النبي ﷺ العشاء، وصلی ثماني رکعات، ورکعتین جالسا، ورکعتین بین النداء ین، ولم یکن یدعهما أبدا. [راجع: ۶۱۹]

رکعتین بعد الوتر کا ثبوت

یہ "**رکعتین جالسا**" سے وتر کے بعد کی دو رکعتیں مراد ہیں اور یہ حضور اقدس ﷺ سے بیٹھ کر پڑھنا ہی ثابت ہیں۔ یہ حدیث صریح ہے اور اس کے ثبوت میں اور بھی حدیثیں ہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھنا ثابت نہیں، غلط ہے۔

البتہ جہاں بھی حدیث میں آیا ہے بیٹھ کر ہی پڑھنا آیا ہے، اس لئے بیشتر فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر پڑھنی ہوں تو کھڑے ہو کر پڑھنا ہی افضل ہے لیکن اگر بیٹھ کر پڑھ لے تو یہ بھی جائز ہے۔

لیکن حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ہمیشہ بیٹھ کر پڑھنا یہ قصد و اختیار سے تھا، لہٰذا اس میں بیٹھ کر پڑھنا ہی افضل ہے۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ جو عام قاعدہ ہے کہ قیام افضل ہے وہ اس میں بھی جاری ہوتا ہے۔

روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے آٹھ رکعتیں کھڑے ہو کر پڑھیں اور یہاں وتر کا ذکر نہیں کیا اس لئے کہ یہاں نفلی نماز کا ذکر کر رہے ہیں اور وتر واجب ہے۔

پھر فرمایا کہ دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے تھے یعنی وتر کے بعد اور دو رکعتیں صلوۃ الفجر۔ لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ما بعد الوتر جو رکعتیں ہیں وہ حقیقت میں رکعتی الفجر تھیں، اس سے ان کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ یہاں فجر کی رکعتوں کو الگ ذکر کیا ہے۔

(٢٣) باب الضجعة على الشق الأيمن بعد ركعتي الفجر

فجر کی دو رکعتوں کے بعد دائیں کروٹ کے بل لیٹنے کا بیان

١١٦٠ ـ حدثني عبدالله بن يزيد قال : حدثنا سعيد بن أبي أيوب قال : حدثني أبوالأسود ، عن عروة بن الزبير ، عن عائشة رضي الله عنها قالت : كان النبي ﷺ إذا صلى ركعتي الفجر اضطجع على شقه الأيمن .[راجع : ٦٢٦]

بعض حضرات نے اس تھوڑی دیر آرام فرمانے کو سنت ھدی پر محمول کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بھی سنت رواتب میں سے ہے۔[٢١]

حافظ ابن حزم نے چونکہ " **فليضطجع** "امر کا صیغہ آگیا اس لئے واجب ہی کہہ دیا۔[٢٢]

لیکن اس کی تشریح میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جو مصنف عبدالرزاق میں آئی ہے "**لم يضطجع سنة ولكنه كان يدأب من ليلة فيستريح**" کہ آپ ساری رات کھڑے ہوتے تھے، لہٰذا اس کے بعد تھوڑی دیر آرام فرما لیتے۔[٢٣]

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق سنتِ عادیہ ہے نہ کہ سنت راتبہ، اس لئے اس کا سنتِ راتبہ کے طور پر اہتمام نہیں ویسے سنتِ عادیہ کے طور پر آدمی اہتمام کر لے تو اچھا ہے لیکن اس کو سنتِ راتبہ کہنا درست نہیں، جیسا کہ عام طور پر غیر مقلدین کے یہاں ہوتا ہے۔ پھر یہ **اضطجاع** حضور ﷺ کے گھر میں ہوتا تھا نہ کہ مسجد میں۔

[٢١، ٢٢] انه واجب مفترض لا بد من الإتيان به ، وهو قول أبي محمد بن حزم فقال : ومن ركع ركعتي الفجر لم تجزه صلاة الصبح إلا بأن يضطجع على جنبه الأيمن بين سلامه من ركعتي الفجر وبين تكبيره لصلاة الصبح ، وسواء ترك الضجعة عمدا أو نسيانا ، وسواء صلاها في وقتها أو صلاها قاضيا لها من نسيان أو نوم ، وإن لم يصل ركعتي الفجر لم يلزمه أن يضطجع ، المحلى ، ٣٤١ ، مسألة كل من ركع ركعتي الفجر لم تجزه صلاة الصبح ، ج:٣ ، ص:١٩٦ ، وعمدة القاري ، ج:٥ ، ص:٥١٥ .

[٢٣] أن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم إذا طلع الفجر يصلي ركعتين خفيفتين ثم يضطجع على شقه الأيمن يأتيه المؤذن فيؤذنه بالصلاة لم يضطجع لسنة ولكنه كان يدأب ليلة فيستريح قال فكان ابن عمر يحصبهم إذا رآهم يضطجعون على أيمانهم ، مصنف عبد الرزاق ، باب الضجعة بعد الوتر و باب النافلة من الليل ، رقم : ٤٧٢٢ ، ج:٣ ، ص : ٤٣ .

(۲۵) باب ماجاء فی التطوّع مثنی مثنی

ان روایت کا بیان جو نفل کے متعلق منقول ہیں کہ دو دو رکعتیں ہیں

قال محمد ویذکر ذلک عن عمار، و أبی ذر، و أنس، وجابر بن زید، و عکرمة، و الزهری رضی الله عنهم. وقال یحیی بن سعید الأنصاری: ما أدرکت فقهاء أرضنا إلا یسلمون فی کل اثنتین من النهار.

یہ باب یہ ثابت کرنے کے لئے قائم کیا ہے کہ تطوع کی نماز دو دو کر کے بہتر ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس پر بہت ساری اور بڑی لمبی حدیثیں لائے ہیں، منشا یہی ہے کہ آپ ﷺ نے دو دو کر کے پڑھیں اور پڑھوائیں اور پڑھنے کا حکم دیا۔

۱۱۶۲ - حدثنا قتیبة قال: حدثنا عبدالرحمن بن أبي الموالي، عن محمد بن المنکدر، عن جابر بن عبدالله قال: کان رسول الله ﷺ یعلمنا الاستخارة في الأمور کما یعلمنا السورة من القرآن، یقول: ((إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ. ثُمَّ لِيَقُلْ:

اللّهم إني أستخيرک بعلمک. واستقدرک بقدرتک وأسالک من فضلک العظیم فإنک تقدر ولا أقدر. وتعلم ولا أعلم. وأنت علام الغیوب. اللّهم إن کنت تعلم أن هذا الأمر خیر لي في دیني ومعاشي وعاقبة أمري ـ أو قال: عاجل أمري وآجله ـ فاقدره ویسره لي ثم بارک لي فیه، وإن کنت تعلم أن هذا الأمر شر لي في دیني ومعاشي وعاقبة أمري ـ أو قال: في عاجل أمري وآجله ـ فاصرفه عني واصرفني عنه، واقدر لي الخیر حیث کان ثم أرضي به))

قال: ((ویسمي حاجته)) [انظر: ۶۳۸۲، ۷۳۹۰][۲۳]

---

[۲۳] وفي سنن الترمذي، کتاب الصلاة، باب ماجاء في صلاة الإستخارة، رقم: ۴۴۲، وسنن النسائي، کتاب النکاح، باب کیف الإستخارة، رقم: ۳۲۰۱، وسنن أبي داؤد، کتاب الصلاة، باب في الإستخارة، رقم: ۱۳۱۵، وسنن ابن ماجة، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب ماجاء في صلاة الإستخارة، رقم: ۱۳۷۳، ومسند أحمد، باقي مسند المکثرین، باب مسند جابر بن عبد الله، رقم: ۱۴۱۸۰.

استخارہ کا مسنون طریقہ

اپنی حاجت کا اظہار کر کے یہ کہہ رہا ہے "اللّٰھم إني أستخیرک بعلمک" الخ "خیرلی" جب یہ پڑھے اس وقت دل میں اس حاجت کا نام لے، یہ استخارہ کا مسنون طریقہ ہے اور یہ بڑی برکت کی چیز ہے، لیکن ضروری نہیں ہے کہ اس کے نتیجے میں کوئی خواب آئے جیسا کہ عام طور پر لوگوں کا گمان ہوتا ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ کوئی غیبی اشارہ ملے کہ یہ کام کیا جائے، بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ دعا ہے۔ پھر اگر اس کام میں خیر ہوگی تو ان شاء اللہ وہ کام ہو جائے گا، اس کے اسباب مہیا ہو جائیں گے اور اگر خیر نہیں ہوگی تو کام نہیں ہوگا۔

اب یہ کرنے کے بعد آدمی اپنی ظاہری تدابیر اختیار کرتا رہے ان شاء اللہ جو کچھ ہوگا خیر ہوگا، خواب آنا کوئی ضروری نہیں، لہذا جیسا عوام میں مشہور ہے کہ کہتے ہیں استخارہ نکالو جیسے یہ کوئی فال ہے، تو ایسا نہیں ہے بلکہ یہ طلب خیر کی چیز ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ خیر مقدر فرما دیتے ہیں۔

۱۱۶۶ ۔ حدثنا آدم قال: حدثنا شعبة قال: حدثنا عمرو بن دینار قال: سمعت جابر بن عبداللہ رضي اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ ﷺ وهو یخطب: ((إذا جاء أحدكم والإمام یخطب أوقد خرج فلیصل ركعتین)). [راجع: ۹۳۰]

خطبہ کے دوران دو رکعتیں پڑھنے کا مسئلہ پہلے گزر چکا ہے۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ دو رکعتوں کا ذکر ہے۔

(۳۰) باب من لم یتطوع بعد المكتوبة

اس شخص کا بیان جو فرض کے بعد نفل نہ پڑھے

۱۱۶۷ ۔ حدثنا علي بن عبداللہ قال: حدثنا سفیان، عن عمرو قال: سمعت أبا الشعثاء جابراً قال: سمعت ابن عباس رضي اللہ عنهما قال: صلیت مع رسول اللہ ﷺ ثمانیا جمیعا، وسبعا جمیعا. قلت: یا أبا الشعثاء، أظنه أخر الظهر وعجل العصر، وعجل العشاء وأخر المغرب. قال: وأنا أظنه. [راجع: ۵۴۳]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی آٹھ ایک ساتھ اور سات ایک ساتھ۔ میں نے پوچھا اے ابو الشعثاء! میرا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے ظہر کو مؤخر کر دیا اور عصر کو جلدی پڑھ لیا تو آٹھ ایک ساتھ ہو گئیں اور مغرب کو مؤخر کر دیا اور عشاء کو جلدی پڑھ لیا تو اس طرح سات

ایک ساتھ ہوگئیں، جمع بین الصلوتین ۔

قال : وانا اظنه . ابوالشعثاء نے کہا میرا خیال بھی یہی ہے، اسی لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ جمع صوری تھی۔

مقصد امام بخاری

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث کو یہاں لانے کا مقصد یہ ہے کہ **" باب من لم یتطوع بعد المکتوبة "** فرض کے بعد سنت نہیں پڑھی، آٹھ رکعتیں ایک ساتھ پڑھیں یعنی چار ظہر کی پڑھیں پھر فوراً چار عصر کی پڑھیں، تو ظہر کے بعد کی دو رکعتیں رواتب ہوتی ہیں وہ نہیں پڑھیں، معلوم ہوا کہ سفر میں رواتب کو ترک کرنا بھی جائز ہے۔

(۳۱) باب صلاة الضحى في السفر

سفر میں چاشت کی نماز کا بیان

۱۱۷۵ ـ حدثنا مسدد قال : حدثنا يحيى ، عن شعبة عن توبة ، عن مورق قال : قلت لا بن عمر رضي الله عنهما . أتصلي الضحى ؟ قال : لا . قلت : فعمر؟ قال : لا . قلت : فأبوبكر ؟ قال : لا . قلت : فالنبي ﷺ ؟ قال : لا . إخاله . [راجع:۷۷]

"صلاة الضحیٰ" کا ثبوت

میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ صلوۃ الضحیٰ پڑھتے ہیں؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ میں نے کہا حضرت عمر ﷺ پڑھتے تھے؟ **قال : لا** میں نے کہا ابوبکر پڑھتے ہیں **"قال : لا"** میں نے کہا حضور ﷺ پڑھتے تھے؟ **قال : لا إخاله**. کہا میرا خیال ہے کہ نہیں پڑھتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حضور ﷺ کا صلوۃ الضحیٰ پڑھنا یاد نہیں تھا لیکن آگے ام ہانی کی حدیث آرہی ہے جس میں حضور ﷺ کا صلوۃ الضحیٰ پڑھنا ثابت ہے اور اس بارے میں متعدد روایات موجود ہیں۔ [۲۵]

---

[۲۵] المثال : قال رسول الله ﷺ : ((لا يحافظ على صلاة الضحى إلا أواب : قال : وهي صلاة الأوابين)) ، صحيح ابن خزيمة ، (۵۳۸) باب في فضل صلاة الضحى إذ هي صلاة الأوابين ، رقم : ۱۲۲۸ ، ج: ۲ ، ص: ۲۲۸ .

ومنها : إن في الجنة باب يقال له الضحى فإذا كان يوم القيامة نادى منادى : أين الذين كانوا يديمون صلاة الضحى؟ هذا بابكم فادخلوه برحمة الله ، المعجم الأوسط ، رقم : ۵۰۶۰ ، ج:۵ ، ص:۱۹۵ ، وعمدة القاري ، ج:۵ ، ص:۵۳۲ .

لہٰذا حضرت ابن عمرؓ کے اس قول کی بنا پر اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں پڑھتی ہوں۔ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سے پڑھنا ثابت تھا، اس لئے اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں۔

متعدد روایات کی وجہ سے نماز ضحیٰ کی شرعی حیثیت میں اختلاف پیدا ہوا، اس لئے بعض حضرات اس کو سنت قرار دیتے ہیں، بعض حضرات مستحب اور حنفیہ کے نزدیک سنت غیر مؤکدہ ہے۔

"**باب صلاة الضحیٰ فی السفر**" کے ساتھ سفر کی قید اس لئے لگائی کہ آگے حدیث میں اُمّ ہانی کا قول آرہا ہے کہ آپ ﷺ نے سفر میں پڑھی۔ حضرت ابن عمرؓ کے قول کی تاویل کی گئی ہے کہ انہوں نے جو کہا ہے کہ نہیں پڑھی، شاید اس سے ان کا منشأ یہ ہو کہ سفر میں نہیں پڑھی۔

۱۱۷۹ - حدثنا علي بن الجعد قال : أخبرنا شعبة ، عن أنس بن سيرين قال : سمعت أنس بن مالک قال : قال رجل من الأنصار ـ وكان ضخما ـ للنبي صلى الله عليه وسلم : إني لا أستطيع الصلاة معک ، فصنع للنبي ﷺ طعاما فدعاه إلى بيته ونضح له طرف حصير بماء ، فصلى عليه ركعتين . فقال فلان بن فلان بن الجارود لأنس : أكان النبي ﷺ يصلي الضحىٰ ؟ قال أنس : ما رأيته صلى غير ذلک اليوم .[راجع : ۶۷۰]

صلاۃ الضحیٰ کی فضیلت

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ انصار میں سے ایک بھاری جسم کے صاحب تھے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا کہ میں آپ کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا، جگہ دور ہے میرے لئے آنا مشکل ہوتا ہے۔

انہوں نے نبی کریم ﷺ کے لئے کھانا تیار کیا اور ان کو اپنے گھر بلایا "**ونضح له طرف حصير**" اور چٹائی کے کنارے کو پانی کی چھینٹیں دے کر صاف کیا "**فصلى عليه ركعتين**" آپ ﷺ نے اس پر دو رکعتیں نماز پڑھی۔

فقال فلان الخ حضرت انسؓ سے ایک شخص نے پوچھا جس کا نام ان کو یاد نہیں رہا اسی لئے **فلان بن فلان** کہا۔ "**أكان النبي ﷺ يصلي الضحىٰ؟**" کیا آپ ﷺ ضحیٰ پڑھتے تھے؟ "**قال أنس : ما رأيته صلى غير ذلک اليوم**" حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں نے اس کے علاوہ کسی اور دن پڑھتے نہیں دیکھا۔

اس کی وجہ ترمذی شریف میں ہے کہ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ضحیٰ پڑھنا شروع کرتے تھے تو ہمیں خیال ہوتا تھا کہ شاید اب نہیں چھوڑیں گے اور بعض اوقات چھوڑ دیتے تھے۔ تو آپ ﷺ نے کثرت سے

پڑھی بھی ہے اور کثرت سے چھوڑی بھی ہے۔[۲۶]

اس واسطے جن لوگوں نے چھوڑنے کی حالت میں دیکھا انہوں نے کہا کہ ہم نے تو حضور ﷺ کو پڑھتے ہوئے دیکھا ہی نہیں اور جنہوں نے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے انہوں نے کہا کہ ہم نے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ تو حاصل یہ ہے کہ **"المثبت مقدم علی النافی"** لہٰذا اس کا ثبوت ہے اور اس کی فضیلت میں احادیث بھی وارد ہیں۔[۲۷]

پیچھے حدیث گذری ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے صلوۃ الضحیٰ کی وصیت فرمائی اور ایک حدیث میں ہے جو شخص صلوۃ الضحیٰ کی بارہ رکعتیں پڑھے **"بنی اللہ بیتا فی الجنۃ"** یہ صلوۃ الضحیٰ دو رکعتوں سے لے کر بارہ رکعتوں تک ثابت ہے۔

صلاۃ الضحیٰ اور اشراق الگ الگ نمازیں ہیں

اس میں کلام ہوا ہے کہ صلوۃ الضحیٰ اور صلوۃ الاشراق ایک ہی نماز کے نام ہیں یا یہ الگ الگ ہیں۔ ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ دونوں ایک ہی ہیں جو صلوۃ الضحیٰ ہے وہی صلوۃ الاشراق ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ دونوں الگ الگ نمازیں ہیں۔ اشراق سورج کے طلوع ہونے کے متصل بعد پڑھی جاتی ہے اور ضحیٰ کا وقت زوال سے پہلے کسی بھی وقت ہے۔ ہمارے بزرگوں نے احتیاط برتتے ہوئے دونوں کو الگ الگ قرار دیا ہے، اشراق کو الگ پڑھنے کو کہا اور ضحیٰ کو الگ۔ جس کو اردو میں چاشت کی نماز کہتے ہیں۔[۲۸]

---

[۲۶] عن أبي سعيد الخدري قال : كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي الضحى حتى نقول : لا يدعها ، ويدعها حتى نقول : لا يصليها ، سنن الترمذي ، كتاب الصلاة ، باب ماجاء في صلاة الضحى ، رقم : ۴۳۹ ، وعمدة القاري ، ج:۵، ص:۵۳۴.

[۲۷] عمدة القاري ، ج:۵ ، ص:۵۳۵.

[۲۸] يدخل وقتها في أول النهار بطلوع الشمس لقوله صلى الله عليه وسلم : ((لا يعجزني من أربع ركعات من أول النهار)) . وحكى النووي في (الروضة) : أن وقت الضحى يدخل بطلوع الشمس ، ولكنه يستحب تأخيرها إلى ارتفاع الشمس ، وخالف ذلك في (شرح المهذب) وحكى فيه عن الماوردي أن وقتها المختار إذا مضى ربع النهار ، وجزم به في التحقيق ، وروى الطبراني من حديث زيد بن أرقم : أنه امر بأهل قباء وهم يصلون الضحى حين أشرقت الشمس فقال: صلاة الأوابين إذا رمضت الفصال، وهذا يدل على جواز صلاة الضحى عند الإشراق لأنه لم ينههم عن ذلك ، ولكن أعلمهم أن التأخير إلى شدة الحر صلاة الأوابين . قوله : ((إذا رمضت الفصال)) ، هو : أن تحمى الرمضاء ، وهي الرمل فتبرك الفصال من شدة حرها وإحراقها أخفافها ، عمدة القاري ، ج: ۵ ، ص: ۵۳۶.

(۳۴) باب الركعتين قبل الظهر

ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا بیان

۱۱۸۰ ۔ حدثنا سليمان بن حرب قال : حدثنا حماد بن زيد ،عن أيوب ، عن نافع ، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال : حفظت من النبي ﷺ عشر ركعات : ركعتين قبل الظهر ، وركعتين بعدها ، وركعتين بعد المغرب في بيته ، وركعتين بعد العشاء في بيته وركعتين قبل صلاة الصبح وكانت ساعة لا يدخل على النبي ﷺ فيها . [راجع:۹۳۷]

اس حدیث میں ظہر سے پہلے دو رکعتوں کا ذکر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث سے پہلے بھی یہ حدیث گذری ہے۔

اس حدیث سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ ظہر سے پہلے سنن راتبہ دو ہیں نہ کہ چار۔

حنفیہ کے نزدیک چار ہیں۔ حنفیہ اس حدیث کو صلوۃ زوال پر محمول کرتے ہیں کہ زوال سے متصل بعد دو رکعتوں کی ایک نفل نماز ہے جس کو صلوۃ زوال کہتے ہیں۔

آخر میں فرمایا" **وركعتين قبل صلاة الصبح** " اس کے بارے میں فرمایا" **وكانت ساعة لا يدخل على النبي ﷺ فيها** " یہ ایسا وقت تھا کہ عام طور پر اس میں لوگ نبی کریم ﷺ پر داخل نہیں ہوا کرتے تھے، یعنی لوگ آپ ﷺ کے پاس نہیں جایا کرتے تھے۔ ایسے وقت میں آپ ﷺ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

۱۱۸۲ – حدثنا مسدد قال : حدثنا يحي ، عن شعبة ، عن إبراهيم بن محمد بن المنتشر ، عن أبيه ، عن عائشة رضي الله عنها : أن النبي ﷺ كان لا يدع أربعا قبل الظهر ، وركعتين قبل الغداة تابعه أبي عدي وعمرو ، عن شعبة. [۲۹، ۳۰]

---

۲۹ لا يوجد للحديث مكررات.

۳۰ وفي سنن النسائي ، كتاب قيام الليل وتطوع النهار ، باب المحافظة على الركعتين قبل الفجر ، رقم : ۱۷۳۲ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب تفريع أبواب التطوع وركعات السنة ، رقم : ۱۰۶۲ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها ، باب ماجاء في الأربع الركعات قبل الظهر ، رقم : ۱۱۴۶ ، ومسند أحمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۳۰۳۸ ، ۲۳۲۰۳ ، ۲۳۹۹۲ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصلاة ، باب في صلاة السنة ، رقم : ۱۴۰۳ .

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث لائے ہیں جس میں ظہر سے پہلے چار رکعتوں کا ذکر ہے۔ پچھلی حدیث میں دو کا ذکر تھا، تو بتا دیا کہ چار رکعت بھی ثابت ہیں۔

حضرت مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ بعض اوقات سفر میں، میں سنتوں میں بھی قصر کر لیتا ہوں اور وہ اس طرح کہ ظہر کی چار رکعتیں پڑھنے کے بجائے دو رکعتیں پڑھ لیتا ہوں، اس وجہ سے نہیں کہ یہ قصر ہیں بلکہ اس وجہ سے کہ سنتیں نفل بن جاتی ہیں، اگر آدمی نہ بھی پڑھے تب بھی ٹھیک ہے تو اس وقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت پر امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق عمل کر کے دو رکعتیں پڑھ لے تو بہتر ہے۔

(۳۵) باب الصلوٰة قبل المغرب

مغرب سے پہلے نماز پڑھنے کا بیان

۱۱۸۳ ـ حدثنا أبو معمر، حدثنا عبدالوارث، عن الحسين، عن عبدالله بن بريدة قال: حدثني عبدالله المزني عن النبي ﷺ قال: ((صلّوا قبل صلاة المغرب)). قال في الثالثة: ((لمن شاء، كراهية أن يتخذها الناس سنة)). [انظر: ۷۳۶۸][1]

رکعتین قبل المغرب کا ثبوت

"**كراهية أن يتخذها الناس سنة**"، اس پر پہلے بحث ہو چکی ہے کہ در حقیقت **رکعتین قبل المغرب** کا ثبوت ہے ان کو مکروہ کہنا صحیح نہیں، یہ جائز ہیں اور حضور ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام ؓ سے ثابت ہے، یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

۱۱۸۴ – حدثنا عبدالله بن يزيد قال: حدثنا سعيد بن أبي أيوب قال: حدثني يزيد بن أبي حبيب قال: سمعت مرثد بن عبدالله اليزني قال: أتيت عقبة بن عامر الجهني، فقلت: ألا أعجبك من أبي تميم؟ يركع ركعتين قبل صلاة المغرب. فقال: عقبة: إنا كنا

---

[1] وفي سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الصلاة قبل المغرب، رقم: ۱۰۸۹، و مسند أحمد، اول مسند البصريين، باب حديث عبد الله بن مغفل المزني، رقم: ۱۹۶۴۳.

نفعله علی عهد النبي ﷺ . فقلت : فما یمنعک الآن ؟ قال : الشغل. [۳۲،۳۳]

فاتح مصر کو نماز کی فکر

مرثد بن عبداللہ المزنی فرماتے ہیں کہ میں حضرت عقبہ بن عامرؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا **"الا اعجبک من أبی تمیم؟"** کیا تمہیں ابی تمیم کے بارے میں تعجب میں نہ ڈالوں؟ یعنی ابوتمیم کی ایک حیرت انگیز بات بتاؤں: **"یرکع رکعتین قبل صلوۃ المغرب"** وہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں لوگوں کا عام معمول یہ نہیں تھا اس لئے ان کو تعجب ہوا۔

فقال عقبه: انا کنا نفعله علی عهد النبي ﷺ، حضور ﷺ کے زمانہ میں ہم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

فقلت: فما یمنعک الآن؟ کہا اب کیوں نہیں کرتے؟ **قال: الشغل**، فرمایا مشغولیت ہوگئی ہے یعنی یہ نہیں کہا کہ منسوخ ہوگئی ہیں یا جائز نہیں بلکہ فرمایا **"الشغل"** مشغولیت ہوگئی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ فاتح مصر ہیں اور مصر کے گورنر و والی تھے، مصر میں ان کا مزار ہے میں بھی وہاں حاضر ہوا ہوں۔ تو والی مصر ہونے کی وجہ سے مشغولیات بڑھ گئی اس لئے کہہ رہے ہیں کہ اب وقت نہیں ملتا، ورنہ فی نفسہٖ پڑھنا ثابت ہے۔

(۳۶) باب صلاۃ النوافل جماعة،

نفل نمازیں جماعت سے پڑھنے کا بیان

ذکره أنس وعائشة رضي الله عنهما عن النبي ﷺ .

۱۱۸۵ ـ حدثنا إسحاق : أخبرنا یعقوب بن إبراهیم : حدثنا أبي ، عن ابن شهاب قال : أخبرني محمود بن الربیع الأنصاري : أنه عقل رسول الله ﷺ، وعقل مجة مجها في وجهه من بئر کانت في دارهم.

۱۱۸۶ - فزعم محمود أنه سمع عتبان بن مالک الأنصاري رضي الله عنه وکان

---

۳۲ لایوجد للحدیث مکررات.

۳۳ وفي سنن النسائي ، کتاب المواقیت ، باب الرخصة في الصلاة قبل المغرب ، رقم : ۵۷۸ ، ومسند أحمد ، مسند الشامیین ، باب حدیث عقبة بن عامر الجهني عن النبي ، رقم : ۱۶۷۷۵ .

ممن شهد بدرا مع النبي ﷺ يقول : كنت أصلي لقومي بني سالم ، وكان يحول بيني وبينهم وادٍ إذا جاءت الأمطار فيشق علي اجتيازه قبل مسجد هم . فجئت رسول الله ﷺ فقلت له : إني أنكرت بصري ، وإن الوادي الذي بيني وبين قومي يسيل إذا جاءت الأمطار فيشق علي اجتيازه ، فوددت أنک تأتي فتصلي من بيتي مكانا أتخذه مصلى.

فقال رسول الله ﷺ : ((سأفعل)) . فغدا علي رسول الله ﷺ و أبوبكر رضي الله عنه بعد ما اشتد النهار ، فاستأذن رسول الله ﷺ فأذنت له ، فلم يجلس حتى قال : ((أين تحب أن نصلي من بيتک؟)) فأشرت له إلى المكان الذي أحب أن يصلي فيه . فقام رسول الله ﷺ فكبر وصففنا وراءه فصلى ركعتين ثم سلم وسلمنا حين سلم ، فحبسته على خزير يصنع له فسمع أهل الدار أن رسول الله ﷺ في بيتي ، فثاب رجال منهم حتى كثر الرجال في البيت .

فقال رجل منهم : ما فعل مالک؟ لا أراه. فقال رجل منهم : ذاک منافق لا يحب الله ورسوله . فقال رسول الله ﷺ : ((لا تقل ذلک ، ألا تراه قال : لا إله إلا الله، يبتغي بذلک وجه الله؟)) فقال: الله ورسوله أعلم ، أما نحن فوالله لا نرى وده ولا حديثه إلا إلى المنافقين . قال رسول الله ﷺ : ((فإن الله قد حرم على النار من قال : لا إله إلا الله، يبتغي بذلک وجه الله)).

قال محمود بن الربيع : فحدثتها قوما فيهم أبو أيوب صاحب رسول الله ﷺ في غزوته التي توفي فيها ، ويزيد ابن معاوية عليهم بأرض الروم ، فأنكرها علي أبو أيوب . قال : والله ما أظن رسول الله ﷺ قال ما قلت قط . فكبر ذلک علي فجعلت لله علي إن سلمني حتى أقفل من غزوتي أن أسأل عنها عتبان بن مالک رضي الله عنه إن وجدته حيا في مسجد قومه فقفلت فأهللت بحجة أو بعمرة، ثم سرت حتى قدمت المدينة فأتيت بني سالم . فإذا عتبان شيخ أعمى يصلي لقومه . فلما سلم من الصلاة سلمت عليه وأخبرته من أنا ثم سألته عن ذلک الحديث . فحدثنيه كما حدثنيه أوّل مرة. [راجع : ۴۲۴]

حفاظت حدیث میں فکر دامن گیر

حضرت عتبان بن مالکؓ نے حضور ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ میرے گھر آ کر نماز پڑھیں۔ یہ حدیث پہلے گذر گئی ہے لیکن آخری حصہ پہلے نہیں گذرا۔

قال محمود بن الربیع: فحدثتھا قوما فیھم أبو أیوب صاحب رسول اللہ ﷺ، محمود بن الربیع حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں بہت چھوٹے بچے تھے اور یہ گذر چکا ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے منہ پر کلی کی تھی۔

محمود بن ربیع کہتے ہیں کہ میں نے عتبان بن مالکؓ سے یہ واقعہ سنا تھا اور کچھ لوگوں کو میں نے سنایا جن میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی موجود تھے:

صاحب رسول اللہ ﷺ فی غزوتہ التی توفی فیھا.

میں نے یہ واقعہ حضرت ابو ایوبؓ کو اس غزوہ میں سنایا تھا جس میں ان کی وفات ہوئی تھی۔ یعنی قسطنطنیہ پر حملہ کیا تھا، وہیں ان کی وفات ہوئی اور وہیں ان کا مزار ہے۔

"**ویزید بن معاویة علیھم بأرض الروم**" جبکہ یزید بن معاویہ ارض روم میں ان کا سردار تھا یعنی قسطنطنیہ میں۔

جب میں نے یہ واقعہ بہت سے لوگوں کو سنایا تو "**فأنکرھا علیّ أبو أیوب**" ابو ایوب انصاریؓ نے ایک طرح سے گویا انکار کیا۔

قال: واللہ ما أظن رسول اللہ ﷺ قال ما قلت قط" مجھے گمان نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ بات فرمائی ہوگی جو تم نقل کر رہے ہو۔ وہ کون سی بات ہے؟ وہ اس شخص یعنی عتبان بن مالک کے بارے میں یہ فرمانا کہ جو شخص "**لا الٰہ الا اللہ**" کہتا ہے "**یبتغی بذلک وجہ اللہ**".

اس کے بارے میں حضرت ابو ایوبؓ کو شبہ ہوا کہ عام طور پر صحابۂ کرامؓ کے ذہن میں یہ بات تھی کہ یہ منافق ہے اور حضور ﷺ کا کھلے عام اس کے اخلاص کی شہادت دینا حضرت ابو ایوبؓ کو اچھا سا معلوم ہوا، اس واسطے حضرت ابو ایوبؓ نے یہ بات فرمائی کہ مجھے گمان نہیں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ بات فرمائی ہوگی۔

نیز محمود بن الربیع حضور ﷺ کے زمانہ میں چھوٹے بچے تھے، اس واسطے بھی کہا کہ تم تو بچے تھے، تمہیں کیا یاد رہا ہوگا، مختصر یہ کہ مجھے گمان نہیں ہے کہ ایسا کیا ہو "**فکبر ذلک علیّ**" مجھ پر یہ معاملہ بڑا شاق ہوا کہ میرے بارے میں یہ شبہ کیا جا رہا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی طرف وہ بات منسوب کر رہا ہوں جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی۔

فجعلت للہ علیّ میں نے اللہ تعالیٰ سے نذر مانی کہ "**إن سلّمنی حتی اقفل من غزوتی**" اگر اللہ نے مجھے سلامت رکھا یعنی میں زندہ رہا یہاں تک کہ غزوہ سے واپس گھر چلا گیا "**أن اسأل عنھا عتبان بن مالکؓ**" تو اس طرح قسم کھائی کہ میں دوبارہ جا کر عتبان بن مالکؓ سے پوچھوں گا کہ کہیں مجھ سے غلط فہمی ہو گئی ہو یا یاد نہ رہا ہو۔

إن وجدته حياً في مسجد قومي اگر میں نے ان کو اپنی قوم کی مسجد میں زندہ پایا۔

فقفلت ۔ میں قسطنطنیہ سے واپس آیا۔

فاهللت بحجة أو بعمرة ۔ پھر میں نے حج یا عمرہ کا احرام باندھا۔

ثم سرت ۔ پھر میں چلا یہاں تک کہ مدینہ منورہ آیا اور بنی سالم پہنچا۔

فإذا عتبان شيخ أعمىٰ ۔ میں نے دیکھا کہ عتبان بوڑھے اور نابینا ہوگئے ہیں اور اپنی قوم کو نماز پڑھا رہے ہیں۔ جب نماز سے سلام پھیرا تو میں نے ان کو سلام کیا اور بتایا کہ میں کون ہوں؟

ثم سألته عن ذلك الحديث ۔ پھر میں نے ان سے اسی حدیث کے بارے میں پوچھا "**وحدثنيه كما حدثنيه أوّل مرّة**" تو انہوں نے مجھے وہ حدیث اسی طرح سنائی جس طرح پہلے سنائی تھی، تو مجھے اطمینان ہوا کہ مجھ سے غلطی نہیں ہوئی۔

(۳۷) باب التطوع في البيت

گھر میں نفل نماز پڑھنے کا بیان

۱۱۸۷ ۔ حدثنا عبد الأعلى بن حماد : حدثنا وهيب ، عن أيوب و عبيد الله عن نافع ، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال : رسول الله صلى الله عليه وسلم : ((إجعلوا في بيوتكم من صلاتكم ولا تتخذوها قبوراً)) . تابعه عبد الوهاب عن أيوب . [راجع : ۴۳۲]

گھروں میں نماز پڑھنے کی ترغیب

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث نقل کی ہے فرمایا کہ "**اجعلوا في بيوتكم من صلوتكم**" کہ اپنے گھروں میں نماز کے لئے کوئی جگہ بنا دو یا یہ کہ کچھ نمازیں گھر میں بھی پڑھا کرو۔

"**ولا تتخذوها قبوراً**" اور گھروں کو قبریں مت بناؤ یعنی وہ جگہ جہاں نماز بالکل نہ پڑھی جائے وہ قبر کے مشابہ ہے وہ زندوں کی جگہ نہیں ہے مردوں کی جگہ ہے، یعنی جس طرح قبر میں مردے عالم حس کے اندر نماز نہیں پڑھتے، اسی طریقے سے تم اپنے گھر کے اندر نماز نہیں پڑھو گے تو تمہارے گھر قبروں کے مشابہ ہو جائیں گے۔

امام بخاریؒ کا استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے اس بات پر مزید استدلال کیا ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا جائز

نہیں، پھر فرمایا کہ تم اپنے گھروں میں نماز پڑھا کرو اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، تو معلوم ہوا کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، ورنہ اس گھر کو جس میں نماز نہ پڑھی جائے قبرستان سے تشبیہ نہ دی جاتی۔[۳۴]

---

[۳۴] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج:۳، ص:۱۵۱۔

٢٠- كتاب فضل الصلاة فى مسجد مكة والمدينة

رقم الحديث : ١١٨٨ - ١١٩٧

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

٢٠- كتاب فضل الصلاة في مسجد مكّة والمدينة

(١) باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان

١١٨٨ ـ حدثنا حفص بن عمر: حدثنا شعبة قال: أخبرني عبد الملك بن عمير، عن قزعة قال: سمعت أبا سعيد أربعا، قال: سمعت من النبي ﷺ وكان غزا مع النبي ﷺ ثنتي عشرة غزوة. ح [راجع: ٥٨٦]

١١٨٩ ـ وحدثنا علي قال: حدثنا سفيان عن الزهري، عن سعيد، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: «لا تشد الرحال إلا إلى ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، ومسجد الرسول ﷺ، ومسجد الأقصى». [1]

ترجمہ: قزعہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابو سعید ﷺ کو چار باتیں کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا اور وہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ بارہ غزوات میں شریک ہوئے تھے۔

ح۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا سامان سفر نہ باندھا جائے مگر تین مسجدوں کے لئے (۱) مسجد حرام، (۲) مسجد رسول اللہ ﷺ، (۳) مسجد اقصیٰ۔

١١٩٠ ـ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك، عن زيد بن رباح، وعبيد الله بن أبي عبد الله الأغر، عن أبي عبد الله الأغر، عن أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي ﷺ قال: «صلاة

---

[1] وفي سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في الصلاة في مسجد بيت المقدس، رقم: ١٤٠٠، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي سعيد الخدري، رقم: ١٠٩٨١.

في مسجدي هذا خير من ألف صلاة فيما سواه إلا المسجد الحرام ». [۱، ۲]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری اس مسجد میں نماز پڑھنا سوائے خانہ کعبہ کے دیگر تمام مساجد کی ہزار نماز سے بہتر ہے۔

تین مساجد کی فضیلت

اور روضۂ اقدس ﷺ کی زیارت کے بارے میں تحقیقی آراء

علامہ نووی اور محب طبری رحمہما اللہ کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ فضیلت مسجد نبوی کے اس حصہ کے ساتھ خاص ہے جو حضور ﷺ کی حیات میں مسجد نبوی کا جزو تھا، جبکہ جمہور کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ فضیلت صرف عہد نبوی کی مسجد سے متعلق نہیں، بلکہ جتنی توسیع اس میں ہوئی یا ہوگی وہ بھی اس کے مصداق میں داخل ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہاں اشارہ اور تسمیہ دونوں جمع ہو گئے ہیں، لہٰذا تسمیہ راجح ہوگا۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت حضور سرور کائنات ﷺ کو مسجد نبوی میں آپ ﷺ کے بعد ہونے والے اضافوں کا علم تھا، لہٰذا آپ ﷺ کا قول **في مسجد هذا** آپ ﷺ کے بعد ہونے والے اضافوں کو شامل ہے، اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم مسجد نبوی میں زیادتی کی اجازت نہ دیتے۔

اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب وہ مسجد نبوی میں اضافہ سے فارغ ہو گئے تو فرمایا **"لو مد مسجد رسول الله ﷺ إلى ذي الحليفة لكان منه"**۔[۳]

---

[۱] لا يوجد للحديث مكررات.

[۲] وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل الصلاة بمسجدي مكة والمدينة، رقم: ۲۴۶۹، وسنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب باب ماجاء في أي المساجد أفضل، رقم: ۲۹۹، وسنن النسائي، كتاب المساجد، باب فضل مسجد النبي والصلاة فيه، رقم: ۶۸۷، وكتاب مناسك الحج، باب فضل الصلاة في المسجد الحرام، رقم: ۲۸۵۰، وسنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في فضل الصلاة في المسجد الحرام ومسجد النبي ﷺ، رقم: ۱۳۹۳، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۹۵۵، ۷۱۰۸، ۷۱۶۹، ۷۳۰۸، ۷۳۱۳، ۸۶۵۱، ۹۲۲۸، ۹۶۶۳، ۹۶۳۱، ۹۸۸۶، ۹۹۰۹، ۱۰۰۷۰، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب ماجاء في مسجد النبي، رقم: ۳۱۴.

[۳] ولابن شبة أيضاً عن عمر بن الخطاب قال لو مد مسجد النبي ﷺ لكان منه، كشف الخفاء، ج: ۲، ص: ۳۴، رقم: ۱۶۰۵، بيروت، ۱۴۰۵ هـ.

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" **لاتشد الرحال إلا إلیٰ ثلاثة مساجد المسجد الحرام، ومسجد الرسول ﷺ ، ومسجد الاقصیٰ**"

حدیث کا مقصد تو واضح ہے کہ دنیا میں یہی تین مسجدیں ہیں جن میں نماز پڑھنے کا ثواب یقینی طور پر دوسری مساجد کے مقابلہ میں زیادہ ہے، لہٰذا زیادہ ثواب کے حصول کیلئے ان تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر کر کے جانا بالکل بے فائدہ ہے کیونکہ وہی ثواب یہاں بھی مل رہا ہے اور دوسری جگہ بھی ملے گا۔

کوئی شخص یہ سوچے کہ میں اسلام آباد کی فیصل مسجد میں جا کر نماز پڑھوں اور یہاں سے اس کیلئے سفر کرے تو کیا حاصل؟ جو ثواب یہاں مل رہا ہے وہی ثواب وہاں بھی ملے گا۔ کوئی شخص یہ سوچے کہ میں جامع مسجد قرطبہ میں جا کر نماز پڑھوں اور اس کے لئے وہ اندلس کا سفر کرے تو کوئی حاصل نہیں، لیکن یہ تین مسجدیں مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ ایسی ہیں کہ ان کی طرف سفر کر کے جائے تو یہ معقول بات ہے اس لئے کہ ثواب زیادہ ملے گا۔

علامہ ابن تیمیہ اور روضۂ اقدس ﷺ کی زیارت

علامہ ابن تیمیہؒ نے اس پر ایک مسئلہ کھڑا کر دیا ہے کہ حصول قربت کے لئے سوائے ان تین مساجد کے کسی بھی جگہ سفر کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا وہ یہاں تک آگے چلے گئے کہ کہا حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کی زیارت کیلئے بھی سفر جائز نہیں ہے، کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے "**لاتشد الرحال إلا إلیٰ ثلاثة مساجد مسجد الحرام ومسجد الرسول ومسجد الأقصیٰ**"

ہاں آدمی مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کے لئے سفر کرے، حضور اقدس ﷺ کے روضہ کی زیارت کے لئے سفر نہ کرے۔ جب نماز کی نیت سے مسجد نبوی پہنچ گیا، تو اب چونکہ روضۂ اقدس بھی قریب ہے، لہٰذا وہاں بھی ضمناً چلا جائے اور ضمناً و تبعاً روضہ کی زیارت بھی کر لے، لیکن سفر کا مقصد روضہ کی زیارت نہ ہو بلکہ سفر کا مقصد مسجد نبوی کی زیارت ہونا چاہئے۔ جب حضور اقدس ﷺ کے روضۂ اقدس کے بارے میں یہ بات ہے تو بعد کے کسی صحابیؓ یا تابعی اور اولیاء کے مزارات کی زیارت کرنا تو شرک ہی ہو جائے گا۔[۵]

علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ سبکیؒ کی نظر میں

علامہ سبکی رحمہ اللہ نے ان کی تردید میں مستقل کتاب لکھی جس کا نام "**شفاء الاسقام فی زیارۃ سید**

---

[۵] کتب ورسائل وفتاویٰ ابن تیمیہ، ج: ۲۷، ص: ۲۰.

خیر الانام" ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ بے شک بڑے آدمی ہیں اور ان کا علم بھی بڑا ہے لیکن انہیں جب کوئی بات سمجھ آتی ہے تو اس پر ایسے جم جاتے ہیں کہ ذرا ادھر اُدھر نہیں ہوتے اور بعض اوقات غلو کی حد تک پہنچ جاتے ہیں کسی نے ادب کے ساتھ بڑا اچھا تبصرہ کیا ہے کہ **"کان علمه اكبر من عقله"** ان کا علم ان کی عقل سے زیادہ تھا، غرض اس حدیث کی بنیاد پر وہ یہاں تک چلے گئے کہ روضۂ اقدس کی زیارت کے سفر کو بھی ناجائز قرار دے دیا۔

اب ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو حضور ﷺ سے محبت اور عشق ہوتا ہے، اس واسطے لوگوں کو غصہ آ گیا اور لڑائی شروع ہوگئی، کفر کے فتوے بھی جاری ہوئے، ابن تیمیہؒ پر کفر کا فتویٰ بھی لگا، تو اس حد تک جانا ٹھیک نہیں ہے کہ کفر کے فتوے جاری ہوں لیکن ابن تیمیہؒ نے جو بات کہی ہے، وہ یقیناً سو فیصد غلط ہے، چاہے وہ کتنے ہی بڑے آدمی ہوں لیکن ان کی یہ بات صحیح نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ **"لاتشدوا الرحال إلا على ثلاثة مساجد"** میں اگر غور کریں تو الا استثناء مفرغ ہے؟ استثناء مفرغ وہ ہوتا ہے جس کا مستثنیٰ منہ لفظوں میں مذکور نہ ہو، اور یہاں بھی مستثنیٰ منہ لفظوں میں مذکور نہیں ہے اس لئے محذوف نکالنا ہوگا۔[۱]

---

[۱] ولنتكلم على الشبهة الثانية و الثالثة اللتين بنى ابن تيمية رحمه الله كلامه عليهما ،اما الشبهة الثانية وهي كون هذا مشروعاً(؟) وانه من البدع التي لم يستحبها احد من العلماء لامن الصحابة ولا من التابعين ومن بعدهم ، فقد قدمنا سفر بلال من الشام الى المدينة لقصد الزيارة وان عمر بن عبد العزيز كان يجهز البريد من الشام الى المدينة للسلام على النبي صلى الله عليه وسلم ان ابن عمر كان يأتي قبر النبي صلى الله عليه وسلم فيسلم عليه وعلى ابي بكر وعمر رضي الله عنه وكل ذلك يكذب دعوى ان الزيارة و السفر اليها بدعة ، ولو طولب ابن تيمية رحمه الله باثبات هذا النفي العام واقامة الدليل على صحته لم يجد اليه سبيلاً فكيف يحل الذي علم ان يقدم على هذا الامر العظيم بمثل هذه الفنون التي مستندة فيها انه لم يبلغه وينكر به ما اطبق عليه جميع المسلمين شرقاً وغرباً في سائر الاعصار مما محسوس خلفا عن سلف ويجعله من البدع .

فان قال: ان الذي كان يفعل السلف من النوع الاول وهو السلام والدعاء له دون النوع الثاني والثالث ، قلنا اما الثالث فلا استرواح اليه لانا نجد كل مسلم منه واما الاول والثاني فدعوى كون السلف كلهم كانوا مطبقين على النوع الاول وانه شرعي وكون الخلف كلهم مطبقين على الثاني وانه بدعة من التخرص الذي لا يقدر على اثباته فان المقاصد الباطنة لا يطلع عليها الا الله تعالى فمن اين له ان جميع السلف لم يكن احد منهم يقصد التبرك او ان جميع الخلف لا يقصدون الا ذلك ثم انه قال فيما سنحكيه من كلامه ان احدا لا يسافر اليها الا لذلك يعني لاعتقاده انها قربة انه متى كان كذلك كان حراما ولا شك ان بلالا وغيره من السلف وان سلمنا انهم ما قصدوا الا السلام فانهم

يعتقدون ان ذلك قربة فاوشعر ابن تيمية رحمه الله ان بلالا وغيره من السلف فعل ذلك لم ينطق بما قال ولكنه قام عنده خيال ان هذه الزيارة فيها نوع من الشرك ولم يستحضر ان احدا فعلها من السلف، فقال ما قال وغلط رحمه الله فيما حصل له من الخيال وفي عدم الاستحضار ،ودعواه انه لونذر ذلك لم يجب عليه الوفاء به بلا نزاع من الائمة نحن نطالبه بنقل هذا عن الائمة وتحقيق انه لا نزاع بينهم فيه لم بتقرير كون ذلك عاما في قبر النبي صلى الله عليه وسلم ليحصل مقصوده في هذه المسئلة التي تصدينا لها ومتى لم تحصل هذه الأمور الثلاثة لايحصل مقصوده وليس الى حصولها سبيل ، ونحن قد نقلنا ان زيارة قبر النبي صلى الله عليه وسلم تلزم بالنذر وعلى مقتضاه يلزم السفر اليها ايضا بالنذر على الضد مما قال ، واما قوله ان الصحابة لما فتحو الشام لم يكونوا يسافرون الى زيارة قبر الخليل وغيره من القبور والأنبياء التي بالشام فلعله لأنه لم يثبت عندهم موضعها فانه ليس لنا قبر مقطوع به الا قبره صلى الله عليه وسلم، واما قوله ولا زار النبي صلى الله عليه وسلم شيئا من ذلك ليلة اسرى به فلعله لاشتغاله مما هو اهم وقد تحققنا زيارته صلى الله عليه وسلم القبور بالمدينةوغيرها في غير تلك الليلة فليس ترك زيارته في تلك الليلة دليلا على ان زيارته ليست بسنة فالتشاغل بالاستدلال بذلك تشاغل بما لا يجدى نفعا.

ع وقد امتحن الحافظ ابن تيمية رحمه الله تعالى لأجل هذا الحديث في الشام مرتين فحبس مرة مع تلميذ ابن القيم رحمه الله وأخرى وحده حتى توفى فيه وكان من مذهبه أن السفر الى المدينة لا يجوز بنية زيارة قبره ﷺ لأجل هذا الحديث نعم يستحب له بنية زيارة المسجد النبوى وهي من اعظم القربات ثم اذا بلغ المدينة يستحب له زيارة قبره من ايضا لأنه يصير حينئذ من حوالي البلدة وزيارة قبورها مستحبة عنده وناظره في تلك المسئلة سراج الدين الهندى الحنفي وكان حسن التقرير فلما شرع في المناظرة جعل الحافظ ابن تيمية رحمه الله تعالى يقطع كلام الهندى فقال له: ماأنت يا ابن تيمية الا كالعصفور الخ وقال الشيخ ابن الهمام رحمه الله تعالى ان زيارة قبره ﷺ مستحبة وقريب من الواجب ولعله قال قريبا من الواجب نظرا الى هذا النزاع وهو الحق عندى فان آلاف الألوف من السلف كانوا يشدون رحالهم لزيارة النبي وزعمونها من أعظم القربات وتجريد نياتهم أنها كانت للمسجد دون الروضة المباركة باطل بل كانو ينوون زيارة قبر النبي ﷺ قطعا وأحسن الأجوبة عندى أن الحديث لم يرد في مسألة القبور لما في المسند لأحمد رحمه الله تعالى لا تشد الرحال الى مسجد ليصلى فيه الا الى ثلاثة مساجد فدل على ان نهى شد الرحال يقتصر على المساجد فقط ولا تعلق له بمسألة زيارة القبور فجره الى المقابر مع كونه في المساجد ليس بسديد قال الشافعي رحمه الله تعالى: بلغني أن الحافظ ابن تيمية رحمه الله تعالى كان ينهى عن شد الرحال لها اما لو ذهب بدون الشد جاز قلت: مذهبه النهى عن السفر مطلقا سواء كان بشد الرحال أو بـ دونه .فيض البارى، ج:٢، ص: ٤٣٣.

ابن تیمیہ کی غلطی کی بنیاد

علامہ ابن تیمیہؒ کا مذہب اس وقت صحیح ہوگا جب مستثنیٰ منہ محذوف یہ نکالیں **"لاتشدوا الرحال إلیٰ شیئی إلاإلی ثلاثة مساجد"** سوائے ان تین مساجد کے کسی بھی چیز کی طرف شدِ رحال نہیں کیا جاسکتا۔

اگر یہ محذوف مانا جائے تو پھر دنیا کا کوئی سفر بھی ان تین سفروں کے علاوہ حلال نہ رہا اور یہ درست نہیں اور **إلیٰ شیئی** محذوف نکالے بغیر ان کا منشأ پورا نہیں ہوتا۔

جمہور کا مسلک

جمہور کہتے ہیں کہ جب استثناء مفرغ ہو تو مستثنیٰ منہ، مستثنیٰ کی جنس سے ہوتا ہے کیونکہ استثناء میں اصل اتصال ہوتا ہے نہ کہ انقطاع، لہٰذا جب آگے مساجد کا ذکر ہے تو مستثنیٰ منہ بھی مساجد ہونا چاہئے **"أی لاتشد الرحال إلیٰ مسجد الا إلیٰ ثلاثة مساجد"** کہ کسی بھی مسجد کی طرف حصول فضیلت کے لئے شدِ رحال درست نہیں مگر ان تین مساجد کی طرف۔

اب مساجد کے علاوہ دوسری چیزوں کی طرف جو شدِ رحال کیا جاتا ہے حدیث میں اس بارے میں سکوت ہے، لہٰذا مسکوت عنہ اشیاء کو ان کی اپنی ذات میں دیکھا جائے گا کہ مسکوت عنہ اشیاء کی طرف سفر کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ حلال ہے یا حرام؟

مسکوت عنہ میں سینما دیکھنے کے لئے سفر کرنا بھی داخل ہے اور یہ حرام ہوگا، اس میں حصول علم کے لئے سفر کرنا بھی داخل ہے اور یہ حلال ہوگا، جہاد کے لئے سفر کرنا بھی داخل ہے یہ بھی حلال ہوگا، اسی طرح اس میں نبی کریم ﷺ کے روضۂ اقدس کی طرف سفر کرنا بھی داخل ہے جو ہزار فضیلت کا موجب ہے اور جس کے بارے میں احادیث بھی موجود ہیں۔ جن کی تردید میں علامہ ابن تیمیہؒ نے پورا زورِ قلم صرف کیا ہے، وہ متعدد احادیث ہیں جن میں سے ایک حدیث **"من زار قبری وجبت له شفاعتی"** ہے۔ جس کی سند حسن ہے، باقی احادیث کی اسانید ضعیف ہیں۔[۸]

لیکن آپ یہ اصول پڑھ چکے ہیں کہ اگر اسانید ضعیف ہوں لیکن مؤید بتعامل الامۃ ہوں تو مقبول ہوتی ہیں اور ساری امت، صحابۂ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ سب کا اس پر تعامل رہا ہے کہ وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ

---

[۸] وعن ابی بصرة ایضاً رواه احمد والبزار (فی مسندیهما) والطبرانی فی الکبیر والاوسط الخ الحدیث ورجال اسناده ثقات. وصاحب التلویح: وهو لو عمری سند جید لولا قول البخاری: الخ، عمدة القاری، ج: ۵، ص: ۵۶۳، ولسان المیزان، ج: ۶، ص: ۱۳۵، رقم: ۴۷۲، بیروت ۱۴۰۲ھ.

وسلم کے روضہ کی زیارت کے لئے سفر کرتے تھے۔ حضرت بلالؓ نے خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا تھا، تو شام سے سفر کیا تو یہ تعامل کہلاتا ہے۔ ۹

اس سے صاف ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرنا موجب فضیلت ہے اور افضل القربات میں سے ہے۔ ۱۰

لہٰذا اہل سنت علماء دیوبند کا مذہب یہی ہے کہ جب آدمی مسجد نبوی جائے، مدینہ منورہ جائے تو روضۂ رسول ﷺ کی زیارت کی نیت کرے، نہ کہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی، اصل زیارت روضہ کو بنائے۔ اس لئے کہ ویسے بھی یہ غیر معقول بات ہے کہ آدمی مکہ مکرمہ میں ہے جہاں مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ملتا ہے اب وہ ایک لاکھ کی جگہ ایک ہزار نمازوں کے ثواب کے لئے سفر کرے اور نوے ہزار کا نقصان کرے اور ثواب کم کرے تو احمق ہوا کہ مسجد حرام کا ثواب چھوڑ کر مسجد نبوی کی طرف جا رہا ہے جس میں نوے ہزار کی کمی ہے۔

جب حدیث میں ایک مسجد سے دوسری مسجد کی طرف سفر کو منع کیا گیا ہے جب ثواب برابر ہو تو ایسی صورت میں جب وہ ایسی جگہ ہو جہاں ثواب زیادہ ہو اور ایسی جگہ جانے کی نیت کرے جہاں ثواب کم ہو، یہ

---

۹ ثم ان بلالاً رای فی منامه رسول الله ﷺ وهو يقول له ماهذه الجفوة يابلال اما آن لک ان تزورني يا بلال فانتبه حزينا وجلا خائفاً فركب راحلته وقصد المدينة فاتى قبر النبي ﷺ فجعل يبكي عنده ويمرغ وجهه عليه فاقبل الحسن والحسين رضي الله عنهما فجعل يضمهما ويقبلهما فقالا له نشتهي نسمع اذانک الذی کنت تؤذن به لرسول الله ﷺ في المسجد ففعل فعلاً سطح المسجد فوقف موقفه الذی کان يقف فيه فلما ان قال الله اكبر الله أكبر ارتجت المدينة فلما ان قال اشهد ان لا اله الا الله ازداد رجتها فلما ان قال اشهد ان محمداً رسول الله خرجت العواتق من خدورهن وقالوا ابعث رسول الله ﷺ؟ فمارؤي يوم اكثر باكيا ولاباكية بالمدينة بعد رسول الله ﷺ من ذالک اليوم .شفاء السقام في زيارة اخير الانام،ص: ۵۳،وسير اعلا النبلاء،ج: ۱،ص: ۳۵۸،واعانة الطالبين،ج: ۱،ص: ۲۳۰.

۱۰ والحنفية قالوا ان زيارة قبر النبي ﷺ من افضل المندوبات والمستحبات بل تقرب من درجات الواجبات ممن صرح بذلک منهم ابو منصور محمد ابن مكرم الكرماني في مناسكه وعبدالله بن محمود بن بلدجي في شرح المختار .وفي فتاوى ابي الليث السمرقندي في باب اداء الحج،روى الحسن ابن زياد عن ابي حنيفة انه قال : الاحسن للحاج ان يبدأ بمكة فاذا قضى نسكه مر بالمدينة وان بدأ بها جاز فيأتي قريبامن قبر رسول الله ﷺ فيقوم بين القبر والقبلة فيستقبل القبلة ويصلي على النبي ﷺ وعلى ابي بكر وعمر رضي الله عنهما ويترحم عليهما .وقال ابو العباس السروجي في الغاية. اذا انصرف الحاج والمعتمرون من مكة فليتوجهوا الى طيبة مدينة رسول الله ﷺ وزيارة قبره فانها من انجح المساعي .وكذلک نص على الحنابلة ايضا .كذا ذكر في شفاء السقام في زيارة خير الانام،ص: ۶۵.

بطریق اولیٰ ممنوع ہونا چاہئے، لہٰذا مکہ مکرمہ میں رہنے والے کے لئے مدینہ منورہ کا سفر اس کے سوا نہیں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرے۔

اب کہتے رہیں کہ ساری امت مشرک تھی۔ صحابہؓ، ائمہ اربعہؒ، فقہاءؒ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ، سب نے العیاذ باللہ شرک کا ارتکاب کیا کہ وہ قبر کی زیارت کے لئے سفر کرتے تھے، اس لئے یہ قول بالکل مردود ہے۔

افسوس یہ ہے کہ ہمارے علماء دیوبند سے تعلق رکھنے والے اس قسم کی سطحی باتوں سے مغلوب ہوگئے اور اسی قسم کا مسلک اختیار کرنے لگے اور اپنے مسلک کو چھوڑ دیا اور کہنے لگے یہی علماء دیوبند کا مسلک ہے،

حالانکہ علماء دیوبند کا اس قسم کے مسلک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ المہند علی المفند میں مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس اللہ سرہ نے صاف صاف لکھ دیا کہ نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کرنا افضل القربات ہے، اس واسطے یہی عقیدہ درست اور دلائل سے مؤید ہے اور اس کے خلاف سے اللہ کی پناہ مانگی جائے۔

اگر کوئی شخص کسی مسجد کی طرف جائے اور ثواب زیادہ ہونے کی نیت نہ ہو، مثلاً ایک شخص مسجد قرطبہ جاتا ہے یہ دیکھنے کے لئے کہ تاریخی مسجد مسلمانوں نے بنائی تھی، اس کو دیکھنے کا دل چاہ رہا ہے، تو جیسے اور چیزیں دیکھنے کے لئے جاتا ہے اس کو بھی دیکھ لے، میں بھی گیا ہوں یہ درست ہے۔

اسی طرح کوئی بڑی مسجد ہے وہاں لوگ زیادہ ہوتے ہیں، دوست احباب ملیں گے یا وہاں قاری صاحب تلاوت بہت اچھی کرتے ہیں اس لئے چلا جائے، ہزاروں جواز ہوسکتے ہیں، اس طرح جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سوال: نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کے سلسلے میں جتنی احادیث ہیں، شیخ ناصر الدین البانی نے ان سب پر ضعیف کا حکم لگایا ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: شیخ ناصر الدین البانی صاحب (اللہ ہم سب کو ہدایت عطا فرمائے) تصحیح وتضعیف کے بارے میں حجت نہیں ہیں، چنانچہ انہوں نے بخاری اور مسلم کی بعض احادیث کو ضعیف کہہ دیا۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ ایک ہی حدیث کے بارے میں بڑی شد ومد سے کہہ دیا کہ یہ ضعیف ہے، ناقابل اعتبار ہے، مجروح ہے، ساقط الاعتبار ہے اور پانچ سال کے بعد وہی حدیث آئی، اس پر گفتگو کرنے کیلئے کہا گیا تو کہا کہ یہ بڑی پکی اور صحیح حدیث ہے، یعنی جس حدیث پر بڑی شد ومد سے نکیر کی تھی، آگے جاکر بھول گئے کہ میں نے کیا کہا تھا، تو ایسے تناقضات ایک دو نہیں، بیسیوں ہیں اور کہا جارہا ہے کہ یہ حدیث کی تصحیح وتضعیف کے بارے میں مجدد هذه المأة ہیں۔

بہر حال عالم ہیں عالم کے لئے ثقیل لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے لیکن ان کے انداز گفتگو میں سلف صالحین

کی جو بے ادبی ہے اور ان کے طریقہ تحقیق میں جو یک رخاپن ہے جس کے نتیجے میں صحیح حدیثوں کو بھی ضعیف قرار دے دیتے ہیں اور جہاں اپنے مطلب کی بات ہوتی ہے وہاں ضعیف کو بھی صحیح قرار دے دیتے ہیں، اس لئے ان کا کوئی اعتبار نہیں، حدیث کی تصحیح وتضعیف کوئی آسان کام نہیں ہے۔

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

علماء کرامؒ نے فرمایا کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد کسی آدمی کا یہ مقام نہیں ہے کہ وہ سلف کی تصحیح وتضعیف سے قطع نظر کر کے خود تصحیح وتضعیف کا حکم لگائے کہ میرے نزدیک یہ صحیح ہے اور یہ ضعیف ہے۔

یہاں تک کہ حافظ ابن حجرؒ جیسا شخص بھی یہ نہیں کہتا کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف ہے بلکہ کہتا ہے کہ "**رجالہ رجال الصحیح، رجالہ ثقات**" یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں اپنی طرف سے تصحیح کا حکم نہیں لگاتے، کہتے ہیں کہ میرا یہ مقام نہیں ہے کہ تصحیح کا حکم لگاؤں۔

آج جو لوگ کہتے ہیں کہ **ھذا عندی ضعیف**، اس کا جواب وہی ہے جو پہلے ایک شعر بتایا تھا کہ

یقولون ھذا عندنا غیر جائز

ومن انتم حتی یکون لکم عند

باقی حدیث "**من زار قبری وجبت له شفاعتی**" کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ محدثین نے اس کو حسن قرار دیا ہے، باقی حدیثوں کی اسناد بے شک ضعیف ہیں لیکن ایک تو تعدد طرق وشواہد کی بناء پر، دوسرے تعامل امت کی بناء پر مؤید ہو کر وہ قابل استدلال ہیں۔[۱]

(۲) باب مسجد قباء

قباء کی مسجد کا بیان

۱۱۹۱ - حدثنا یعقوب بن ابراهیم : حدثنا ابن علیه : اخبرنا ایوب ، عن نافع : ان ابن عمر رضی الله عنهما کان لا یصلی من الضحی الا فی یومین یوم یقدم مکة فانه کان یقدمها ضحی فیطوف بالبیت ثم یصلی رکعتین خلف المقام ،ویوم یاتی مسجد قباء فانه کان یاتیه کل سبت فاذا دخل المسجد کره ان یخرج منه حتی یصلی فیه . قال : و کان یحدث ان رسول الله ﷺ کان یزوره راکباً وماشیاً. [انظر: ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۷۳۲۶]

[۱] شعب الایمان ، رقم: ۴۱۵۹.

ترجمہ: نافع روایت کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما صرف دو دن چاشت کی نماز پڑھتے تھے، اول جس دن مکہ آتے تھے اس لئے وہاں چاشت کے وقت پہنچتے تھے اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے پھر مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔

دوسرے جس دن قباء میں آتے تھے وہ اس مسجد میں ہر سنیچر کے دن آتے تھے، جب مسجد میں داخل ہوتے تو اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ اس مسجد سے بغیر نماز پڑھے ہوئے نکل جائیں، ابن عمر ﷺ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر اور پیادہ اس کی زیارت کرتے تھے۔

۱۱۹۲- قال: وكان يقول له: انما اصنع كما رايت اصحابي يصنعون، ولا امنع احداً ان صلى في اى ساعة شاء من ليل او نهار غير ان لا تتحركوا طلوع الشمس ولا غروبها. [۱۲]

ترجمہ: ابن عمر ﷺ نے فرمایا کہ میں اس طرح کرتا ہوں جس طرح اپنے ساتھیوں کو کرتے ہوئے دیکھتا تھا اور نہ میں کسی کو منع کرتا ہوں کہ رات اور دن کے جس حصہ میں چاہے نماز پڑھے مگر یہ کہ آفتاب کے طلوع اور غروب کے وقت نماز کا قصد نہ کرے۔

(۳) باب من أتى مسجد قباء كل سبت

اس شخص کا بیان جو مسجد قباء میں ہر سنیچر کو آئے

۱۱۹۳- حدثني موسى بن اسماعيل قال: حدثنا عبدالعزيز بن مسلم، عن عبدالله بن دينار، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كان النبي ﷺ ياتي مسجد قباء كل

---

[۱۲] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الاوقات التي نهي عن الصلاة فيها، رقم: ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، وكتاب الحج، باب فضل مسجد قباء وفضل الصلاة فيه وزيارته، رقم: ۲۴۷۸، وسنن النسائي، كتاب المواقيت، باب النهي عن الصلاة عند طلوع الشمس، رقم: ۵۶۰، وكتاب المساجد، باب فضل مسجد قباء والصلاة فيه، رقم: ۶۹۱، وسنن ابي داؤد، كتاب المناسك، باب في تحريم المدينة، رقم: ۱۷۴۳، ومسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۳۵۵، ۴۵۴۱، ۴۶۱۴، ۴۹۵۲، ۴۹۲۸، ۵۰۷۷، ۵۱۳۲، ۵۲۶۴، ۵۵۱۳، ۵۵۹۵، ۶۱۴۳، وموطأ امام مالك، كتاب النداء للصلاة، باب العمل في جامع الصلاة، رقم: ۳۶۲، ۳۶۰.

سبت ماشیا وراکباً . وکان عبداللہ رضی اللہ عنہ یفعلہ .[راجع: ۱۱۹۱]

ترجمہ: ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا ہے نبی کریم ﷺ ہر سنیچر کو مسجد قباء میں کبھی پیدل اور کبھی سوار ہوکر تشریف لاتے تھے۔

وکان عبداللہ رضی اللہ عنہ یفعلہ۔ اور عبداللہ بن عمرؓ بھی اسی طرح کرتے تھے۔

(۴) باب اتیان مسجد قباء ماشیا و راکباً

۱۱۹۴ - حدثنا مسدد قال: حدثنا یحیی عن عبیداللہ قال: حدثنی نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: کان النبی ﷺ یاتی قباء راکباً وماشیاً .زاد ابن نمیر: حدثنا عبیداللہ، عن نافع: فیصلی فیہ رکعتین .[راجع: ۱۱۹۱]

عن نافع: فیصلی فیہ رکعتین۔ نافع سے روایت ہے کہ ابن عمرؓ اس میں دو رکعت پڑھتے تھے۔

(۵) بابُ فضل مابین القبر والمنبر

قبر اور منبر نبی کے درمیان کی جگہ کی فضیلت کا بیان

۱۱۹۵ - حدثنا عبداللہ بن یوسف: أخبرنا مالک، عن عبد اللہ بن أبي بکر، عن عباد بن تمیم، عن عبداللہ بن زید المازني رضي اللہ عنہ أن رسول اللہ ﷺ قال: ((ما بین بیتي ومنبري روضۃ من ریاض الجنۃ)). [۱۳]

۱۱۹۶ - حدثنا مسدد عن یحیي، عن عبید اللہ قال: حدثني خبیب بن عبدالرحمن، عن حفص بن عاصم، عن أبي ہریرۃ ﷺ أن النبي ﷺ قال: ((ما بین بیتي ومنبري روضۃ من ریاض الجنۃ .ومنبري علی حوضي)).[انظر: ۱۸۸۸، ۶۵۸۸، ۷۳۳۵] [۱۴]

---

[۱۳] وفي صحیح مسلم، کتاب الحج، باب مابین القبر والمنبر روضۃ من ریاض الجنۃ، رقم: ۲۴۶۳، وسنن النسائي، کتاب المساجد، باب فضل المسجد النبي والصلاۃ فیہ، رقم: ۶۸۸، ومسند أحمد، اول مسند المدنیین أجمعین، باب حدیث عبداللہ بن زید بن عاصم المازني، رقم: ۱۵۸۳۸، ۱۵۸۵۸، ۱۵۸۶۶، وموطأ مالک، کتاب النداء للصلاۃ، باب ماجاء في مسجد النبي، رقم: ۴۱۲.

[۱۴] وفي صحیح مسلم، کتاب الحج، باب مابین القبر والمنبر روضۃ من ریاض الجنۃ، رقم: ۲۴۶۵، وسنن الترمذي، کتاب المناقب عن رسول اللہ، باب ماجاء في فضل المدینۃ، رقم: ۳۸۵۰، ومسند أحمد، باقي مسند المکثرین، باب مسند ابي ہریرۃ، رقم: ۶۹۴۵، ۸۵۳۰، ۸۷۸۹، ۸۸۴۷، ۸۹۷۰، ۹۲۶۶، ۹۶۴۷، ۱۰۴۱۷، ۱۰۷۴۹، ۱۰۳۸۷، وموطأ مالک، کتاب النداء للصلاۃ، باب ماجاء في مسجد النبي، رقم: ۴۱۵.

بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یہ مجاز ہے، مراد یہ ہے کہ یہاں بیٹھ کر یا کھڑے ہوکر عبادت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ جنت کی کیاری میں داخل فرمائیں گے۔ بعض نے کہا یہ خطہ حقیقتاً جنت سے آیا ہے جیسا کہ حجرِ اسود جنت سے آیا ہے۔ بعض نے کہا بعینہ یہ خطہ اٹھا کر جنت میں لے جایا جائے گا، سب ہی احتمالات ہیں واللہ اعلم۔ [۱۵]

سوال: حضور ﷺ کے تبرکات کی زیارت کیلئے سفر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: حدیث پاک میں صرف مساجد کی طرف سفر کرنے کا ذکر ہے، باقی امور سے یہ حدیث ساکت ہے۔

سفر میں اصل یہ ہے کہ وہ حلال ومباح ہے جب تک کسی خاص سفر کی حرمت کی کوئی دلیل نہ ہو۔

اگر کسی جگہ حضور ﷺ کے تبرکات کا احتمال ہے تو اس کی زیارت کیلئے جانے کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے لیکن تبرکات کے نام پر مختلف جگہ بعض چیزیں ہیں جو مستند نہیں ہیں، جیسے شاہی مسجد میں رکھے ہوئے ہیں، اب وہ واقعی تبرکات ہیں یا نہیں، اس کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

سب سے زیادہ مستند اور قابلِ اعتماد وہ ہیں جو استنبول میں ہیں۔ استنبول کے عجائب خانہ میں پورا ایک کمرہ نبی کریم ﷺ کے تبرکات کا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا جھنڈا ہے، جو غزوۂ بدر میں استعمال ہوا۔ حضور ﷺ کا جبہ مبارکہ ہے، آپ ﷺ کے دندان مبارک اور موئے مبارک ہیں، آپ ﷺ کی تلوار ہے جس کا نام ذوالفقار ہے۔ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ سو فیصد مستند اور قطعی طور پر ہیں لیکن جتنے اور مقامات پر ہیں ان کے مقابلے میں یہ سب سے زیادہ مستند ہیں، اس کا اہتمام بھی بہت کیا گیا تھا کہ جب سلطان سلیم مصر سے وہ تبرکات لے کر آیا تو وہ تبرکات ہودج میں لے کر چلا اور وہیں سے اپنے گورنر کو ہدایت کی تھی کہ ان کیلئے فوراً ایک نیا کمرہ تعمیر کرو، جب وہ تبرکات لے کر پہنچا تو ان کے لئے کمرہ تعمیر ہو چکا تھا، ان کو اس کمرہ میں رکھا اور اس میں اس نے قاری بٹھا دیئے تاکہ چوبیس گھنٹے میں ایک لمحہ بھی وہاں تلاوت بند نہ ہو، قاریوں کی مسلسل ڈیوٹیاں مقرر کیں کہ وہ ہر وقت تلاوت کرتے رہیں۔

چار سو سال تک ایک لمحے کیلئے بھی تلاوت بند نہیں ہوئی، اس کے بعد کمال اتاترک نے آکر بند کی، اب الحمد للہ پھر شروع ہوگئی ہے۔ اس نے یہ تاکید کی تھی کہ اس کمرہ میں سوائے میرے کوئی بھی جھاڑو نہیں دے گا، سلطان خود اپنے ہاتھ سے اس کمرہ میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔

---

[۱۵] وحمل كثير العلماء الحديث على ظاهره، فقالوا: ينقل ذلك الموضع بعينه الى الجنة، كما قال تعالى: ﴿ وأورثنا الارض نتبوأ من الجنة حيث نشا ﴾ [الزمر: ۷۴]. ذكر ان الجنة تكون في الارض يوم القيامة، ويحتمل ان يريد به ان العمل الصالح في ذلك الموضع يؤدي صاحبه الى الجنة. كما قال ﷺ: ((ارتعوا في رياض الجنة)) يعني: حلق الذكر والعلم، لما كانت مؤدية الى الجنة فيكون معناه التحريض على زيارة قبره ﷺ والصلاة في مسجده. عمدة القاري، ج: ۵، ص: ۵۷۵.

بہر حال ان کی حفاظت کی گئی ہے اس لئے وہ بنسبت دوسروں کے زیادہ مستند ہیں، باقی جگہوں پر اگر احتمال بھی ہو تو ایک عاشق کیلئے یہ احتمال بھی کم نہیں ہے، ایک محبت رکھنے والے کیلئے تنہا یہ احتمال بھی کافی ہے کہ شاید یہ نبی کریم ﷺ کا ہو، اس کا اگر کوئی احترام کرے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں خواہ کوئی کتنے ہی کفر و شرک کے فتوے جاری کرے۔

سوال: جس خطۂ ارض پر نبی کریم ﷺ موجود ہیں کیا وہ عرش و کعبہ سے افضل ہے؟

جواب: اکثر علماء اہل سنت کے نزدیک واقعۃً حضور اقدس ﷺ جس جگہ موجود ہیں وہ کعبہ اور عرش و کرسی سے افضل ہے کیونکہ کعبہ اور عرش و کرسی اللہ تعالیٰ کا مکان نہیں، نسبت محض تشریفی ہے، المہند علی المفند میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارۃ قبر سید المرسلین (روحی فداہ) اعلیٰ درجہ کی قربت اور نہایت ثواب اور سبب حصول درجات ہے۔[۱۶]

البتہ اس بحث میں پڑنے کی حاجت نہیں ہے، قبر یا حشر میں کوئی آپ سے یہ نہیں پوچھے گا کہ کیا افضل ہے؟ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی تو اس وقت بھی کوئی یہ نہیں پوچھے گا کہ روضہ افضل تھا یا عرش افضل تھا، پہلے اس کی تحقیق کرو پھر جنت میں داخلہ ہوگا۔

اوّل تو ان بحثوں میں زیادہ پڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور اگر اس سلسلے میں کچھ غلط فہمیاں ہیں تو اگر وقت ملا زندگی رہی اور کہیں موقع آیا تو ان شاء اللہ مختصر عرض کردوں گا، ورنہ اس کی اتنی اہمیت نہیں۔ اگر ساری عمر بھی اس مسئلہ کا علم نہ ہو تو ایمان یا عمل میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

(۲) باب مسجد بیت المقدس

بیت المقدس کی مسجد کا بیان

۱۱۹۷ - حدثنا ابو الولید، حدثنا شعبة، عن عبدالملک: سمعت قزعة مولی زیاد قال: سمعت ابا سعید الخدری رضی اللہ عنہ یحدث باربع عن النبی ﷺ، فاعجبنی

[۱۶] ومکۃ افضل منھا علی الراجح الا ما ضم اعضاءہ ﷺ فانہ افضل حتی من الکعبة والعرش والکرسی الخ من الدر المختار آخر الکتاب وحاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ج: ۱، ص: ۳۸۴، والدر المختار، ج: ۲، ص: ۶۲۶، وعقائد علماء دیوبند، ص: ۲۱۷، وقال عیاض: اجمعوا علی ان موضع قبرہ، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، افضل بقاع الارض، عمدۃ القاری، ج: ۵، ص: ۵۶۹.

وآنقنني . قال : ((لاتسافر المرأة يومين الا ومعها زوجها أو ذو محرم . ولاصوم في يومين : الفطر والاضحى . ولاصلاة بعد صلاتين : بعد الصبح حتى تطلع الشمس ، وبعد العصر حتى تغرب . ولاتشد الرحال الا الى ثلاثة مساجد : مسجد الحرام ، ومسجد الاقصى ، ومسجدي)) . [راجع: ۵۸۶]

قزعة مولى زياد۔ قزعہ زیاد کے آزاد کردہ غلام بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری ﷺ کو نبی کریم ﷺ سے چار باتیں بیان کرتے ہوئے سنا جو مجھ کو بہت اچھی لگی اور خوشگوار معلوم ہوئیں۔

فرمایا عورت دو دن کا سفر نہ کرے مگر اس حال میں کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا ایسا رشتہ دار ہو جس سے نکاح حرام ہے اور نہ عید الفطر اور نہ عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے دو نمازوں کے بعد، ایک فجر کے بعد جب تک کہ آفتاب طلوع نہ ہو جائے اور عصر کے بعد جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے اور نہ ان تین مسجدوں کے سوا کسی مسجد کی طرف سامان سفر باندھا جائے، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد۔

تشریح

ولاصلاة بعد صلاتين: بعد الصبح حتى تطلع الشمس، وبعد العصر حتى تغرب.

اس حدیث میں فجر کے بعد سے سورج نکلنے تک اور عصر کے بعد سے سورج غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

حضرات حنفیہ کہتے ہیں کہ ان اوقات میں نوافل پڑھنے کی ممانعت ہے، فرائض اور قضاء نماز پڑھ سکتے ہیں، اس لئے کہ ان اوقات میں نماز کی ممانعت وقت کے مکروہ ہونے کی نہیں ہے، وقت تو کامل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس دن کی فجر اور عصر جائز ہے، لہٰذا حدیث میں نوافل کی ممانعت ہے فرض پڑھ سکتے ہیں اور اگر کوئی قضاء نماز پڑھنا چاہے تو قضا بھی پڑھ سکتا ہے لیکن کسی قسم کی نوافل پڑھنا جائز نہیں ہیں، امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ [۱۷] امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا بھی آپس میں اختلاف ہے۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں فرائض کے ساتھ ساتھ نوافل ذوات الاسباب بھی جائز ہیں۔ نوافل ذوات الاسباب کے معنی یہ ہیں کہ جن کے پڑھنے کا سبب اختیار عبد کے سوا بھی موجود ہو یعنی وہ خاص خاص مواقع جن میں نبی کریم ﷺ نے نفل پڑھنے کی ترغیب دی ہے جیسے تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوء۔ [۱۸]

---

[۱۷] [۱۸] انظر: فیض الباری، ج: ۲، ص: ۱۳۶، ۱۳۹، ﴿قلت﴾ (شاہ محمد انور شاہ کشمیری) وقد بسط ابن رشد فی "بدایۃ المجتہد" احسن بسط فراجعہ من، ج: ۱، ص: ۷۳۔ ۷۶، دار الفکر، بیروت.

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس قسم کے نوافل پڑھنا بھی جائز نہیں یہاں تک کہ طواف کی رکعتیں بھی جائز نہیں۔

حنفیہ کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں آپ ﷺ نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ [19]

شوافع کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں کہا گیا ہے کہ: **اذا دخل احدکم المسجد فلیرکع رکعتین قبل ان یجلس۔** [20]

جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو دو رکعتیں پڑھ لے۔ شوافع کہتے ہیں کہ " اذا "عام ہے، جس وقت بھی آئے، لہٰذا عصر کے بعد کا وقت ہو یا مغرب کے بعد کا "اذا" سب کے عموم پر دلالت کرتا ہے۔

دوسرا استدلال حضرت جبیر بن مطعمؓ کی حدیث سے ہے، جو ابوداود اور ترمذی میں آئی ہے جس میں فرمایا کہ " **یا بنی عبد مناف لاتمنعوا احداً طاف بھذا البیت وصلی اٰیة ساعة شاء من لیل او نھار** " [21]

جو اس بیت اللہ کا طواف کرے یا یہاں آکر نماز پڑھے اس کو منع نہ کرو، چاہے دن ہو یا رات، معلوم ہوا کہ طواف کی رکعتیں ہر وقت پڑھی جاسکتی ہیں۔

حنفیہ کی طرف سے استدلال کا جواب

جہاں تک " **اذا دخل احدکم المسجد الخ** " کا تعلق ہے اگر وہاں "اذا" کو عام مان لیا جائے یعنی جس وقت بھی کوئی مسجد میں آئے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ عین طلوع اور غروب کے وقت بھی تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں جائز ہوں، حالانکہ اس کے جواز کے آپ بھی قائل نہیں ہیں۔

معلوم ہوا کہ "**اذا دخل احدکم الخ**" کے معنی یہ ہیں کہ جب ایسے وقت میں آئے جب نماز پڑھنا جائز ہو اور حدیث باب سے معلوم ہو رہا ہے کہ بعد الفجر و بعد العصر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، لہٰذا "اذا" عموم کے معنی میں بھی داخل نہیں ہے۔

---

[19] والحاصل ان الحنفية قالوا بكراهة تلك الاوقات كلها لاجل قيام الدليل واعترض عليه الشيخ ابن الهمام ان النهي في هذين الوقتين ايضاً مطلقاً كما الثلاثة المذكورة وتخصيص النص بالرأي لايجوز ابتداً ، فيض الباري ، ج: ۲، ص: ۱۳۷.

[20] ان رسول الله ﷺ قال: اذا دخل احدكم المسجد فليركع ركعتين قبل ان يجلس ، موطأ مالك ، باب انتظار الصلاة والمشي اليها ، ج: ۱ ،ص: ۱۶۲، رقم: ۳۸۶.

[21] سنن الترمذي ، باب ماجاء في الصلاة بعد العصر وبعد الصبح لمن يطوف ، ج: ۳، ص: ۲۲۰، رقم: ۸۶۸، بيروت، وسنن ابي داؤد ، باب الطواف بعد العصر ، ج: ۲، ص: ۱۸۰، رقم: ۱۸۹۴، دار الفكر .

دوسرے انداز سے اس کا جواب یوں ہوسکتا ہے کہ **"اذا دخل أحدکم الخ"** میں مقصود اصلی تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دینا ہے جو عبارۃ النص ہے اور امام شافعیؒ نے **"اذا"** سے استدلال کیا ہے جو **"سیق الکلام لأجلہ"** نہیں ہے، لہٰذا ان کا استدلال باشارۃ النص ہے۔ اور **"نھی رسول اللہ ﷺ الخ"** میں سوق کلام اسی لئے ہے کہ عصر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس لئے حنفیہ کا استدلال بعبارۃ النص ہے اور اصول یہ ہے کہ جہاں عبارۃ النص اور اشارۃ النص میں تعارض ہو، وہاں ترجیح عبارۃ النص کو ہوتی ہے۔ [۲۲]

دوسری دلیل کا جواب

جہاں تک حضرت جبیر بن مطعمؓ کی طواف والی حدیث کا تعلق ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دراصل عبد مناف کعبہ کے پاسبان تھے، انہیں یہ کہا جارہا ہے کہ تم اسے تالہ لگا کر بند کرکے مت رکھو، بلکہ حرم میں ہر وقت لوگوں کا داخلہ کھلا رہنا چاہئے، اگر کوئی طواف کرنا چاہے تو تم بحیثیت دربان اسے مت روکو۔ اب یہ پڑھنے والے شخص کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے وقت کا انتخاب کرے جو ناجائز نہ ہو۔ [۲۳]

چنانچہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فجر کے بعد طواف کیا، پھر مدینہ منورہ جانا تھا تو طواف کی دو رکعتیں وہاں نہیں پڑھیں بلکہ روانہ ہوگئے، یہاں تک کہ ذوطواء کے مقام پر پہنچے اور وہاں دو رکعتیں پڑھیں، اگر فجر کے بعد طواف کی دو رکعتیں پڑھنا جائز ہوتا تو حضرت عمرؓ مقام ابراہیم پر نماز پڑھ کر روانہ ہوتے، معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ [۲۴]

---

[۲۲] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: بدایۃ المجتہد، ج: ۱، ص: ۱۵۲،۱۵۱، دار الفکر، بیروت.

[۲۳] ویؤید ھذا المعنی ما ورد فی ھذا الحدیث عند ابن حبان من قولہ ﷺ: یا بنی عبدالمطلب ان کان لکم من الامر شیء فلا اعرفن احدکم ان یمنع من یصلی عند البیت ای ساعۃ شاء من لیل او نھار، صریح فیما قلنا انما نھاھم عن ان یمنعوا احدا لأجل تولیتھم بالبیت أخرجہ ابن حبان فی صحیحہ، ج: ۴، ص: ۴۲۰، دار النشر مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۴ھ، کذا فی " سبل السلام " ج: ۱، ص: ۱۱۴، وأعلاء السنن، ج: ۲، ص: ۶۶.

[۲۴] وعند الطحاوی باسانید عدیدۃ ان عمر کان یعزر من کان یصلی بعد العصر وذلک بمحضر من الصحابۃ رضی اللہ عنھم ولم ینکر علیہ احداً ایضاً وعند الطحاوی عنہ انہ طاف طلوع قبل الشمس ولم یصل رکعتی الطواف حتی بلغ ذو طوی اخرجہ موصلاً والبخاری معلقاً وما ذلک الا لخروج وقت الکراھۃ وقد صرح الترمذی بعبارۃ کاد ان تؤمی الی اجماعھم علی ذلک وھذا نصہ، والذی اجتمع علیہ أکثر أھل العلم علی کراھیۃ الصلاۃ بعد العصر الخ، فیض الباری، ج: ۲، ص: ۱۴۲.

٢١- كتاب العمل في الصلاة

رقم الحديث : ١١٩٨ - ١٢٢٣

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۱ ـ کتاب العمل فی الصلاة

(۱) باب استعانة اليد فی الصلاة إذا كان من أمر الصلاة،

نماز میں ہاتھ سے مدد لینے کا بیان جب کہ وہ امر صلاۃ کا ہو یعنی وہ کام نماز کا ہو

وقال ابن عباس رضی الله عنهما : يستعين الرجل فی صلاته من جسده بما شاء . ووضع أبو إسحاق قلنسوته فی الصلاة ورفعها . ووضع علی رضی الله عنه كفه علی رصغه الأيسر إلا أن يحك جلدا أو يصلح ثوبا.

ترجمہ: ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آدمی اپنے بدن سے نماز میں مدد لے، جس حصہ سے چاہے۔
اور ابو اسحاق نے اپنی ٹوپی نماز میں رکھی اور اسے اٹھالیا اور علیؓ اپنا ہاتھ اپنے بائیں پہنچے پر رکھتے تھے مگر یہ کہ جسم کو کھجلائیں یا اپنے کپڑے کو درست کریں۔

۱۱۹۸ ـ حدثنا عبدالله بن يوسف قال : أخبرنا مالک ، عن مخرمة بن سليمان، عن كريب مولى ابن عباس أنه أخبره عن عبد الله بن عباس رضي الله عنهما : أنه بات عند ميمونة أم المؤمنين رضي الله عنها وهي خالته ، قال : فاضطجعت على عرض الوسادة واضطجع رسول الله ﷺ وأهله في طولها . فنام رسول الله ﷺ حتى انتصف الليل أو قبله بقليل أو بعده بقليل ، ثم استيقظ رسول الله ﷺ فجلس فمسح النوم عن وجهه بيده . ثم قرأ العشر الآيات خواتيم سورة آل عمران . ثم قام إلى شن معلقة فتوضأ منها فأحسن وضوءه ، ثم قام يصلي .

قال عبدالله بن عباس رضي الله عنهما : فقمت فصنعت مثل ما صنع . ثم ذهبت فقمت إلى جنبه ، فوضع رسول الله ﷺ يده اليمنى على رأسي ، وأخذ بأذني اليمنى يفتلها بيده ، فصلى ركعتين ، ثم ركعتين ، ثم ركعتين ، ثم ركعتين ، ثم

ركعتين ثم أوتر. ثم اضطجع حتى جاء ه المؤذن : فقام فصلى ركعتين خفيفتين ، ثم خرج فصلى الصبح)) . [راجع : ١١٧]

ترجمہ: کریب ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام نے عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی خالہ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے پاس رات گذاری۔

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں بستر کے عرض میں لیٹا اور رسول اللہ ﷺ اور ان کی بیوی اس کے طول میں لیٹے اور آدھی رات گذرنے تک یا اس سے کچھ پہلے یا کچھ بعد رسول اللہ ﷺ سوتے رہے، پھر رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور اپنے ہاتھوں کے ذریعہ اپنی نیند کا اثر اپنے چہرے سے دور کیا پھر سورہ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھیں بعد ازاں ایک مشک کی طرف گئے جو لٹکی ہوئی تھی اور اس سے وضو کیا اور اچھی طرح وضو کیا پھر نماز پڑھنے کھڑے ہوگئے۔

عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ میں بھی کھڑا ہوا اور اس طرح وضو کیا جس طرح آپ ﷺ نے کیا پھر میں گیا اور آپ کے پہلو میں کھڑا ہوگیا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا دائیاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرے دائیں ہاتھ کو اپنے ہاتھ سے ملنے لگے بعد ازاں آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھی، پھر دو رکعت، پھر دو رکعت، دو رکعت، دو رکعت، دو رکعت تو گویا کہ بارہ رکعتیں پڑھیں پھر وتر پڑھے اور لیٹے رہے یہاں تک کہ موذن آئے تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں ہلکی پڑھیں پھر باہر نکلے اور فجر کی نماز پڑھائی۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ نماز کے اندر ہی آپ ﷺ نے ان کا کان پکڑا، معلوم ہوا کہ تھوڑا بہت عمل قلیل جائز ہے۔[1]

(۲) بابُ ماينهى من الكلام في الصلاة

نماز میں کلام کی ممانعت کا بیان

۱۱۹۹ – حدثنا ابن نمير قال : حدثنا ابن فضيل قال : حدثنا الأعمش ، عن إبراهيم ، عن علقمة ، عن عبدالله رضي الله عنه أنه قال : كنا نسلم على النبي ﷺ وهو في الصلاة فيرد علينا . فلما رجعنا من عند النجاشي سلمنا عليه فلم يرد علينا، وقال :((إن

[1] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج ۲، ص: ۱۹۳۔

في الصلاة شغلا » .[انظر: ۱۲۱٦، ۳۸۷۵] [2]

حدیث کا مفہوم

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے بھی سلام کیا کرتے تھے "فیرد علینا" آپ ﷺ جواب بھی دیا کرتے تھے۔

لیکن جب ہم حبشہ نجاشی کے پاس ہجرت کر کے گئے اور وہاں سے واپس آئے تو ہم نے سلام کیا، آپ ﷺ نے جواب نہ دیا اور فرمایا" ان فی الصلاۃ شغلا" کہ نماز میں مشغولیت ہے، مطلب یہ ہے کہ نماز کے اندر اس بات کی اجازت نہیں رہی کہ آدمی نماز کے علاوہ کوئی اور کلام کرے بشمول سلام کے۔ [3]

۱۲۰۰ ۔ حدثنا ابراهيم بن موسى : اخبرنا عيسىٰ ، عن اسماعيل ، عن الحارث ابن شبيل ، عن ابي عمرو الشيباني قال : قال لي زيد بن ارقم : ان كنّا لنتكلم في الصلاة على عهد النبي ﷺ ، يكلّم احدنا صاحبه بحاجته حتى نزلت ﴿ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ ﴾ [البقرة : ۲۳۸] الآية فامرنا بالسكوت . [انظر: ۴۵۳۴] [4]

ترجمہ: ابن عمرو شیبانی سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے زید بن ارقم نے کہا کہ ہم نبی ﷺ کے زمانے میں نماز میں گفتگو کرتے تھے اور ہم میں سے ایک شخص دوسرے سے اپنی حاجتیں بیان کرتا تھا، یہاں تک کہ یہ آیت اتری کہ اپنی نماز کی حفاظت کرو، تو ہم لوگوں کو نماز میں خاموش رہنے کا حکم دیا گیا۔

---

[2] وفي صحيح مسلم ، كتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب تحريم الصلاة في الصلاة ونسخ ما كان من اباحته ، رقم: ۸۳۷ ، وسنن النسائي ، كتاب السهو ، باب الكلام في الصلاة، رقم : ۱۲۰۹ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب رد السلام في الصلاة، رقم : ۷۸۰ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها ، باب المصلي يسلم عليه كيف يرد، رقم : ۱۰۰۹ ، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبدالله بن مسعود، رقم : ۳۳۸۲ ، ۳۳۹۴ ، ۳۶۹۰ .

[3] عمدة القاری ، ج: ۵، ص: ۵۸۵ .

[4] وفي صحيح مسلم ، كتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب تحريم الكلام في الصلاة ونسخ ما كان من اباحته ، رقم: ۸۳۸، وسنن الترمذي ، كتاب الصلاة ، باب ماجاء في نسخ الكلام في الصلاة ، رقم : ۳۷۰، وكتاب تفسير القرآن عن رسول الله ، باب ومن سورة البقرة ، رقم : ۲۹۱۲، وسنن النسائي ، كتاب السهو ، باب الكلام في الصلاة ، رقم : ۱۲۰۴ ، وسنن ابي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب النهي عن الكلام في الصلاة ، رقم : ۸۱۲، ومسند أحمد ، كتاب اول مسند الكوفيين ، باب حديث زيد بن ارقم ، رقم : ۱۸۴۷۵ .

(۳) مایجوز من التسبیح والحمد فی الصلاۃ للرجال

مردوں کے لئے نماز میں سبحان اللہ اور الحمدللہ کہنے کا بیان

۱۲۰۱ ۔ حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ : حدثنا عبدالعزیز بن ابی حازم ، عن ابیہ ، عن سھل رضی اللہ عنہ قال: ((خرج النبی ﷺ یصلح بین بنی عمرو بن عوف وحانت الصلاۃ، فجاء بلال ابا بکر رضی اللہ عنہ فقال : حبس النبی ﷺ فتؤم الناس ؟ قال: نعم ، ان شئتم. فاقام بلال الصلاۃ فتقدم ابو بکر رضی اللہ عنہ فصلی ، جاء النبی ﷺ یمشی فی الصفوف یشقھا شقا حتی قام فی الصف الاول ، فاخذ الناس بالتصفیح . قال : سھل : ھل تدرون ماالتصفیح ؟ ھو التصفیق . وکان ابو بکر رضی اللہ عنہ لایلتفت صلاتہ ، فلما اکثروا ، التفت النبی و فی الصف ، فاشار الیہ ، مکانک فرفع ابو بکر یدیہ فحمداللہ ثم رجع القھقری وراءہ وتقدم النبی ﷺ فصلی . [راجع: ۶۸۴]

ترجمہ

عبدالعزیز بن ابی حازم اپنے والد سے اور وہ سہل ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ بنی عمرو بن عوف سے صلح کی گفتگو کرنے نکلے اور نماز کا وقت آگیا۔ تو بلال ﷺ ابوبکر ﷺ کے پاس آئے نبی ﷺ روک لئے گئے ہیں، اس لئے آپ لوگوں کی امامت کیجئے انہوں نے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو تو اقامت کہو، چنانچہ بلال ﷺ نے تکبیر کہی اور ابوبکر ﷺ آگے بڑھے اور نماز پڑھانی شروع کی، تو نبی ﷺ صفوں کو چیرتے ہوئے آئے یہاں تک کہ پہلے صف میں پہنچ گئے تو لوگوں نے تصفیح کرنی شروع کی، سہل نے کہا کہ تم جانتے ہو تصفیح کیا ہے؟ وہ تالی بجانا ہے، ابوبکر ﷺ اپنی نماز میں اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے لیکن جب لوگوں نے بہت زیادہ تالی بجانا شروع کیا تو مڑے تو دیکھا کہ نبی ﷺ پہلے صف میں ہیں اور آپ ﷺ نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر رہو تو ابوبکر ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اللہ کی تعریف بیان کی اور پیچھے لوٹ گئے اور نبی ﷺ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی۔ [۵]

---

[۵] تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں : انعام الباری، ج:۳، ص:۴۳۱۔

(۴) باب من سمى قوما أو سلم في الصلاة على غيره وهو لا يعلم

اس شخص کا بیان جس نے کسی قوم کا نام لیا یا نماز میں بغیر خطاب کئے ہوئے سلام کیا اس حال میں کہ وہ نہیں جانتا

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے "**باب من سمّى قوما أو سلّم في الصلاة على غيره وهو لا يعلم**" اگر کوئی شخص نام لے کر سلام کرے تو اس کا حکم بتادیا کہ حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے یا نام لے کر تو سلام نہیں کیا اور نہ جس کو سلام کیا جارہا ہے اس کی طرف رُخ کیا اور وہ جانتا بھی نہیں کہ مجھے سلام کیا جارہا ہے جیسے "**السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين**" میں دوستوں اور عزیزوں کی بھی نیت کرلیں لیکن نہ ان کی طرف مواجہہ ہے، نہ ان کو پتہ ہے کہ آپ ان کو سلام کررہے ہیں تو ایسے سلام میں کوئی حرج نہیں۔

۱۲۰۲ ـ حدثنا عمرو بن عيسى: حدثنا أبو عبد الصمد عبد العزيز بن عبد الصمد: حدثنا حصين بن عبد الرحمٰن، عن أبي وائل، عن عبد اللہ بن مسعود رضي اللہ عنه قال: كنا نقول التحية في الصلاة ونسمي ويسلم بعضنا على بعض. فسمعه رسول الله ﷺ فقال: ((قولوا: التحيات لله، والصلوات والطيبات، السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين، أشهد أن لا إله الا الله وأشهد ان محمدا عبده ورسوله. فإنكم إذا فعلتم ذلك فقد سلمتم على كل عبد لله صالح في السماء والأرض)). [راجع: ۸۳۱]

"**تحيّة في الصلاة**" نماز میں دوسرے آدمی کو سلام کر لیتے تھے "**تحية**" کر لیتے تھے "**ونسمّي**" اور نام بھی لیتے تھے، بعض اوقات فرشتوں کے نام لیتے تھے، السلام علیکم یا جبرئیل یا میکائیل وغیرہ الیٰ آخرہ، یا انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے نام لیتے تھے "**ويسلّم بعضنا على بعض**" ہم میں سے ایک دوسرے کو سلام کرتے تھے۔

چونکہ یہ کہا ہے کہ "**السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين**" تو سبھی کو سلام ہو گیا، الگ الگ نام لے کر سلام کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

(۵) باب : التصفيق للنساء

عورتوں کے لئے تالی بجانے کا بیان

۱۲۰۳ - حدثنا علي بن عبدالله : حدثنا سفيان : حدثنا الزهري ، عن ابي سلمة ، عن ابي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال : ((التسبيح للرجال والتصفيق للنساء)) .

۱۲۰۴ - حدثنا يحيى : حدثنا وكيع ، عن سفيان ، عن ابي حازم ، عن سهل بن سعد رضي الله عنه قال : قال النبي ﷺ : ((التسبيح للرجال والتصفيق للنساء)) [راجع: ۶۸۴]

مطلب

نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مردوں کے لئے تسبیح ہے اور عورتوں کے لئے تالی بجانا ہے۔ ۵

(۶) باب من رجع القهقرى في الصلاة او تقدم بامر ينزل به،

اس شخص کا بیان جو اپنی نمازوں میں الٹے پاؤں پھرے یا کسی پیش آنے والے امر کی بنا پر آگے بڑھ جائے

رواه سهل بن سعد عن النبي ﷺ .

اس کو سہل بن سعد نے نبی ﷺ سے روایت کیا۔

۱۲۰۵ - حدثنا بشر بن محمد ، اخبرنا عبدالله ، قال يونس: قال الزهري : أخبرني أنس بن مالك : ان المسلمين بينما هم في الفجر يوم الاثنين وابوبكر رضي الله عنه يصلي بهم ففجاهم النبي ﷺ وقد كشف ستر حجرة عائشة فنظر اليهم وهم صفوف فتبسم يضحك ، فنكص ابو بكر رضي الله عنه على عقبيه وظن ان رسول الله ﷺ يريد ان يخرج الى صلاة ، و همّ المسلمون ان يفتتنوا في صلاتهم فرحا بالنبي ﷺ حين رواه . فاشار بيده ان أتموا ، ثم دخل الحجرة وارخى الستر وتوفي ذلك اليوم)). [راجع: ۶۸۰] ۶

---

۵ ، ۶ من اراد التفصيل فليراجع : انعام الباري ، ج:۳، ص: ۳۳۰، ۳۲۹.

ترجمہ

زہری انس بن مالک ﷺ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ دوشنبہ کے دن فجر کے وقت مسلمان نماز میں مشغول تھے اور ابو بکر ﷺ انہیں نماز پڑھا رہے تھے، اچانک نبی ﷺ ان کے سامنے آگئے۔ حضرت عائشہ کے حجرہ کا پردہ اٹھایا اور ان کی طرف دیکھا کہ لوگ صف بستہ ہیں اور آپ مسکرا کر ہنسنے لگے، ابو بکر ﷺ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے مڑے اور گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے نکلنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں نے ارادہ کیا کہ اپنی نماز توڑ دیں جب نبی ﷺ کو لوگوں نے خوش ہو کر دیکھا، آپ نے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ نماز پوری کرو پھر حجرہ میں داخل ہوئے اور پردہ چھوڑ دیا اور اسی دن وفات پائی۔

۱۲۰۶ ـ وقال الليث: حدثني جعفر، عن عبدالرحمن بن هرمز قال: قال أبو هريرة رضي الله عنه: قال رسول الله ﷺ: ((نادت امرأة ابنها وهو في صومعته قالت: يا جريج، فقال: اللهم أمي وصلاتي. قالت: يا جريج، قال: اللهم أمي وصلاتي. قالت: يا جريج، قال: اللهم أمي وصلاتي. قالت: اللهم لا يموت جريج حتى ينظر في وجه المياميس. وكانت تأوي إلى صومعته راعية ترعى الغنم فولدت، فقيل لها: ممن هذا الولد؟ قالت: من جريج، نزل من صومعته. قال جريج: أين هذه التي تزعم أن ولدها لي؟ قال: يا بابوس، من أبوك؟ قال: راعي الغنم)). [أنظر: ۲۴۸۲، ۳۴۳۶، ۳۴۶۶]

امم ماضیہ سے ایک عبرت کہ ماں کی بد دعا سے بچو

حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (یہ پچھلی امتوں کا واقعہ ہے) ایک عورت نے اپنے بیٹے کو آواز دی جبکہ وہ اپنے صومعہ یعنی عبادت گاہ میں تھا اور اس کا نام جریج تھا، یہ عبادت گزار آدمی تھا اور اپنے صومعہ میں عبادت کر رہا تھا۔

اس کی والدہ آئیں اور آکر آواز دی یا جریج! اس نے دل میں کہا **"اللّٰهم أمي وصلاتي"** اے اللہ! ایک طرف میری ماں پکار رہی ہے اور ایک طرف میں نماز پڑھ رہا ہوں، میں کیا کروں؟ پھر اس نے دل میں یہ فیصلہ کرلیا کہ نماز نہ توڑوں، نماز پڑھتا رہوں۔

قالت: "یاجریج" اس نے پھر آواز دی، **قال: "اللّٰهم أمي وصلاتي. قالت: یاجریج"** تیسری بار پھر آواز دی **قال: "اللّٰهم أمي وصلاتي"** جواب دوں یا نماز پڑھوں۔

ماں نے سوچا یہ میرا بیٹا ہے اور میں تین دفعہ آواز دے چکی ہوں اور اس نے ایک مرتبہ بھی جواب نہیں دیا،

اس لئے یہ نافرمان معلوم ہوتا ہے، چنانچہ اس کیلئے بددعا کی کہ **"اللّٰھم لایموت جریج حتی ینظر فی وجوہ المیامیس"** اے اللہ! اس کا انتقال نہ ہو یہاں تک کہ یہ فاحشہ عورتوں کے چہرے نہ دیکھ لے۔

میامیس: "**مسہ**" کی جمع ہے "**مومسہ**" کے معنی ہیں وہ فاحشہ عورت جو فواحشات سے پیسہ کمائے۔ اللہ کا شکر ہے کہ یہ بددعا نہ دی کہ مبتلا ہو بلکہ صرف یہ کہا کہ چہرے دیکھے۔

"**وکانت تاوی الی صومعۃ راعیۃ ترعی الغنم**" ایک عورت عبادت خانے کے پاس بکریاں چرانے آیا کرتی تھی "**فولدت**" اس کے ہاں بچہ پیدا ہوگیا (جبکہ اس کا کوئی شوہر نہ تھا) **فقیل لھا ممن ھذا الولد؟** لوگوں نے کہا یہ بچہ کہاں سے آیا، تیرا تو کوئی شوہر نہیں؟ "**قالت: من جریج**" اس نے تہمت لگادی کہ یہ بچہ جریج کا ہے "**نزل من صومعتہ**" **قال جریج: أین ھذہ التی تزعم أن ولدھا لی؟** جریج نے کہا وہ عورت کہاں ہے جو یہ دعویٰ کرتی ہے کہ اس کا بیٹا میرا ہے؟

اس کو بلایا گیا، اس کے ہاتھ میں بیٹا تھا، جریج نے اس بیٹے سے کہا **یا بابوس، من ابوک؟** بابوس یا تو اس بچہ کا نام تھا یا ان کی زبان میں چھوٹے بچہ کو بابوس کہتے تھے۔ کہا اے بابوس! تیرا باپ کون ہے؟ **قال: "راعی الغنم"** وہ بچہ بول پڑا اور کہا کہ میرا باپ بکریوں کا چرواہا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ تہمت رفع فرمائی۔ یہ ان چند واقعات میں سے ایک ہے جن میں بچہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ماں کی گود میں بولا۔

حدیث باب سے ایک فقہی مسئلہ کا استنباط

ماں نے جو بددعا دی اس کی وجہ بعض لوگوں نے یہ بیان کی ہے کہ ان کی شریعت میں نماز کے اندر بولنا جائز تھا اس لئے ان کو چاہئے تھا کہ ماں کی بات کا جواب دیتے، انہوں نے جواب نہیں دیا، اس لئے ماں نے بددعا دی۔

بعض نے کہا کہ ان کی شریعت میں تو جائز نہیں تھا لیکن ان کی نماز نفلی تھی اور نفلی نماز میں اگر والدین آواز دیں تو کیا کرنا چاہیے؟ اس بارے میں اختلاف ہے۔

اگر فرض نماز ہو اور والدین آواز دیں تو اس میں اتفاق ہے کہ نماز نہ توڑے بلکہ مختصر کرکے جواب دے لیکن اگر نفل ہو بعض کہتے ہیں کہ توڑ دے۔ بعض کہتے ہیں کہ انہیں جلدی اور مختصر کرکے مکمل کرے اور جواب دے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اگر والدین کو پتہ ہے کہ نماز پڑھ رہا ہے تب تو نماز کو جاری رکھے اور مختصر کرکے جواب دے اور اگر والدین کو پتہ نہیں ہے کہ نماز پڑھ رہا ہے تو پھر نماز توڑ دے اور قضا کرے، والدین کی اجابت مقدم

ہے۔اس سے معلوم ہوگیا کہ والدین کے حقوق کی کتنی اہمیت ہے و الناس عنه غافلون۔ [۸]

(۸) باب مسح الحصی فی الصلاۃ

نماز میں کنکریوں کے ہٹانے کا بیان

۱۲۰۷ ـ حدثنا ابو نعیم قال: حدثنا شیبان، عن یحیی، عن ابی سلمة: حدثنی

---

[۸] وقد کان الکلام مباحاً في شریعتنا اولاً حتی نزلت: (وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ) [البقرة: ۲۳۸]، فاما الآن فلایجوز للمصلی اذا دعت امه وغیرها ان یقطع صلاته لقوله ﷺ: ((لا طاعة لمخلوق في معصیة الخالق))، وحق الله عزوجل الذی شرع فیه آکد من حق الابوین حتی یفرغ منه، لکن العلماء یستحبون ان یخفف صلاته ویجیب ابویه، وقال صاحب (التوضیح): وصرح اصحابنا فقالوا: من خصائص النبی ﷺ انه لو دعا انساناً وهو فی الصلاة وجب علیه الاجابة ولاتبطل صلاته، وحکی الرویانی فی (البحر) ثلاثة اوجه في اجابة احد الوالدین: احدها: لاتجب الاجابة. ثانیها: تجب وتبطل. ثالثها: تجب ولاتبطل، والظاهر عدم الوجوب ان کانت الصلاة فرضاً وقد ضاق الوقت، وقال عبد الملک بن حبیب: کانت صلاته نافلة، واجابة امه افضل من النافلة، وکان الصواب اجابتها لان الاستمرار في الصلاة النفل تطوع، واجابة امه وبرها واجب، وکان یمکنه ان یخففها ویجیبها. قیل: لعله خشي ان تدعوه الی مفارقة صومعة والعود الی الدنیا وتعلقاتها. وفی الوجوب فی حق الام حدیث مرسل رواه ابن ابی شیبه عن حفص بن غیاث عن ابن ابی ذئب عن محمد بن المنکدر عن النبی ﷺ قال: ((اذا دعتک امک فی الصلاة فاجبها، واذا دعاک ابوک فلاتجبه)). وقال المکحول: رواه الاوزاعي عنه. وقال العوام سألت مجاهداً عن الرجل تدعوه امه وابوه في الصلاة؟ قال: یجیبهما. وعن مالک: اذا منعته امه عن الشهود العشاء في جماعة لم یطعها، وان منعته عن الجهاد اطاعها، والفرق ظاهر، لان الامن غالب في الاول دون الثاني. وفي کتاب (البر والصلة): عن الحسن في الرجل تقول له امه: افطر، قال: یفطر ولیس علیه قضاء وله اجر الصوم، واذا قالت امه له: لاتخرج الي الصلاة فلیس لها في هذا طاعة، لان هذا فرض. وقالوا: ان مرسل ابن المنکدر الفقهاء علی خلافه ولم یعلم به قائل غیر مکحول، ویحتمل ان یکون معناه: اذا دعته امه فلیجبها، یعني: بالتسبیح، وبما ابیح للمصلی الاجابة به، وقال ابن حبیب: من اتاه ابوه لیکلمه وهو في نافلة فلیخفف ویسلم ویکلمه، کذا ذکره العلامة بدر الدین العینی رحمه الله في العمدة، ج:۵، ص: ۲۰۶-۲۰۷، والمبدع، ج:۱، ص: ۳۸۸، والفروع، ج:۱، ص: ۳۲۰، وسیر اعلام النبلاء، ج:۱، ص: ۵۱۲، ومصنف ابن ابی شیبة، ۲۱۷، في الرجل یدعوه والده وهو في الصلاة، ج:۲، ص: ۱۹۱، رقم: ۸۰۱۳، شعب الایمان، ج:۶، ص: ۱۹۵، ۷۸۹۱.

معیقیب : ان النبی ﷺ قال فی الرجل یسوی التراب حیث یسجد ، قال: ((ان کنت فاعلاً فواحدة))۔

ترجمہ: معیقیب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ اس شخص کے متعلق جو سجدہ کرنے کی جگہ پرمٹی برابر کرے، اگر ایسا کرنا ہی چاہتے ہو تو بس ایک دفعہ کرلو۔

(۹) باب بسط الثوب فی الصلاة للسجود

نماز میں سجدہ کے لئے کپڑا بچھانے کا بیان

۱۲۰۸ ۔ حدثنا مسدد : حدثنا بشر : حدثنا غالب ، عن بکر بن عبداللہ ، عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ قال : کنا نصلی مع النبی ﷺ فی شدة الحر فاذا لم یستطیع احدنا ان یمکن وجهه من الارض بسط ثوبه فسجد علیه ۔ [راجع : ۳۸۵]

ترجمہ: انس بن مالک ﷺ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ہم گرمی کی شدت میں نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور جب ہم میں سے بعض اس کی قدرت نہ رکھتا کہ زمین پر اپنا چہرہ رکھ سکے، تو اپنا کپڑا اس پر پھیلاتا اور اس پر سجدہ کرتا۔

(۱۰) باب ما یجوز من العمل فی الصلاة

نماز میں کون سا عمل جائز ہے

ترجمہ: عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں اپنا پاؤں رسول اللہ ﷺ کے سامنے دراز کئے رہتی اور آپ نماز پڑھتے جب آپ سجدہ کرتے تو میرا پاؤں دبادیتے تو میں اس کو اٹھا لیتی، جب کھڑے ہوجاتے تو میں پھر پھیلا دیتی۔

۱۲۰۹ ۔ حدثنا عبداللہ بن مسلمة : حدثنا مالک ، عن أبی النضر ، عن أبی سلمة، عن عائشة رضی اللہ عنها قالت : کنت امدر جلی فی قبلة النبی ﷺ وهو یصلی فاذا سجد غمزنی فرفعتها فاذا قام مددتها ۔ [راجع : ۳۸۲]

۱۲۱۰ ۔ حدثنا محمود: حدثنا شبابة: حدثنا شعبة، عن محمد بن زیاد، عن أبی هریرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ أنه صلی صلاة فقال: ((إن الشیطان عرض لي فشد علي

ليقطع الصلاة علي فأمكنني الله منه فذعته، ولقد هممت أن أوثقه إلى سارية حتى تصبحوا فتنظروا إليه فذكرت قول سليمان عليه السلام: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي﴾ [ص: ۳۵] فرده الله خاسئا)) : ثم قال النضر بن شميل: فذعته بالذال أي خنقته وفدعته من قول الله تعالى: ﴿يَوْمَ يُدَعُّوْنَ﴾ أي يدفعون. والصواب الأوّل إلا أنه كذا قال بتشديد العين والتاء. [راجع : ۴۶۱]

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن نماز میں مجھے شیطان پیش آ گیا تھا "فشد علیّ ليقطع الصلاة عليّ" اس نے مجھ پر حملہ کیا کہ میری نماز قطع کر لے "فامكنني الله منه" اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو دے دیا "فذعته" میں نے اس کو دبا دیا۔

"ذ ع - ذعاً" اصل میں ـ تھا پھر ذ ع کا تاء میں خلاف قیاس ادغام کر دیا تو "ذعته" ہو گیا۔ معنی یہ ہے کہ میں نے اس کو دھکا دیا "ولقد هممت أن اوثقه إلى سارية" میرے دل میں خیال آیا تھا کہ اس کو ایک ستون سے باندھ دوں "حتى تصبحوا فتنظروا اليه" تاکہ جب صبح ہو تو تم اس کو دیکھو "فذكرت قول سليمان عليه السلام" مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول یاد آ گیا:

"رب اغفر لي وهب لي ملكاً لا ينبغي لاحد من بعدي"

اے رب میرے معاف کر مجھ کو اور بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ مناسب نہ ہو کسی کے میرے پیچھے۔ [۹]

کہ انہوں نے ایسی سلطنت مانگی تھی جو بعد میں کسی کو نہ حاصل ہو، تو ان کو جنات پر بھی سلطنت حاصل ہوئی تھی۔ اس واسطے میں نے سوچا کہ سلیمان علیہ السلام کے اس قول کا تقاضا یہ ہے کہ نہ باندھوں کیونکہ اگر باندھونگا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی اس خواہش کا احترام نہیں ہوگا۔

"فرده الله خاسئاً" تو نبی کریم ﷺ نے اس کو ذلیل کر کے لوٹا دیا اور باندھا نہیں، اگرچہ آپ باندھ لیتے تب بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا پر کچھ اثر نہ پڑھتا کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ سارے چرند، پرند، جنات وشیاطین

---

[۹] شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: یعنی ایسی عظیم الشان سلطنت عنایت فرما جو میرے سوا کسی کو نہ ملے، نہ کوئی دوسرا اس کا اہل ثابت ہو یا یہ مطلب ہو کہ کسی کو حوصلہ نہ ہو کہ مجھ سے چھین سکے۔ (تنبیہ) احادیث میں ہے کہ ہر نبی کی ایک دعا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اجابت کا وعدہ فرمالیا ہے۔ یعنی وہ دعا ضرور ہی قبول کرینگے۔ شاید حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ وہی دعا ہو۔ آخر نبی زادے اور بادشاہ زادے تھے۔ دعا میں بھی یہ رنگ رہا کہ بادشاہت ملے اور اعجازی رنگ کی ملے۔ وہ زمانہ ملوک وجبارین کا تھا، اس حیثیت سے بھی یہ دعا مذاق زمانہ کے موافق تھی اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصد ملک حاصل کرنے سے اپنی شوکت وحشمت کا مظاہرہ کرنا نہیں۔ بلکہ اس دین کا ظاہر وغالب کرنا اور قانون سماوی کا پھیلانا ہوتا ہے جس کے وہ حامل بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ لہٰذا اس کو دنیاداروں کی دعا پر قیاس نہ کیا جائے۔

سب پر حکومت ہو اور اگر اکا دکا کوئی فرد حضور اکرم ﷺ نے باندھا تو تو کوئی کلی مخالفت اس کی لازم نہیں آتی تھی، لیکن ظاہری طور پر اس کی منافی ایک عمل ہوتا تو حضور اکرم ﷺ نے ایک پیغمبر کی خواہش کا احترام فرمایا تاکہ اس کی ظاہری مخالفت بھی لازم نہ آئے۔

بہر حال حدیث شریف میں آپ نے ارادہ ظاہر فرمایا کہ میرا ارادہ ہوا کہ میں مسجد کے ستون سے اس کو باندھوں، تو امام بخاریؒ اس سے استدلال فرما رہے ہیں کہ قیدی کو مسجد میں باندھنا جائز ہے۔

(۱۱) باب إذا انفلتت الدابة في الصلاة،

اگر نماز کی حالت میں کسی کا جانور بھاگ جائے

"وقال قتادة : إن أخذ ثوبه يتبع السارق ويدع الصلاة".

اگر نماز کے دوران دابہ بھاگ کھڑا ہو تو کیا کرے؟ جواب محذوف ہے۔

ہمارے نزدیک جواب یہ ہے کہ اگر عمل قلیل سے روک سکتا ہے تو روک دے اور اگر عمل کثیر ہو اور بالکل ہی بھاگ جانے کا اندیشہ ہو تو نماز توڑ کر پیچھا کرے، یہ نہیں کہ نماز کی نیت بھی باندھی ہوئی ہے اور اس کے پیچھے بھاگا چلا جا رہا ہے، اس کا جواز نہیں ہے۔

"وقال قتادة: إن أخذ ثوبه يتبع السارق ويدع الصلاة".

قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی کسی کا کپڑا اٹھا کر لے گیا تو وہ چور کا پیچھا کرے اور نماز چھوڑ دے۔ آج کل کپڑا کوئی نہیں اٹھاتا بلکہ جوتے اٹھاتے ہیں اس کے لئے بھی جائز ہے کہ آدمی نماز چھوڑ دے اور پیچھے چلا جائے۔

۱۲۱۱ ـ حدثنا آدم: حدثنا شعبة قال: حدثنا الأزرق بن قيس: كنا بالأهواز نقاتل الحرورية فبينا أنا على جرف نهر إذا رجل يصلي وإذا لجام دابته بيده فجعلت الدابة تنازعه، وجعل يتبعها. قال شعبة : هو أبو برزة الأسلمي، فجعل رجل من الخوارج يقول: اللهم افعل بهذا الشيخ. فلما انصرف الشيخ قال: إني سمعت قولكم، وإني غزوت مع رسول الله ﷺ ست غزوات أو سبع غزوات أو ثمانيا وشهدت تيسيره . وإني إن كنت أن أرجع مع دابتي أحب إلي من أن أدعها ترجع إلى مألفها فيشق علي)) [انظر: ۶۱۲۷] [۱]

---

[۱] وفي مسند أحمد، اول مسند البصريين، باب حديث ابي برزة الاسلمي، رقم ۱۸۹۳۳، ۱۸۹۵۳.

تشریح

حضرت ازرق بن قیس کہتے ہیں کہ ہم اہواز میں تھے اور خوارج سے جہاد کر رہے تھے، اہواز میں حروریہ یعنی خوارج کا مقابلہ کر رہے تھے، میں اس دوران ایک نہر پر تھا، اتنے میں ایک شخص نے اس طرح نماز پڑھنی شروع کردی کہ "**وإذا لجام دابته بيده**" گھوڑا کھڑا تھا اس کی لگام پکڑ کر باندھ لی" **فجعلت الدابة تنازعه**" جو سواری کھڑی تھی اس سے جھگڑنے لگی، چھڑانے کی فکر کر رہی تھی "**وجعل يتبعها**" اور یہ ان کے پیچھے ہونے لگے۔

مطلب یہ کہ جانور نے آگے کی طرف دھکا مارا تو یہ بھی ذرا سا ہٹ گئے اس کے پیچھے یعنی عمل قلیل کے ساتھ نہ کہ عمل کثیر کے ساتھ۔

"**قال شعبة**": شعبہ بن حجاج کہتے ہیں کہ یہ صاحب جو نماز پڑھ رہے تھے جن کا ذکر ہو رہا ہے یہ حضرت ابو برزہ اسلمیؓ تھے۔

"**فجعل رجل من الخوارج يقول: اللّٰهم افعل بهذا الشيخ**" خارجی تو ہوتے ہی خشک ہیں، انہوں نے کہا اے اللہ! اس بڑے میاں کا ایسا ایسا کر یعنی بددعا دی کہ یہ نماز پڑھ رہے ہیں یا کھیل رہے ہیں کہ لگام پکڑی ہوئی ہے اور ادھر اُدھر ہٹ رہے ہیں۔

"**فلما انصرف الشيخ قال**": بزرگ جو نماز پڑھ رہے تھے جب فارغ ہوئے تو کہا میں نے تمہاری بات سنی ہے تم یہ "**انظروا الى هذا الشيخ ترک صلاته من اجل فرس**" کہہ رہے تھے "**وإني غزوت مع رسول الله ﷺ ست غزوات أو سبع غزوات أو ثمانيا**" میں حضور ﷺ کے ساتھ چھ، سات یا آٹھ غزوات میں شامل ہوا ہوں "**وشهدت تيسيره**" اور آپ ﷺ کا آسانی پیدا کرنا میں نے دیکھا ہے کہ نماز میں کتنی آسانی پیدا فرماتے تھے "**وإني إن كنت أن ارجع مع دابتي احب إلي من أن أدعها ترجع إلى مالفها فيشق علي**" اور میں اپنے دابہ کے ساتھ لوٹ کر جاؤں یہ مجھے زیادہ محبوب ہے بنسبت اس کے کہ میں اس کو چھوڑ دوں کہ جہاں چاہے بھاگ جائے اور مجھے مشقت اٹھانی پڑے۔

لہٰذا میں نے لگام پکڑ کر نماز پڑھی تو یہ عمل قلیل تھا، پکڑ کر کھڑے ہو گئے اگر ذرا سا ادھر اُدھر ہو گئے تو یہ عمل قلیل ہے۔

۱۲۱۲ - حدثنا محمد بن مقاتل: أخبرنا عبد الله: أخبرنا يونس: عن الزهري، عن عروة قال: قالت عائشة: خسفت الشمس فقام رسول الله ﷺ فقرأ سورة طويلة ثم ركع فأطال، ثم رفع رأسه، ثم استفتح بسورة أخرى ثم ركع حتى قضاها، وسجد، ثم فعل ذلك

في الثانية ثم قال: ((إنهما آيتان من آيات الله، فإذا رأيتم ذلك فصلوا حتى يفرج عنكم. لقد رأيت في مقامي هذا كل شيء وعدته حتى لقد رأيت أريد أن آخذ قطفا من الجنة حين رأيتموني جعلت أتقدم، ولقد رأيت جهنم يحطم بعضها بعضا حين رأيتموني تأخرت. ورأيت فيها عمرو بن لحي وهو الذي سيب السوائب)) [راجع: ۱۰۴۴]

ترجمہ: زہری عروہ سے روایت کرتے ہیں ۔ عائشہؓ نے بیان کیا کہ سورج گرہن ہوا تو نبی ﷺ کھڑے ہوئے ایک طویل سورت پڑھی پھر رکوع کیا، تو اس کو طویل کیا، پھر اپنا سر اٹھایا، پھر ایک دوسری سورت سے شروع کیا پھر رکوع کیا، یہاں تک کہ اس کو پورا کیا اور سجدہ کیا پھر یہی دوسری رکعت میں کیا، پھر فرمایا کہ یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، جب تم یہ دیکھو، تو نماز پڑھو، یہاں تک کہ سورج گرہن تم سے دور ہو جائے، میں نے اپنی اس جگہ میں تمام وہ چیزیں دیکھیں، جن کا مجھ سے وعدہ کیا گیا ہے، یہاں تک کہ میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں جنت سے ایک خوشہ لے رہا ہوں، اور میں نے جہنم کو بھی دیکھا کہ ان میں سے بعض بعض کو کھاتا ہے، جب کہ تم نے مجھے دیکھا ہوگا کہ میں پیچھے ہٹا، اور میں نے اس میں عمرو بن لحی کو دیکھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے سائبہ کی رسم ایجاد کی۔

''عمرو بن لحی'' یہ وہ ہے جس نے سب سے پہلے بُت بنائے تھے۔ بنو اسماعیل میں بُت پرستی کا آغاز عمرو بن لحی نے کیا اور یہی وہ ہے جس نے سوائب یعنی بتوں کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم جاری کی تھی۔ ''سائبہ'' جو جانور بتوں کے نام پر ہمارے زمانے کے سانڈوں کی طرح چھوڑ دیا جاتا تھا۔

(۱۲) باب ما يجوز من البصاق والنفخ في الصلاة،

نماز میں تھوکنے اور پھونکنے کا جائز ہونا

ويذكر عن عبد الله بن عمرو: نفخ النبي ﷺ في سجوده في كسوف.

عبداللہ بن عمروؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسوف کی نماز میں اپنے سجدہ میں پھونک ماری تھی۔

نفخ کی تعبیر

کسوف میں آپ نے جو سجدہ کیا اس میں ''نفخ'' فرمایا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اُف اُف فرمایا، لیکن حدیث میں نفخ کے الفاظ ہیں، ظاہر یہ ہے کہ یہ سانس کی آواز تھی جیسے لمبی تلاوت کی وجہ سے سانس پھول گیا ہو۔

۱۲۱۳ ــ حدثنا سليمان بن حرب : حدثنا حماد ، عن ايوب ، عن نافع ، عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما: ان النبی ﷺ رای نخامة فی قبلة المسجد ، فتغيظ علی اهل المسجد وقال : ((ان اللّٰہ قبل احدكم اذا كان فی صلاة فلا يبزقن . او قال : لا يتنخعن)) ثم نزل فحتها بيده .وقال ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما : اذا بزق أحدكم فليبزق علی يساره. [راجع : ۴۰۶]

ترجمہ: نافع ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے قبلہ کی طرف بلغم پھینکا ہوا دیکھا تو مسجد والوں پر غصہ ہوئے اور کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قبلہ کی طرف ہے۔ چنانچہ جب کوئی شخص نماز میں ہو تو نہ تھوکے اور نہ بلغم پھینکے۔

"ثم نزل فحتها بيده .وقال ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما : اذا بزق احدكم فليبزق علی يساره" .

پھر منبر سے اترے اور اس کو اپنے ہاتھ سے کھرچ کر صاف کر دیا اور ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص تھوکے تو اپنے بائیں طرف تھوکے۔

۱۲۱۴ ــ حدثنا محمد :حدثنا غندر : حدثنا شعبة قال : سمعت قتادة عن انس بن مالک رضی اللّٰہ عنه عن النبی ﷺ قال:((اذا كان احدكم فی الصلاة فانه يناجی ربه فلا يبزقن بين يديه ولا عن يمينه ولكن عن شماله تحت قدمه اليسری)) . [راجع: ۲۴۱]

ترجمہ: انسؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص نماز میں ہوتا ہے وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے اس لئے نہ تو اپنے سامنے اور نہ ہی اپنے دائیں طرف تھوکے بلکہ بائیں طرف یا اپنے بائیں پاؤں کی نیچے تھوکے۔

(۱۳)باب:من صفق جاهلا من الرجال في صلاته لم تفسد صلاته

جو شخص جہالت کی وجہ سے اپنی نماز میں تالی بجائے تو اس کی نماز فاسد نہ ہوگی

فيه سهل بن سعد رضي الله عنه عن النبي ﷺ.

اس میں سہل بن سعدؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔

یہ صدیق اکبرؓ کے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو پہلے گزرا ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ تشریف لائے تو صدیق اکبرؓ نماز پڑھا رہے تھے، لوگوں نے صدیق اکبرؓ کو متنبہ کرنے کیلئے تالیاں بجائیں، بعد

میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ مردوں کیلئے تسبیح ہے، عورتوں کیلئے نہیں بلکہ عورتوں کیلئے تصفیق ہے۔

وہاں جن لوگوں نے تصفیق کی تھی چونکہ ان کو حکم معلوم نہیں تھا، اس لئے کہتے ہیں کہ ان کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

(۱۴) باب: إذا قيل للمصلي تقدم أو انتظر فانتظر فلا بأس

جب نمازی سے کہا جائے کہ آگے بڑھ یا انتظار کر اور اس نے انتظار کیا تو کوئی مضائقہ نہیں

۱۲۱۵ - حدثنا محمد بن كثير: أخبرنا سفيان، عن أبي حازم، عن سهل بن سعد رضي الله عنه قال: كان الناس يصلون مع النبي ﷺ وهم عاقدو أزرهم من الصغر على رقابهم، فقيل للنساء: ((لا ترفعن رؤسكن حتى يستوي الرجال جلوسا)) [راجع: ۳۶۲].

تشریح

یہ حدیث پہلے بھی گذری ہے کہ عورتوں سے کہا جاتا تھا تم اس وقت تک سر سجدہ سے نہ اٹھانا جب تک مرد اچھی طرح بیٹھ نہ جائیں۔ اس طرح کہ امام کے اٹھنے کے بعد تم کچھ دیر تک سجدہ کو جاری رکھنا۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سجدہ کی تاخیر اللہ کے لئے نہ ہوئی بلکہ سجدہ کی جو مقدار بڑھائی جا رہی ہے وہ ایک خارجی مقصد کے لئے تھی کہ مرد پہلے اُٹھ جائیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال کرنا چاہ رہے ہیں کہ اگر نمازی کو کسی نے کہا آگے بڑھ جاؤ، یا پیچھے ہٹ جاؤ، تھوڑا سا انتظار کرلو اور وہ اس کا کہنا مانتے ہوئے انتظار کرے یا پھر آگے پیچھے ہٹے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

اس میں فقہائے کرام نے بحث کی ہے کہ امام نماز پڑھا رہا ہے وہ رکوع میں چلا گیا اور خیال آیا کہ میرا فلاں آدمی نماز میں شامل ہونے کے لئے آرہا ہے، پہلے اگر پانچ مرتبہ سبحان ربي العظيم کہتا تھا اب سات یا نو مرتبہ کہہ رہا ہے اور اس لئے کہہ رہا ہے کہ آنے والا آکر نماز میں شامل ہو جائے۔ اس میں بحث کی ہے کہ آیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بعض کہتے ہیں کہ ایسا کرنا جائز نہیں کیونکہ رکوع کی یہ تطویل غیر اللہ کے لئے ہے۔

لیکن امام بخاری کا رجحان اس طرف معلوم ہو رہا ہے کہ ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، چونکہ دوسرے آدمی کو نماز میں شامل کرنے کی نیت بھی قربت کی نیت ہے، لہذا نماز کے اندر قربت کی نیت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی معین شخص کے لئے تطویل کرے تو مکروہ ہے اور اگر معین شخص کے بجائے مطلق آنے والوں کی نیت سے کرے تو مکروہ نہیں، مگر ترک ہر حالت میں اولیٰ ہے تاکہ منافی اخلاص عمل کا شائبہ بھی نہ ہو۔[۱۱]

(۱۵) باب: لایرد السلام فی الصلاۃ

نماز میں سلام کا جواب نہ دے

۱۲۱۶ ۔ حدثنا عبداللہ بن ابی شیبۃ قال: حدثنا ابن فضیل، عن الاعمش، عن ابراھیم، عن علقمۃ، عن عبداللہ قال: کنت أسلّم علی النبی ﷺ وھو فی صلاۃ فیرد علیّ، فلما رجعنا سلمت علیہ فلم یرد علیّ ((وقال: انّ فی الصلاۃ شغلاً)). [راجع: ۱۱۹۹]

ترجمہ: علقمہ عبداللہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی کریم ﷺ کو نماز کی حالت میں سلام کرتا تھا، تو آپ جواب دیتے تھے، جب ہم واپس ہوئے میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے جواب نہیں دیا اور فرمایا کہ نماز میں مشغولیت ہوتی ہے۔

۱۲۱۷ ۔ حدثنا ابو معمر قال: حدثنا عبد الوارث، حدثنا کثیر بن شنظیر، عن عطاء بن أبی رباح، عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما قال: بعثنی رسول اللہ ﷺ فی حاجۃ لہ فانطلقت ثم رجعت وقد قضیتھا، فاتیت النبی ﷺ فسلمت علیہ، فلم یرد علیّ فوقع فی قلبی مااللہ أعلم بہ. فقلت فی نفسی: لعل رسول اللہ ﷺ وجد علیّ انی ابطأت علیہ، ثم سلمت علیہ فلم یرد علیّ، فوقع فی قلبی اشد من المرۃ الاولیٰ، ثم سلمت علیہ فرد علیّ فقال: ((انما منعنی ان ارد علیک انّی کنت أصلی)). وکان علی راحلتہ متوجھا الیٰ غیر القبلۃ.

ترجمہ: معمر جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک ضرورت سے بھیجا میں چلا پھر لوٹا اس حال میں آپ کی ضرورت پوری کر چکا تھا پھر میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہیں دیا، میرے دل میں خطرات پیدا ہوئے کہ اس کو اللہ ہی جانتا ہے، میں نے اپنے جی میں کہا کہ شاید رسول اللہ ﷺ مجھ سے ناراض ہوگئے اس لئے کہ میں آپ کے پاس دیر سے آیا

---

[۱۱] ردالمحتار، ج:۱، ص:۳۲۶، عمدۃ القاری، ج:۵، ص:۲۲۲.

ہوں، پھر میں نے سلام کیا، لیکن آپ نے جواب نہیں دیا، میرے دل میں پہلی دفعہ سے زیادہ خطرہ پیدا ہوا پھر میں نے آپ کو سلام کیا، تو آپ نے مجھ کو جواب دیا اور فرمایا کہ مجھے جواب دینے سے اس امر نے روکا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور آپ اپنی سواری پر غیر قبلہ کی طرف منہ کئے ہوئے تھے۔

(۱۶) باب رفع الأیدی فی الصلاۃ لأمر ینزل به

کوئی ضرورت پیش آنے پر نماز میں اپنے ہاتھوں کے اٹھانے کا بیان

۱۲۱۸ - حدثنا قتیبة، حدثنا عبد العزیز، عن ابی حازم، عن سهل بن سعد رضی الله عنه قال: بلغ رسول الله ﷺ ان نبی عمرو بن عوف بقباءٍ کان بینهم شیٔ فخرج یصلح بینهم فی اناس من اصحابه، فحبس رسول الله ﷺ وحانت الصلاۃ. فجاء بلال الی ابی بکر رضی الله عنهما فقال: یا ابابکر، ان رسول الله ﷺ قد حبس وقد حانت الصلاۃ فهل لک ان تؤم الناس؟ قال: نعم، ان شئت. فاقام بلال الصلاۃ وتقدم ابو بکر رضی الله عنه وکبر الناس، وجاء رسول الله ﷺ یمشی فی الصفوف یشقها حتی قام من الصف، فاخذ الناس فی التصفیح۔ قال سهل: التصفیح هو التصفیق۔ قال: وکان ابو بکر رضی الله عنه لایلتفت فی صلاته. فلما اکثر الناس التفت فاذا رسول الله ﷺ فاشار الیه یامره أن یصلی فرفع ابو بکر رضی الله عنه یده فحمد الله، ثم رجع القهقری وراءه حتی قام فی الصف وتقدم رسول الله ﷺ وصلی للناس، فلما فرغ اقبل علی الناس فقال: ((یاایها الناس. مالکم حین نابکم شیٔ فی الصلاۃ اخذتم بالتصفیح؟ انما التصفیح للنساء، من نابه شیٔ فی صلاته فلیقل: سبحان الله)) ثم التفت الی أبی بکر رضی الله عنه فقال: ((یا أبا بکر، ما منعک أن تصلی حیث أشرت علیک؟)) قال: ابو بکر: ماکان ینبغی لابن أبی قحافة أن یصلی بین یدی رسول الله ﷺ. [راجع: ۶۸۴]

ان شئتم۔ حموی کی روایت میں "ان شئتم" ہے اور دوسری روایت میں "ان شئت" ہے۔

فی الصف۔ یہ کشمیہنی کی روایت ہے۔ اور دوسری روایت میں "من الصف" ہے۔

فرفع ابو بکر یدیه۔ یہ کشمیہنی کی روایت ہے اور دوسری روایت میں "یده" ہے۔

حین أشرت الیک — یہ کشمیہنی کی روایت ہے اور دوسری روایت میں "حیث اشرت علیک" ہے۔

(۱۷) باب الخصر في الصلاة

نماز میں کمر پر ہاتھ رکھنے کا بیان

۱۲۱۹ ـ حدثنا ابو النعمان : حدثنا حمّاد ، عن ايوّب ، عن محمّد ، عن ابى هريرة رضى الله عنه قال : نهى عن الخصر في الصلاة . وقال هشام وابو هلال ، عن ابن سيرين ، عن ابى هريرة عن النبى ﷺ . [انظر : ۱۲۲۰]

۱۲۲۰ ـ حدثنا عمرو بن علي : حدثنا يحيى : حدثنا هشام : حدثنا محمّد ، عن ابى هريرة رضى الله عنه قال : نهى أن تصلى الرجل متخصراً . [راجع : ۱۲۱۹]

ترجمہ: ابو ہریرہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ ہمیں نماز میں کولہوں پر ہاتھ رکھنے سے منع کیا گیا۔

(۱۸) باب: تفكر الرجل الشيء في الصلاة،

نماز میں کسی چیز کے سوچنے کا بیان

وقال عمر رضي الله عنه: إني لأجهز جيشي وأنا في الصلاة.

حضرت عمر ﷺ نے کہا کہ میں اپنا لشکر درست کرتا ہوں حالانکہ میں نماز میں ہوتا ہوں۔

۱۲۲۱ ـ حدثنا إسحاق بن منصور: حدثنا روح: حدثنا عمر, هو ابن سعيد. قال: اخبرني ابن أبي مليكة، عن عقبة بن الحارث رضي الله عنه قال: صليت مع النبي ﷺ العصر، فلما سلم قام سريعا دخل على بعض نسائه، ثم خرج ورأى مافي وجوه القوم من تعجبهم لسرعته، فقال: ((ذكرت وأنا في الصلاة تبراً عندنا فكرهت أن يمسي أو يبيت عندنا فأمرت بقسمته)) . [راجع : ۸۵۱]

ترجمہ

عقبہ بن حارث سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ عصر کی نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو جلدی سے کھڑے ہوئے اور اپنی بیویوں کے پاس گئے پھر واپس ہوئے، تو آپ نے لوگوں کے چہرے میں جلد تشریف لے جانے کے سبب سے تعجب کے اثرات دیکھے تو آپ نے فرمایا کہ

میں نماز میں تھا۔

ذكرت وأنا في الصلاة تبراً عندنا فكرهت أن يمسي أو يبيت عندنا فأمرت بقسمته

مجھے یاد آیا کہ ہمارے پاس سونا ہے میں نے برا سمجھا کہ اس کی موجودگی میں شام ہو یا رات گزرے تو میں اس کے تقسیم کرنے کا حکم دیدیا۔

تشریح ۔ نماز میں کچھ سوچنا

اس کے حکم میں یہ تفصیل ہے کہ آدمی کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا دھیان نماز کی طرف رہے، جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ زبان سے جو الفاظ نکال رہا ہے ان کی طرف دھیان رکھے اور غیر اختیاری خیالات پر مؤاخذہ بھی نہیں ہے۔

اپنے اختیار سے خیالات لانا عام حالات میں منع اور گناہ ہیں یعنی اگر اپنے اختیار سے کوئی دنیاوی مسئلہ سوچے گا یا اس کا خیال لائے گا تو گناہ ہوگا اور یہ خشوع کے منافی ہوگا، البتہ اختیار کے ساتھ آنے والا خیال اگر بذاتِ خود قربت ہو جیسا کہ کسی مسئلہ پر یا کسی حدیث پر غور کرنا تو ضرورت کے وقت یہ خشوع کے منافی نہیں اور نہ ہی اس پر مؤاخذہ ہے۔

چنانچہ حضرت عمرؓ کا ارشاد اس کی دلیل ہے کہ میں اپنے لشکر کو تیار کرتا ہوں جب میں نماز میں ہوتا ہوں۔ اب جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہیں لیکن چونکہ لشکر کی تیاری کا سوچنا جہاد کا ایک حصہ ہے جو کہ قربت ہے اس لئے جائز قرار دیا، البتہ اختیار سے کوئی ایسا خیال لانا جو قربت نہیں، منع ہے، **كذا افاده حكيم الامة الشيخ التهانوى رحمه الله** ۔ [۱۲]

آگے روایت ذکر فرمائی کہ آپ ﷺ نماز پڑھتے ہی جلدی تشریف لے گئے، لوگوں نے پوچھا کہ جلدی کیوں تشریف لے گئے؟

آپ ﷺ نے فرمایا مجھے نماز کے اندر خیال آیا کہ گھر میں سونا رکھا ہوا ہے، تو میں نے اس بات کو مکروہ سمجھا کہ وہ ہمارے پاس ہو اور شام یا رات آجائے، اس لئے میں جا کر اس کی تقسیم کا حکم کر کے آیا ہوں کہ اسے جلدی سے نکالو۔

---

[۱۲] وقال عمر رضى الله تعالى عنه: انى لاجهز جيشى وانا فى الصلاة. لان قول عمر هذا يدل على انه يتفكر حال جيشه فى الصلاة، وهذا امر اخرى، وهذا تعليق رواه ابن ابى شيبة عن حفص عن عاصم عن ابى عثمان النهدى عنه بلفظ: ((انى لاجهز جيوشى وانا فى الصلاة)) وقال التين: انما هذا فيما يقل فيه التفكر. عمدة القارى، ج: ۵، ص: ۶۲۸.

منشأ بخاریؒ

یہاں اس حدیث کو لانے کا منشأ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو نماز کے اندر سونے کا خیال آیا، تو خود بخود خیال کا آنا یہ مؤاخذہ کے قابل نہیں اور پھر آپ نے اسی وقت یہ خیال کیا ہوگا کہ جا کر جلدی سے تقسیم کردوں، یہ شاید اختیار سے ہوگا، لیکن اگر اختیار سے بھی ہے تو چونکہ قربت کا خیال ہے اس لئے منافیٔ خشوع نہیں ہے۔

۱۲۲۲ ۔ حدثنا یحي بن بکیر قال: حدثنا اللیث، عن جعفر، عن الأعرج قال. قال أبو هریرة رضي الله عنه : قال رسول الله ﷺ: ((إذا أذن بالصلاة أدبر الشیطان له ضراط حتی لا یسمع التأذین، فإذا سکت المؤذن أقبل، فإذا ثوب أدبر، فإذا سکت أقبل، فلا یزال بالمرء یقول له: اذکر، ما لم یکن یذکر حتی لا یدري کم صلی)). قال أبو سلمة بن عبدالرحمن: إذا فعل أحدکم ذلک فلیسجد سجدتین وهو قاعد وسمعه أبو سلمة من أبي هریرة. [راجع: ۶۰۸].

ترجمہ: ابو ہریرہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز کی اذان کہی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان کی آواز نہ سنے جب مؤذن خاموش ہوجاتا ہے تو وہ واپس ہوجاتا ہے۔ جب تکبیر کہی جاتی ہے تو بھاگتا ہے، جب مکبر خاموش ہوجاتا ہے تو پھر آتا ہے اور آدمی سے کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کرو جو اسے یاد نہیں آتا تھا یہاں تک کہ وہ نہیں جانتا کہ اس نے کتنی نماز پڑھی۔

ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ جب تم میں سے کوئی شخص ایسا کرے تو وہ سجدے کرلے اس حال میں بیٹھا ہوا اور اس کو ابو سلمہ نے ابو ہریرہ ﷺ سے سنا ہے۔

اور اس حدیث میں سجدہ سہو کا جو ذکر ہے وہ بنا علی الاقل کی صورت پر محمول ہے۔

۱۲۲۳ ۔ حدثنا محمد بن المثنی: حدثنا عثمان بن عمر قال: أخبرنا ابن أبي ذئب، عن سعید المقبري قال: قال أبو هریرة رضي الله عنه: یقول الناس أکثر أبو هریرة، فلقیت رجلا فقلت: بم قرأ رسول الله ﷺ البارحة في العتمة؟ فقال: لا أدري. فقلت: لم تشهدها؟ قال: بلی. قلت: لکن أنا أدري، قرأ سورة کذا وکذا. [۱۳] [۱۴]

حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں "اکثر ابو هریرة" ابو ہریرہ ﷺ نے تو بہت حدیثیں

---

[۱۳] لا یوجد للحدیث مکررات.

[۱۴] وفي مسند أحمد، باقي مسند المکثرین، باب باقي المسند السابق، رقم: ۱۰۳۰۴.

سناتے ہیں یعنی شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اورلوگ تو اتنی حدیثیں نہیں سناتے اور ابو ہریرہ ؓ اتنی حدیثیں سناتے ہیں۔

تو دوسروں میں اور ان میں کیا فرق ہے، وہ بتانا چاہتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں میری ایک شخص سے ملاقات ہوئی، میں نے ان سے پوچھا **"بم قرا رسول اللہ ﷺ البارحة فی العتمة؟** مجھے یہ بتاؤ گزشتہ رات عشاء کی نماز میں رسول اللہ ﷺ نے کون سی سورت پڑھی تھی؟ **"فقال: لا ادری"** مجھے پتہ نہیں کہ کون سی سورت پڑھی۔ **فقلت: لم تشهدها؟** کیا تم حاضر نہیں تھے؟ **"قال: بلی"** کہا حاضر تو تھا لیکن یاد نہیں رہا کہ کون سی سورت پڑھی تھی۔ **"قلت: لکن انا ادری، قرا سورۃ کذا و کذا"** میں نے کہا میں جانتا ہوں، فلاں فلاں صورت پڑھی تھی۔

اس میں یہ فرق بتانا چاہتے ہیں کہ لوگ بسا اوقات حضور ﷺ کی ہر ادا کو محفوظ کرنے اور اس کو روایت کرنے کا اتنا اہتمام نہیں کرتے اور میں اس کا اہتمام کرتا تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ اس لئے لا رہے ہیں کہ ان کو جو یہ پتہ نہیں تھا کہ کون سی سورت پڑھی تھی اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نماز میں کچھ اور سوچ رہے تھے، اگر یہ سوچنا غیر اختیاری طور پر تھا تو قابل مؤاخذہ نہ تھا۔

٢٢- كتاب السهو

رقم الحديث: ١٢٢٤ - ١٢٣٦

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۲ - کتاب السهو

(۱) باب ماجاء في السهو إذا قام من ركعتي الفريضة

ان روایتوں کا بیان جو سجدہ سہو کے متعلق وارد ہوئی ہیں جب کہ فرض کی دو رکعتوں سے بغیر تشہد پڑھے کھڑا ہو جائے

۱۲۲۴ - حدثنا عبدالله بن يوسف قال: أخبرنا مالک بن أنس، عن ابن شهاب، عن عبدالرحمٰن الأعرج، عن عبدالله بن بحينة رضي الله عنه أنه قال: صلى لنا رسول الله ﷺ ركعتين من بعض الصلوات ثم قام فلم يجلس، فقام الناس معه فلما قضى صلاته ونظرنا تسليمه كبر قبل التسليم فسجد سجدتين وهو جالس ثم سلم. [راجع: ۸۲۹]

ترجمہ: عبداللہ بن بحینہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے نمازوں میں سے ایک نماز دو رکعت پڑھائی، پھر کھڑے ہو گئے اور بیٹھے نہیں تو لوگ بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، جب نماز پوری کی اور ہم نے آپ کے سلام کو دیکھا کہ آپ نے سلام سے پہلے دو سجدے کئے اس حال میں آپ بیٹھے ہوئے تھے پھر سلام پھیرا۔

۱۲۲۵ - حدثنا عبدالله بن يوسف قال: أخبرنا مالک، عن يحي بن سعيد، عن عبدالرحمٰن الأعرج، عن عبدالله بن بحينة رضي الله عنه أنه قال: إن رسول الله ﷺ قام من اثنتين من الظهر لم يجلس بينهما، فلما قضى صلاته سجد سجدتين، ثم سلم بعد ذلک. [راجع: ۸۲۹]

ترجمہ: عبداللہ بن بحینہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہو گئے اور ان دونوں کے درمیان نہ بیٹھے، جب آپ نے نماز پوری کی تو دو سجدے کیے اس کے بعد سلام پھیرا۔

سجدہ سہو قبل السلام ہے یا بعد السلام

ائمہ کا اختلاف

یہاں ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ قعدہ اُولیٰ کے چھوڑنے سے سجدۂ سہو لازم آیا۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ نے سجدۂ سہو سلام سے پہلے کیا اور احادیث میں دونوں قسم کی روایات ہیں قبل السلام کی بھی اور بعد السلام کی بھی، چونکہ دونوں طریقے ثابت اور دونوں قسم کی روایت ہیں اس لئے اختلاف بھی ہوا۔

حنفیہ کے نزدیک سجدہ مطلقاً بعد السلام ہے۔ [1]

شافعیہ کے نزدیک مطلقاً قبل السلام ہے۔ [2]

مالکیہ کے نزدیک اگر نماز میں زیادتی ہوئی ہے تو بعد السلام ہے اور کمی ہوئی ہے تو قبل السلام ہے۔ اس کو کہتے ہیں القاف بالقاف والدال بالدال یعنی **"القبل بالنقصان والبعد بالزيادة"** [3]

---

[1] وذهب ابو حنيفة واصحابه والثوري الى ان السجود يكون بعد السلام في الزيادة والنقص، وهو مروى عن علي بن ابي طالب وسعد بن ابي وقاص وابن مسعود وعمار وابن عباس وابن الزبير وانس بن مالك والنخعي وابن ابي ليلى والحسن البصري، واحتجوا بحديث ذي اليدين المخرج في (الصحيحين) وقد مر فيما مضى، وفيه: ((فاتم رسول الله ﷺ ما بقي من الصلاة ثم سجد سجدتين وهو جالس بعد التسليم))، كذا ذكره العيني في العمدة، ج: ۵، ص ۲۳۳، ونصب الراية، ج: ۲، ص: ۱۶۸، والحجة، ج: ۱، ص: ۲۲۹.

[2] واحتج قوم بظاهر هذا الحديث ان سجود السهو قبل السلام مطلقاً في الزيادة والنقصان، وهو الصحيح من مذهب الشافعي، وروي ذلك عن ابي هريرة والزهري ومكحول وربيعة ويحيى بن سعيد الانصاري والسائب القاري والاوزاعي والليث بن سعيد، وزعم ابو الخطاب انها رواية عن احمد بن حنبل، ولهم احاديث اخرى في ذلك، منها: ما رواه الترمذي وابن ماجه من حديث عبد الرحمن بن عوف قال: سمعت النبي ﷺ يقول: ((اذا سها احدكم في صلاته ...)) الحديث، وفيه ((فليسجد سجدتين قبل ان يسلم)). عمدة القاري، ج: ۵، ص: ۲۳۳، والأم، ج: ۱، ص: ۱۳۰، والمجموع، ج: ۴، ص: ۱۲۱.

[3] قال مالك كل اخذها كان نقصاناً من الصلاة فان سجوده قبل السلام وكل اخذها كان زيادة في الصلاة فان سجوده بعد السلام، موطا مالك، رقم ۲۱۳، باب مايفعل من سلم من ركعتين ساهياً، ج: ۱، ص: ۹۵، ط: دار احياء التراث العربي، مصر وعمدة القاري ج: ۵، ص: ۲۳۵.

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک جس بات میں جس موقع پر حضور ﷺ سے جو ثابت ہے اگر قبل السلام ثابت ہے تو قبل السلام اور اگر بعد السلام ثابت ہے تو بعد السلام اور جہاں کچھ ثابت نہیں وہاں بعد السلام۔[۲]

امام اسحاقؒ کہتے ہیں جہاں کچھ ثابت نہیں وہاں **"القاف بالقاف والدال بالدال"**.

یہ محض افضلیت کا اختلاف ہے۔ دونوں طریقے ثابت ہیں، دونوں میں سے کسی کو بھی غلط نہیں کہا جا سکتا قبل السلام بھی کر سکتے ہیں اور بعد السلام بھی کر سکتے ہیں۔

متاخرین حنفیہ نے دونوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے کہ سجدۂ سہو سے پہلے ایک سلام پھیر لے پھر اس کے بعد دو سلام بھی پھیرنے ہوں گے، اس طرح قبل السلام بھی ہو گیا اور بعد السلام بھی ہو گیا۔ تو حنفیہ کے ہاں قعدہ اولی بھی واجب ہے اور تشہد پڑھنا بھی واجب ہے، لیکن واجب حنفیہ کی اپنی اصطلاح کے مطابق ہے، فرض نہیں ہے۔ حنفیہ کے ہاں دونوں اصطلاحات الگ الگ ہیں اور دونوں کا حکم جدا جدا ہے، قعدہ اولی ہو یا تشہد فرض نہیں بلکہ واجب ہے اور واجب کا حکم یہ ہے کہ اس کے ترک سے نماز باطل نہیں ہوتی، البتہ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے اور اگر جان بوجھ کر چھوڑ دیا اور سجدہ سہو بھی چھوڑ دیا تو اعادہ واجب ہے۔ تو جس طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے وہ استدلال حنفیہ کے خلاف نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ یہ جو مثال رکوع اور سجدے کی دی ہے تو رکوع اور سجدہ رکن ہے فرض ہے اس کے چھوڑنے سے اعادہ واجب ہے یعنی اس رکن کا اعادہ نماز میں ضروری ہے اور محض سجدہ سہو کافی نہیں، ہم ایسا رکن تشہد کو نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ واجب ہے، لہٰذا اگر کوئی غلطی سے چھوڑ دے تو آخر میں سجدہ سہو کر لے تو تلافی ہو جائے گی۔ عدم وجوب دلیل اس وقت بنتی جب یہ ثابت ہوتا کہ نبی کریم ﷺ نے چھوڑا اور سجدہ سہو نہیں کیا، جب سجدہ سہو ثابت ہے تو پھر دلیل نہیں بنتی۔

(۲) باب إذا صلى خمسا

پانچ رکعتیں پڑھ لینے کا بیان

۱۲۲۶ ۔ حدثنا أبو الوليد، حدثنا شعبة عن الحكم، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبدالله رضي الله عنه: أن رسول الله ﷺ صلى الظهر خمسا، فقيل له: أزيد في الصلاة؟ فقال: ((وما ذاك؟)) قال: صليت خمسا. فسجد سجدتين بعد ما سلم. [راجع: ۴۰۱]

ترجمہ: عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعت نماز پڑھی تو آپ سے کہا

---

[۲] عمدة القاري ج: ۵، ص: ۱۳۵.

گیا کیا نماز میں کچھ زیادتی ہوگئی ہے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے جواب دیا: آپ نے پانچ رکعتیں پڑھیں پھر آپ نے سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کئے۔

اس حدیث میں سلام کے بعد دو سجدوں کا ذکر ہے، جو حنفیہ کا مسلک ہے۔ ۵

(۳) باب اذا سلم في ركعتين أو في ثلاث سجد سجدتين مثل سجود الصلاة أو أطول

جب دو یا تین رکعتوں میں سلام پھیر لے تو نماز کے سجدوں کی طرح یا اس سے طویل سجدہ کرے

۱۲۲۷ - حدثنا آدم، حدثنا شعبة، عن سعد ابن ابراهيم، عن ابي سلمة، عن ابي هريرة رضي الله عنه قال: صلى بنا النبي ﷺ الظهر أو العصر فسلم، فقال له ذواليدين: الصلاة يا رسول الله انقصت؟ فقال النبي ﷺ لاصحابه: ((أحق مايقول؟)) قالوا: نعم، فصلى ركعتين اخريين ثم سجد سجدتين. قال: سعد ورايت عروة بن الزبير صلى من المغرب ركعتين فسلم وتكلم ثم صلى ما بقي وسجد سجدتين وقال: هكذا فعل النبي ﷺ: [راجع: ۴۸۲] ۶

ترجمہ: حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگوں کو رسول اللہؐ نے ظہر یا عصر کی نماز پڑھائی، تو آپ نے سلام پھیر دیا تو ذوالیدین نے کہا کہ یا رسول اللہ یا نماز کم ہوگئی؟ تو نبی نے اپنے ساتھیوں

---

۵ مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں انعام الباری، ج:۳، ص:۱۲۳۔

۶ واخرج البخاري هذا الحديث في كتاب الاذان، باب هل ياخذ الامام اذا شك بقول الناس، من طريقين: احدهما: عن عبدالله بن مسلمة عن مالك بن انس عن أيوب عن محمد بن سيرين ((عن أبي هريرة: ان رسول الله ﷺ انصرف من اثنتين)) الى آخره. والآخر: عن أبي الوليد عن شعبة عن سعد ابن ابراهيم عن ابي سلمة عن ابي هريرة.. وقد ذكر البخاري هذا الحديث مطولاً في: باب تشبيك الأصابع في المسجد وغيره، وقد ذكرنا هناك جميع ما يتعلق بحديث ذي اليدين مستقصى. فمن اراد ذلك فليرجع الى ذلك الباب. وعمدة القاري، ج: ۵، ص: ۲۴۱، وراجع لانعام الباري، ج:۳، ص: ۴۵۷.

سے فرمایا کہ وہ ٹھیک کہتا ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں، چنانچہ آپ نے دو رکعت اور پڑھیں پھر دو سجدے کئے، سعد نے بیان کیا کہ میں نے عروہ بن زبیر کو دیکھا کہ انہوں نے مغرب کی دو رکعت نماز پڑھی انہوں نے سلام پھیرا اور گفتگو کی پھر باقی نماز پڑھی اور دو سجدے کئے اور کہا کہ اسی طرح نبی نے کیا تھا۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو یہ مسئلہ بیان کرنے کے لئے لائے ہیں کہ اگر امام کو نماز کی رکعت کی تعداد میں شک ہو جائے تو آیا وہ لوگوں کی قول پر عمل کرے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ایسی صورت میں امام مقتدی کے کہنے کا پابند نہیں، جب تک اس کو خود یقین ہو جائے کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اس وقت تک وہ غلطی کی تلافی کا پابند نہیں، چاہے ساری جماعت مل کر کہہ رہی ہو کہ آپ سے غلطی ہوئی گئی ہے۔

مثال کے طور پر ساری جماعت کہہ رہی ہے کہ آپ نے تین رکعت پڑھی ہیں اگر اس کو یقین نہیں آیا اور وہ سمجھتا ہے کہ میں نے چار رکعت پڑی ہیں تو اس کو چار رکعت ہی سمجھ کر اپنی نماز ختم کرنے کا اختیار ہے، جب تک اس کو خود یقین نہ آجائے چاہے ایک کہے، دو کہیں یا دس کہیں یا پوری جماعت کہے، اس کا اعتبار نہیں، یہ امام شافعی کا مسلک ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے سامنے ایک یا دو آدمیوں نے کہا تو ان کے قول کا اعتبار کرنا اس کے اوپر واجب نہیں ہے لیکن اگر پوری جماعت کہہ رہی ہے تو پھر ان کے قول کا اعتبار کرنا چاہیے، چاہے اس کو خود کچھ یاد نہ آیا ہو۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ دو عادل آدمی یہ کہہ دیں تو امام کو چاہیے کہ وہ اس کو مانے، چاہے یاد آیا ہو یا نہ آیا ہو۔

اور علامہ ابن بطال رحمہ اللہ کے کلام سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔[۷]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام کی حالت دو حال سے خالی نہیں، ایک حال یہ ہے کہ امام کو سو فیصد یقین ہو، تب تو لوگوں کے کہنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ لیکن اگر امام کو شک ہو اور اس شک میں امام کے ساتھ کوئی ایک مقتدی بھی مل گیا تب بھی وہ جانب راجح ہوگی، البتہ اگر امام کے ساتھ کوئی ایک مقتدی بھی نہ ملا تو پھر وہ جانب راجح ہوگی جس طرف جماعت جا رہی ہوگی۔ یہی بیان کرنے کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم فرمایا۔

---

[۷] لامع الدراری، ج:۲، ص:۸۰۷، وشرح ابن بطال، ج:۲، ص:۲۲۲،۲۲۳۔

(۴) باب من لم يتشهد في سجدتي السهو

اس شخص کا بیان جس نے سجدہ سہو میں تشہد نہیں پڑھا اور سلام پھیر لیا

وسلم أنس والحسن ولم يتشهدا. وقال قتادة: لا يتشهد.

انس ﷺ اور حسن ﷺ نے سلام پھیر لیا اور تشہد نہیں پڑھا اور بیان کیا کہ قتادہ ﷺ تشہد نہیں پڑھتے تھے۔

۱۲۲۸ ۔ حدثنا عبداللہ بن يوسف قال: أخبرنا مالک بن أنس، عن أيوب بن أبي تميمة السختياني، عن محمد بن سيرين، عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن رسول الله ﷺ انصرف من اثنتين فقال له ذواليدين: أقصرت الصلاة أم نسيت يارسول الله؟ فقال رسول الله ﷺ: ((أصدق ذواليدين؟)) فقال الناس: نعم، فقام رسول الله ﷺ فصلى اثنتين أخريين ثم سلم ثم كبر فسجد مثل سجوده أو أطول، ثم رفع. [راجع: ۴۸۲] حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا حماد، عن سلمة بن علقمة قال: قلت لمحمد: في سجدتي السهو تشهد؟ قال: ليس في حديث أبي هريرة.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ دو رکعت سے فارغ ہوئے تو ذوالیدین نے آپ سے عرض کیا کیا نماز کم ہوگئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا ذوالیدین ٹھیک کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور دو رکعت اور پڑھی پھر سلام پھیرا پھر تکبیر کہی اور پہلے سجدوں کی طرح یا اس سے طویل سجدہ کیا پھر سر اٹھایا۔

مسئلہ: اس حدیث میں اصل مسئلہ یہ ہے کہ "ذو الیدین" نے کلام کیا "أقصرت الصلاة أم نسيت يا رسول الله؟

آپ ﷺ نے کلام کیا "أصدق ذو اليدين؟ اور پھر دوسرے صحابہؓ نے کلام کیا، کہا "نعم"
اس کے بعد آپ ﷺ نے نماز کے اعادہ کا اہتمام نہیں فرمایا انہی سابقہ دو رکعتوں پر بنا کیا۔

کلام فی الصلاۃ میں ائمہ کے اقوال

اس سے امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہم اللہ نے اس بات پر استدلال کیا کہ کلام فی الصلوٰۃ اگر نماز میں خطأً، نسیاناً یا جہلاً عن الحکم ہو یا اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہو تو وہ مفسد صلوٰۃ نہیں ہے۔ ۵

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چاروں صورتوں یعنی نسیاناً، خطأً، جہلاً یا اصلاح صلوٰۃ کے لئے، مفسد

صلوٰۃ نہیں ہیں۔

دوسرے ائمہ اس میں تفصیل کرتے ہیں، بعض خطأً نہیں مانتے، بعض نسیاناً نہیں مانتے، بعض جہلاً نہیں مانتے، بعض اصلاح صلوٰۃ کے لئے کہتے ہیں۔ ۹

اب تفصیلات میں اختلاف ہے لیکن بہرصورت سب اس بات پر متفق ہیں کہ کلام فی الصلوٰۃ کی کوئی نہ کوئی صورت ایسی ہے جو مفسد نہیں ہے، لیکن حنفیہ اس معاملے میں متصلب ہیں، وہ کہتے ہیں: ہر قسم کا کلام مفسد ہے چاہے وہ عمداً ہو، چاہے خطأً ہو، چاہے اصلاحاً ہو، چاہے نسیاناً یا جہلاً ہو۔ ۱۰

استدلال

جو حضرات غیر مفسد کہتے ہیں وہ ذوالیدین ﷺ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر کلام مفسد صلوٰۃ ہوتا تو آپ ﷺ نماز کا اعادہ فرماتے حالانکہ آپ ﷺ نے نماز کا اعادہ نہیں فرمایا۔

استدلال

حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ منسوخ ہے۔ یہ اس زمانہ کا ہے جب نماز کے اندر کلام جائز تھا جیسا کہ پیچھے گزرا۔ اب اس میں بحث ہے کہ آیا یہ واقعہ کلام فی الصلوٰۃ کی حرمت سے پہلے کا ہے یا بعد کا۔ ۱۱

۸، ۹، ۱۰ في هذا اختلاف العلماء، فذهب مالك والشافعي واحمد واسحاق الى ان كلام القوم في الصلاة لامامهم لاصلاح الصلاة مباح، وكذا الكلام من الامام لاجل السهو لايفسدها. وقال ابو عمر: ذهب الشافعي واصحابه الى ان الكلام والسلام ساهياً في الصلاة لايفسدها، كقول مالك واصحابه سواء، وانما الخلاف بينهما ان مالكاً يقول: لايفسد الصلاة تعمد الكلام فيها اذا كان في اصلاحها، وهو قول ربيعة وابن القاسم الامارُوي عنه في المنفرد وهو قول احمد. وقال عياض: وقد اختلف قول مالك واصحابه في التعمد بالكلام لاصلاح الصلاة من الامام والمأموم، ومنع ذلك بالجملة ابوحنيفة والشافعي واحمد واهل الظاهر، وجعلوا مفسداً للصلاة، الا ان احمد اباح ذلك للامام وحده وسوى ابوحنيفة بين العمد والسهو. عمدة القاري، ج: ۵، ص: ۶۴۳.

۱۱ الكلام والخروج من المسجد ونحو ذلك كله قد نسخ، حتى لو فعل احد مثل هذا في هذا اليوم بطلت الصلاة، والدليل عليه ما رواه الطحاوي ((ان عمر بن الخطاب رضي الله عنه، كان مع النبي ﷺ يوم ذي اليدين، ثم حدث به تلك الحادثة بعد النبي ﷺ فعمل فيها بخلاف ماعمل ﷺ يومئذ، ولم ينكر عليه احد ممن حضر فعله من الصحابة، وذلك لايصح ان يكون منه ومنهم الا بعد وقوفهم على نسخ ما كان منه ﷺ يوم ذي اليدين)). عمدة القاري، ج: ۵، ص: ۶۴۳، والطحاوي، (۶۶) باب الكلام في الصلاة لما يحدث فيها من السهو، ج: ۱، ص: ۴۴۹.

امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الام میں اس پر بحث کی اور فرمایا کہ یہ واقعہ کلام فی الصلوٰۃ کی حرمت کے بعد کا ہے اور دلیل میں بظاہر بڑی پکی اور مضبوط باتیں فرمائیں۔ چنانچہ فرمایا کہ ذوالیدین ﷺ کا واقعہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے روایت کیا ہے اور حضرت ابو ہریرہ ﷺ ۷ھ میں اسلام لائے، معلوم ہوا کہ یہ واقعہ ۷ھ کے بعد کا ہے اور تحریم کلام فی الصلوۃ ابتداء میں اس وقت ہو چکی تھی جب حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ ہجرت حبشہ سے تشریف لائے۔

پیچھے یہ حدیث

عن عبداللہ ﷺ انه قال : كنا نسلم على النبي ﷺ و هو في الصلاة فيرد علينا. فلما رجعنا من عند النجاشي سلمنا عليه فلم يرد علينا وقال: ان في الصلاة شغلاً.

گذری ہے اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے فرمایا میں سلام کیا کرتا تھا اور آپ ﷺ نماز کی حالت میں جواب دیا کرتے تھے، جب حبشہ سے مکہ مکرمہ واپس آکر میں نے سلام کیا تو آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا۔ معلوم ہوا کہ کلام کی حرمت مکہ مکرمہ میں ہی آچکی تھی، لہٰذا یہ واقعہ حرمت کے بعد کا ہے اس لئے یہ منسوخ نہیں ہے۔

حنفیہ نے دونوں اجزا پر کلام کیا ہے۔

جہاں تک حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کے حبشہ سے آنے کا تعلق ہے تو حنفیہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کی دو ہجرتیں ہیں۔ ایک مرتبہ حبشہ گئے اور واپس مکہ مکرمہ آئے کیونکہ وہاں یہ افواہ مشہور ہوگئی تھی کہ سارے مکے والے مسلمان ہوگئے ہیں، لیکن مکہ مکرمہ آکر پتہ چلا کہ معاملہ جوں کا توں ہے، لہٰذا دوبارہ واپس چلے گئے اور پھر دوبارہ واپس مدینہ منورہ میں آئے، لہٰذا اس سے استدلال نہیں ہوسکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ بعض انصاری صحابہ ﷺ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہم نماز میں بات کیا کرتے تھے بعد میں آپ ﷺ نے منع کر دیا جیسا کہ معاویہ بن حکم سلمی کی روایت ہے جو پیچھے گزر چکی ہے، اگر مکے میں کلام حرام ہو چکا ہوتا تو انصار کیسے باتیں کرتے۔ معلوم ہوا کہ کلام مکے میں حرام نہیں ہوا تھا بلکہ مدینہ میں ہوا۔

جہاں تک ذوالیدین کے واقعہ کا تعلق ہے، حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ غزوۂ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے اس لئے کہ ذوالیدین بدری صحابہ میں سے ہیں اور بدر میں شہید ہوئے ہیں، اس لئے ظاہر ہے یہ واقعہ بدر سے پہلے پیش آیا ہوگا اور غزوۂ بدر ۲ھ میں ہوا، لہٰذا یہ ۲ھ سے پہلے کا واقعہ ہوگا کیونکہ ذوالیدین کی شہادت

بدر میں ہو چکی تھی۔ [۱۲]

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ کو زبردست دھوکہ لگ گیا ہے، بدر میں جو صاحب شہید ہوئے وہ ذوالیدین نہیں ذوالشمالین ہیں اور یہ دونوں الگ الگ آدمی ہیں، ذوالیدین کا نام خرباق تھا اور ان کا تعلق بنوخزاعہ سے ہے اور لقب ذوالیدین ہے جبکہ ذوالشمالین کا نام عبید بن عمرو تھا، ان کا تعلق بنوعمرو بن ملقان سے ہے اور لقب ذوالشمالین ہے اور بدر میں جو شہید ہوئے وہ ذوالشمالین تھے نہ کہ ذوالیدین۔ ذوالیدین حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہے، یہ امام شافعیؒ کتاب الام میں فرماتے ہیں۔ [۱۳]

لیکن حنفیہ نے کہا کہ نسائی میں روایت آئی ہے اور اس میں یہ آیا ہے **"ان ذاالشمالین هو ذو اليدين"**. [۱۴]

اور یہ جو فرمایا کہ ایک کا نام خرباق اور دوسرے کا عبید بن عمرو تھا تو اصل بات یہ ہے کہ خرباق ان کا زمانہ جاہلیت میں نام تھا اور عبید بن عمرو اسلام لانے کے بعد کا نام ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ ایک بنوخزاعہ کے ہیں اور دوسرے بنوملقان کے ہیں تو بنوملقان بھی بنوخزاعہ کی ایک شاخ ہے، لہٰذا یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ یہ بنوخزاعہ سے ہیں اور یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ بنوعمرو بن ملقان سے ہیں اور حقیقت میں یہ ایک ہی شخص ہیں جب ایک ہی ہیں تو چونکہ بدر میں شہید ہو گئے تھے، لہٰذا کلام فی الصلوٰۃ والا واقعہ بدر سے پہلے کا ہے۔

---

[۱۲] واستدل العلماء لما ذكرناه بان ابا هريرة شهد قصة السهو في الصلاة ففي صحيحي البخاري ومسلم عن ابي هريرة قال صلى بنا رسول الله ﷺ وبينا نحن نصلي مع رسول الله ﷺ احدى صلاتي من ركعتين فقال له ذواليدين واشباه هذه الالفاظ المصرحة بان ابا هريرة حضر القصة وهو مسلم وقد اجمعوا على ان ابا هريرة انما اسلم عام خيبر سنة سبع من هجرة بعد بدر بخمس سنين وكان الزهري يقول ان ذااليدين هو ذوالشمالين وانه قتل ببدر وان قصة في الصلاة كانت قبل بدر تابعه اصحاب ابي حنيفة على هذا، تهذيب الاسماء، ج: ۱، ص: ۱۸۵، دارالفكر، بيروت، ۱۹۹۶ء.

[۱۳] كتاب الأم، ج: ۱، ص: ۱۲۵.

[۱۴] قلت: وقع في كتاب النسائي ان ذااليدين وذاالشمالين واحد، لكلاهما لقب على الخرباق حيث قال: اخبرنا محمد بن رافع حدثنا عبدالرزاق اخبرنا معمر عن الزهري عن ابي سلمة بن عبدالرحمن وابي بكر بن سليمان بن ابي حثمة ((عن ابي هريرة قال: صلى النبي ﷺ، الظهر او العصر، فسلم من ركعتين فانصرف، فقال له ذوالشمالين بن عمرو: انقصت الصلاة ام نسيت؟ قال النبي ﷺ: مايقول ذواليدين؟ قالوا: صدق يارسول الله، فاتم بهم الركعتين اللتين نقص)). وهذا سند صحيح متصل، صرح فيه بان ذاالشمالين هو ذواليدين، عمدة القاري، ج: ۵، ص: ۱۲۳، وسنن النسائي، ج: ۳، ص: ۲۳، رقم ۱۲۲۹، مكتب المطبوعات الاسلاميه، حلب، ۱۴۰۶هـ.

(۵) باب یکبر فی سجدتی السهو

اس شخص کا بیان جو سہو کے سجدوں میں تکبیر کہے

۱۲۲۹۔ حدثنا حفص بن عمر قال: حدثنا یزید ابن ابراھیم، عن محمد، عن ابی ھریرة رضی اللہ عنه قال: صلی النبی ﷺ احدی صلاتی العشی۔ قال: محمد: واکثر ظنی أنها العصر۔ رکعتین ثم سلم، ثم قام الی خشبة فی مقدم المسجد فوضع یده علیها وفیهم ابو بکر و عمر رضی اللہ عنهما، فهابا ان یکلّماه، وخرج سرعان الناس فقالوا: أقصرت الصلاة؟ ورجل یدعوه النبی ﷺ ذاالیدین فقال: أنسیت أم قصرت؟ فقال: ((لم أنس ولم تقصر)). قال: بلی قد نسیت، فصلی رکعتین ثم سلّم ثم کبّر فسجد مثل سجوده أو أطول، ثم رفع راسه فکبر، ثم وضع راسه فکبر فسجد مثل سجوده او أطول، ثم رفع راسه و کبّر. [راجع: ۴۸۲]

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے اس پر یہ اضافہ کیا اور فرمایا کہ میرے پاس اس کے بدر سے پہلے ہونے کی یہ دلیل بھی ہے کہ روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ جب یہ واقعہ پیش آیا تو آپ تھوڑی دیر کیلئے آگے بڑھ گئے "**الیٰ خشبة فی مقدم المسجد**" مسجد کے دروازہ کے پاس ایک لکڑی پڑی تھی وہاں تک آگے بڑھ گئے۔

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ وہ استوانہ حنانہ کی لکڑی تھی، استوانہ حنانہ کاٹ کر وہاں مسجد کے دروازہ پر ڈالا گیا تھا، بعد میں دفنا دیا گیا لیکن شروع میں مسجد کے دروازہ پر پڑا تھا۔ [۱۵]

معلوم ہوا کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب استوانہ حنانہ نیا نیا کٹا تھا، جب ممبر بنا تھا اور ممبر تحویل قبلہ سے پہلے بنا ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے تحویل قبلہ کا اعلان ممبر پر کھڑے ہو کر کیا تھا۔

معلوم ہوا کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب ممبر بنانے کے لئے استوانہ حنانہ کو کاٹ کر باب مسجد میں ڈال دیا گیا تھا اور تحویل قبلہ سے پہلے کا ہے اور تحویل قبلہ ۲ھ میں ہوئی، لہٰذا یہ واقعہ ۲ھ سے پہلے کا ہے۔ یہ حضرت شاہ صاحبؒ کی دلیل ہے۔

اب رہی یہ بات کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں کہ "**بینمانحن نصلّی مع رسول اللہ ﷺ**" ہم نماز پڑھ رہے تھے اس وقت یہ واقعہ پیش آیا اور ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں اسلام لائے جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا۔

---

[۱۵] مسند احمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند ابی ھریرة، رقم: ۹۹۰۳.

اس کا جواب یہ ہے کہ بعض اوقات متاخر الاسلام شخص یہ کہہ دیتا ہے کہ **"بینما نحن نفعل کذا"** اس سے اس کی اپنی ذات مراد نہیں ہوتی بلکہ مسلمان مراد ہوتے ہیں یعنی **"بینما المسلمون یفعلون کذا"** چاہے یہ خود ان میں موجود ہو یا نہ ہو۔

اس پر متعدد روایات شاہد ہیں، خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہی روایت ہے کہ **"دخلت علی رقیة بنت النبی ﷺ"** ہم رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ پر داخل ہوئے؟ بلکہ وہاں **"دخلت"** آیا ہے کہ میں رقیہ بنت رسول اللہ پر داخل ہوا، حالانکہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے بہت پہلے انتقال فرما چکی تھیں، وہاں سب یہ تاویل کرتے ہیں۔ [۱۶]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے بھی یہی تاویل کی ہے کہ یہاں **"دخلت"** راوی کا تصرف ہے، اصل میں **"دخلنا"** تھا اور **"دخلنا"** سے مسلمان مراد تھے نہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ذات، تو اس طرح کہنا درست ہوا۔ [۱۷]

تو جو بات وہاں کہی گئی ہے وہی یہاں پر بھی کہی جاسکتی ہے کہ اگرچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کررہے ہیں اور **"نحن"** کہہ رہے ہیں لیکن اس سے مراد **"المسلمون یصلون"** ہے۔

نیز قرآن کریم کی آیت **"وقوموا للہ قانتین"** واضح ہے، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو **"أمرنا بالسکوت ونهينا عن الكلام"** اب یہ مطلق ہے کہ چاہے وہ کلام نسیاناً ہو، خطأً ہو، ہر حالت میں مفسد صلوٰۃ ہے۔

۱۲۳۰ - حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا ليث، عن ابن شهاب، عن الأعرج، عن عبدالله بن بحينة الأسدي حليف بني عبدالمطلب: ان رسول الله ﷺ قام في الصلاة الظهر وعليه جلوس فلما اتم صلاته سجد سجدتين يكبر في كل سجدة وهو جالس قبل أن يسلم وسجدها الناس معه مكان مانسي من الجلوس. تابعه ابن جريج، عن ابن شهاب في التكبير. [۱۸]

---

[۱۶] مجمع الزوائد، ج: ۱۰، ص: ۸۱، التاريخ الكبير، ج: ۱، ص: ۱۲۹، رقم: ۳۸۷، والجرح والتعديل، ج: ۷، ص: ۳۰۹.

[۱۷] فتح الباری، ج: ۳، ص: ۹۶.

[۱۸] وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب السهو في الصلاة والسجود له، رقم: ۸۸۵، وسنن الترمذي، كتاب الصلاة، باب ماجاء في سجدتي السهو قبل التسليم، رقم: ۳۵۶، وسنن النسائي، كتاب التطبيق، باب ترك التشهد الاول، رقم: ۱۱۶۳، وكتاب السهو، باب مايفعل من قام اثنتين ناسياً ولم يتشهد، رقم: ۱۲۰۷، وسنن ابي داؤد، كتاب الصلاة، باب من قام من ثنتين ولم يتشهد، رقم: ۸۷۱، وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء فيمن قام من اثنتين ساهياً، رقم: ۱۱۹۶، ومسند احمد، باقي مسند الانصار، باب حديث عبدالله بن مالك ابن بحينة، رقم: ۲۱۸۳۱، ۲۱۸۵۱، وموطا مالك، كتاب النداء والصلاة، باب من قام بعد الاتمام او في الركعتين، رقم: ۲۰۲، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب اذا كان في الصلاة نقصان، رقم: ۱۳۶۱.

ترجمہ: عبداللہ بن بحینہ اسدی جو بنی عبد المطلب کے حلیف تھے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ظہر کی نماز میں کھڑے ہو گئے، حالانکہ آپ کو کھڑا نہ ہونا چاہئے تھا جب آپ نے اپنی نماز پوری کی تو دو سجدے کئے اور ہر سجدہ میں سلام سے پہلے بیٹھے بیٹھے تکبیر کہی اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ یہ دونوں سجدے کئے اس قعدہ کی جگہ جو بھول گئے۔

تابعه ابن جريج ، عن ابن شهاب في التكبير

ابن جریج نے ابن شہاب سے تکبیر کے متعلق اس کے متابع حدیث روایت کی ہے۔

(۶) باب اذا لم يدر كم صلى ثلاثاً أو أربعاً سجد سجدتين وهو جالس

جب یہ معلوم نہ ہو کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں تین یا چار تو دو سجدے بیٹھے بیٹھے کرلے

۱۲۳۱ ـ حدثنا معاذ بن فضالة : حدثنا هشام بن أبي عبدالله الدستوائي ، عن يحيى بن أبي كثير عن أبي سلمة ، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : ((اذا نودي بالصلاة أدبر الشيطان وله ضراط حتى لايسمع الاذان ، فاذا قضى الاذان أقبل ، فاذا ثوب بها ادبر ، فاذا قضى التثويب اقبل حتى يخطر بين المرء ونفسه ، يقول : اذكر كذا كذا ، ما لم يكن يذكر حتى يظل الرجل ان يدري كم صلى ، فاذا لم يدر أحدكم صلى ثلاثاً أو أربعاً ، فليسجد سجدتين وهو جالس)) . [راجع : ۶۰۸]

حدیث کا ترجمہ

"عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : ((اذا نودي بالصلاة أدبر الشيطان وله ضراط حتى لايسمع الاذان".

ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب جب نماز کے لئے اذان کہی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا بھاگتا ہے تا کہ اذان کو نہ سنے۔

"فاذا قضى الاذان أقبل ، فاذا ثوب بها ادبر ، فاذا قضى التثويب اقبل حتى يخطر بين المرء ونفسه ، يقول : اذكر كذا كذا ، ما لم يكن يذكر حتى يظل الرجل ان يدري كم صلى".

اور جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو واپس آجاتا ہے، پھر جب نماز کی تکبیر کہی جاتی ہے تو بھاگتا ہے اور جب تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو وہ آتا ہے، یہاں تک انسان اور اس کے دل میں خطرہ اور وسوسہ پیدا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں فلاں باتیں یاد کرو جو یاد نہیں آتی تھیں، یہاں تک کہ ایسا ہو جاتا ہے کہ اسے یاد نہیں رہتا کہ کتنی نماز پڑھی،

اس لئے جب تم میں سے کسی کو یاد نہ رہے کہ کتنی نماز پڑھی ہے، تین یا چار رکعت تو دو سجدے بیٹھے بیٹھے کرلے۔

(۷) باب السهو فی الفرض والتطوع

فرض اور نفل میں سجدہ سہو کا بیان

وسجد ابن عباس رضی الله عنهما سجدتین بعد وتره.

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے وتر کے بعد دو سجدے کئے۔

۱۲۳۲ ـ حدثنا عبد الله بن یوسف، اخبرنا مالک عن ابن شهاب، عن ابی سلمة ابن عبدالرحمن، عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال: ((ان احدکم اذا قام یصلی جاء الشیطان فلبس علیه حتی لایدری کم صلی، فاذا وجد ذلک احدکم فلیسجد سجدتین وهو جالس)). [راجع: ۶۰۸]

(۸) باب: إذا کلم وهو یصلي فأ شار بیده واستمع

جب حالت نماز میں گفتگو کرے اپنے ہاتھ سے اشارہ کرے اور اس کو سنے

۱۲۳۳ ـ حدثنا یحي بن سلیمان قال: حدثني ابن وهب قال: أخبرني عمرو، عن بکیر، عن کریب: أن ابن عباس والمسور بن مخرمة وعبدالرحمٰن بن أزهر رضي الله عنهم أرسلوه إلی عائشة رضي الله عنها، فقالوا: اقرأ علیها السلام منا جمیعا وسلها عن الرکعتین بعد صلاة العصر، وقل لها: إنا أخبرنا أنک تصلینهما. وقد بلغنا أن النبي ﷺ نهی عنها. وقال ابن عباس: وکنت أضرب الناس مع عمر بن الخطاب عنها. قال کریب: فدخلت علی عائشة رضي الله عنها فبلغتها ما أرسلوني فقالت: سل أم سلمة فخرجت إلیهم فأخبرتهم بقولها فردوني إلی أم سلمة بمثل ما أرسلوني به إلی عائشة. فقالت أم سلمة رضي الله عنها: سمعت النبي ﷺ ینهی عنها، ثم رأیته یصلیهما حین صلی العصر ثم دخل علي وعندي نسوة من بني حرام من الأنصار. فأرسلت إلیه الجاریة فقلت: قومي بجنبه قولي له: تقول لک أم سلمة: یا رسول الله سمعتک تنهی عن هاتین وأراک تصلیهما، فإن أشار بیده فاستأخري عنه، ففعلت الجاریة، فأشار بیده فاستأخرت عنه. فلما انصرف قال: ((یا

ابنة أبي أمية، سألت عن الركعتين بعد العصر. وإنه أتاني ناس من عبدالقيس فشغلوني عن الركعتين اللتين بعد الظهر. فهما هاتان)). [انظر: ۴۳۷۰] ۹

ترجمہ: حدیث مذکوران حضرات نے کریب کو عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا اور کہا تم انہیں جا کر ہم سب کی طرف سے سلام کہواور ان سے عصر کی نماز کے بعد دو رکعتوں کے متعلق پوچھو اور یہ کہو کہ ہم لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ یہ دونوں رکعتیں پڑھتی ہیں، حالانکہ ہمیں خبر ملی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

اور ابن عباسؓ نے کہا کہ میں عمر بن خطاب ؓ کے ساتھ اس دو رکعت پڑھنے والے کو مارتا تھا۔

کریب نے کہا کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور انہیں وہ خبر پہنچادی جو لے کر آیا تھا۔

عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھو، میں ان لوگوں کے پاس واپس آیا اور وہ بات سنادی جو عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہی تھی، پھر انہوں نے مجھے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس وہی پیغام دے کر بھیجا جو عائشہؓ کے پاس دے کر بھیجا تھا، تو ام سلمہؓ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس منع فرماتے ہوئے سنا، پھر میں نے عصر کی نماز کے بعد آپ کو انہیں پڑھتے ہوئے دیکھا پھر آپ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس انصار میں سے بنی حرام کی چند عورتیں بیٹھی تھیں، میں نے ایک لونڈی کو آپ کے پاس بھیجا اور کہا کہ آپ کے پہلو میں کھڑی ہو جا اور آپ سے بیان کیا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا عرض کرتی ہیں کہ یا رسول اللہ میں نے آپ کو ان دونوں رکعتوں کے پڑھنے سے منع فرماتے ہوئے سنا اور میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ آپ پڑھ رہے ہیں اگر وہ اپنے ہاتھ سے اشارہ کریں تو تو پیچھے ہٹ جا۔

چنانچہ لونڈی نے ویسا ہی کیا جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا اے بنت ابی امیہ تو نے مجھ سے عصر کی نماز کے بعد کی دو رکعتوں کے متعلق پوچھا، عبدالقیس کے کچھ لوگ میرے پاس آئے تو انہوں نے مجھ کو ان دو رکعتوں کے پڑھنے سے باز رکھا، جو ظہر کے بعد پڑھی جاتی ہیں اور یہ دونوں رکعتیں وہی ہیں۔

---

۹ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب معرفة الركعتين اللتين كان يصليها النبي ﷺ بعد العصر، رقم: ۱۳۷۰، وسنن النسائي، كتاب المواقيت، باب الرخصة في الصلاة قبل غروب الشمس، رقم: ۵۷۷، و سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب الصلاة بعد العصر، رقم: ۱۰۸۱، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث أم سلمة زوج النبي، رقم: ۲۵۳۰۶، ۲۵۳۳۹، ۲۵۳۷۳، ۲۵۳۹۸، ۲۵۴۱۵، ۲۵۴۳۲، ۲۵۴۵۶، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب في الركعتين بعد العصر، رقم: ۱۴۰۰.

مسئلہ

عورتوں کو سلام کرنا اور سلام کہنا جائز ہے، یہاں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام بھیجا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام بھیجا، لہٰذا یہ جو شبہ ہے کہ عورتوں کو سلام کرنا مطلقاً ناجائز ہے، یہ غلط ہے وہاں ناجائز ہے جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو۔ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا منشأ صرف اس جملہ کو لانا تھا "**فاشار بيده فاستأخرت عنه**" حضور ﷺ نے ہاتھ کے اشارہ سے فرمایا پیچھے ہٹ جاؤ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات بھیجی، انہوں نے نماز پڑھتے ہوئے ہی یہ بات کہہ دی۔ آپ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا کہ "**إذا كلم وهو يصلي**" اگر کسی نماز پڑھتے ہوئے آدمی سے بات کرے تو جائز ہے، "**فاشار بيده واستمع**" اور مصلّی نے اس کی بات سن لی اور ہاتھ سے اشارہ کیا تو یہ بھی جائز ہے۔

تو تینوں باتیں ثابت ہو گئیں:

ایک یہ کہ نماز پڑھتے ہوئے شخص سے بات کی جائے۔

دوسری یہ کہ وہ اس بات کو سنے۔

تیسرا یہ کہ وہ اشارہ کرے، یہ اگر عمل قلیل کے ساتھ ہو اور ضرورت کے وقت ہو تو جائز ہے۔

(۹) باب الاشارة فی الصلاة

نماز میں اشارہ کرنے کا بیان

قاله كريب عن ام سلمة رضي الله عنها عن النبي ﷺ .

۱۲۳۴ ـ حدثنا قتيبة بن سعيد ، حدثنا يعقوب بن عبد الرحمن ، عن أبي حازم ، عن سهل بن سعد الساعدي رضي الله عنه : أن رسول الله ﷺ بلغه ان بني عمرو بن عوف كان بينهم شيء فخرج رسول الله ﷺ يصلح بينهم في اناس معهم . فحبس رسول الله ﷺ وحانت الصلاة ، فجاء بلال الى أبي بكر رضي الله عنه فقال : يا ابا بكر ، ان رسول الله ﷺ قد حبس و قد حانت الصلاة ، فهل لك أن تؤ م الناس ؟ قال : نعم ، ان شئت . فاقام بلال وتقدم ابو بكر رضي الله عنه فكبر للناس ، وجاء رسول الله ﷺ يمشي في الصفوف

حتى قام في الصف فاخذ الناس في التصفيق ، وكان ابوبكر ﷺ لايلتفت في صلاته ، فلما اكثر الناس التفت فاذا رسول الله ﷺ فاشار اليه رسول الله ﷺ يأمره أن يصلي ، فرفع ابو بكر ﷺ يديه ، فحمدالله ورجع القهقرى ورائه حتى قام في الصف ، فتقدم رسول الله ﷺ فصلى للناس ، فلما فرغ اقبل على الناس وقال : ((ياايها الناس ، مالكم حين نابكم شئي في الصلاة اخذتم في التصفيق ؟ انما التصفيق للنساء . من نابه شيءٌ في صلاته فليقل : سبحان الله ، فانه لايسمعه احد حين يقول : سبحان الله ، الاالتفت . ياابا بكر ، ما منعک أن تصلي للناس حين أشرت اليک ؟)) فقال أبو بكر ﷺ : ماكان ينبغي لابن ابي قحافة أن يصلي بين يدي رسول الله ﷺ . [راجع : ۶۸۴] [۴۰]

۱۲۳۵ - حدثنا يحيى بن سليمان : حدثني ابن وهب قال : حدثنا الثوري عن هشام ، عن فاطمة ، عن أسماء قالت : دخلت على عائشة رضي الله عنها وهي تصلي قائمة والناس قيام ، فقلت : ماشأن الناس ؟ فاشارت برأسها الى السماء ، قلت : آية ؟ فاشارت برأسها اى : نعم . [راجع : ۸۶] [۴۱]

ترجمہ: فاطمہؒ، اسماءؓ سے روایت کرتی ہیں کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچی اس حال میں کہ وہ کھڑی ہوکر نماز پڑھ رہی تھیں اور لوگ بھی کھڑے تھے تو میں نے کہا لوگوں کا کیا حال ہے تو انہوں نے اپنے سر سے آسمان کی طرف اشارہ کیا میں نے کہا کوئی نشانی ہے؟ انہوں نے اپنے سر سے اشارہ کیا، یعنی ہاں کہا۔

۱۲۳۶ - حدثنا اسماعيل قال : حدثني مالک ، عن هشام ، عن أبيه ، عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ انها قالت : صلى رسول الله ﷺ في بيته وهو شاك جالساً ، وصلى ورائه قوم قياماً ، فاشار اليهم أن جلسوا ، فلما انصرف قال : ((انما جعل الامام ليؤتم به ، فاذا ركع فاركعوا واذا رفع فارفعوا)) . [راجع : ۶۸۸]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیماری کے حالت میں اپنے گھر میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور آپ کے پیچھے قوم نے کھڑے ہوکر نماز پڑھی، تو آپ نے لوگوں کی طرف اشارہ

---

[۴۰] ثم ان هذا الحديث قد مضى في : باب من دخل ليؤم الناس ، اخرجه هناک : عن عبدالله بن يوسف عن مالک عن ابي حازم بن دينار عن سهل بن سعد وفي : باب رفع الأيدي في الصلاة لأمر نزل به ، وقد تكلمنا فيه بما فيه الكفاية ، عمدة القاري ، ج: ۵، ص: ۱۵۵، وانعام الباري ، ج: ۳، ص: ۳۳۰۔

[۴۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج:۲،ص:۱۱۵۔

کیا کہ بیٹھ جاؤ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس اقتداء کی جائے اس لئے جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ۔ [۲۲]

[۲۲] والحدیث مضی فی : باب انما جعل الامام لیؤتم به، فانه أخرجه هناک عن عبدالله بن یوسف عن مالک عن هشام بن عروة عن أبیه عن عائشة أم المؤمنین ، الحدیث بأطول منه . و اسماعیل هو ابن ابی اویس ابن اخت مالک بن انس.قوله : وهو شاک ای : یشکو عن انحراف مزاجه ، اراد :انه مریض، وقد استوفینا الکلام فیه هناک ، عمدة القاری، ج: ۵، ص: ۲۵۲.

٢٣- كتاب الجنائز

رقم الحديث : ١٢٣٧ - ١٣٩٤

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۲۳ ـ کتاب الجنائز

(۱) باب: ومن کان آخر کلامه: لا إله إلا الله

اس شخص کا بیان جس کا آخری کلام ''لا الٰہ الا اللہ'' ہو

''وقيل لوهب بن منبه: أليس مفتاح الجنة؟ لا إله إلا الله قال: بلى، ولكن ليس مفتاح إلا له أسنان، فإن جئت بمفتاح له أسنان فتح لك وإلا لم يفتح لك''.

امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث **''من كان آخر كلامه لا اله الا الله دخل الجنة''** کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ حدیث ابوداؤد میں آئی ہے۔[۱]

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جس کا آخری کلام **''لا إله إلا الله''** ہو، اس کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے ساتھ وہب بن منبہ کا یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ **''أليس مفتاح الجنة لا إله إلا الله؟''** کیا **''لا إله إلا الله''** جنت کی کنجی نہیں ہے؟ انہوں نے کہا ضرور ہے، مگر **''ليس مفتاح إلا له أسنان''** کوئی چابی ایسی نہیں ہے جس کے دندانے نہ ہوں **''فإن جئت بمفتاح له أسنان فتح لك وإلا لم يفتح لك''** اگر چابی میں دندانے ہوں تو دروازہ کھلے گا ورنہ نہیں کھلے گا۔ یہاں دندانوں سے اعمال صالحہ مراد ہیں۔

۱۲۳۷ ـ حدثنا موسىٰ بن اسماعيل، حدثنا مهدي بن ميمون، حدثنا واصل

---

[۱] ذكر النووي في الخلاصة في هذا الباب حديثاً عزاه لأبي داؤد والحاكم وقال صحيح الاسناد عن معاذ قال قال رسول الله: من كان آخر كلامه لا اله الا الله دخل الجنة انتهى. نصب الراية، ج: ۲، ص: ۲۵۳، دار الحديث، مصر، ۱۳۵۷ هـ.

الاحدب ، عن المعرور بن سويد ، عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال : قال رسول اللہ ﷺ : ((أتانی آتٍ من ربی فاخبرنی - أو قال : بشرنی - انہ من مات من امتی لا یشرک باللہ شیئاً دخل الجنۃ ، فقلت : وان زنی وان سرق ؟ قال : وان زنی وان سرق)). [أنظر: ۱۴۰۸، ۲۳۸۸، ۳۲۲۲، ۵۸۲۷، ۶۲۶۸، ۶۴۴۳، ۶۴۴۴، ۷۴۸۷]

ترجمہ: معرور بن سوید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے پاس رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور اس نے مجھے خبر دی یا خوشخبری دی کہ جو شخص میری امت میں سے اس حال میں مرا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوگا، تو جنت میں داخل ہوگا میں نے کہا اگر چہ زنا اور چوری کرے، فرمایا اگر چہ زنا اور چوری کرے۔

۱۲۳۸ - حدثنا عمر بن حفص، حدثنا أبي قال: حدثنا الأعمش، حدثنا شقیق، عن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ((من مات یشرک باللہ دخل النار)) وقلت أنا: من مات لایشرک باللہ شیئاً دخل الجنۃ. [انظر: ۴۴۹۷، ۶۶۸۳] ؎

حدیث کا مفہوم

جو شخص اس حالت میں مرے کہ اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہو تو وہ جہنم میں جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمارہے ہیں "**وقلت أنا: من مات لایشرک باللہ شیئاً دخل الجنۃ**" جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے وہ جنت میں جائے گا۔ معنی یہ ہیں کہ کبھی نہ کبھی ضرور جنت میں داخل ہوگا، چاہے اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد داخل ہو۔

یہ حکم "**من مات لایشرک باللہ شیئاً دخل الجنۃ**" صرف حدیث کے مفہوم مخالف سے ہی نہیں نکل رہا ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کے دوسرے بہت سارے ارشادات ہیں جن سے یہ حکم ثابت ہو رہا ہے۔

(۲) باب الامر باتباع الجنائز

جنازوں کے پیچھے پیچھے جانے کا بیان

۱۲۳۹ - حدثنا أبو الولید قال: حدثنا شعبۃ ، عن الاشعث : سمعت معاویۃ ابن

؎ وفی صحیح مسلم ، کتاب الإیمان ، باب من مات لایشرک باللہ شیئاً دخل الجنۃ ، رقم: ۱۳۳ ، ومسند أحمد ، مسند المکثرین من الصحابۃ مسند عبداللہ بن مسعود ، باب ، رقم: ۳۳۷۱، ۳۶۲۴، ۳۶۲۰، ۳۷۶۱، ۳۸۳۳، ۴۰۱۱۔

سوید بن مقرن ، عن البراء بن عازب رضي الله عنه قال : أمرنا رسول الله ﷺ بسبع ونهانا عن سبع : امرنا باتباع الجنائز ، وعيادة المريض ، واجابة الداعي ، ونصر المظلوم ، وابرار القسم ، ورد السلام ، وتشميت العاطس ، ونهانا عن آنية الفضة ، وخاتم الذهب ، والحرير ، والديباج ، والقسي ، والاستبرق)). [أنظر: ۲۴۴۵، ۵۱۷۵، ۵۶۳۵، ۵۶۵۰، ۵۸۳۸، ۵۸۴۹،]۔ ؎

ترجمہ: معاویہ بن سوید بن مقرن، براء سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ہم لوگوں کو سات چیزوں کا حکم دیا اور سات باتوں سے منع فرمایا:

جنازے کے پیچھے چلنے کا، مریض کی عیادت کا اور پکارنے والے کو جواب دینے کا، دعوت قبول کرنے کا ،مظلوم کی مدد، قسم کے پورا کرانے، سلام کا جواب دینے اور چھینکنے والے کی چھینک کا جواب دینے کا ہمیں حکم دیا۔
اور چاندی کے برتن، سونے کی انگوٹھی، حریر، دیباج، قسی اور استبرق کے استعمال سے ہمیں منع فرمایا۔

۱۲۴۰ ۔ حدثنا محمد : حدثنا عمرو بن أبي سلمة ، عن الأوزاعي قال : أخبرني ابن شهاب قال : أخبرني سعيد المسيب : أن أباهريرة رضي الله عنه قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : ((حق المسلم على المسلم خمس : ردالسلام ، وعيادة المريض ، واتباع الجنائز ، واجابة الدعوة ، وتشميت العاطس)). تابعه عبد الرزاق قال : اخبرنا معمر ، ورواه سلامة بن روح ، عن عقيل .

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ مسلمان کے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں:

۱۔ سلام کا جواب دینا
۲۔ مریض کی عیادت کرنا

؎ وفي صحيح مسلم ، كتاب اللباس والزينة ، باب تحريم استعمال اناء الذهب والفضة على الرجال ، رقم : ۳۸۴۸، وسنن الترمذي ، كتاب الادب عن رسول الله ، باب ماجاء في كراهية لبس المعصفر للرجل والقسي ، رقم : ۲۷۳۳، وسنن النسائي ، كتاب الجنائز ، باب باتباع الجنائز ، رقم : ۱۹۱۳ ، وكتاب الايمان والنذور ، باب ابرار القسم ، رقم: ۳۷۱۸، وكتاب الزينة ، باب ذكر النهي عن الثياب القسية ، رقم : ۵۲۱۴، وسنن ابن ماجه ، كتاب الكفارات ، باب ابرار القسم ، رقم : ۲۱۰۶، ومسند أحمد ، أول مسند الكوفيين ، باب حديث البراء بن عازب ، رقم : ۱۷۷۷۳، ۱۷۸۰۱، ۱۷۹۰۰ .

۳۔ جنازوں کے پیچھے جانا

۴۔ دعوت قبول کرنا اور

۵۔ چھینکنے والے کا جواب دینا

تابعه عبد الرزاق قال: أخبرنا معمر، ورواه سلامة بن روح، عن عقيل.

عبدالرزاق نے اس کے متابع حدیث روایت کی اور کہا ہم سے بیان کیا معمر نے اور اس کو سلامہ نے عقیل سے روایت کیا۔

(۳) باب الدخول على الميت بعد الموت اذا أدرج في أكفانه

موت کے بعد میت پر جانے کا حکم جب کہ وہ کفن میں رکھ دیا گیا ہو

۱۲۴۱، ۱۲۴۲ - حدثنا بشر بن محمد قال: أخبرنا عبدالله قال: اخبرني معمر ويونس عن الزهري قال: أخبرني أبو سلمة ان عائشة رضي الله عنها اخبرته قالت: اقبل أبو بكر رضي الله عنه على فرسه من مسكنه بالسنح حتى نزل فدخل المسجد فلم يكلم الناس حتى دخل على عائشة رضي الله عنها فتيمم النبي ﷺ وهو مسجى ببرد حبرة، فكشف عن وجهه، ثم اكب عليه فقبله ثم بكى فقال: بابي انت وامي يا نبي الله، لايجمع الله عليك موتتين. اما الموتة التي كتب عليك فقد متها.

قال أبو سلمة: فأخبرني ابن عباس رضي الله عنهما: ان ابا بكر رضي الله عنه خرج وعمر رضي الله عنه يكلم الناس فقال: اجلس. فابى. امابعد، فمن كان منكم يعبد محمداً ﷺ فان محمداً ﷺ قد مات، ومن كان يعبد الله فان الله حيّ لايموت. قال الله تعالى: ﴿وما محمد الا رسول الله قدخلت من قبله الرسل ...﴾ الى ﴿..الشاكرين﴾ [آل عمران: ۱۴۴]. فوالله لكان الناس لم يكون يعلمون انا الله انزل الآية حتى تلاها ابو بكر ﷺ فتلقا ها من الناس فما يسمع بشر الا يتلوها)).

[الحديث: ۱۲۴۱-أنظر: ۳۶۶۷، ۳۶۶۹، ۴۴۵۲، ۴۴۵۵، ۵۷۱۰]

[الحديث: ۱۲۴۲ - أنظر: ۳۶۶۸، ۳۶۷۰، ۴۴۵۳، ۴۴۵۴، ۴۴۵۷، ۵۷۱۱]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی ﷺ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ ابو بکر ﷺ اپنے گھوڑے پر مقام سخ سے آئے یہاں تک کہ گھوڑے سے اترے اور مسجد میں داخل ہوگئے، کسی سے گفتگو نہ

کی یہاں تک کہ عائشہؓ کے پاس پہنچے اور نبی ﷺ کا قصد کیا، آپ کو یمنی چادر اڑھائی گئی تھی، آپ کے چہرے سے چادر اٹھائی پھر آپ پر جھکے اور آپ کے چہرے کو بوسہ دیا پھر روئے۔ اور فرمایا اے اللہ کے نبی آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، اللہ آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا، وہ موت جو آپ کے لئے مقدور تھی تو وہ آپ پر آچکی۔

ابوسلمہ کا بیان ہے کہ مجھے ابن عباسؓ نے خبر دی کہ ابوبکرؓ باہر نکلے اور عمرؓ لوگوں سے گفتگو کر رہے تھے، ابوبکرؓ نے ان سے کہا کہ بیٹھ جاؤ انہوں نے انکار کیا، پھر کہا بیٹھ جاؤ، انہوں نے انکار کیا۔

چنانچہ ابوبکرؓ نے تشہد پڑھا لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور عمرؓ کو چھوڑ دیا کہا امابعد! تم میں جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا تو محمد ﷺ وفات پاگئے اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ زندہ ہے نہیں مرے گا۔

اللہ ﷻ نے فرمایا (**وما محمد الا رسول...... شاکرین تک**) بخدا اس سے پہلے لوگ گویا جانتے ہی نہ تھے کہ اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے یہاں تک کہ ابوبکرؓ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی لوگوں نے یہ آیت ان سے سن کر اخذ کی اور کوئی شخص سنا نہیں جاتا تھا مگر اس کی تلاوت کرتا تھا۔

۱۲۴۳ ۔ حدثنا یحي بن بکیر: حدثنا اللیث، عن عقیل، عن ابن شهاب قال: أخبرني خارجة بن زید بن ثابت أن أم العلاء، امرأة من الأنصار، بایعت النبي ﷺ، أخبرته أنه اقتسم المهاجرون قرعة، فطار لنا عثمان بن مظعون فأنزلناه في أبیاتنا، فوجع وجعه الذي توفي فیه. فلما توفي وغسل وكفن في أثوابه دخل رسول الله ﷺ فقلت: رحمة الله علیک أبا السائب فشهادتي علیک، لقد أكرمک الله. فقال النبي ﷺ: ((وما یدریک أن الله قد أكرمه؟)) فقلت: بأبي أنت یا رسول الله فمن یكرمه الله؟ فقال علیه السلام: ((أما هو فقد جاءه الیقین، والله إني لأرجو له الخیر، والله ما أدري وأنا رسول الله ما یفعل بي)). قالت: فوالله لا أزكي أحدا بعده أبدا. حدثنا سعید بن عفیر قال: حدثنا اللیث مثله. وقال نافع بن یزید، عن عقیل: ((ما یفعل به)). وتابعه شعیب وعمرو بن دینار ومعمر. [انظر: ۲۶۸۷، ۳۹۲۹، ۷۰۰۳، ۷۰۰۴، ۷۰۱۸]. ع

حدیث کی تشریح

حضرت خارجہ بن زیدؓ فرماتے ہیں کہ ام علاء انصار کی ایک خاتون تھیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ انہوں نے خارجہ کو یہ خبر دی، حدیث سنائی کہ **"انه اقتسم المهاجرون قرعة"** مہاجرین

ع وفي مسند أحمد، من مسند القبائل، باب حدیث ام العلاء الانصاریة، رقم: ۲۶۱۸۶.

کو قرعہ اندازی کے ذریعہ تقسیم کیا گیا۔

مہاجرین مدینہ منورہ ہجرت کرکے آگئے، انصار نے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں، ہم ان کی مہمانی کریں گے اور یہ ہمارے گھروں میں ٹھہریں گے، تو کون سا مہاجر کس انصاری کے گھر ٹھہرے اس کیلئے قرعہ اندازی کی گئی۔

"فطار لنا عثمان بن مظعون" ہمارے حصہ میں عثمان بن مظعون ﷺ آئے۔ **"طار یطیر"** کے لفظی معنی اڑنے کے ہوتے ہیں لیکن قرعہ میں کس کا نام نکل آئے تو اس کیلئے بھی **"طار"** کہتے ہیں۔ **"فانزلناہ فی ابیاتنا"** ہم نے ان کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا، **"فوجع وجعه الذي توفي فيه"** ان کو وہ بیماری شروع ہوگئی جس میں بالآخر ان کی وفات ہوگئی **"فلما توفي وغسل وكفن في اثوابه دخل رسول الله ﷺ"** آپ ﷺ تشریف لائے۔

یہی موضع ترجمہ ہے کہ کسی کو غسل و کفن دینے کے بعد اس کے گھر جانا۔

فقلت: رحمة الله عليك يا أبا السائب" اے ابوالسائب! یہ حضرت عثمان بن مظعون ﷺ کی کنیت ہے۔ اللہ کی تیرے اوپر رحمت ہو **"فشهادتي عليك، لقد اكرمك الله"** میں آپ کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور آپ کا اکرام فرمایا ہے۔

فقال النبي ﷺ: وما يدريك إن الله قد اكرمه؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کس نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا اکرام کیا ہے؟

فقلت: بابي أنت يا رسول الله فمن يكرمه الله؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اللہ تعالیٰ اور کس کا اکرام کرے گا؟ یعنی اللہ تعالیٰ عثمان بن مظعون ﷺ کا بھی اکرام نہیں کریں گے تو اور کس کا کریں گے؟

فقال عليه السلام "اما هو فقد جاء ه اليقين، والله إني لأرجو له الخير" آپ ﷺ نے فرمایا، جہاں تک ان کا تعلق ہے تو یہ بات یقینی تھی وہ آ گئی اور اللہ کی قسم میں ان کے متعلق خیر کی امید رکھتا ہوں، امید بہر حال یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ خیر کا معاملہ فرمادیں گے لیکن **"والله ما أدري وأنا رسول الله ما يفعل بي"** اور اللہ کی قسم میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھے پتا نہیں ہے کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا یعنی یا تو یہ مراد ہے کہ میں صرف اپنے اعمال کے بھروسہ پر یقین سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے اعمال کی بنیاد پر میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بتادیا وہ اللہ تعالیٰ کے علم کے ذریعہ پتہ چلا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

اشکال: یہ اشکال ہوسکتا تھا کہ حضور اقدس ﷺ کے بارے میں تو آیت کریمہ وارد ہے جس سے صاف واضح ہے کہ اگر آپ جنت میں نہ گئے تو پھر اور کون جائے گا۔

جواب: اس کا جواب دیا کہ جو کچھ پتہ چلا اللہ تعالیٰ کے بتانے سے پتہ چلا، ورنہ میں اپنی ذات تک کے بارے میں نہیں جانتا تھا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

یا مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگرچہ آپ کو یہ بتادیا کہ جنت میں آپ کو اتنے درجات دیئے جائیں گے لیکن ان درجات کی تفصیلات کیا ہوں گی، وہ مجھے معلوم نہیں ہیں لہٰذا جب مجھے پتہ نہیں تو کسی اور کو کیا حق ہے کہ کسی کے بارے میں یقین کے ساتھ کہہ دے کہ یہ جنت میں ہے یا اس کے ساتھ یہ معاملہ ہوگا، ہاں امید کی جاسکتی ہے، لیکن قسم کھانا، شہادت دینا اور یقین کے ساتھ کہنا صحیح نہیں ہے۔

قالت: حضرت ام علاء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں **"فواللہ لا أزکی احدً ابعدہ ابداً"** کہ اس کے بعد میں اللہ کے معاملہ میں کسی کا تزکیہ نہیں کروں گی، یعنی کسی کے بارے میں نہیں کہوں گی کہ یہ جنتی ہے۔

معلوم ہوا کہ یقین سے کسی کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ یہ جنتی ہے، جنت میں جائے گا یا دوزخ میں جائے گا، اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کس کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

سوال: حضور ﷺ نے بعض صحابہ ؓ کے جنتی ہونے کی بشارت دی تھی وہ بھی اس میں شامل ہیں یا نہیں؟

جواب: جو اللہ تعالیٰ نے بتایا وہ کہہ سکتے ہیں۔ یہاں بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کو دیکھ کر کہنا کہ میں جنت میں جاؤں گا۔ یہ عورت بھی حضرت عثمان بن مظعون ؓ کے اعمال کو دیکھ کر کہہ رہی تھی، یہ صحیح نہیں ہے۔

۱۲۴۴ ۔ حدثنا محمد بن بشار قال: حدثنا غندر قال: حدثنا شعبة قال: سمعت محمد ابن المنکدر قال: سمعت جابر بن عبداللہ رضي اللہ عنهما قال: لما قتل ابي جعلت اکشف الثوب عن وجهه أبکي وینهوني والنبي ﷺ لا ینهاني. فجعلت عمتي فاطمة تبکي. فقال النبي ﷺ: ((تبکین أو لا تبکین، فما زالت الملائکة تظله بأجنحتها حتی رفعتموه)). تابعه ابن جریج، أخبرني محمد بن المنکدر: سمع جابراً رضي اللہ عنه. [أنظر: ۱۲۹۳، ۲۸۱۶، ۴۰۸۰] [۵]

غیر اختیاری رونا منع نہیں ہے

حضرت جابر ؓ فرماتے ہیں کہ جب بدر میں میرے والد حضرت عبداللہ ؓ شہید ہوگئے **"جعلت**

---

[۵] وفي صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عبداللہ بن عمر وحرام والد جابر، رقم: ۴۵۱۷، وسنن النسائي، کتاب الجنائز، باب تسجیة المیت، رقم: ۱۸۱۹، ومسند أحمد، باقي مسند المکثرین، باب مسند جابر عبداللہ، رقم: ۱۳۶۷۲، ۱۳۷۷۶، ۱۴۷۲۱.

اکشف الثوب عن وجهه أبکی " تو میں بار بار ان کے چہرہ سے کپڑا ہٹا کر دیکھتا اور روتا" **وینھونی**" اور لوگ مجھے رونے سے روک رہے تھے،" **والنبي ﷺ لا ینھاني**" اور نبی کریم ﷺ نے مجھے نہیں روکا "**فجعلت عمتي فاطمة تبکی**" میری پھوپھی فاطمہ بھی رونے لگیں۔

"**فقال النبي ﷺ تبکین أو لاتبکین**" نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم روؤ یا نہ روؤ، "**فمازالت الملائکة تظله بأجنحتها**" میں دیکھ رہا ہوں کہ فرشتوں نے اپنے پروں سے ان پر سایہ کیا ہوا ہے، "**حتی رفعتموہ**" یہاں تک کہ تم ان کو اٹھا لو۔

آپ ﷺ نے بشارت دی کہ ملائکہ نے ان پر اپنے پروں سے سایہ کیا ہوا ہے اور فرمایا کہ تم روؤ یا نہ روؤ، اس سے ان کے درجہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

دوسرے لوگ روک رہے تھے، حضور اقدس ﷺ نہیں روک رہے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسئلہ یہی ہے کہ بے اختیار جو رونا آئے وہ منع نہیں ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ آواز سے رونا منع ہے، بغیر آواز کے منع نہیں ہے، یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ بے اختیار آواز سے رونا بھی جائز ہے، قصد اور اختیار سے آواز نہ نکالے، نوحہ نہ کرے لیکن بے اختیار جو رونا آئے وہ جائز ہے، چاہے آواز سے ہو یا بغیر آواز کے، آنسوؤں سے ہو یا بغیر آنسوؤں کے۔

(۴) باب الرجل ینعی إلی أھل المیت بنفسه

میت کے گھر والوں کو اس کی موت کی خبر دینے کا بیان

۱۲۴۵ - حدثنا إسماعیل قال: حدثني مالک، عن ابن شھاب، عن سعید بن المسیب، عن أبي ھریرة رضی اللہ عنہ: أن رسول اللہ ﷺ نعی النجاشي في الیوم الذي مات فیه، خرج إلی المصلی فصف بھم وکبر أربعاً. [انظر: ۱۳۱۸، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۳۳، ۳۸۸۰، ۳۸۸۱] [۷]

[۷] وفي صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب في التکبیر علی الجنازة، رقم: ۱۵۸۰، وسنن الترمذي، کتاب الجنائز عن رسول اللہ، باب ما جاء في التکبیر علی الجنازة، رقم: ۹۴۳، وسنن النسائي، کتاب الجنائز، باب النعي، رقم: ۱۸۵۶، وسنن أبي داؤد، کتاب الجنائز، باب في الصلاة علی المسلم یموت في بلاد الشرک، رقم: ۲۷۸۹، وسنن ابن ماجة، کتاب ماجاء في الجنائز، باب ماجاء في الصلاة علی النجاشي، رقم: ۱۵۲۳، ومسند أحمد، باقي مسند المکثرین، باب مسند أبي ھریرة، رقم: ۶۸۵۰، ۶۹۸۲، ۷۳۳۲، ۷۵۰۹، ۸۳۲۸، ۹۲۷۱، ۹۲۸۶، ۹۸۱۹، ۱۰۳۳۲، وموطا مالک، کتاب الجنائز، باب، رقم: ۴۷۶.

موت کی اطلاع کرنا جائز ہے

ترجمۃ الباب میں "**إلى أهل الميت**" آیا ہے اور خبر مسلمانوں کو دی چونکہ نجاشی مسلمان تھا اور ایسے ملک میں تھا جہاں اس کا اسلامی بھائی کوئی نہیں تھا تو گویا سارے مسلمان اس کے اہل تھے، اب مسلمانوں کو خبر دینا گویا "**اهل الميت**" کو خبر دینا ہے۔

یہ اس لئے کہا ہے کہ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ خبر دینے کا اہتمام کرنا کہ فلاں کا انتقال ہوگیا ہے، یہ منع ہے اور اس میں اس روایت سے استدلال کیا ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ "**نهى رسول الله ﷺ عن النعي**" لیکن یہ ممانعت اُس طریقہ کی ہے جو زمانہ جاہلیت میں معروف تھا کہ نعی کرنے والا کپڑوں کو پھاڑتا تھا، چیختا تھا چلاتا تھا کہ "**نعي فلان، نعي فلان**" اس سے منع فرمایا، لیکن سادہ طریقہ سے کسی کے لئے یہ کہہ دینا کہ فلاں کا انتقال ہوگیا ہے، یہ نعی میں داخل نہیں اور ممنوع بھی نہیں۔

۱۲۴۶ ــ حدثنا أبو معمر : حدثنا عبد الوارث : حدثنا ايوب ، عن حميد بن هلال، عن انس بن مالک رضي الله عنه قال: قال النبي ﷺ :((اخذ الراية زيد فاصيب ، ثم اخذها جعفر فاصيب ،ثم اخذها عبدالله بن رواحة فاصيب)) وان عيني رسول الله ﷺ لتذر فان ، ثم اخذها خالد بن وليد من غير امرة ففتح له.[أنظر: ۲۷۹۸، ۳۰۶۳، ۳۶۳۰،۳۷۵۷، ۴۲۶۲] [ے]

ترجمہ: انس بن مالک ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا زید نے جھنڈا لیا وہ شہید ہو گئے جعفر ﷺ نے جھنڈا لیا وہ شہید ہوگئے، تو عبداللہ بن رواحہ ﷺ نے جھنڈا سنبھالا وہ بھی شہید ہوگئے۔

"**وان عيني رسول الله ﷺ لتذر فان ، ثم اخذها خالد بن وليد من غير امرة ففتح له**"

اور حضور اکرم ﷺ کی دونوں آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں پھر خالد بن ولید ﷺ نے بغیر سرداری کے جھنڈا لیا تو ان کے ہاتھوں پر لڑائی کا میدان فتح ہوگیا۔

من غير امرة۔ کا مطلب بغیر امارت وسرداری کے ہے۔

(۵) باب الإذن بالجنازة

وقال أبو رافع: عن أبي هريرة ﷺ قال: قال النبي ﷺ: ((ألا كنتم آذنتموني؟))

ے وفي سنن النسائي، كتاب الجنائز ، باب النعي ، رقم : ۱۸۵۵ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، رقم : ۱۱۶۷۱.

جنازہ کا اعلان کرنا جائز ہے

جنازہ کا اعلان کرنا کہ فلاں شخص کی نماز جنازہ فلاں وقت میں ہوگی، اس کا عام اعلان کرنا جائز ہے۔ اس میں استدلال کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "الا کنتم آذنتمونی؟ مجھے کیوں نہیں بتایا؟

۱۲۴۷ ـ حدثنا محمد : أخبرنا أبو معاوية ، عن ابی اسحاق الشيباني ، عن الشعبي ، عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال : مات انساناً كان رسول الله ﷺ : يعوده فمات بالليل فدفنوه ليلاً ، فلما اصبح اخبروه فقال : ((ما منعكم أن تعلموني ؟)) قالوا : كان الليل فكرهنا ، وكانت ظلمة ، ان نشق عليك . فاتى قبره فصلي عليه . [راجع : ۸۵۷]

ایک خاتون تھیں جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھیں، ان کا انتقال ہوگیا، صحابہ کرام ﷺ نے ان کو دفن کردیا اور اس کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کو نہیں بتایا، بعد میں آپ ﷺ کو علم ہوا تو فرمایا "الا کنتم آذنتمونی" ؟ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعلان کرنا جائز ہے۔

(۲) باب فضل من مات له ولد فاحتسب

اس شخص کی فضیلت کا بیان جس کا بچہ مرجائے اور وہ صبر کرے

وقول الله عز وجل : ﴿ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴾ [البقرة : ۱۵۵] .

۱۲۴۸ ـ حدثنا أبو معمر : حدثنا عبد الوارث : حدثنا عبد العزيز ، عن أنس ﷺ قال : قال النبي ﷺ :((ما من الناس من مسلم يتوفى له ثلاثاً لم يبلغوا الحنث الا أدخله الله الجنة بفضل رحمته اياهم)) . [أنظر : ۱۳۸۱]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں ہے کوئی مسلمان جس کے تین بچے مرجائیں مگر اللہ تعالیٰ ان بچوں پر فضل و رحمت کے سبب سے اس کو جنت میں داخل کرے گا۔

۱۲۴۹ ـ حدثنا مسلم : حدثنا شعبة : حدثنا عبد الرحمن بن الاصبهاني ، عن ذكوان عن ابی سعيد ﷺ : أن النساء قلن للنبي ﷺ : اجعل لنا يوماً . فوعظهن فقال : ((أيما امرأة مات لها ثلاثة من الولد كانوا لها حجاباً من النار . قالت امرأة : واثنان ؟ قال : واثنان)) . [راجع : ۱۰۱]

ترجمہ: ابو سعید ﷛ سے روایت ہے کہ عورتوں نے نبی کریم ﷺ سے کہا کہ ہم لوگوں کے لئے ایک دن مقرر فرما دیجئے۔ آپ نے ان عورتوں کو نصیحت کی اور کہا کہ جس عورت کے تین بچے مرگئے ہوں تو وہ جہنم کی آگ سے حجاب ہونگے۔ ایک عورت نے کہا اور دو بچوں میں؟ آپ نے فرمایا اور دو بچوں میں۔

۱۲۵۰ ـ وقال شريك ، عن ابن الاصبهاني : حدثني ابو صالح ، عن أبي سعيد وأبي هريرة عن النبي ﷺ ، قال أبو هريرة : ((لم يبلغوا الحنث)) . [راجع: ۱۰۲]

ترجمہ: اور شریک نے ابن اصبہانی سے انہوں نے ابو صالح سے انہوں ابو سعید ﷛ اور ابو ہریرہ ﷛ سے اور ان دونوں نے نبی کریم ﷺ سے ابو ہریرہ ﷛ نے روایت کیا جو ابھی بالغ نہ ہوئے ہوں۔

۱۲۵۱ ـ حدثنا علي : حدثنا سفيان قال : سمعت الزهري ، عن سعيد بن المسيب ، عن أبي هريرة ﷛ عن النبي ﷺ قال : ((لا يموت لمسلم ثلاثة من الولد فيلج النار الا تحلة القسم)) . [أنظر : ۶۶۵۶] ۸

ترجمہ: ابو ہریرہ ﷛ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ نہیں مرتے ہیں کسی مسلمان کے تین بچے مگر وہ آگ میں صرف قسم پورا کرنے کے لئے داخل ہوتا ہے قسم پورا کرنے سے مراد "ان منكم الا واردها" ہے، کیونکہ ہر شخص پل صراط پر سے گذرے گا۔

(۷) باب قول الرجل للمرأة عند القبر: اصبري

کسی شخص کا عورت سے قبر کے پاس یہ کہنا کہ صبر کرو

۱۲۵۲ ـ حدثنا آدم: حدثنا شعبة: حدثنا ثابت، عن أنس بن مالك ﷛ قال : مر النبي ﷺ بامرأة عند قبر وهي تبكي ، فقال : ((اتقي الله و اصبري)) . [أنظر: ۱۲۸۳، ۱۳۰۲، ۷۱۵۴] ۹

---

۸ وفي صحيح مسلم ، كتاب البر والصلة والآداب ، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه ، رقم : ۴۷۶۸، وسنن النسائي ، كتاب الجنائز ، باب ، رقم : ۱۸۵۳ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب ماجاء في الجنائز ، باب ، رقم : ۱۵۹۲ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب ، رقم : ۷۲۸۳، ۱۰۸۹۹، ۱۱۲۶۱ .

۹ وفي صحيح مسلم ، كتاب الجنائز ، باب في الصبر على المصيبة عند الصدمة الاولى ، رقم : ۱۵۳۵ ، وسنن الترمذي ، كتاب الجنائز عن رسول الله ، باب ماجاء أن الصبر في الصدمة الاولى ، رقم : ۹۰۹ ، وسنن النسائي ، كتاب الجنائز ، باب الأمر بالاحتساب والصبر عند نزول المصيبة ، رقم : ۱۸۳۶ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الجنائز ، باب الصبر عند الصدمة ، رقم : ۲۷۱۷ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب ماجاء في الجنائز ، باب ماجاء في الجنائز ، رقم : ۱۵۸۵ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب باقي مسند المكثرين ، رقم : ۱۱۸۲۸ ، ۱۲۰۰۳ ، ۱۲۷۹۹ .

حضور اقدس ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو قبر کے پاس رو رہی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا "**اتقي الله واصبري**" اللہ سے ڈرا اور صبر کر۔

(۸) باب غسل الميت ووضوئه بالماء والسدر

میت کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینے کا بیان

وحنط ابن عمر رضي الله عنهما ابنا لسعيد بن زيد وحمله وصلى ولم يتوضأ. وقال ابن عباس رضي الله عنهما: المسلم لا ينجس حيا ولا ميتا. وقال سعد: لو كان نجسا ما مسسته. وقال النبي ﷺ: ((المؤمن لا ينجس)). حيا وميتا.

یہاں سے آگے غسل کے احکام کے سلسلے میں ابواب آرہے ہیں۔

میت (مؤمن) نجس نہیں ہوتا

یہ پہلا باب ہے، اس میں یہ کہنا مقصود ہے کہ میت کا غسل اس بنا پر نہیں ہوتا کہ وہ بذات خود نجس ہو جس کی وجہ سے اس کو دھونا ضروری ہو بلکہ یہ دھونا اس کے اکرام کیلئے ہوتا ہے۔

چنانچہ روایات نقل کی ہیں، فرمایا "**وحنط ابن عمر رضي الله عنهما ابنا لسعيد بن زيد**" حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سعید بن زید ﷺ کے بیٹے کو حنوط لگایا "**وحمله**" اور ان کو اٹھایا "**وصلى**" اور اس کے بعد نماز پڑھی "**ولم يتوضأ**" اور اس کو ہاتھ لگانے کے بعد باوجود وضو نہیں فرمایا اور نماز پڑھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ میت نجس نہیں ہوتا۔ **وقال ابن عباس: "المسلم لا ينجس حياً ولا ميتاً" وقال سعد: "لو كان نجساً ما مسسته"** حضرت سعد ﷺ فرماتے ہیں اگر میت نجس ہوتا تو میں اس کو نہ چھوتا۔

وقال النبي ﷺ: "المؤمن لا ينجس"

یہ حدیث پہلے گزر گئی ہے، حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مؤمن نجس نہیں ہوتا یعنی اس کے اندر نجاست حقیقیہ نہیں ہوتی، البتہ نجاست حکمیہ ہوسکتی ہے جیسے احتلام وغیرہ کی صورت میں۔

اسی طرح موت سے بھی نجاست آجاتی ہے لیکن وہ نجاست حکمیہ ہے، اسے عین نجس سمجھنا غلط ہے۔ جو غسل دیا جاتا ہے یہ حقیقت میں اس کا اکرام ہے۔

۱۲۵۳ ۔ حدثنا اسماعيل بن عبد الله قال : حدثني مالك عن أيوب السختياني ،

عن محمد سيرين ، عن أم عطية الانصارية رضى الله عنها قالت : دخل علينا رسول الله ﷺ حين توفيت ابنته فقال : ((اغسلنها ثلاثاً أو خمساً أو اكثر من ذلك ان رأتين ذلك بماء وسدر ، واجعلن في الآخرة كافوراً أو شيئاً من كافور ، فاذا فرغتن فآذنني)). فلما فرغنا آذناه فأعطانا حقوه فقال : ((اشعرنها أياها)) تعني : ازاره . [راجع : ۱۶۷]

ترجمہ: ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے جب کہ آپ کی لڑکی نے وفات پائی اور فرمایا کہ اس کو تین بار یا پانچ بار یا اس سے زائد بار غسل دو، اگر تم اس کی ضرورت سمجھو تو پانی اور بیری کے پتے سے غسل دو اور اخیر میں کافور ملاؤ جب تم فارغ ہو جاؤ تو ہمیں مطلع کرو، جب ہم لوگ فارغ ہو گئے تو آپ کو اطلاع دی آپ ﷺ نے ہمیں اپنا تہ بند دیا کہ اس کے جسم سے ملا دو یعنی ازار بنا دو۔

(۹) باب مايستحب أن يغسل وتراً

طاق مرتبہ غسل دینا مستحب ہے

۱۲۵۴ ۔ حدثنا محمد: حدثنا عبدالوهاب الثقفي، عن أيوب، عن محمد، عن أمّ عطية رضي الله عنها قالت: دخل علينا رسول الله ﷺ ونحن نغسل ابنته فقال: ((اغسلنها ثلاثا أو خمسا أو اكثر من ذلك بماء وسدر، واجعلن في الآخرة كافورا. فإذا فرغتن فآذنني))، فلما فرغنا آذناه فألقى إلينا حقوه فقال: ((أشعرنها إياه)) [راجع: ۱۶۷]

فقال أيوب: وحدثني حفصة بمثل حديث محمد. وكان في حديث حفصة: ((اغسلنها وترا))، وكان فيه: ((ثلاثاً أو خمساً أو سبعاً)). وكان فيه: أنه قال: ((بدأن بميامنها بمواضع الوضوء منها)). وكان فيه: أن أم عطية قالت: ومشطناها ثلاثة قرون.

تبرک بالثیاب جائز ہے

فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی کا انتقال ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا یہ تمہاری ذمہ داری ہے اگر چاہو تو تین مرتبہ غسل دو، ورنہ پانچ مرتبہ یا اس سے بھی زیادہ "بماء وسدر" پانی اور بیری کے پتوں سے۔ "واجعلن في الآخرة كافورًا" اور آخری مرتبہ میں کافور بھی شامل کر لینا۔ یا فرمایا کہ کافور کا کچھ حصہ شامل کر لینا۔ "فإذا فرغتن فآذنني" جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے بتا دینا۔ "فلما فرغنا آذناه" جب ہم فارغ ہوئیں تو ہم نے آپ کو اطلاع دی "فألقى إلينا حقوه" آپ ﷺ نے ہمیں اپنی

ازار عطا فرمائی۔

"حقوہ" اصل میں معقد الازار کو کہتے ہیں، جہاں پر ازار باندھی جاتی ہے، لیکن مجازاً اس کا اطلاق خود ازار پر بھی ہوجاتی ہے۔

فقال: "اشعرنها ایاہ" فرمایا کہ ان کو شعار کے طور پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ لگادو، یعنی اس کی چادر بنا کر لپیٹ دو، نچلا حصہ میرے ازار سے لپیٹ دو۔

مقصود یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کا کپڑا بطور تبرک ان کے کفن کا حصہ بن جائے، اس لئے آپ ﷺ نے یہ عمل کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تبرک بالثیاب جائز ہے۔ [۱۰]

میت کے بالوں میں کنگھی کرنے کا حکم

وکان فیہ: أن أم عطیۃ قالت: و"مشطناھا ثلثۃ قرون"

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کنگھی کی اور ان کی تین مینڈھیاں بنائیں۔

شوافع کا مسلک اور استدلال

شافعیہ کہتے ہیں کنگھی کرکے باقاعدہ مینڈھیاں بنائی جائیں جیسے یہاں پر بنائی گئی ہیں۔

ومشطناھا ثلثۃ قرون۔ اس سے امام شافعی، اسحاق اور ابن المنذر رحمہم اللہ نے استدلال کیا ہے کہ میت اگر عورت ہو تو اس کے بالوں کی تین چوٹیاں بنائی جائیں گی اور وہ تینوں چوٹیاں پشت کی طرف ڈال دی جائیگی۔ [۱۱]

ان حضرات کے نزدیک حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا تین چوٹیاں بنا کر تینوں کو پیچھے ڈال دینا آپ ﷺ کے حکم اور تعلیم سے تھا۔

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کے نزدیک عورت کے بالوں کو دو چوٹیاں بنائی جائینگی اور دونوں کو اس کے سینے پر ڈال دیا جائے گا:

---

[۱۰] قال العینی فی العمدۃ : وھو اصل فی التبرک بآثار الصالحین ، ج: ۲، ص: ۵۲ .

[۱۱] وان کان معقوصاً نقض ثم غسل ثم ضفر ثلاثۃ قرون قرنیھا وناصیتھا ویلقی من خلفھا وبھذا قال الشافعی واسحاق و ابن المنذر ، المغنی لابن قدامۃ ، ج: ۲، ص: ۱۷۳ .

ایک چوٹی کو دائیں جانب اور ایک چوٹی کو بائیں جانب۔

جہاں تک حدیث مذکورہ کا تعلق ہے اس کے بارے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ اس میں یہ کہیں ذکر نہیں ہے کہ تین چوٹیاں بنا کر پیچھے ڈالنے کا حکم نبی کریم ﷺ نے دیا تھا اور یہ کہنا کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا ایسا کرنا آپ کی تعلیم سے تھا، یہ محض ایک امکان اور احتمال ہے جس سے حکم ثابت نہیں ہوتا۔ [۱۲]

حنفیہ کی طرف سے جواب

حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کا اپنا عمل ہے جو حدیث سے ثابت نہیں لیکن یہ جواب اتنا اچھا نہیں لگتا اس لئے کہ سارا کچھ حضور ﷺ کی نگرانی میں ہو رہا ہے، آپ فرما رہے ہیں کہ یوں کرو، یوں کرو۔ اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ دونوں طریقے جائز ہیں اور کسی ایک طریقہ پر اصرار کرنا ضروری نہیں ہے۔

حنفیہ کا استدلال

حنفیہ کا استدلال صرف ایک حدیث سے ہے جو سنن أبي داؤد میں آئی ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میت کا سنگھار نہ کیا جائے اور کنگھی کرنا بھی سنگھار کا ایک شعبہ ہے۔

چونکہ کنگھی ثابت بھی ہے اس لئے اس کو ناجائز بھی نہیں کہہ سکتے، لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا اہتمام نہیں کرنا چاہیے۔

(۱۰) باب : يبدأ بميامن الميت

میت کے دائیں طرف سے غسل شروع کرنے کا بیان

۱۲۵۵ ۔ حدثنا علي بن عبدالله : حدثنا اسماعيل بن ابراهيم : حدثنا خالد ، عن حفصة بنت سيرين ، عن أم عطية رضي الله عنها قالت : قال رسول الله ﷺ في غسل ابنته : ((ابدأن بميامنها ومواضع الوضوء منها)) . [راجع : ۱۶۷]

---

[۱۲] وعندنا يجعل ضفيرتين على صدرها فوق الدرع وقال الشافعي : يسرح شعرها ويجعل ثلاث ضفائر ويجعل خلف ظهرها ، وبه قاله احمد واسحاق . قلنا : ليس في الحديث اشارة من النبي ﷺ الى ذلك ، وانما المذكور فيه الاخبار من أم عطية انها مشطت شعرها ثلاثة قرون ، وكونها فعلت ذلك بأمر النبي ﷺ احتمال ، والحكم لايثبت به ، عمدة القاري ، ج : ۶ ، ص : ۵۹ ۔ ۵۸ .

ترجمہ: ام عطیہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی صاحبزادی کے غسل کے متعلق فرمایا کہ اس کے دائیں جانب سے اور مقامات وضوء سے ابتدا کرو۔

(۱۱) باب مواضع الوضوء من المیت

میت کے مقامات وضوء سے ابتدا کرنے کا بیان

۱۲۵۶ ـ حدثنا یحیی بن موسی : حدثنا وکیع ، عن سفیان ، عن خالد الحذاء ، عن حفصة بنت سیرین ، عن أم عطیة رضی اللہ عنها قالت : لما غسّلنا ابنة النبی ﷺ قال لنا ونحن نغسلها : ((ابدؤا بمیامنها ومواضع الوضوء)) . [راجع : ۱۶۷]

ترجمہ: ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کے غسل کے متعلق فرمایا کہ اس کے دائیں جانب سے اور مقامات وضوء سے ابتدا کرو۔

(۱۲) باب : هل تکفن المرأة فی ازار الرجل؟

کیا عورت کو مرد کے تہ بند کا کفن پہنائی جاسکتی ہے

۱۲۵۷ ـ حدثنا عبد الرحمن بن حماد : أخبرنا ابن عون ، عن محمد ، عن أم عطیة قالت : توفیت بنت النبی ﷺ فقال لنا : ((اغسلنها ثلاثاً أو خمساً أو أکثر من ذلک ان رأیتن ، فاذا فرغتن فآذننی)) فآذناه فنزع من حقوه ازاره وقال : ((اشعرنها ایاه)) . [راجع : ۱۶۷]

ترجمہ: ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی وفات پاگئیں تو آپ نے ہم سے فرمایا کہ اس کو تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ غسل دو یا اگر ضرورت سمجھو تو اس سے زائد مرتبہ غسل دو، جب غسل دے دو تو ہمیں خبر کرنا۔ جب ہم فارغ ہوگئے تو آپ کو اطلاع دی آپ ﷺ نے اپنا تہ بند کمر سے کھولا اور فرمایا کہ اس کو اس کے جسم سے ملا دو۔

(۱۳) باب : یجعل الکافور فی الأخیرة

آخر میں کافور ملانے کا بیان

۱۲۵۸ ـ حدثنا حامد بن عمر : حدثنا حمّاد بن زید ، عن أیوب ، عن محمد ، عن

أم عطية قالت : توفيت احدى بنات النبي ﷺ فخرج فقال : ((اغسلنها ثلاثاً أو خمساً أو أكثر من ذلك ان رأيتن بماء وسدر . وأجعلن في الآخرة كافوراً أو شيئا من كافور . فاذا فرغتن فآذنني)) . قالت : فلما فرغنا آذناه فالقى الينا حقوه فقال : ((اشعرنها اياه)) .
وعن أيوب ، عن حفصة ، عن أم عطية رضي الله عنها بنحوه . [راجع : ۱۶۷]

ترجمہ: ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کی ایک صاحبزادی وفات پا گئیں تو آپ نکلے اور فرمایا کہ اسے تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا اس سے زیادہ پانی اور بیری کے پتے سے غسل دو، اگر تم اس کی ضرورت سمجھو اور آخر میں کافور ملاؤ۔ یا یہ فرمایا کہ کچھ کافور ملاؤ۔ جب تم فارغ ہو جاؤ تو ہمیں خبر کرو، جب ہم فارغ ہو چکے تو آپ ﷺ کو اطلاع دی آپ نے ہم لوگوں کو اپنا تہ بند دیا اور فرمایا کہ اس کے جسم کے ساتھ ملا دو۔

وعن أيوب ، عن حفصة ، عن أم عطية رضي الله عنها بنحوه

یہ سند ایوب، حفصہ اور ام عطیہؓ سے اسی طرح مروی ہے۔

۱۲۵۹ ۔ وقالت : انه قال : ((اغسلنها ثلاثاً أو خمساً أو سبعاً أو أكثر من ذلك ان رأيتن)) . قالت : حفصة قالت : أم عطية : وجعلنا رأسها ثلاثة قرون . [راجع : ۱۶۷]

ترجمہ: ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو تین یا پانچ یا اگر ضروری سمجھو تو اس سے زیادہ غسل دو۔

قالت : حفصة قالت : أم عطية : وجعلنا رأسها ثلاثة قرون

حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا اور ہم نے ان کے سر کے بالوں کے تین حصے کر دیئے۔

(۱۴) باب نقض شعر المرأة

عورت کے بالوں کو کھولنے کا بیان

"وقال ابن سيرين : لا بأس أن ينقض شعر الميت".

ابن سیرین نے بیان کیا کہ میت کے بال کھولنے میں کوئی حرج نہیں۔

۱۲۶۰ ۔ حدثنا أحمد قال: حدثنا عبدالله بن وهب: أخبرنا ابن جريج :قال أيوب : وسمعت حفصة بنت سيرين قالت : حدثتنا أم عطية رضي الله عنها : أنهن جعلن رأس بنت رسول الله ﷺ ثلاثة قرون ، نقضنه ثم غسلنه ثم جعلنه ثلاثة قرون . [راجع: ۱۶۷]

ترجمہ: ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ان غسل دینے والی عورتوں نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی کے سر کے بالوں کے تین حصے کئے، ان کو کھولا، پھر دھویا پھر تین حصوں میں بانٹ دیا۔

(۱۵) باب: کیف الإ شعار للمیت؟

میت کا اشعار کس طرح کیا جائے

وقال الحسن: الخرقة الخامسة یشد بها الفخذین والورکین تحت الدرع.

اور حسن نے بیان کیا کہ پانچویں کپڑے سے دونوں ران اور دونوں سرین کو باندھ دیا جائے اس طرح کہ قمیص کے نیچے رہے۔

۱۲۶۱ ۔ حدثنا أحمد: حدثنا عبداللہ بن وهب: أخبرنا ابن جریج أن أیوب أخبره قال: سمعت ابن سیرین یقول: جاءت أم عطیة رضي الله تعالیٰ عنها. امرأة من الأنصار من اللاتي بایعن. قدمت البصرة. تبادر ابنا لها فلم تدرکه. فحدثتنا قالت: دخل علینا النبي ﷺ ونحن نغسل ابنته. فقال: ((اغسلنها ثلاثاً أو خمساً او أکثر من ذلک إن رأیتن ذلک بماء وسدر، واجعلن في الآخرة کافورا. فإذا فرغتن فآذنني)). قالت: فلما فرغنا ألقی إلینا حقوه فقال: ((أشعرنها إیاه)). ولم یزد علی ذلک. ولا أدري بناته. وزعم أن الإشعار: الففنها فیه. وکذلک کان ابن سیرین یأمر بالمرأة أن تشعر ولا تؤزر. [راجع: ۱۶۷]

ترجمہ

ایوب نے ابن سیرین کو کہتے ہوئے سنا کہ ام عطیہؓ (انصار کی عورتوں میں سے ایک عورت جس نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تھی) بصرہ آئیں کہ اپنے بیٹے کو دیکھیں تو اسے نہ پایا اور انہوں نے ہم سے حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے پاس نبی ﷺ تشریف لائے اور ہم آپ ﷺ کی صاحبزادی کو غسل دے رہے تھے، تو آپ نے فرمایا کہ اسے تین یا پانچ یا اگر ضرورت سمجھو تو اس سے زائد بار غسل دو، پانی اور بیری کے پتے کے ساتھ اور آخر میں کافور ملاؤ جب تم فارغ ہو جاؤ تو ہمیں اطلاع کرو۔

انہوں نے کہا کہ جب ہم فارغ ہوئے تو ہماری طرف اپنا ازار پھینک دیا اور فرمایا کہ اس کو اس کے جسم سے ملا دو اور اس سے زیادہ نہیں فرمایا اور مجھے یاد نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کون سی صاحبزادی تھیں اور کہا کہ اشعار سے مراد اس کو لپیٹ دینا ہے اسی طرح ابن سیرین عورتوں کو حکم دیتے تھے کہ کپڑے میں لپیٹ دی جائے

اور نہ بندش باندھا جائے۔

الففنها ۔ معنی ہے لپیٹ دینا۔

(۱۶) باب : يجعل شعر المرأة ثلاثة قرون

عورت کے بالوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جائے

۱۲۶۲ ـ حدثنا قبيصة : حدثنا سفيان ، عن هشام ، عن أم الهذيل ، عن أم عطية رضي الله عنها قالت : ضفرنا شعر بنت النبي ﷺ تعني : ثلاثة قرون . وقال وكيع : قال : سفيان : ناصيتها وقرنيها . [راجع : ۱۶۷]

ترجمہ: ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ہم نے نبی ﷺ کی صاحبزادی کے بالوں کو گوندھا یعنی تین حصوں میں تقسیم کر دیا اور وکیع کا بیان ہے کہ سفیان نے کہا ہے کہ ایک حصہ پیشانی کے بالوں کا اور دو حصے دونوں طرف کے بالوں کے لئے۔

(۱۷) باب : يلقى شعر المرأة خلفها

عورتوں کے بال ان کی پیٹھ پر ڈال دیا جائے جائیں

۱۲۶۳ ـ حدثنا مسدد : حدثنا يحيى بن سعيد ، عن هشام بن حسان قال : حدثتنا حفصة ، عن أم عطية رضي الله عنها قالت : توفيت احدى بنات رسول الله ﷺ فأتانا النبي ﷺ فقال : ((اغسلنها بالسدر وتراً ثلاثاً أو خمساً أو أكثر من ذلك ان رأيتن ذلك . و اجعلن في الآخرة كافوراً أو شيئاً من كافور، فاذا فرغتن فآذنني))

فلما فرغنا آذناه فألقى الينا حقوه فضفرنا شعرها ثلاثة قرون و ألقيناها خلفها .

[راجع : ۱۶۷]

ترجمہ

ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی ﷺ کی ایک صاحبزادی وفات پا گئیں تو ہمارے پاس نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمایا کہ اس کو بیری کے پتے سے طاق بار غسل دو، تین مرتبہ ہو یا پانچ مرتبہ یا اگر ضرورت سمجھو تو اس سے زائد مرتبہ غسل اور آخری مرتبہ میں کافور ملا دو، جب تم فارغ ہو جاؤ تو مجھے خبر کرو۔

فلما فرغنا آذناه فألقى الينا حقوه فضفرنا شعرها ثلاثة قرون وألقيناها خلفها

جب ہم لوگ فارغ ہوگئے تو آپ ﷺ کو اطلاع دی گئی، آپ ﷺ نے ہم لوگوں کو اپنا تہ بند دیا ہم نے ان کے سر کے بالوں کو گوندھ کر تین حصے کئے اور ان کی پیٹھ کی طرف ڈال دیا۔

تشریح

اس حدیث کی بنا پر بعض صحابہ اور تابعین اس کے قائل رہے ہیں کہ میت کو غسل دینے پر غاسل پر غسل واجب ہوتا ہے۔ حضرت علی ﷺ اور حضرت ابو ہریرہ ﷺ کا یہی مسلک ہے۔ [۱۳]

لیکن علامہ خطابی رحمہ اللہ نے فقہاء کا قول نقل کیا ہے کہ غسل میت سے غسل واجب نہیں ہوتا اور نہ حمل جنازہ سے وضو واجب ہوتا ہے۔ [۱۴]

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے امام احمد، امام اسحاق اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کا مسلک **وضــو مــن غسل الميت** کا بیان کیا ہے۔ [۱۵]

حنفیہ کے نزدیک اختلاف سے بچنے کے لئے غسل من غسل المیت مندوب بیان کیا ہے۔ [۱۶]

غاسل پر غسل کا حکم میں حکمت یہ ہے:

---

[۱۳] واستدل بعضهم بهذا الحديث على عدم وجوب الغسل على غاسل الميت لانه موضع تعليم ، ولم يأمر به ، ورد بانه يحتمل أن يكون شرع ذلک بعد هذه القضية . وفي هذه المسألة خالف ، فعن علي وابي هريرة انهما قالا : ((من غسل ميتاً فليغتسل)) ، عمدة القاری ، ج : ٦ ، ص : ٦٢ .

[۱۴] قلت لا اعلم احداً من الفقهاء يوجب الاغتسال من غسل الميت ولا الوضوء من حمله ، ويشبه ان يكون الأمر في ذلک على الاستحباب ، وقد يحتمل أن يكون المعنى فيه ان غاسل الميت لايكاد يأمن أن يصيبه نضح من رشاش المغسول وربما كان على بدن الميت نجاسة فاذا أصابه نضحه وهو لا يعلم مكانه كان عليه غسل جميع البدن ليكون الماء قد اتى على الموضوع الذى أصابه النجس من بدنه . وقد قيل معنى قوله فليتوضأ اى ليكن على وضوء ليتهيأ له الصلاة على الميت و الله أعلم ، معالم السنن للخطابى ، باب في الغسل من غسل الميت ، ج : ١ ، ص : ٢٩٧ ، مطبع دار الكتب العلمية ، بيروت ، لبنان ١٤١١ هـ .

[۱۵] قال العينى في العمدة : وقال النخعي واحمد واسحاق : يتوضأ . عمدة القارى ، ج : ٦ ، ص : ٧٦ .

[۱۶] قوله أو غسل ميتاً للخروج من الخلاف كما في الفتح . حاشية ابن عابدين ، كتاب الطهارة ، مطلب يوم عرفة افضل من يوم الجمعة ، ج : ١ ، ص : ١٦٠ ، دار الفكر ، بيروت ، ١٣٨٦ هـ .

یہ کہ میت کی تنظیف اور اس کے غسل میں مبالغہ مقصود ہے۔ اس لئے کہ غاسل کو جب یہ معلوم ہوگا کہ خود اُسے غسل فارغ ہو کر غسل کرنا ہے تو وہ میت کو نہلانے میں چھینٹے وغیرہ سے بچنے کی فکر نہ کرے گا بلکہ میت کی تنظیف میں اہتمام کرے گا۔ [۱۷]

دوسرے یہ کہ غاسل کو چھینٹے وغیرہ لگ جائے تو شبہ اور وہم سے بچانا مقصود ہے۔ اس لئے کہ جب غاسل میت کو غسل دینے کے بعد خود غسل کرے گا تو اس کو اپنی پاکی اور طہارت کے بارے میں پورا یقین اور اطمینان ہوگا۔ اس لئے میت کی تنظیف میں کوشش کرے گا۔ [۱۸]

(۱۸) باب الثیاب البیض للکفن

کفن کے لئے سفید کپڑوں کا بیان

۱۲۶۴ ۔ حدثنا محمد بن مقاتل قال : أخبرنا عبدالله : أخبرنا هشام بن عروة، عن أبيه ، عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت :أن رسول الله ﷺ كفن في ثلاثة أثواب يمانية بيض سحولية من كرسف،ليس فيهن قميص ولا عمامة۔ [أنظر: ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۸۷]۔ [۱۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سوت کے بنے ہوئے سحولی (کوئی ایک جگہ کا نام) تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا ان میں نہ ہی تو قمیص تھی اور نہ عمامہ تھا۔

[۱۷، ۱۸] والحكمة تعلق بالميت ، لان الغاسل اذا علم انه سيغتسل لم يتحفظ من شيء يصيبه من اثر الغسل فيبالغ في تنظيف الميت وهو مطمئن ، ويحتمل ان يتعلق بالغاسل ليكون عند فراغه على يقين من طهارة جسده مما لعله ان يكون اصابه من رشاش ونحوه انتهى ، فتح الباری، ج: ۳، ص: ۱۳۴، ۱۳۵ .

[۱۹] وفي صحيح مسلم ، كتاب الجنائز ، باب في كفن الميت ، رقم : ۱۵۶۵ ، وسنن الترمذي ، كتاب الجنائز عن رسول الله ، باب ماجاء في كفن النبي ﷺ ، رقم : ۹۱۷ ، وسنن النسائي ، كتاب الجنائز ، باب كفن النبي ﷺ ، رقم: ۱۸۷۱ ، وسنن أبي داؤد، كتاب الجنائز ، باب في الكفن، رقم : ۲۷۳۰ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب ماجاء في الجنائز ، باب ماجاء في كفن النبي ﷺ، رقم : ۱۴۵۸ ، ومسند أحمد باقي مسند الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۲۹۹۴ ، ۲۳۳۸۴ ، ۲۳۷۲۴ ، ۲۳۸۵۶ ، ۲۴۱۵۹ ، ۲۴۳۲۳ ، ۲۴۳۹۹ ، ۲۴۶۱۲ ، ۲۴۷۵۹ ، ۲۵۰۷۳ ، وموطا مالک ، كتاب الجنائز ، باب ماجاء في كفن الميت ، رقم : ۴۶۷ .

حدیث کی تشریح

کفن میں قمیص ہے یا نہیں

تین کپڑوں کی تعیین میں اختلاف

آپ ﷺ کو تین یمانی کپڑوں کا کفن دیا گیا، جو سفید تھے اور کُرسف یعنی روئی کے تھے، "**لیس فیها قمیص ولا عمامة**" ان میں قمیص اور عمامہ داخل نہیں تھا۔

حنفیہ وشوافع کا مسلک

یہ مسئلہ بہت شد و مد سے بیان کیا جاتا ہے کہ حنفیہ کے ہاں قمیص ہے، شافعیہ کے ہاں قمیص نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وہ تین کپڑے تین لفافے ہیں، جب کہ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک وہ تین کپڑے یہ ہیں: لفافہ، ازار اور قمیص۔

تو تین عدد تو متعین ہیں لیکن ان تین کپڑوں کی تعیین میں شافعیہ اور حنفیہ کا اختلاف ہے۔ [20]

شافعیہ کا استدلال

شافعیہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ تین کپڑوں میں کفن دیا گیا ان میں قمیص نہیں ہے، کیونکہ اس میں قمیص کی صراحۃً نفی کی گئی ہے۔

شافعیہ کا ایک استدلال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہے جو سنن ابن ماجہ میں ہے:

---

[20] احتج اصحابنا أن في كفن السنة في حق الرجل ثلاثة اثواب ، لكن قولهم في الكتب : ازار وقميص ولفافة يمنع الاستدلال به ، فيكون حجة عليهم في عدم القميص . والشافعي أخذ بظاهره واحتج به على ان الميت يكفن في ثلاث لفائف وبه قال أحمد ، ولكن الذي يتم به استدلال أصحابنا فيما ذهبوا اليه بحديث جابر بن سمرة ، فانه قال : ((كفن رسول الله ﷺ في ثلاثة اثواب : قميص وازار ولفافة)) . رواه ابن عدي في (الكامل) وفيه ترك العمامة . وفي (المبسوط) : وكره بعض مشائخنا العمامة لانه يصير شفعاً ، واستحسنه بعض المشايخ لما روي عن ابن عمر رضي الله عنهما ، انه : كفن ابنه واقداً في خمسة أثواب : قميص وعمامة وثلاث لفائف ، وأدار العمامة الي تحت حنكه ، رواه سعيد بن منصور . كذا ذكره العلامة بدر الدين العيني رحمه الله في عمدة القاري ، ج: ٦، ص: ٦٨ .

كفن رسول الله ﷺ في ثلاث رياط بيض سحو لية. اس میں لفظ ریاط آیا ہے جس کے معنی ایک پاٹ کی چادر ہے۔ [۲۱]

حنفیہ کا استدلال

حنفیہ معروف حدیث پیش کرتے ہیں کہ "**الميت يقمص**" میت کو قمیص پہنائی جائے اور آگے حدیث آرہی ہے کہ عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو حضور اکرم ﷺ نے اپنی قمیص دی جو اس کو پہنائی گئی۔

حنفیہ کی طرف سے عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ جہاں قمیص کی نفی وارد ہوئی ہے وہاں دخریص اور کمین والی قمیص مراد ہے اور جہاں اثبات ہے وہاں وہ قمیص مراد ہے جس کی آستینیں اور کلیاں نہ ہوں، نفی دخریص اور کمین والی قمیص کی ہے اور اثبات بغیر دخریص اور کمین والی قمیص کا ہے۔

حنفیہ کا ایک استدلال حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ کے اثر سے ہے جو موطأ امام مالک میں آیا ہے:

عن عبدالله بن عمرو بن العاص انه
قال الميت يقمص و يؤزر و يلف في
الثوب الثالث فان لم يكن الا ثوب
واحد كفن فيه. [۲۲]

اشکال

اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ عبداللہ بن ابی کا واقعہ اس کی تردید کرتا ہے کیونکہ عبداللہ بن ابی کو حضور اقدس ﷺ نے جو قمیص دی تھی وہ دخریص اور کمین والی تھی۔

حضرت گنگوہیؒ کا جواب

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اصل حکم یہ تھا کہ آستینوں اور کلیوں والی قمیص باقاعدہ پہنائی جائے لیکن چونکہ میت کو آستینوں اور کلیوں کی حاجت نہیں ہوتی، اس واسطے اس میں بغیر آستین کی بھی اجازت ہوگی۔

---

[۲۱] سنن ابن ماجه، كتاب ماجاء في الجنائز، باب ماجاء في كفن النبي ﷺ، رقم: ۱۴۵۹۔

[۲۲] موطا مالک، كتاب الجنائز، باب ماجاء في كفن الميت، رقم: ۴۶۹۔

لہٰذا آج کل قمیص پہنانے کا معمول ہے اس میں آستین اور کلیاں نہیں ہوتی اس لئے کہ میت کو اس کی حاجت نہیں ہوتی اور اس میں قمیص کی سنت ادا ہو جاتی ہے، لہٰذا اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو لفظی سا اختلاف رہ گیا ہے۔

آستینوں والی قمیص حنفیہ بھی نہیں پہناتے۔

شافعیہ اس کو لفافہ کہتے ہیں۔

حنفیہ اس کو قمیص کہتے ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ ناموں کے اندر زیادہ اختلاف مت کرو، چاہے اس کا نام لفافہ رکھ دو، چاہے قمیص رکھ دو، چاہے ازار رکھ دو، تمہیں پتہ ہے کہ قمیص اور ازار ایک جیسی ہوتی ہیں یا نہیں، چادریں ہوتی ہیں، انہی میں لپیٹ دیتے ہیں ایک کو ازار، ایک کو قمیص اور ایک کو لفافہ کہتے ہیں اور چاہیں تو تینوں کو لفافہ کہہ دیں۔

تو حنفیہ اور شافعیہ کے درمیان درحقیقت عملاً کوئی خاص فرق نہیں ہے، لہٰذا اس میں زیادہ چوں و چرا اور زیادہ لمبی چوڑی بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مالکیہ کا مسلک

امام مالکؒ رحمہ اللہ کے ہاں مرد کے لئے پانچ کپڑے اور عورت کے حق میں سات کپڑے مذکور ہیں۔

چنانچہ ان کے نزدیک مرد کے لئے تین لفافے، ایک قمیص اور ایک عمامہ پر مشتمل ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث ہے **"لیس فیها قمیص و لا عمامة"** اس کا معنی وہ یہ قرار دیتے ہیں کہ جو تین کپڑے ہیں ان میں قمیص اور عمامہ شامل نہیں، بلکہ عمامہ ان کے علاوہ تھا لیکن دوسری روایات سے اس کی تائید نہیں ہوتی، ایسا لگتا ہے شاید مدینہ منورہ میں عمامہ کا تعامل ہو۔

چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ بعض صحابۂ کرام ﷺ نے اپنے احباب کو عمامہ پہنایا اس لئے امام مالکؒ نے اس تعامل کو اختیار کرتے ہوئے یہ فرمایا، ورنہ روایات سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ [۲۳]

(۱۹) باب الکفن فی ثوبین

دو کپڑوں میں کفن کا بیان

۱۲۶۵ ۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد، عن أیوب، عن سعید بن جبیر، عن ابن

---

[۲۳] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: عمدة القاری: ذکر الاختلاف فی عدد کفن و فی صفته، ج: ۶، ص: ۶۷۔

عباس رضي الله عنهما قال: بينما رجل واقف بعرفة إذ وقع عن راحلته فوقصته أو قال: فأوقصته. قال: النبي ﷺ: ((اغسلوه بماء وسدر وكفنوه في ثوبين ولا تحنطوه ولا تخمروا رأسه، فإنه يبعث يوم القيامة ملبياً)). [أنظر: ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۸۳۹، ۱۸۴۹، ۱۸۵۰، ۱۸۵۱] ۲۳

"فإنه يبعث يوم القيامة ملبياً".

''کیونکہ قیامت کے دن یہ تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھایا جائے گا''۔

امام شافعیؒ کا مسلک واستدلال

اس سے امام شافعی رحمہ اللہ استدلال فرماتے ہیں کہ اگر حالت احرام میں کسی کا انتقال ہو جائے تو اس پر احرام کی تمام پابندیاں بدستور لاگو رہیں گی، لہذا نہ اس کو خوشبو لگائی جائے گی، نہ اس کو زیادہ کپڑا پہنایا جائے گا، نہ اس کا سر ڈھکا جائے گا۔

محرم میت کے احکام

روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص عرفہ میں ٹھہرا ہوا تھا وہ اپنی سواری سے گر گیا **"فوقصته، أو قال فأوقصته"** تو اونٹنی نے اس کی گردن توڑ دی۔

قال النبي ﷺ: "اغسلوه بماء وسدر" آپ ﷺ نے فرمایا اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو **"وكفنوه في ثوبين"** اور دو ہی کپڑوں میں کفن دو، وہی احرام والے کپڑے **"ولا تحنطوه"** اور ان پر حنوط کی خوشبو نہ لگانا **"ولا تخمروا رأسه"** اور ان کے سر پر خمار نہ لگانا، یعنی سر مت ڈھکنا **"فإنه يبعث يوم القيامة ملبياً".**

---

۲۳ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب مايفعل بالمحرم اذا مات، رقم: ۲۰۹۲، وسنن الترمذي، كتاب الحج عن رسول الله، باب ماجاء في المحرم يموت في احرامه، رقم: ۸۶۳، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب كيف يكفن المحرم اذا مات، رقم: ۱۸۷۸، وكتاب مناسك الحج، باب في كم يكفن المحرم اذا مات، رقم: ۲۸۰۵، وسنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب المحرم يموت كيف يصنع به، رقم: ۲۸۱۹، وسنن ابن ماجة، كتاب المناسك، باب المحرم يموت، رقم: ۳۰۷۵، ومسند أحمد، ومن مسند بني هاشم، باب بداية مسند عبدالله بن العباس، رقم: ۱۷۵۳، ۱۸۱۵، ۲۲۷۲، ۲۳۶۰، ۲۸۷۳، ۲۹۱۲، ۳۰۶۱، وسنن الدارمي، كتاب المناسك، باب في المحرم اذا مات مايصنع به، رقم: ۱۷۶۹.

امام احمد، امام اسحاق اور ظاہریہ کا بھی یہی قول ہے کہ مرنے کے بعد بھی محرم احرام باقی رہتا ہے۔ [۲۵]

حنفیہ کا مسلک و استدلال

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک موت سے احرام منقطع ہوجاتا ہے، اس لئے احرام کی حالت میں مرجائے تو اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا جو حلال کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

استدلال

حنفیہ کا استدلال حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے: **"إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث"** تو مرتے ہی اس کے اعمال ختم ہوجاتے ہیں، لہٰذا احرام کی حالت بھی ختم ہوگئی۔ [۲۶]

دوسرا استدلال

حنفیہ کا دوسرا استدلال مؤطا امام محمدؒ اور مؤطا امام مالکؒ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے واقعہ سے ہے۔ وہ ایک مرتبہ حج اور عمرہ کے لئے جارہے تھے کہ راستہ میں ان کے بیٹے کا انتقال ہوگیا، انہوں نے بیٹے کو غسل اور کفن دلایا اور فرمایا **"لو لا أنا حرم لطیّبناه"** اگر ہم حالت احرام میں نہ ہوتے تو ان کو خوشبو لگاتے۔

مطلب یہ ہے کہ خوشبو لگانے سے صرف اپنا احرام مانع ہے نہ کہ میت کا احرام۔ اس سے معلوم ہوا کہ میت کا احرام موت سے ختم ہوجاتا ہے۔ [۲۷]

---

[۲۵] احتج به الشافعی وأحمد واسحاق وأهل الظاهر فی أن المحرم علی احرامه بعد الموت، لهذا یحرم ستر رأسه وتطییبه، وهو قول عثمان وعلی وابن عباس وعطاء والثوری، عمدة القاری، ج: ۶، ص: ۷۰.

[۲۶] عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاث صدقة جاریة و علم ینتفع به وولد صالح یدعوله، سنن الترمذی، کتاب الاحکام عن رسول الله، باب فی الوقف، رقم: ۱۲۹۸، و صحیح مسلم، کتاب الوصیة، رقم: ۳۰۸۴.

[۲۷] ان عبدالله بن عمر کفن ابنه واقد بن عبدالله و مات بالجحفة محرما و خمر رأسه و وجهه و قال لولا انا حرم لطیبناه قال مالک و انما یعمل الرجل مادام حیا فاذا مات فقد انقضی العمل، کتاب الحج، باب ۲، تخمیر المحرم و جهه، رقم: ۷۱۶، دار احیاء التراث العربی، مصر، والحجة للشیبانی، ج: ۱، ص: ۳۵۳، دار النشر عالم الکتب، بیروت، ۱۴۰۳ھ

تیسرا استدلال

ان حضرات کا تیسرا استدلال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے ہے جو سنن دار قطنی میں آئی ہے **" قال : قال رسول اللہ ﷺ خمروا وجوہ موتاکم ولا تشبھوا بالیھود "** .[۲۸]

حدیث باب کی توجیہ

حنفیہ حدیث باب **"یبعث یوم القیامۃ ملبیا"** کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ اس صحابیؓ کی خصوصیت ہے۔ حضور اقدس ﷺ کو ان کے بارے میں معلوم تھا کہ وہ قیامت کے دن اس طرح اٹھائے جائیں گے۔ تو یہ کوئی عام اصول نہیں بلکہ ان کی خصوصیت تھی اس لئے ان کیلئے یہ پابندیاں برقرار رکھیں۔

(۲۰) باب الحنوط للمیت

میت کے لئے خوشبو کا بیان

۱۲۶۶ - حدثنا قتیبۃ : حدثنا حماد ، عن ایوب ، عن سعید ابن جبیر ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال : بینما رجل واقف مع رسول اللہ ﷺ بعرفۃ اذا وقع من راحلتہ فاقصتہ۔ فقال رسول اللہ ﷺ : ((اغسلوا بماء وسدر ، وکفنوہ فی ثوبین ، ولا تحنطوہ ولا تخمروا راسہ فا ن اللہ یبعثہ یوم القیامۃ ملبیاً ۔ [۲۹]

---

[۲۸] سنن الدار قطنی ، کتاب الحج ، باب المواقیت ، رقم : ۲۷۳ ، ج : ۲ ، ص : ۲۹۷ ، دار المعرفۃ ، بیروت ، ۱۳۸۶ ھ۔

[۲۹] وفی صحیح مسلم ، کتاب الحج ، باب مایفعل بالمحرم اذا مات ، رقم : ۲۰۹۲ ، وسنن الترمذی ، کتاب الحج عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی المحرم یموت فی احرامہ ، رقم : ۸۷۳ ، وسنن النسائی ، کتاب الجنائز ، باب کیف یکفن المحرم اذا مات ، رقم : ۱۸۷۸ ، وکتاب مناسک الحج ، باب کم یکفن المحرم اذا مات ، رقم : ۲۸۰۵ ، وسنن ابی داؤد ، کتاب الجنائز ، باب المحرم یموت کیف یضنع بی ، رقم : ۲۸۱۹ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب المناسک ، باب المحرم یموت ، رقم : ۳۰۷۵ ، ومسند احمد ، ومن مسند بنی ھاشم ، باب بدایۃ مسند عبداللہ بن العباس ، رقم : ۱۷۵۳ ، ۱۸۱۵ ، ۲۴۷۴ ، ۲۳۶۰ ، ۲۸۷۳ ، ۲۹۱۶ ، ۳۰۶۱ ، وسنن الدارمی ، کتاب المناسک ، باب فی المحرم اذا مات مایصنع بہ ، رقم : ۱۷۷۹ ۔

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ ایک شخص کو اس کے اونٹ نے کچل دیا اس حال میں کہ وہ محرم تھا اور ہم لوگ نبی ﷺ کے ساتھ تھے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور اس کو دو کپڑوں میں کفن دو۔

ولا تحنطوه ولا تخمروا راسه فان اللّٰہ یبعثه یوم القیامة ملبیاً

نہ اس کو خوشبو لگاؤ اور نہ اس کے سر کو ڈھانپو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن لبیک کہتا ہوا اٹھائے گا۔

(۲۱) باب: کیف یکفن المحرم

محرم کو کس طرح کفن دیا جائے

۱۲۶۷۔ حدثنا ابو النعمان: اخبرنا ابو عوانه، عن ابی بشر، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما: ان رجلاً وقصه بعیره ونحن مع رسول اللّٰه ﷺ وهو محرم فقال النبی ﷺ: ((اغسلوه بماء وسدر وکفنوه فی ثوبین ولا تمسوه طیباً ولا تخمروا راسه فان اللّٰه یبعثه یوم القیامة ملبیاً)).

۱۲۶۸۔ حدثنا مسدد: حدثنا حماد بن زید عن عمرو، وأیوب، عن سعیدبن جبیر، عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما، قال: کان رجل واقفا مع النبي ﷺ بعرفة فوقع عن راحلته. قال أیوب: فوقصته، وقال عمرو: فأقصعته، فمات فقال: ((اغسلوه بماء وسدر، وکفنوه في ثوبین، ولا تحنطوه ولا تخمروا راسه، فإنه یبعث یوم القیامة ملبیًا)). قال أیوب: ((یلبي)). وقال عمرو: ((ملبّیا)).

ولا تمسوه طیباً ولا تخمروا رأسه فان اللّٰه یبعثه یوم القیامة ملبیاً

نہ اس کو خوشبو ملو اور نہ اس کے سر کو ڈھانپو، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن احرام کی حالت میں اٹھائے گا۔

ولا تحنطوه ولا تخمروا راسه، فإنه یبعث یوم القیامة ملبیًا

اور نہ اسے خوشبو لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانپو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اسے اٹھائے گا اس حال میں کہ لبیک کہتا ہوگا۔

(۲۲) باب الكفن في القميص الذي يكف أو لا يكف

سلے ہوئے یا بغیر سلے ہوئے کرتے میں کفن دینے کا بیان

ایسی قمیص کا کفن دینا جو سلی ہوئی ہو یا سلی ہوئی نہ ہو، دونوں جائز ہیں۔

۱۲۶۹ ـ حدثنا مسدد قال: حدثنا يحي بن سعيد، عن عبيدالله قال: حدثني نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن عبدالله بن أبي لما توفي جاء ابنه إلى النبي ﷺ فقال: أعطني قميصك أكفنه فيه، وصل عليه واستغفر له. فأعطاه النبي ﷺ قميصه فقال: ((آذني أصلي عليه)) فآذنه. فلما أراد أن يصلي عليه جذبه عمر رضي الله عنه فقال: أليس الله نهاك أن تصلي على المنافقين؟ فقال: ((أنا بين خيرتين.

قال الله تعالى: ﴿اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ﴾

فصلى عليه فنزلت ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا﴾. [أنظر: ۴۶۷۰، ۴۶۷۲، ۵۷۹۶] ۳۰

عبداللہ بن ابی کا کفن و جنازہ اور موافقات عمر رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن ابی جو منافق تھا جب اس کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا جو کہ سچا مسلمان تھا وہ حضور اقدس ﷺ کے پاس آیا اور آ کر عرض کیا کہ آپ اپنی قمیص مجھے عنایت فرما دیجئے تا کہ میں عبداللہ بن ابی کو کفن دوں **"وصل عليه"** اور آپ اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائے، **"واستغفر له"** اور اس کیلئے استغفار بھی کیجئے۔

آپ ﷺ نے قمیص دے دی اور فرمایا **"آذني أصلي عليه"** جب نماز کا وقت آ جائے تو مجھے

---

۳۰ وفي صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر، رقم: ۴۴۱۳، وكتاب صفات المنافقين وأحكامها، رقم: ۴۹۷۸، وسنن الترمذي، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله، باب ومن سورة التوبة، رقم: ۳۰۲۳، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب القميص في الكفن، رقم: ۱۸۷۴، وسنن ابن ماجة، كتاب ماجاء في الجنائز، باب في الصلاة على اهل القبلة، رقم: ۱۵۱۲، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۴۵۱.

بتانا میں آکر نماز پڑھوں گا "**فآذنہ**" انہوں نے آکر بتایا۔

جب حضور اقدس ﷺ نے نماز پڑھنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمرؓ نے کھینچ لیا "**فقال: الیس اللہ نھاک أن تصلّی علی المنافقین؟**" کیا اللہ تعالیٰ منافقین کے لئے دُعا کرنے سے آپ کو منع نہیں کیا؟

فقال: انا بین خیرتین" حضور ﷺ نے فرمایا مجھے دو اختیار دے گئے ہیں "**استغفر لھم أو لاتستغفرلھم إن تستغفر لھم سبعین مرّۃ فلن یغفر اللہ لھم**"

"**فصلّی علیہ**" آپ ﷺ نے نماز پڑھی، پھر یہ آیت نازل ہوئی" **ولاتصل علی أحد منھم مات ابدًا**" یہ موافقات عمرؓ میں سے ہے، جنازہ کے بارے میں حکم آگیا۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ [۳۱]

ترجمہ: تو ان کے لئے بخشش مانگ یا نہ مانگ اگر ان کے لئے ستر بار بخشش مانگے تو بھی ہرگز نہ بخشے گا ان کو اللہ۔ [۳۲]

---

[۳۱] [التوبۃ: ۸۰]

[۳۲] یعنی منافقین کے لئے آپ کتنی ہی مرتبہ استغفار کیجئے ان کے حق میں بالکل بیکار اور بے فائدہ ہے، خدا ان بدبخت کافروں اور نافرمانوں کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ مدینہ منورہ میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا۔ آپ نے قمیص مبارک کفن میں دیا، لعاب مبارک اس کے منہ میں ڈالا، نماز جنازہ پڑھی اور دعائے مغفرت کی، حضرت عمرؓ اس معاملے میں آڑے آتے تھے اور کہتے تھے یا رسول اللہ! یہ وہی خبیث تو ہے جس نے فلاں فلاں وقت ایسی ایسی نالائق حرکات کیں، ہمیشہ کفر ونفاق کا علم بردار رہا، کیا حق تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا " **استغفر لھم او لا تستغفر لھم ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم**" آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر! مجھ کو استغفار سے منع نہیں کیا گیا، بلکہ آزاد رکھا گیا ہے کہ استغفار کروں یا نہ کروں، یہ خدا کا فعل ہے کہ ان کو معاف نہ کرے۔ کہ ان کے حق میں میرا استغفار نافع نہ ہو (سو ان کے حق میں نہ سہی ممکن ہے کہ دوسروں کے حق میں میرا یہ طرزِ عمل نافع ہو جائے دوسرے لوگ سب سے بڑے موذی دشمن کے حق میں نبی کے اس وسعت اخلاق اور وفور رحمت وشفقت کو دیکھ کر اسلام وپیغمبر اسلام کے گرویدہ ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا) صحیح بخاری کی ایک روایت میں آپ نے فرمایا کہ اگر میں جانتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے اس کی مغفرت ہو سکتی ہے تو میں ستر مرتبہ سے زائد استغفار کرتا، گویا اس جملہ حضور ﷺ نے متنبہ فرمادیا کہ حضرت عمرؓ کی طرح آپ بھی اس کے حق میں استغفار کو غیر مفید فرما رہے تھے، فرق اس قدر ہے کہ حضرت عمرؓ کی نظر میں بغض فی اللہ کے جوش میں صرف اسی نقطہ پر مقصور تھی اور نبی کریم ﷺ میت کے فائدے سے قطع نظر فرما کر عام پیغمبرانہ شفقت کا اظہار اور احیاء کے فائدے کا خیال فرما رہے تھے۔

لیکن آخر کار وحی الٰہی (جاری ہے ....

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا
تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ ؂۴۳

ترجمہ: اور نماز نہ پڑھ ان میں سے کسی پر جو مر جائے
اور کبھی نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر ؂۴۴

عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھنے کی توجیہات

آپ ﷺ جانتے تھے کہ عبداللہ بن ابی اتنا بڑا منافق ہے پھر بھی آپ ﷺ نے اپنی قمیص کیوں عطا فرمائی؟ اس کی مختلف توجیہات ہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے ان کے بیٹے کی تالیف قلب مقصود تھی جو پکے اور صحیح مسلمان تھے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ آپ نے عبداللہ بن ابی کے احسان کا بدلہ دیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ بدر میں قید ہو کر آئے تھے تو ان کے پاس قمیص نہیں تھی، عبداللہ بن ابی نے حضور ﷺ کے چچا کو اپنی قمیص دی تھی، آپ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ اس کا احسان باقی نہ رہے، کم از کم دوسری قمیص اس کو دے دی جائے۔ ؂۴۵

گذشتہ سے پیوستہ)

" ولا تصل علی احد منهم مات ابداً ولا تقم علی قبره " نے صریح طور پر منافقین کا جنازہ پڑھنے یا ان کے اہتمام دفن و کفن وغیرہ میں حصہ لینے کی ممانعت کردی، کیونکہ اس طرز عمل سے منافقین کی ہمت افزائی اور مؤمنین کی دل شکستگی کا احتمال تھا، اس وقت سے حضور ﷺ نے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔ ف سورۃ التوبہ: ۸۰، تفسیر عثمانی، فائدہ: ۳، ص: ۲۶۴۔

؂۴۳ ؂۴۴ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے واقعے کے بعد نازل ہوئی، جیسا کہ چند آیات پہلے ہم مفصل بیان کر چکے ہیں اس آیت کے نزول کے بعد منافقین کا جنازہ پڑھنا قطعاً ممنوع ہوگیا، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ احتیاطاً ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھتے تھے جس کی نماز میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ شریک نہ ہوں، کیونکہ ان کو آنحضرت ﷺ نے بہت سے منافقین کا نام بنام علم کرا دیا تھا۔ اسی لئے ان کا لقب "صاحب سر رسول ﷺ ہوا"۔ سورۃ التوبہ: ۸۴، تفسیر عثمانی، فائدہ: ۳، ص: ۲۶۵۔

؂۴۵ أنه ﷺ قال: ان قميصي لن يغني عنه شيئاً من الله، اني اومل من ابيه أن يدخل في الاسلام بهذا السبب، فروي انه اسلم من الخزرج الف لما رواه يطلب الاستشفاء بثوب رسول الله ﷺ والصلاة عليه، وقال اكثرهم: انما البسه قميصه مكافاة لما صنع في الباس العباس عم النبي ﷺ قميصه يوم بدر، وكان العباس طويلاً فلم يأت عليه الا قميص ابن ابي، عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۷۵۔

بعض نے کہا کہ روایات میں آتا ہے خود عبداللہ بن ابی نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو تم مجھے حضور اقدس ﷺ کی قمیص میں کفن دینا اور کوشش کرنا کہ میری جنازہ آپ ﷺ پڑھائیں، یعنی خود یہ وصیت کی تھی اور کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آخر وقت میں ایمان کی توفیق دے دی ہو جس کا لوگوں کو پتہ نہیں چل سکا اور حضور ﷺ کو اس کا اندازہ ہو گیا ہو جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے قمیص بھی دے دی اور جنازہ بھی پڑھا دی، کیونکہ اندرونی کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو پتہ نہیں۔

اگر یہ آیت کریمہ اس سیاق میں نازل ہوئی ہے تو پھر یہ تاویل ضعیف ہو جاتی ہے کیونکہ **"لاتصل علی احد منهم مات"** عبداللہ بن ابی ہی کے بارے میں آئی ہے اس لئے یہ کہنا کہ آخری وقت میں ایمان لے آیا تھا، بعید لگتا ہے۔

مجھے اس کی ایک اور حکمت سمجھ آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی شان اقدس تو ہماری عقول سے بالاتر ہے، آپ نے فاروق اعظم کے روکنے پر اسی کو ارشاد فرمایا کہ اے عمر! مجھ کو استغفار سے منع نہیں کیا گیا، بلکہ آزاد رکھا گیا ہے اور اس میں شاید یہ حکمت ہو کہ لوگوں کو یہ بات بتادی جائے کہ تبرکات ایک حد تک ہی فائدہ مند ہوتے ہیں اور اس کیلئے شرط اول ایمان اور بنیادی طور پر عمل صالح ہے، اگر کسی کے پاس یہ بنیادی شرط موجود نہیں، ایمان بھی نہیں، عمل صالح بھی نہیں تو چاہے سر سے لے کر پاؤں تک اس کا سارا کفن تبرکات ہی تبرکات کا ہو، تب بھی اس کو فائدہ نہیں ہوگا۔

ایک آدمی مؤمن ہے اور بحیثیت مجموعی اس کے اعمال بہتر ہیں، کبھی کبھی غیر اختیاری طور پر کچھ گناہ سرزد ہو جاتے ہیں تو ایسے شخص کو شاید تبرکات سے فائدہ پہنچے اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے گناہوں کو معاف کردے، یہ بھی یقینی نہیں، محض احتمال ہے، لیکن کوئی شخص یہ سمجھے کہ میں ساری عمر گناہ کرتا رہوں، اگر قبر میں ایک تبرک رکھ دیا تو بخشش ہو جائے گی، یہ خیال بالکل فاسد اور غلط ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے اس عمل کے ذریعہ سے امت کے سامنے یہ بات بھی واضح کردی کہ تبرکات سے فائدہ پہنچنے کی ایک حد ہے اور وہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ مشروط ہے۔ ورنہ کفر یا نفاق کی حالت میں کسی کا انتقال ہو جائے تو حضور اقدس ﷺ کی قمیص سے بڑھ کر اور زیادہ تبرک کیا ہوگا لیکن وہ بھی اس کو فائدہ نہیں پہنچا سکا، لہٰذا تبرکات پر بھروسہ کئے بیٹھنا اور اعمال سے غافل ہو جانا، یہ غلط بات ہے۔

بعد میں ایک روایت نظر سے گذری جس سے بحمد اللہ اس توجیہ کی تائید ہوئی۔ یہ روایت مولانا سہارنپوری رحمہ اللہ نے بخاری شریف کی کتاب التفسیر کے حاشیہ پر امام بغویؒ کے حوالے سے مرفوعاً ذکر کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **"ومایغنی عند قمیصی من اللہ، وانی أرجوا ان یسلم بذلک الف من**

قومه أنا بين خيرتين" ۳۶؎

اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس سے مذکورہ توجیہ کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا مقصد یہ بھی تھا کہ عبداللہ بن ابی کی قوم کے لوگ آپ ﷺ کے اس حسن سلوک کو دیکھ کر اسلام لے آئیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس کی قوم پر بہت سے لوگ بعد میں مسلمان ہوئے۔

۱۲۷۰ ۔ حدثنا مالک بن اسماعيل : حدثنا ابن عيينة ، عن عمرو : سمع جابراً رضي الله عنه قال : أتى النبي ﷺ عبدالله بن ابي بعد ما دفن فاخرجه فنفث فيه من ريقه وألبسه قميصه . [انظر : ۱۳۵۰، ۳۰۰۸، ۵۷۹۵]

(۲۳) باب الكفن بغير قميص

بغیر قمیص کے کفن دینے کا بیان

۱۲۷۱ ۔ حدثنا أبو نعيم : حدثنا سفيان ، عن هشام ، عن عروة ، عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت : كفن النبي ﷺ في ثلاثة أثواب سحول كرسف ، ليس فيها قميص ولا عمامة . [راجع : ۱۲۶۴]

۱۲۷۲ ۔ حدثنا مسدد : حدثنا يحيى ، عن هشام : حدثني أبي ، عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها : أن رسول الله ﷺ كفن في ثلاثة أثواب ليس فيها قميص ولا عمامة [راجع: ۱۲۶۴]

ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ حضور اکرم ﷺ کو سوت کے بنے ہوئے تین سحولی کپڑوں میں کفن دیا گیا، اس میں نہ ہی تو قمیص تھی اور نہ عمامہ تھا۔

(۲۴) باب في الكفن بلا عمامة

بغیر عمامہ کے کفن کا بیان

۱۲۷۳ ۔ حدثنا اسماعيل قال : حدثني مالک ، عن هشام بن عروة ، عن أبيه ،

۳۶؎ فتح الباري ، ج : ۸ ، ص : ۳۳۶ ، و تحفة الأحوذي ، ج : ۸ ، ص : ۳۹۸ ، وعمدة القاري ، ج : ۶ ، ص : ۷۵ .

عن عائشة رضي الله عنها : أن رسول الله ﷺ كفن في ثلاثة أثواب بيض سحولية ليس فيها قميص ولا عمامة .

اس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ کو تین سفید سحولی کپڑوں میں دفن کیا گیا جس میں نہ کرتا تھا نہ عمامہ تھا۔

(۲۵) باب : الكفن من جميع المال

تمام مال سے کفن دینے کا بیان

یہ باب قائم فرمایا ہے کہ کفن کے اخراجات میت کے پورے مال سے ہوں گے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس کے اندر پہلے وصیت وغیرہ جاری ہو بلکہ سب سے پہلا حق کفن کا ہے۔

وبه قال عطاء والزهري وعمرو بن دينار وقتادة. وقال عمرو بن دينار: الحنوط من جميع المال. وقال إبراهيم: يبدأ بالكفن، ثم بالدين، ثم بالوصية. وقال سفيان: أجر القبر والغسل هو من الكفن.

الحنوط من جميع المال

عمرو بن دینار نے کہا حنوط تمام مال سے دیا جائے گا جب کہ اتنا ہی مال ہو، معلوم ہوا کہ حنوط کا خرچہ بھی اسی میں داخل ہے۔

وقال إبراهيم: يبدأ بالكفن، ثم بالدين، ثم بالوصية،،

ابراہیم نے کہا کہ پہلے کفن دیا جائے پھر دین اس کے بعد وصیت جاری کی جائے۔

وقال سفيان: أجر القبر والغسل هو من الكفن

سفیان نے کہا کہ قبر کی اجرت اور غسل کی اجرت کفن ہی میں شامل ہے۔

دفن، کفن اور ترکہ سے متعلق حقوق

میت کے ترکہ سے درج ذیل چار حقوق متعلق ہوتے ہیں، جو اسی ترتیب سے ادا کئے جاتے ہیں۔

(۱) تجہیز

سب سے پہلے میت کو دفن تک تمام ضروری مراحل پر ہونے والے اخراجات اس کے ترکے سے نکالے جاسکتے ہیں ۔ مثلاً کفن، غسال کی اجرت، قبر کی کھدائی کی اجرت اور قبرستان میں جگہ نہ ملنے کی صورت میں

بضرورت قبر کے لئے جگہ خریدنا وغیرہ، یہ سب امور تجہیز میں داخل ہیں، لوگوں کے بنائے ہوئے مصنوعی امور جو شرعاً ثابت نہیں مثلاً امام کے لئے جاء نماز وغیرہ یہ تجہیز میں داخل نہیں تجہیز کے اخراجات متوسط نکالے جائیں گے نہ فضول خرچی ہو نہ بے جا بخل ہو۔

(۲) قضاء الدیون

اگر میت کے ذمہ کسی انسان کا قرض ہو تو تجہیز کے اخراجات نکالنے کے بعد بچے ہوئے مال سے وہ ادا کیا جائے گا، خواہ قرض ادا کرنے کے لئے سارا بقیہ ترکہ ختم ہو جائے۔

(۳) تنفیذ وصایا

میت نے کسی غیر وارث کے حق میں جائز وصیت کی ہو تو دیکھا جائے کہ تجہیز کے اخراجات نکالنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد بچے ہوئے ترکے کی ایک تہائی تک ہے یا اس سے زیادہ؟

اگر ایک تہائی کی حد تک ہو تو نافذ کرنا ضروری ہے۔ اگر ایک تہائی سے زیادہ ہو تو ایک تہائی تک نافذ کرنا ضروری ہے، اس سے زیادہ نافذ کرنا ورثہ پر ضروری نہیں ہے، وارث کے لئے وصیت یا کسی ناجائز کام کی وصیت نافذ کرنا جائز نہیں، یاد رہے کہ یہاں کل ترکے کا تہائی مراد نہیں، تجہیز و تکفین اور قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو ترکہ بچے اس کا تیسرا حصہ مراد ہے۔

(۴) تقسیم میراث

مذکورہ بالا تین حقوق "حقوق متقدمہ علی الارث" کہلاتے ہیں۔ ان تین حقوق کی ادائیگی کے بعد باقی مال ورثہ میں تقسیم کیا جائے گا۔

۱۲۷۴ ـ حدثنا أحمد بن محمد المكي: حدثنا إبراهيم بن سعد، عن سعد، عن أبيه قال: أتي عبدالرحمن بن عوف رضي الله عنه يوما بطعامه فقال: قتل مصعب بن عمير وكان خيراً مني فلم يوجد له مايكفن فيه إلا بردة. وقتل حمزة أو رجل آخر خير مني، فلم يوجد له مايكفن فيه إلا برده. لقد خشيت أن تكون قد عجلت لنا طيبا تنا في حياتنا الدنيا، ثم جعل يبكي. [أنظر: ۱۲۷۵، ۴۰۴۵] ۳۷

---

۳۷ انفرد به البخاري.

کفن کفایہ

فرماتے ہیں وہ وقت بھی تھا جب حضرت مصعب بن عمیر ﷛ اور حضرت حمزہ ﷛ کے کفن کیلئے ایک ہی چادر ملی، سر ڈھکتے تو پاؤں کھل جاتے، پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا تھا۔

کہتے ہیں کہ جب گھر میں اس کو یاد کیا تو فرمایا **"لقد خشیت ان تکون قد عجلت لنا طیباتنا فی حیاتنا الدنیا"** مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں ساری طیبات دنیا میں جلدی عطا کردی گئی ہوں اور آخرت میں ہمارا کچھ حصہ نہ ہو **"ثم جعل یبکی"**۔

بہر حال اس میں کفن کفایت کا بیان ہے کہ اگر اور نہ ہو تو ایک چادر میں بھی کفن ہو جاتا ہے۔

(۲۶) باب: اذا لم یوجد الا ثوب واحد

جب ایک کپڑے کے سوا اور کوئی کپڑا نہ ملے

۱۲۷۵ ۔ حدثنا محمد بن مقاتل : أخبرنا عبداللہ : أخبرنا شعبۃ ، عن سعد بن ابراھیم عن أبیہ ابراھیم ، أن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ أتی بطعام وکان صائماً فقال : قتل مصعب بن عمیر وکان خیراً منی ، کفن فی بردہ ، ان غطی رأسہ بدت رجلاہ ، وان غطی رجلاہ بدأ رأسہ وأراہ قال : وقتل حمزۃ وھو خیر منی ثم بسط لنا من الدنیا مابسط أوقال : أعطینا من الدنیا ما أعطینا وقد خشینا أن تکون حسناتنا عجلت لنا . ثم جعل یبکی حتی ترک الطعام . [راجع: ۱۲۷۴]

(۲۷) باب إذا لم یجد کفنا إلا مایواری رأسہ أو قدمیہ غطی بہ رأسہ

جب صرف ایسا کفن نہ ملے جس سے سر یا دونوں پاؤں چھپ سکیں تو اس کا سر چھپائے

۱۲۷۶ ۔ حدثنا عمر بن حفص : حدثنا أبی : حدثنا الأعمش : حدثنا شقیق : حدثنا خباب ﷛ قال : ھاجرنا مع النبی ﷺ نلتمس وجہ اللہ ، فوقع أجرنا علی اللہ . فمنامن مات لم یأکل من أجرہ شیئاً ، منھم مصعب بن عمیر ، ومنا من أینعت لہ ثمرتہ فھو یھدبھا قتل یوم أحد فلم نجد ما نکفنہ بہ إلا بردۃ إذا غطینا بھا رأسہ خرجت رجلاہ ، وإذا غطینا رجلیہ

خرج رأسه فأمرنا النبي ﷺ أن نغطي رأسه، وأن نجعل على رجليه من الإذخر .[انظر: ۳۸۹۷، ۳۹۱۳، ۳۹۱۴، ۴۰۴۷، ۴۰۸۲، ۶۴۳۲، ۶۴۴۸] ۳۸

حضرت خباب ؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف اللہ کی رضا کی خاطر ہجرت کی "**فوقع أجرنا على الله**" ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، "**فمنا من مات لم يأكل من أجره شيئاً**" ہم میں سے بعض وہ ہیں جو دنیا سے اس حالت میں چلے گئے کہ ان کو دنیا میں اس کا کوئی بدلہ نہیں ملا "**منهم مصعب بن عمير**"

ومنا من أينعت له ثمرته فهو يهدبها" اور ہم میں سے بعض وہ ہیں جن کا ثمر دنیا میں پک گیا ہے اور وہ مٹھیاں بھر بھر کر اس کو استعمال کر رہے ہیں۔

"**يهدبها**" مٹھیاں بھر رہا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا بھی پھیلا دی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ "**قتل يوم أحد فلم نجد ما نكفنه به إلا بردة الخ**".

تشریح

غزوۂ احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے جن میں اکثر انصار تھے اور بے سروسامانی کا یہ عالم کہ کفن کی چادر بھی پوری نہ تھی۔ چنانچہ مصعب بن عمیر ؓ اور حمزہ ؓ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ کفن کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ سر اگر ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور اگر پاؤں ڈھکے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، بالآخر یہ ارشاد فرمایا کہ سر ڈھانک دو اور پیروں پر اذخر گھاس ڈال دو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ بعض کے لئے یہ بھی میسر نہ آیا تھا دو دو آدمیوں کو ایک ہی چادر میں کفن دیا گیا اور دو دو اور تین تین کو ملا کر ایک قبر میں دفن کیا گیا دفن کے وقت یہ دریافت فرماتے کہ ان میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد ہے۔ جس کی طرف اشارہ کیا جاتا اسی کو قبلہ رخ لحد میں آگے رکھتے اور یہ ارشاد فرماتے:

---

۳۸ وفي صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب في كفن الميت، رقم: ۱۵۶۲، وسنن الترمذي، كتاب المناقب عن رسول الله، باب مناقب مصعب بن عمير، رقم: ۳۷۸۸، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب القميص في الكفن، رقم: ۱۸۷۷، ومسند أحمد، أول مسند البصريين، باب حديث خباب بن الارت عن النبي ﷺ، رقم: ۲۰۱۲۰.

أنا شهيد على هولاء يوم القيامة قیامت کے دن میں ان لوگوں کے حق میں گواہی دوں گا۔ [۳۹]

(۲۸) باب من استعد الكفن في زمن النبي ﷺ فلم ينكر عليه

نبی کریم ﷺ کے زمانے میں جس نے کفن تیار رکھا تو آپ ﷺ نے اس کو برا نہیں سمجھا

۱۲۷۷ ۔ حدثنا عبد الله بن مسلمة قال: حدثنا ابن أبي حازم، عن أبيه، عن سهل رضي الله عنه: أن امرأة جاء ت النبي ﷺ ببردة منسوجة فيها حاشيتها. أتدرون ما البردة؟ قالوا: الشملة. قال: نعم. قالت: نسجتها بيدي فجئت لأكسوكها، فأخذها النبي ﷺ محتاجا إليها فخرج إلينا وإنها إزاره، فحسنها فلان فقال: اكسنيها ما أحسنها. قال القوم: ما أحسنت، لبسها النبي ﷺ محتاجا إليها ثم سألته وعلمت أنه لا يرد. قال: إني والله ما سألته لألبسها، إنما سألته لتكون كفني. قال سهل: فكانت كفنه. [انظر: ۲۰۸۱، ۵۸۱۰، ۶۰۳۶] [۴۰]

حضرت سہل ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس ایک بنی ہوئی چادر لے کر آئی جس میں حاشیہ بھی تھا۔

أتدرون ما البردة؟ کیا جانتے ہو بردہ کیا ہوتا ہے؟ کہا چادر "**قال: نعم، قالت: نسجتها بيدي**" میں نے اپنے ہاتھوں سے بنی ہے "**فجئت لأكسوكها**" یہ میں آپ کو پہنانے کیلئے لائی تھی۔

ہدیہ لینے کا ادب

"**فأخذها النبي ﷺ محتاجاً إليها**" آپ نے وہ چادر اس طرح لی جیسے آپ اس کے حاجت مند ہوں۔

---

[۳۹] و يستفاد منه انه اذا لم يوجد ساتر البتة أنه يغطى جميعه بالاذخر، فان لم يوجد فبما تيسر من نبات الارض، وسياتى فى كتاب الحج قول العباس "الا الاذخر فانه لبيوتنا وقبورنا" فكأنها كانت عادة لهم استعماله فى القبور، قال المهلب: وانما استحب لهم النبى ﷺ التكفين فى تلك الثياب التى ليست سابغة لانهم قتلوا فيها انتهى، فتح البارى، ج: ۳، ص: ۱۴۲.

[۴۰] وفى سنن النسائى، كتاب الزينة، باب لبس البرود، رقم: ۵۲۲۶، وسنن ابن ماجة، كتاب اللباس، باب لباس رسول الله، رقم: ۳۵۴۵، ومسند أحمد، باقى مسند الأنصار، باب حديث ابى مالك سهل بن سعد الساعدى، رقم: ۲۱۷۵۹.

یہ ہدیہ لینے کا ادب ہے کہ آدمی جو ہدیہ لے کر آیا ہے اس سے استغناء نہ برتا جائے بلکہ ظاہر کیا جائے کہ مجھے تو اس کی بڑی حاجت تھی، تم نے لا کر میری حاجت کو پورا کر دیا۔ اس سے اس کا دل خوش ہوگا، اگر محبت سے نہ لیا استغناء سے لیا تو اس سے اس بے چارہ کا دل ٹوٹ جائے گا، آنحضرت ﷺ جب ہدیہ قبول فرماتے تو دلداری فرمایا کرتے تھے۔

"خرج إلينا وإنها إزاره" آپ ﷺ ایک دن تشریف لائے آپ نے وہی ازار پہن رکھی تھی **"فحسنها فلان"** فلاں شخص نے اس کی تعریف کی اور یہ کہا **"اکسنیها ما احسنها"** یا رسول اللہ! یہ مجھے پہنا دیجئے، یہ کتنی اچھی ہے **"قال القوم: ما احسنت"** لوگوں نے کہا تم نے اچھا نہیں کیا؟ بڑی غلطی کی **"لبسها النبي ﷺ محتاجا إليها ثم سألته وعلمت انه لا يرد"** تمہیں پتہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے جب کوئی چیز مانگی جاتی ہے تو آپ کبھی رد نہیں فرماتے، تمہیں ضرورت نہیں تھی اور تم نے مانگ لیا۔

قال: اس نے کہا **"إني واللہ ما سألته لألبسها، إنما سألته لتكون كفني"** میں نے اس کو پہننے کیلئے نہیں مانگی میں نے اس لئے مانگی تھی کہ اس کو حفاظت سے رکھوں گا تا کہ اس میں میرا کفن ہو، یعنی حضور اقدس ﷺ کے پہنے ہوئے لباس میں میرا کفن ہو۔

قال سهل: "فكانت كفنه" معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ﷺ حضور اقدس ﷺ کے پہنے ہوئے کپڑوں کو کفن بنانے کا اہتمام بھی فرماتے تھے۔

(۲۹) باب اتباع النساء الجنازة

عورتوں کا جنازہ کے پیچھے جانے کا بیان

۱۲۷۸۔ حدثنا قبيصة بن عقبة: حدثنا سفيان، عن خالد الحذاء عن أم الهذيل، عن أم عطية رضي الله عنها قالت: نهينا عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا .[راجع: ۳۱۳]

ترجمہ

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں جنازہ کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا **"ولم يعزم علينا"** لیکن بہت سختی بھی نہیں کی گئی یعنی نبی کریم ﷺ نے ہمیں تو حکم دیا لیکن ایسی سختی بھی نہیں کی گئی جیسی سختی اور محرمات شرعیہ پر کی جاتی ہے۔

عورتوں کا قبرستان جانا

نبی کریم ﷺ نے ابتداء اسلام میں زیارت قبور سے منع فرمایا دیا تھا لیکن بعد میں زیارت قبور کی اجازت دیدی گئی۔

حضرت سلیمان بن بریدہؓ کی روایت جس میں ممانعت کے بعد "**فزوروھا**" (امر کا صیغہ) زیارت کا حکم دیا گیا جو مردوں اور عورتوں سب کو شامل ہے اس لئے کہ عورتیں تمام احکام میں مردوں تابع ہوتی ہیں۔

جمہور کے نزدیک مردوں کے لئے زیارت قبور مسنون اور مستحب ہے واجب نہیں، البتہ عورتوں کے لئے زیارت قبور مکروہ ہے۔ [۴۱]

حنفیہ کا اس بارے میں دو روایات ہیں:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے عدم جواز کا ہے جس میں لفظ "**لعن زوارت القبور**" آیا ہے۔ [۴۲]

دوسری روایتوں سے زیارت قبور عورتوں کے لئے بغیر کراہت سے جائز ہے۔ [۴۳]

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں جو کہا کرتا ہوں مراتب احکام، مراتب احکام، کہ احکام کے اندر بھی مراتب ہوتے ہیں یعنی فقہاء نے جو بیان کئے ہیں حرام، مکروہ تحریمی وغیرہ وہ تو ہیں ہی لیکن پھر حکم کے اندر درجات ہوتے ہیں، مکروہ تحریمی کے اندر درجات ہوسکتے ہیں، تو یہ خاتون بتا رہی ہیں کہ منع تو کیا لیکن اتنی سختی نہیں کی۔ [۴۴]

---

[۴۱] المجموع شرح المهذب، ج: ۵، ص: ۳۱۱ و ۳۰۹، المغنی لابن قدامة، ج: ۲، ص: ۵۷۰.

[۴۲] "عن ابی هریرة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن زوارات القبور" ابن ماجه، باب ماجاء فی النهی عن زيارة النساء القبور، ص: ۱۱۳.

[۴۳] لاباس بزيارة القبور و هو قول ابی حنيفة رحمه الله وظاهر قول محمد رحمه الله يقتضی الجواز للنساء أيضاً لانه لم يخص الرجال وفی الاشربة واختلف مشايخ رحمهم الله فی زيارة القبور للنساء قال شمس الأئمة السرخسی رحمه الله الأصح انه لاباس بها وفی التهذيب يستحب زيارة القبور و كيفية الزيارة كزيارة ذلك الميت فی حياته من القرب والبعد كذا فی خزانة الفتاوی، الفتاوی العالمگيرية المعروفة بالفتاوی الهندية، كتاب الكراهية، الباب السادس عشر فی زيارة القبور وقراءة القرآن فی المقابر، ج: ۵، ص: ۳۵۰، والمبسوط للسرخسی، ج: ۲۴، ص: ۱۰.

[۴۴] واختلف فی النساء فقيل: دخلن فی عموم الاذن وهو قول الاكثر، ومحله ما اذا امنت الفتنة. ويؤيد الجواز حديث الباب، وموضع الدلالة منه انه ﷺ لم ينكر علی المرأة قعودها عند القبر، وتقريره حجة، كذا ذكر الحافظ رحمه الله فی الفتح، ج: ۳، ص: ۱۴۸.

عورتوں کا قبرستان جانے کا مسئلہ بھی اسی میں داخل ہے کہ فی نفسہ عورتوں کا قبرستان جانا ثابت اور جائز ہے لیکن جہاں فتنہ کا اندیشہ ہو اور جزع فزع بہت ہو، وہاں روک دینا مناسب ہے، لیکن منع بھی ایسا نہ ہو کہ سختی اور تشدد تک پہنچ جائیں بلکہ جس درجہ کی جو بات ہے اسی درجہ اس پر عمل کیا جائے، اس لئے کہ احوال کے اختلاف سے حکم بدل جائے گا، چونکہ مردوں سے اختلاط یا کسی قسم کی بدعات کے ارتکاب اور فتنہ کا اندیشہ ہو تو ممانعت راجح ہے اور اگر ایسا اندیشہ نہ ہو تو فی نفسہ جائز ہے۔ [۴۵]

(۳۰) باب احداد المرأة على غير زوجها

عورت کا شوہر کے علاوہ کسی اور پر سوگ کرنے کا بیان

۱۲۷۹ ۔ حدثنا مسدد : حدثنا بشر بن المفضل : حدثنا سلمة بن علقمة ، عن محمد بن سيرين قال : توفي ابن لام عطية رضي الله تعالىٰ عنها فلما كان يوم الثالث دعت بصفرة فتمسحت به و قالت : نهينا ان نحد اكثر من ثلاث الا بزوج .

[راجع : ۳۱۳]

ترجمہ

ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا ایک لڑکا وفات پا گیا جب تیسرا دن آیا تو زردی منگوائی اور اس کو بدن پر ملا اور کہا کہ ہم لوگوں کو شوہر کے علاوہ کسی اور پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے کا منع کیا گیا ہے۔

۱۲۸۰ ۔ حدثنا الحميدي : حدثنا سفيان قال : حدثنا أيوب بن موسى قال : أخبرني حميد بن نافع ، عن زينب بنت أبي سلمة قالت : لما جاء نعي أبي سفيان من الشام دعت أم حبيبة رضي الله عنها بصفرة في اليوم الثالث ، فمسحت عارضيها وذراعيها وقالت : اني كنت عن هذا الغنية لولا أني سمعت النبي ﷺ يقول : ((لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر ان تحد على ميت فوق ثلاث الا على زوج فانها تحد عليه أربعة أشهر

---

[۴۵] وحاصل الكلام من هذا كله ان زيارة القبور مكروهة للنساء ، بل حرام في هذا زمان ، ولاسيما نساء مصر لأن خروجهن على وجه فيه الفساد والفتنة ، وانما رخصت الزيارة لتذكر امر الآخرة وللاعتبار بمن مضى وللتزهد في الدنيا ، كذا ذكر العلامة بدر الدين العيني رحمه الله في العمدة ، ج: ٦، ص: ٩٦.

وعشراً)) . [انظر: ۱۲۸۱، ۵۳۳۴، ۵۳۳۹، ۵۳۴۵] ۴۶

متوفی عنہا زوجہا کی عدت

فمسحت عارضیها وذراعیها وقالت : انی کنت عن هذا الغنیة

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے تیسرے دن زردی منگوائی اور اس کو اپنے رخسار اور اپنے ہاتھوں میں ملا اور بیان کیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی اگر میں نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنتی کہ اللہ تعالی اور قیامت کے دن ایمان رکھنے والی کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ سوائے شوہر کے کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے صرف شوہر کے مرنے پر چار مہینے دس دن سوگ کرے گی۔

۱۲۸۱ ۔ حدثنا اسماعیل : حدثنی مالک ، عن عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم ، عن حمید بن نافع ، عن زینب بنت أبی سلمة ، أخبرته قالت : دخلت علی أم حبیبة زوج النبی ﷺ فقالت : سمعت النبی ﷺ یقول : ((لایحل لامرأة تؤ من باللہ و الیوم الآخر تحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوج أربعة أشهر وعشراً)).[راجع: ۱۲۸۰]

۱۲۸۲ ۔ ثم دخلت علی زینب بنت جحش حین توفی اخوها فدعت بطیب فمست به ثم قالت: مالی بالطیب من حاجة غیر انی سمعت رسول اللہ ﷺ علی المنبر یقول : ((لایحل لامرأة تؤ من باللہ والیوم الآخر تحد علی میت فوق ثلاث الا علی زوج أربعة أشهر وعشراً)). [انظر : ۵۳۳۵]

ان دونوں حدیث میں بھی متوفی عنہا زوجہا کی سوگ کی عدت چار مہینے دس دن کا ذکر ہے۔

---

۴۶ وفی صحیح مسلم ، کتاب الطلاق ، باب وجوب الاحداد فی عدة الوفاة وتحریمه فی غیر ذلک ، رقم : ۲۷۳۰ ، سنن الترمذی ، کتاب الطلاق واللعان عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی عدة المتوفی عنها زوجها ، رقم : ۱۱۱۶ ، وسنن النسائی ، کتاب الطلاق ، باب عدة المتوفی عنها زوجها ، رقم : ۳۴۴۳ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الطلاق ، باب احداد المتوفی عنها زوجها ، رقم : ۱۹۵۴ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب الطلاق ، باب کراهیة الزینة للمتوفی عنها زوجها ، رقم : ۲۰۷۵ ، ومسند احمد ، باقی مسند الانصار ، باب حدیث ام حبیبة بنت ابی سفیان ، رقم : ۲۵۵۳۰ ، ۲۵۵۴۱ ، وموطأ مالک ، کتاب الطلاق ، باب ماجاء فی الاحداد ، رقم : ۱۰۹۷ ، وسنن الدارمی ، کتاب الطلاق ، باب فی الاحداد المرأة علی الزوج ، رقم : ۲۱۸۳ .

(۳۱) باب زیارة القبور

قبروں کی زیارت کا بیان

۱۲۸۳ - حدثنا آدم: حدثنا شعبة: حدثنا ثابت عن انس بن مالک رضي الله عنه قال: مر النبي ﷺ بامرأة تبكي عند قبر، فقال: ((اتقي الله واصبري))، قالت: إليك عني، فإنك لم تصب بمصيبتي، ولم تعرفه. فقيل لها: إنه النبي ﷺ. فأتت باب النبي ﷺ فلم تجد عنده بوابين. فقالت: لم أعرفك. فقال: ((إنما الصبر عند الصدمة الأولى)). [راجع: ۱۲۵۲]

ترجمہ: انس بن مالک ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک عورت کے پاس سے گذرے جو قبر کے پاس رو رہی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور صبر کرو عورت نے کہا کہ دور ہو جا، آپ کو وہ مصیبت نہیں پہنچی جو مجھے پہنچی ہے ورنہ آپ اس مصیبت کو جانتے ہیں اس کو آپ کو پہچانا نہیں۔

اس سے کہا گیا کہ وہ تو نبی کریم ﷺ تھے تو وہ نبی کریم ﷺ کے دروازے کے پاس آئی اور وہاں دربان نہ پائے اور عرض کیا کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا آپ ﷺ نے فرمایا "**انما الصبر عند الصدمة الاولیٰ**" کہ صبر ابتدا صدمہ کے وقت ہوتا ہے۔

یہ واقعہ ہے جس میں آپ ﷺ نے عورت سے کہا کہ صبر کرو، یہ نہیں فرمایا کہ قبر پر کیوں آئیں اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا قبر پر جانا منع نہیں۔

(۳۲) باب قول النبي ﷺ: (يعذب الميت ببعض بكاء أهله عليه)

إذا كان النوح من سنته

نبی کریم ﷺ کا فرمان کہ میت کو اسے گھر والوں کے رونے کے سبب سے عذاب دیا جاتا ہے جب کہ نوحہ کرنا اس کی عادت میں سے ہو

لقول الله تعالیٰ: ﴿ قُوْا اَنْفُسَكُم وَ اَهْلِيْكُمْ نَاراً ﴾ [التحريم: ۶] وقال النبي ﷺ: (كلكم راع ومسؤل عن رعيته). فإذا لم يكن من سنته فهو كما قالت

عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: ﴿وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرَىٰ﴾ [الأنعام: ۱۶۴] وهو كقوله: ﴿وَ إِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ﴾ ذنوباً ﴿إِلَى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ﴾ [فاطر: ۱۸] وما يرخص من البكاء في غير نوح. وقال النبي ﷺ (لا تقتل نفس ظلما إلا كان على ابن آدم الأول كفل من دمها). و ذالک لأنه أول من سن القتل.

بکاء اہل خانہ میت اور میت کو عذاب

میت کے گھر والے میت کو روئیں تو میت کو عذاب ہوتا ہے یا نہیں؟

اس میں بھرپور اختلاف ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "یعذب المیت ببعض بکاء أهله علیه" اگر گھر والے روئیں تو میت کو عذاب ہوتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر گھر والے روئیں تو میت کو عذاب نہیں ہوتا۔ حضرت عمرؓ کا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں آیا ہے کہ میت کے اوپر رونے سے اس کو عذاب ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا استدلال قرآن کریم کی آیت "لا تزر وازرة و زر اخریٰ" سے ہے۔ علماء وفقہاء نے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مسلک زیادہ واضح ہے اور قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہے۔ وہ روایت جن سے معلوم ہوتا ہے کہ "یعذب المیت بعض بکاء اهله علیه" ان کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔

ایک توجیہ یہ کی گئی ہے کہ یہ اس صورت پر محمول ہے کہ میت اپنی زندگی میں لوگوں کو یہ کہہ کر مر گیا ہو کہ میرے مرنے کے بعد خوب زور زور سے میرے اوپر رونا اور نوحہ کرنا، جیسے طرفہ شاعر نے کیا تھا۔

وان مِتُّ فانعيني بما انا اهله

وَشُقّي علَى الجيب يا ابنةَ معبد [۲۷]

ترجمہ: اگر میری موت واقع ہو جائے تو اے معبد کی بیٹی! میری موت کی خبر اس طریقہ سے سنانا جس میں سزاوار ہوں اور میرے لئے گریبان چاک کرنا۔

یہ اہل جاہلیت کا طرز تھا کہ وہ باقاعدہ وصیتیں کرتے تھے۔ اگر کسی نے ایسا کیا ہو تو اس پر رونے کی وجہ

---

[۲۷] السبع المعلقات، المعلقة الثانية، ص: ۱۳۶، میر محمد کتب خانہ کراچی۔

سے اس کو عذاب ہوگا اور وہ اس کے اپنے عمل کی وجہ سے ہوگا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ میت کو عذاب ہونے کا یہ مطلب ہے کہ عذاب تو اس کو اپنے اعمال کی وجہ سے ہو رہا ہوتا ہے اور اس سے اس کو اور زیادہ صدمہ پہنچتا ہے کہ وہاں مجھے یہ کہا جا رہا ہے اور یہاں پٹائی ہو رہی ہے۔

تیسرا جواب امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمۃ الباب میں دے رہے ہیں کہ **"اذا کان النوح من سنته"** جب نوحہ خود اس کی اپنی زندگی کا حصہ رہا ہو، وہ اپنے عزیز و اقارب کا مرنے کے بعد نوحہ کیا کرتا تھا تو اس کو دیکھ کر اس کے گھر والے بھی نوحہ کریں گے، تو اس کو اس وجہ سے عذاب ہوگا کہ اس نے اپنے گھر والوں کو نوحہ کا راستہ بتایا، **لقول اللہ تعالیٰ: "قوا انفسکم واھلیکم نارا"** اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اپنے گھر والوں کو بھی آگ سے بچاؤ اور اپنے آپ کو بھی آگ سے بچاؤ، لہٰذا میت کا زندگی میں گھر والوں کے سامنے نوحہ کرنا سبب بنا گھر والوں کے نوحہ کرنے کا، اس واسطے اس کو عذاب ہوگا۔ [۴۸]

"وقال النبی ﷺ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته"

لہٰذا راعی ہونے کی وجہ سے گھر والوں کی صحیح تربیت کرتا اور ان کو غلط راستہ نہ دکھاتا، **"فاذا لم یکن من سنته فهو کما قالت عائشة رضی اللہ عنها ولا تزر وازرة وزر اخری"** تو حضرت عائشہؓ کے قول کے مطابق اس کو عذاب نہیں ہوگا۔

وهو کقوله: "وإن تدع مثقلة ذنوباً إلى حملها لا يحمل منه شيءٌ وما يرخص من البكاء في غير نوح" اسی ترجمۃ الباب سے یہ بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ بکاء جائز ہے اگر نوحہ نہ ہو، جیسا کہ پہلے گزرا کہ بکاء غیر اختیاری ہے اور نوحہ اختیاری ہے۔

رو رہے ہیں اور مقصود دوسروں کو رُلانا ہے کہ؎

اب روؤ مؤمنو کہ بکاء کا مقام ہے۔

شیعوں کی مجلس میں یہی ہوتا ہے کہ اچھے خاصے لوگ ہنس رہے ہوتے ہیں، مذاق کر رہے ہوتے ہیں، اور یہ شعر پڑھا جاتا ہے؎

اب روؤ مؤمنو کہ بکاء کا مقام ہے۔

ایک لمحہ میں بین شروع ہو جاتا ہے، تو یہ سب بناوٹی ہے اور دکھلاوا ہے، اس سے منع کیا گیا۔

---

[۴۸] ولهذا قال عبد الله بن المبارك: اذا كان ينهاهم في حياته ففعلوا شيئاً من ذلك بعد وفاته لم يكن عليه شيء، عمدة القاری، ج: ۶، ص: ۹۷.

وقال النبي ﷺ (لا تقتل نفس ظلما إلا كان على ابن آدم الأول كفل من دمها)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب بھی کوئی آدمی ظلماً قتل کیا جاتا ہے تو سب سے پہلے اس کے خون کے گناہ کا حصہ آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل کو پہنچتا ہے "وذالک لأنه أول من سن القتل" کیونکہ قتل نفس سب سے پہلے اس نے جاری کیا، اس سے پہلے کوئی قتل نہیں کرتا تھا، اس نے ساری دنیا کو قتل کا راستہ بتایا اس لئے آنے والوں میں سے جتنے بھی قتل کرنے والے ہیں ان کے گناہ کا کچھ حصہ اس کو بھی ملے گا۔ اسی طرح اگر کسی نے اپنے گھر والوں کو نوحہ کا راستہ دکھایا تو ان کے نوحہ کا گناہ اس کو بھی ملے گا۔ [۴۹] [۵۰]

۱۲۸۴ ۔ حدثنا عبدان ومحمد قالا: أخبرنا عبدالله: أخبرنا عاصم بن سليمان، عن أبي عثمان قال: حدثني أسامة بن زيد رضي الله عنهما قال: أرسلت بنت النبي ﷺ إليه: إن ابنا لي قبض فائتنا. فأرسل يقرئ السلام ويقول: (إن لله ما أخذ وله ما أعطى وكل عنده بأجل مسمى، فلتصبر ولتحتسب. فأرسلت إليه تقسم عليه ليأتينها. فقام ومعه سعد بن عبادة ومعاذ بن جبل وأبي بن كعب وزيد بن ثابت ورجال، فرفع إلى رسول الله ﷺ الصبي ونفسه تتقعقع، قال: حسبت أنه قال: كأنها شن ففاضت عيناه، فقال سعد: يا رسول الله ما هذا؟ فقال: (هذه رحمة جعلها الله في قلوب عباده، وإنما يرحم الله من عباده الرحماء). [انظر: ۵۶۵۵، ۶۶۰۲، ۶۶۵۵، ۷۳۷۷، ۷۴۴۸] [۵۱]

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی صاحبزادی یعنی حضرت زینب رضی

---

[۴۹] اول روئے زمین پر یہ گناہ یہی ہوا کہ قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔ اس کے بعد رسم پڑ گئی اسی سبب سے توریت میں اس طرح فرمایا کہ "ایک کو مارا جیسے سب کو مارا" یعنی ایک کے ناحق خون کرنے سے دوسرے بھی اس جرم میں دلیر ہوتے ہیں، تو اس حیثیت سے جو شخص ایک کو قتل کر کے بدامنی کی جڑ قائم کرتا ہے گویا وہ سب انسانوں کے قتل اور عام بدامنی کا دروازہ کھول رہا ہے اور جو کسی ایک کو زندہ کرتا یعنی کسی ظالم قاتل کے ہاتھ سے بچاتا ہے گویا وہ اپنے عمل سے سارے انسانوں کے بچانے اور مامون کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔ تفسیر عثمانی، سورۃ المائدہ، آیت: ۳۲، فائدہ: ۳۔

[۵۰] ((ابن آدم الاول)) ۔ المراد به قابيل الذي قتل اخاه شقيقه هابيل ظلماً وحسداً، ((بانه)) ۔ اى بسبب أن ابن آدم الأول هو الذي سن سنة قتل النفس ظلماً وحسداً، عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۹۹.

[۵۱] وفي صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، رقم: ۱۵۳۱، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الامر بالاحتساب والصبر عند نزول المصيبة، رقم: ۱۸۴۵، وسنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في البكاء على الميت، رقم: ۲۷۱۸، ومسند أحمد، مسند الأنصار، باب حديث اسامة بن زيد حب رسول الله، رقم: ۲۰۷۷۷، ۲۰۷۹۰، ۲۰۸۰۰.

اللہ عنہا نے حضور اقدس ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ **"إن ابنا لي قبض فائتنا"** میرے ایک بیٹے نزع کی حالت میں ہیں آپ تشریف لائیے، عربی میں " **قبض** " کے معنی ہیں انتقال ہو گیا لیکن یہاں انتقال مراد نہیں بلکہ نزع کی حالت مراد ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو سلام کہلوایا اور پیغام بھیجا کہ **"إن الله ما أخذ وله ما أعطى وكل عنده بأجل مسمى"** تعزیت کیلئے یہ الفاظ مسنون ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی کا تھا جو کچھ اس نے دیا اور جو کچھ لیا وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا تھا اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک متعین مدت کے لئے مقرر ہے، ساتھ حضرت زینبؓ سے فرمایا **"ولتحتسب"** کہ آپ صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے اجر کی امید رکھیں۔

"فأرسلت إليه تقسم عليه ليأتينها" حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے دوبارہ پیغام بھیجا قسم کھاتے ہوئے کہ آپ ضرور تشریف لائیں۔ اس سے مراد قسم اصطلاحی نہیں کہ میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ ایسا کریں، اس لئے کوئی ..... نہیں ہوتی نہ حالف کے ذمے نہ محلوف کے ذمے، مقصد تاکید کرنا ہوتا ہے کہ میں اللہ کا واسطہ دیتی ہوں آپ آجائیں۔

"فقام ومعه سعد بن عبادة الخ" حضور اقدس ﷺ تشریف لے گئے، آپ کے ساتھ سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت ؓ اور کچھ اور حضرات بھی تھے۔

"فرفع إلى رسول الله ﷺ الصبي" بچہ آپ ﷺ کے ہاتھوں میں دے دیا گیا **"ونفسه تتقعقع"** بچہ کا سانس مختلف ہو رہا تھا، **"قال: حسبت أنه قال: كأنها شن"** راوی کہتے ہیں کہ وہ ایسا تھا جیسے مشکیزہ اوپر نیچے ہوتا ہے **"ففاضت عيناه"** نبی کریم ﷺ کی آنکھیں بھر آئیں۔

فقال سعد: یارسول الله ماهذا؟ فقال: (هذه رحمة جعلها الله في قلوب عباده، وإنما يرحم الله من عباده الرحماء

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات کی تائید مقصود ہے کہ اہل کے رونے سے میت پر عذاب نہیں ہوتا، اور رونا اگر بے اختیار ہو تو جائز ہے۔

سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بیٹی نے پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا نزع کی حالت میں ہے آپ تشریف لائیں، حضور اقدس ﷺ تو رحمۃ للعلمین ہیں، ایسے موقع پر بظاہر انکار فرمایا اور فرمایا صبر کرو، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب

بظاہر اس کی وجہ یہ تھی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم جو دوسری روایت سے معلوم ہوتی ہے کہ اس واقعہ کے بعد بھی بچہ زندہ رہا، یعنی جس وقت آپ ﷺ نے اٹھایا اس کے بعد کچھ دن زندہ رہا، تو بذریعہ وحی آپ ﷺ کو یہ معلوم

ہو گیا ہوگا کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔

لہٰذا اس وقت ایسی صورت نہیں ہے کہ میرا فوری پہنچنا ضروری ہو، اس لئے آپ ﷺ نے وقتی طور پر منع فرمادیا، ورنہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ کے مطابق بظاہر یہ بات نظر نہیں آتی کہ آپ ﷺ ایسے موقع پر عذر فرماتے اور ہوسکتا ہے کہ کوئی ایسا ضروری کام ہو جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے یہ طریقہ اختیار فرمایا ورنہ آپ ﷺ ضرور تشریف لے جاتے، چنانچہ بعد میں تشریف لے گئے۔

۱۲۸۵ ـ حدثنا عبدالله بن محمد قال: حدثنا أبو عامر قال: حدثنا فليح بن سليمان، عن هلال بن علي، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: شهدنا بنتاً للنبي ﷺ قال: ورسول الله ﷺ جالس على القبر. قال: فرأيت عينيه تدمعان. قال: فقال: ((هل منكم رجل لم يقارف الليلة؟)) فقال أبو طلحة: أنا. قال: ((فانزل))، قال: فنزل في قبرها. [أنظر: ۱۳۴۲] [۵۲]

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی صاحبزادی یعنی حضرت ام کلثومؓ کے جنازہ میں حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ قبر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں نم ہیں یعنی ان سے آنسو بہہ رہے ہیں۔

اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے آج رات "**مقارفت**" نہ کی ہو؟ حضرت ابوطلحہ ﷺ نے کہا میں ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کو تم قبر میں اتارو، چنانچہ یہ قبر میں اترے۔

بعض حضرات اور زیادہ تر شراح نے کہا ہے کہ یہ حضرت عثمان ﷺ پر تعریض ہے کیونکہ عام طور پر "**قارف یقارف**" کے معنی جماع کرنے کے آتے ہیں۔

"**قارف**" کے دو معنی ہیں جماع کرنا اور گناہ کا ارتکاب کرنا، زیادہ تر حضرات نے کہا ہے کہ یہاں پہلے معنی مراد ہیں یعنی جماع کرنا۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے جو کامل ابن عدی کی ہے اس میں "**اھل**" کے لفظ کی صراحت ہے کہ "**فقال ھل منکم احد یقارف اھلہ**" تم میں سے کون ہے جس نے آج کی رات اپنی اہلیہ سے جماع نہ کیا ہو۔ [۵۳]

---

[۵۲] وفي مسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أنس بن مالك، رقم: ۱۱۸۲۷، ۱۲۹۰۲، ۱۲۹۱۹، ۱۳۳۵۰.

[۵۳] وقد روى في معنى المقارفة معنى آخر غير مافسر فليح ((عن انس: بما ماتت رقية، قال النبي ﷺ: لايدخل القبر رجل قارف الليلة أهله، معتصر المختصر، ج: ۱، ص: ۱۱۴، وعمدة القارى، ج: ۲، ص: ۲۰۹، والمستدرک على الصحيحين، رقم: ۶۸۵۳، ج: ۴، ص: ۵۲.

اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تعریض ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے شوہر تھے، انہوں نے شاید اس رات کسی جاریہ سے استمتاع کیا تھا، آنحضرت ﷺ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ بیوی بیمار ہے اور انتقال ہونے والی ہے اور یہ خود جاریہ کے ساتھ مشغول ہیں، اگرچہ ان کے پاس عذر ہو سکتا ہے کہ بیماری طویل ہوئی اور ظاہر ہے یہ کس کو پتہ ہوگا کہ آج انتقال ہو جائیگا، لہٰذا اگر وہ جاریہ کے ساتھ مشغول ہو گئے تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں تھی لیکن آنحضرت ﷺ نے اس بات کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شایان شان نہیں سمجھا، اس واسطے تعریض فرمائی کہ وہ قبر میں اتارے جس نے آج کی رات جماع نہ کیا ہو۔ ویسے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اتارتے لیکن چونکہ وہ جماع کر چکے تھے اس لئے وہ نہیں اتار سکتے تھے، اس لئے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اترے اور انہوں نے اتارا۔

بعض حضرات نے کہا کہ خواہ مخواہ "یقارف" کے معنی جماع کے کیوں لیں، اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جس شخص نے آج کی رات گناہ نہ کیا ہو، اپنی طرف سے یہ قیاس کیوں کریں کہ حضرت عثمانؓ نے ایسا کیا تھا اس لئے آپ ﷺ نے یہ فرمایا، حدیث میں کہیں بھی صراحت نہیں ہے سوائے کامل ابن عدی کی روایت کے جس میں اہل کا لفظ آیا ہے اور کامل بن عدی کی روایات نرم گرم ہوتی ہیں۔

کامل ابن عدی حافظ ابن عدیؒ نے لکھی ہے **"الکامل فی أسماء الرجال"** اس میں انہوں نے صرف ان لوگوں کے حالات کا ذکر کیا ہے جو متکلم فیہ ہیں جن کے بارے میں کسی نہ کسی محدث نے کلام کیا ہے اور جب ان کے حالات کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے ضمن میں اس کی روایت کردہ احادیث بھی ذکر کرتے ہیں کہ اس نے یہ روایت بھی کی ہے، یہ روایت بھی کی ہے۔

تو کامل ابن عدی کی روایت ہمیشہ متکلم فیہ راوی کی ہوگی جو اس کا تفرد ہوگا، اس لئے اس کی روایات اکثر و بیشتر ضعیف ہوتی ہیں، کبھی کبھی کوئی روایت صحیح اور حسن وغیرہ بھی نکل آتی ہے، ایسا نہیں ہے کہ سب ضعیف ہوں لیکن چونکہ اصل موضوع متکلم فیہ راویوں کا ذکر ہے اس لئے اس کی روایات پر اتنا بھروسہ نہیں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں قیاس سے کوئی بات منسوب کریں۔

رہی یہ بات کہ جب آپ ﷺ نے فرمایا کون ہے جس نے گناہ نہ کیا ہو؟ تو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس واسطے پیچھے رہے کہ حضور ﷺ کے سامنے یہ کہنا آسان بات نہیں ہے کہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔

سوال: ابو طلحہ غیر محرم تھے پھر انہوں نے کیسے قبر میں اتارا؟

جواب: عام حالات میں تو حکم یہی ہے کہ کوئی محرم اتارے لیکن جب اتارا جاتا ہے تو مس نہیں ہوتا کپڑے سے اتارا جاتا ہے، اس لئے غیر محرم کے اتارنے کی بھی گنجائش ہے۔ [۵۴]

---

۵۴ (کما فی مراقی الفلاح)

۱۲۸۶ ۔ حدثنا عبدان: حدثنا عبدالله: أخبرنا ابن جريج قال: أخبرني عبدالله ابن عبيدالله بن أبي مليكة قال: توفيت بنت لعثمان ﷺ بمكة وجئنا لنشهدها وحضرها ابن عمر وابن عباس رضي الله عنهما، وإني لجالس بينهما أو قال: جلست إلى أحدهما ثم جاء الآخر فجلس إلى جنبي، فقال عبدالله بن عمر رضي الله عنهما لعمرو بن عثمان ألا تنهى عن البكاء؟ فإن رسول الله ﷺ قال: ((إن الميت ليعذب ببكاء أهله عليه)). ۵۵

حضرت ابن ابی ملیکۃ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں حضرت عثمان ﷺ کی صاحبزادی کی وفات ہوئی اور ہم ان کے جنازہ میں شرکت کیلئے آئے، وہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی موجود تھے۔

"وانی لجالس بینهما" اور میں دونوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا، یا یہ کہا کہ "جلست إلى أحدهما ثم جاء الآخر فجلس إلى جنبي".

فقال عبدالله بن عمر رضي الله عنهما لعمرو بن عثمان"

اس موقع پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عمرو بن عثمان ﷺ سے کہا "ألا تنهى عن البكاء؟

عورتیں رو رہی ہیں آپ ان کو رونے سے منع نہیں کر رہے ہیں "فإن رسول الله ﷺ قال: ان الميت ليعذب ببكاء أهله"

۱۲۸۷ ۔ فقال ابن عباس رضي الله عنهما: قد كان عمر رضي الله عنه يقول بعض ذلک ثم حدث فقال: صدرت مع عمر رضي الله عنه من مكة حتى إذا كنا بالبيداء هو بركب تحت ظل سمرة، فقال: اذهب فانظر من هؤلاء الركب. قال: فنظرت فإذا صهيب، فأخبرته فقال: ادعه لي، فرجعت إلى صهيب فقلت: ارتحل فالحق بأمير المؤمنين. فلما أصيب عمر دخل صهيب يبكي يقول: وا أخاه وا صاحباه. فقال عمر رضي الله عنه: يا صهيب، أتبكي علي وقد قال رسول الله ﷺ: ((إن الميت يعذب ببعض بكاء أهله عليه))؟ [أنظر: ۱۲۹۰، ۱۲۹۲] ۵۶

فقال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: قد كان عمر ﷺ يقول بعض ذلک ثم حدث

حضرت عمر ﷺ بھی اسی قسم کی بات کہا کرتے تھے "ثم حدث" پھر حضرت عباس ﷺ نے یہ حدیث سنائی کہ ایک مرتبہ میں حضرت عمر ﷺ کے ساتھ حج سے مکہ مکرمہ واپس آیا۔

"صدرت" کے معنی ہیں "رجعت حتى إذا كنا بالبيداء" جب ہم بیداء کے مقام پر پہنچے "إذا هو بركب تحت ظل سمرة" اچانک آپ نے قافلہ دیکھا جو ببول کے درخت کے نیچے سائے میں

بیٹھا ہوا تھا۔

فقال: مجھ سے کہا "اذهب، فانظر من هؤلاء الركب؟ جا کر دیکھو یہ قافلہ والے کون لوگ ہیں، میں نے جا کر دیکھا تو حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ تھے "فاخبرته، فقال: ادعه لي فرجعت إلى صهيب فقلت: ارتحل فالحق بامير المؤمنين" میں نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے کہا چلو امیر المؤمنین سے ملو، یہ تو ایک واقعہ ہو گیا۔

اسی سفر کے بعد جب مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں اس شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا جس میں آپ زخمی ہو گئے، اب آگے اس کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

"فلما أصيب عمر" جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخم لگا تو "دخل صهيب يبكي" حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روتے ہوئے داخل ہوئے "يقول وا أخاه وا صاحباه" کہہ رہے تھے ہائے میرا بھائی، ہائے میرا دوست، ہائے میرا ساتھی۔

فقال له عمر: ياصهيب أتبكي عليّ وقد قال رسول الله ﷺ: إن الميت يعذب ببعض بكاء أهله عليه.

۱۲۸۸ ۔ قال ابن عباس رضي الله عنهما: فلما مات عمر ذكرت ذلك لعائشة رضي الله عنها، فقالت: يرحم الله عمر، والله ماحدث رسول الله ﷺ إن الله ليعذب المؤمن ببكاء أهله عليه، ولكن رسول الله ﷺ قال: ((إن الله ليزيد الكافر عذاباً ببكاء أهله عليه)). وقالت: حسبكم القرآن ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ [الأنعام: ۱۶۴] قال ابن عباس رضي الله عنهما عند ذلك: والله هو أضحك وأبكى. قال ابن أبي مليكة: والله ماقال ابن عمر رضي الله عنهما شيئاً)). [انظر: ۱۲۸۹، ۳۹۷۸] ۵۷

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں کہ "فلما مات عمر" جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی "ذكرت ذلك لعائشة" میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ذکر کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا کہتے تھے۔

۵۵، ۵۶، ۵۷ وفي صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب، رقم: ۱۵۳۶، وسنن الترمذي، كتاب الجنائز عن رسول الله، باب، رقم: ۹۲۳، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب، رقم: ۱۸۳۵، وسنن ابن ماجه، كتاب ماجاء في الجنائز، باب، رقم: ۱۵۸۲، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب، رقم: ۲۷۳، ۳۶۳، ومسند المكثرين من الصحابة، باب، رقم: ۳۶۳۳، ۴۷۱۹، ۵۰۱۱، ۵۹۰۲.

فقالت: "یرحم اللہ عمر" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر ﷺ پر رحم کرے **"واللہ ماحدث رسول اللہ ﷺ إن اللہ لیعذب المؤمن ببکاء أھلیہ علیہ"** اللہ کی قسم حضور ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کو اس کے اہل کے رونے کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں **"ولکن رسول اللہ ﷺ قال: إن اللہ لیزید الکافر عذابا ببکاء أھلہ علیہ"** بلکہ یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کافر کے اہل کے رونے کی وجہ سے اس کے عذاب میں اضافہ فرماتے ہیں۔

ایک تو یہ معاملہ مؤمن کا نہیں بلکہ کافر کا ہے۔ دوسرا عذاب دینے کا نہیں عذاب میں زیادتی کرنے کا ہے، یعنی وہی بات ہے جو پہلے گزری کہ اہل کہہ رہے ہیں" **واجبلا واسیدا**" اور فرشتے پٹائی کرتے ہوئے کہتے ہیں **"أأنت الجبل أأنت السید"** کیا تو ہی جبل ہے؟ تو ہی سید ہے، اس سے اس کی تکلیف میں اور اضافہ ہوتا ہے۔

تو حضرت عائشہؓ نے اختلاف کیا اور فرمایا **"حسبکم القرآن، ولا تزر وازرۃ وزر اخری"** تمہارے لئے قرآن کافی ہے **"ولا تزر وازرۃ وزر اخری"**

ایک جواب تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہاں مذکور ہے اور ایک جواب آگے آرہا ہے جو انہوں نے دیا کہ اصل میں واقعہ یہ ہوا تھا حضور اقدس ﷺ ایک یہودیہ کے پاس سے گزرے جس کا انتقال ہوگیا تھا، اس کے گھر والے رو رہے تھے، آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا **"إنھم لیبکون علیھا وإنھا تعذب علی قبرھا"** یہ لوگ رو رہے ہیں اور اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما یہ سمجھے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں عذاب ان کے رونے کی وجہ سے ہو رہا ہے اور اس سے انہوں نے روایت کرلیا، لیکن حضرت عائشہؓ کی طرف سے یہ جواب کافی نہیں بنتا اس لئے **"إن المیت لیعذب ببکاء أھلہ"** کا جملہ صرف حضرت عمر ﷺ اور ابن عمرؓ سے ہی مروی نہیں بلکہ اور صحابۂ کرام ﷺ نے بھی اس کو روایت کیا ہے، اور سب سے اس طرح روایت ہو جانا بہت بعید ہے، لہٰذا جواب وہی ہے جو گزرا کہ

یہ اس پر محمول ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ یا تو اس نے نوحہ کی وصیت کی ہو یا خود دنیا میں نوحہ کرنا اس کا طریقہ رہا ہو۔ [۵۸]

۱۲۸۹۔ حدثنا عبداللہ ابن یوسف: أخبرنا مالک عن عبداللہ بن ابی بکر عن ابیہ عن عمرۃ بنت عبدالرحمن انھا اخبرتہ انھا سمعت عائشۃ رضی اللہ عنھا زوج النبی

---

[۵۸] تمام روایات کی تطبیقات اور توجیہات کے لئے دیکھئے: عمدۃ القاری، ج: ۶، ص: ۱۰۲-۱۱۱۔

ﷺ تقول : انما مر رسول الله ﷺ على يهودية يبكي عليها اهلها فقال : ((انهم يبكون عليها وانها لتعذب في قبرها)). [راجع: ۱۲۸۸]

انما مر رسول الله ﷺ على يهودية يبكي عليها اهلها فقال : ((انهم يبكون عليها وانها لتعذب في قبرها))

رسول اکرم ﷺ ایک یہودی عورت کے پاس سے گذرے اس پر اس کے گھر والے رو رہے تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں اور اس عورت کو اپنے قبر میں عذاب دی جا رہی ہے۔

(۳۳) باب مایکره من النیاحة علی المیت

میت پر نوحہ کرنے کی کراہت کا بیان

وقال عمر رضي الله عنه: دعهن يبكين على أبي سليمان مالم يكن نقع أو لقلقة. والنقع: التراب على الرأس، واللقلقة: الصوت.

اور عمر ﷺ نے فرمایا ان عورتوں کو ابوسلیمان پر رونے دو جب تک کہ نقع یا لقلقہ نہ ہو۔

والنقع: التراب على الرأس، واللقلقة: الصوت.

نقع سے مراد مٹی اور لقلقة سے مراد آواز ہے۔

نیاحہ مکروہ ہے لیکن آگے اس کی تفصیل ذکر کر دی کہ ان عورتوں کو ابوسلیمان پر رونے دو۔

ابوسلیمان حضرت خالد بن ولید ﷺ کی کنیت ہے، جب حضرت خالد بن ولید ﷺ کی وفات ہوئی تو جنازہ کے موقع پر خواتین نے رونا شروع کر دیا، کسی نے حضرت عمر ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ ان کو منع کریں، یہ رو رہی ہیں۔

اس کے جواب میں حضرت عمر ﷺ نے فرمایا ان کو ابوسلیمان خالد بن ولید ﷺ پر رونے دو "مالم يكن نقع أو لقلقة" جب تک نقع یا لقلقہ نہ ہو، یعنی اپنے چہرے یا سر پر مٹی نہ ڈالیں۔

نقع کے معنی ہیں مٹی اور لقلقہ کے معنی ہیں اونچی نیچی آواز جو بین کرنے کے اندر نوحہ کی ایک خاص لے ہے جیسے کوئی شخص گھوڑے یا اونٹنی پر سوار ہو اور وہ تیز چل رہی ہو اور اس حالت میں وہ آواز نکالے تو اس میں جو کیفیت پیدا ہوگی وہ لقلقہ ہے اور بین کے اندر عام طور پر یہی ہوتا ہے۔

تو حضرت عمر ﷺ نے عام آواز کو منع نہیں کیا بلکہ لقلقہ سے منع فرمایا کہ جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک ناجائز نہیں۔ اس کا اصول گزر چکا ہے کہ بے اختیار رونا جائز ہے خواہ آواز سے ہو یا بغیر آواز کے اس میں نوحہ

کا انداز نہیں ہونا چاہئے۔

ایک صوفی بزرگ تھے، ان کو کسی نے جا کر یہ اطلاع دی کہ آپ کے بیٹے کا انتقال ہو گیا ہے، انہوں نے کہا الحمد للہ، نہ روئے، نہ آنسو بہائے، نہ صدمہ کا اظہار کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جبکہ حضور اقدس ﷺ فرما رہے ہیں ''ان ابراهيم فقال: ان العين تدمع و القلب يحزن و لانقول الا ما يرضى ربنا و انابفراقک يا ابراهيم لمحزون'' اور رو بھی رہے ہیں۔

بظاہر دیکھنے میں ایسا لگتا ہے کہ وہ شخص صبر کے بڑے اعلیٰ مقام پر ہے کہ جو نہ صرف یہ کہ رویا نہیں بلکہ الحمد للہ کہہ رہا ہے، شکر ادا کر رہا ہے۔

حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ بھائی وہ بزرگ فرشتہ ہوں تو ہوں، آدمی نہیں تھے کیونکہ بیٹے کی وفات کی اطلاع ہو اور اس پر صدمہ نہ ہو، مسنون اور اعلیٰ مقام حضور اقدس ﷺ کا ہے کہ جو صدمہ پہنچا ہے اس پر صدمہ ہے لیکن فرما رہے ہیں اے اللہ آپ کے فیصلہ پر راضی ہیں۔

صبر کا اصل مفہوم ہی یہی ہے کہ اللہ کے فیصلے پر شکوہ نہیں، راضی ہیں، اندر صدمہ ہو رہا ہے، روئیں گے بھی، کیونکہ رونا عبدیت اور بندگی کا تقاضا ہے، اللہ کے سامنے کون بہادر بنے گا کہ ہاں جی میرے بیٹے کو اور مارو میں تو نہیں روؤں گا، یہ دعویٰ کرنا اور بہادری جتانا اچھی بات نہیں، اصل رونا ہی ہے اور یہ جانے والے کا حق ہے کہ اس پر صدمہ کا اظہار کیا جائے لیکن حدود کے اندر ہو اور جب حدود سے تجاوز ہونے لگے تو پھر گناہ ہے، لہٰذا بزرگ کا یہ عمل غلبہ حال پر محمول ہے۔

۱۲۹۱ ـ حدثنا ابو نعيم قال: حدثنا سعيد بن عبيد، علي بن ربيعة، عن المغيرة رضي الله عنه قال: سمعت النبي ﷺ يقول: ((ان كذباً عليّ ليس ككذب على احد، من كذب عليّ متعمداً فليتبوأ مقعده من النار)). سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: ((من نيح عليه يعذب بما نيح عليه)). ۵۹

ترجمہ: مغیرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا وہ جھوٹ جو مجھ پر لگایا جائے اس طرح کا نہیں ہے جو کسی اور پر لگایا جائے مجھ پر جو شخص جھوٹ لگائے یا میری طرف کوئی جھوٹ بات منسوب کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنائے۔

---

۵۹ وفي صحيح مسلم، كتاب مقدمة، باب تغليظ الكذب على رسول الله، رقم: ۵، و كتاب الجنائز، باب الميت يعذب ببكاء اهلي عليه، رقم: ۱۵۳۹، وسنن الترمذي، كتاب الجنائز عن رسول الله، باب ماجاء في كراهية النوح، رقم: ۹۲۱، ومسند أحمد، أول مسند الكوفيين، باب حديث المغيرة بن شعبة، رقم: ۱۷۴۳۸، ۱۷۴۷۸، ۱۷۵۲۷.

سمعت النبی ﷺ یقول: ((من نیح علیه یعذب بما نیح علیه))
میں نے نبی کریم ﷺ فرماتے ہوئے سنا کہ جس شخص پر نوحہ کیا جائے اس پر عذاب کیا جاتا ہے اس سبب سے کہ اس پر نوحہ کیا جاتا ہے۔

۱۲۹۲ ۔ حدثنا عبدان قال: أخبرني أبي، عن شعبة، عن قتادة، عن سعید بن المسیب، عن ابن عمر، عن أبیه، رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال: ((المیت یعذب في قبره بما نیح علیه)). تابعه عبد الأعلی: حدثنا یزید بن زریع قال: حدثنا سعید: حدثنا قتادة. وقال آدم عن شعبة: ((المیت یعذب ببکاء الحي علیه)). [راجع: ۱۲۸۷]
میت پر نوحہ کرنے کی وجہ سے عذاب ہونے کا وہی مفہوم ہے جو پیچھے بیان ہوا ہے۔

(۳۴) باب:

۱۲۹۳ ۔ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفیان: حدثنا ابن المنکدر قال: سمعت جابر بن عبدالله رضي الله عنه قال: جيء بأبي یوم أحد قد مثل به حتی وضع بین یدی رسول الله ﷺ وقد سجي ثوباً، فذهبت أرید أن أکشف عنه فنهاني قومي، ثم ذهبت أکشف عنه فنهاني قومي. فأمر رسول الله ﷺ فرفع فسمع صوت صائحة فقال: ((من هذه)) فقالوا: ابنة عمرو، أو أخت عمرو. قال: ((فلم تبکی؟)) أو: ((لا تبکی فما زالت الملائکة تظله بأجنحتها حتی رفع)). [راجع: ۱۲۴۴]

ترجمہ:

جيء بأبي یوم أحد قد مثل به حتی وضع بین یدی رسول الله ﷺ وقد سجي ثوباً
میرے والد احد کے دن لائے گئے اور ان کے ساتھ مثلہ کیا گیا تھا یہاں تک کہ رسول اکرم ﷺ کے سامنے ان کی لاش رکھی گئی ان کو ایک کپڑے سے ڈھانپ دیا گیا، میں اس ارادے سے قریب گیا کہ ان کو کھولوں تو میری قوم نے مجھے روکا پھر میں گیا تاکہ ان کے جسم سے کپڑے کو ہٹاؤں تو میری قوم نے مجھے منع کیا۔

فأمر رسول الله ﷺ فرفع فسمع صوت صائحة فقال: ((من هذه)) فقالوا: ابنة عمرو، أو أخت عمرو. قال: ((فلم تبکی؟)) أو: ((لا تبکی فما زالت الملائکة تظله بأجنحتها حتی رفع)).
رسول اکرم ﷺ نے حکم دیا تو کپڑا اٹھایا گیا آپ ﷺ نے ایک چیخنے والے کی آواز سنی تو آپ ﷺ نے

فرمایا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ عمرو کی بیٹی یا عمرو کی بہن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں روتی ہو؟ تم روؤ یا نہ روؤ فرشتے تو اس پر اپنے پروں سے سایہ کئے ہوئے تھے یہاں تک کہ اٹھا لئے گئے۔

(۳۵) باب لیس منا من شق الجیوب

وہ شخص ہم سے نہیں جو گریبان چاک کرے

۱۲۹۴ ۔ حدثنا ابو نعیم : حدثنا سفیان : حدثنا زبید الیامی ، عن ابراهیم ، عن مسروق، عن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ عنہ قال : قال النبی ﷺ : ((لیس منا من لطم الخدود وشق الجیوب ، ودعا بدعوی الجاھلیة)) . [أنظر : ۱۲۹۷ ، ۱۲۹۸ ، ۳۵۱۹] [۵۰]

ترجمہ

لیس منا من لطم الخدود وشق الجیوب ، ودعا بدعوی الجاھلیة

عبداللہ ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جس نے اپنے چہرے کو پیٹا اور گریبان کو چاک کیا اور جاہلیت کی سی پکار پکارے۔

(۳۶) باب رثاء النبی ﷺ سعد بن خولة

نبی ﷺ نے سعد بن خولہؓ کے لئے مرثیہ کہا

۱۲۹۵ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک، عن ابن شهاب، عن عامر بن سعد بن أبي وقاص، عن أبيه رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ يعودني عام حجة الوداع من وجع اشتد بي، فقلت: إني قد بلغ بي من الوجع وأنا ذو مال، ولا يرثني إلا ابنة. أفأتصدق

---

[۵۰] وفي صحيح مسلم ، كتاب الايمان ، باب تحريم ضرب الخدود وشق الجيوب والدعاء بدعوى الجاهلية ، رقم : ۱۴۸ ، وسنن الترمذي ، كتاب الجنائز عن رسول الله ، باب ماجاء في النهي عن ضرب الخدود وشق الجيوب عند المصيبة ، رقم : ۹۲۰ ، وسنن النسائي ، كتاب الجنائز ، باب دعوى الجاهلية ، رقم : ۱۸۳۲ ، وسنن ابن ماجة ، كتاب ماجاء في الجنائز ، باب ماجاء في النهي عن ضرب الخدود وشق الجيوب ، رقم : ۱۵۷۳ ، ومسند احمد ، مسند الكوفيين ، باب مسند عبدالله بن مسعود ، رقم : ۳۴۲۶ ، ۳۹۰۲ ، ۳۹۹۲ ، ۴۱۳۱ ، ۴۱۹۸ .

بثلثي مالي؟قال: ((لا)) . فقلت: بالشطر؟فقال: ((لا))، ثم قال: ((الثلث والثلث كبير أو كثير. إنك أن تذر ورثتك أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس، وإنك لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله إلا أجرت بها حتى ماتجعل في في امرأتك)). قلت: يارسول الله، أخلف بعد أصحابي؟ قال: ((إنك لن تخلف فتعمل عملاً صالحا إلاازددت به درجة ورفعة. ثم لعلك أن تخلف حتى ينتفع بك أقوام، ويضربك آخرون. اللهم امض لأصحابي هجرتهم، ولا تردهم على أعقابهم. لكن البائس سعد بن خولة)) يرثي له رسول الله ﷺ أن مات بمكة. [۱۱]

حدیث کی تشریح

یہ حضرت سعد ؓ کی معروف حدیث ہے اور پہلی دفعہ آرہی ہے، آگے امام بخاری رحمہ اللہ متعدد مقامات پر اس کو ذکر کریں گے۔

حضورِ اقدس ﷺ حضرت سعد ؓ کی عیادت کیلئے تشریف لائے "عام حجة الوداع من وجع اشتد بي. فقلت إني قدبلغ بي من الوجع وأناذو مال" میری بیماری اس حد تک پہنچ چکی ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں "وأنا ذو مال، ولا يرثني إلا ابنة، افاتصدق بثلثي مالي؟ کیا میں اپنے مال کا دو ثلث صدقہ کر دوں؟

حضور ﷺ نے فرمایا نہیں۔

میں نے کہا آدھا مال صدقہ کر دوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا "الثلث و الثلث كبير او كثير" ثلث اگر کر سکتے ہو تو ثلث بھی بہت ہے، اسی واسطے فقہاء نے فرمایا کہ وصیت ایک ثلث سے کم کرنی چاہئے۔

---

[۱۱] وفي صحيح مسلم، كتاب الوصية، باب الوصية بالثلث، رقم: ۳۰۷۶، وسنن الترمذي، كتاب الوصايا عن رسول الله، باب ماجاء في الوصية بالثلث، رقم: ۲۰۴۲، وسنن النسائي، كتاب الوصايا، باب الوصية بالثلث، رقم: ۳۵۷۰، وسنن ابي داؤد، كتاب الوصايا، باب ماجاء في مالايجوز للموصي في ماله، رقم: ۲۴۸۰، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب مسند أبي اسحاق سعد بن أبي وقاص، رقم: ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۸، ۱۴۰۳، ۱۴۴۲، ۱۴۶۳، ۱۵۱۳، وموطأ مالك، كتاب الأقضية، باب الوصية في الثلث لاتتعدى، رقم: ۱۲۵۸، وسنن الدارمي، كتاب الوصايا، باب الوصية بالثلث، رقم: ۳۰۶۵.

حنفیہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ وصیت ایک تہائی سے کم مال کی ہو خواہ اس کے ورثاء اغنیاء ہوں یا فقراء۔[۶۲]

شافعیہ کے نزدیک اگر ورثاء فقراء ہوں تب وصیت ایک تہائی سے کم ہونا بہتر ہے اور اگر میت کے ورثاء اغنیاء ہوں تو ایک تہائی کی وصیت بہتر ہے۔[۶۳]

"الثلث والثلث کبیر او کثیر"۔

والثلث کثیر کے تین مطالب

ثلث وصیت کا اعلیٰ درجہ وہ ہے جو جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس سے کم کیا جائے۔

ثلث بھی کثیر ہی ہے قلیل نہیں ہے۔[۶۴]

إنک أن تذر ورثتک أغنياء خير من أن تذرهم عالة يتكففون الناس

بے شک اگر تم اپنے ورثاء کو غنی چھوڑ کر جاؤ یہ بہتر ہے بنسبت اس کے کہ تم ان کو عالہ چھوڑ کر جاؤ۔

"**عالة**" کے معنی ہیں لوگوں کے محتاج اور دوسروں کے زیر کفالت "**یتکففون الناس**" کہ وہ لوگوں کی ہتھیلیاں دیکھتے رہیں، دست نگر رہیں، یعنی لوگوں کے محتاج بنا کر چھوڑنے سے بہتر ہے تم ان کو اغنیاء چھوڑ کر جاؤ۔

"**وانک لن تنفق نفقة تبتغی بها وجه الله إلا اجرت بها**" یعنی تم جو بھی خرچ کرو اگر تمہیں یہ خیال ہو کہ اولاد کو دینے میں زیادہ فائدہ نہیں ہے صدقہ کرنے میں زیادہ فائدہ ہے تو یہ خیال غلط ہے، اس واسطے کہ تم اللہ کو راضی کرنے کیلئے جو کچھ بھی صدقہ کروگے تمہیں اس کا اجر ملے گا، یہاں تک کہ:

"حتی ماتجعل فی فی امرأتک"

اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ دو وہ بھی موجب اجر ہے۔

قلت: یارسول اللہ أخلف بعد اصحابی؟

اس کے ایک معنی تو بعض لوگوں نے یہ بیان کئے ہیں کہ حضرت سعد ﷺ یہ پوچھ رہے ہیں کہ یارسول اللہ! کیا میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاؤں گا یعنی صحابہ حج کرنے آئے ہیں وہ تین دن ٹھہر کر مدینہ منورہ چلے جائیں گے لیکن کیا مجھے بیماری کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں اپنے اصحاب کے بعد مزید رہنا پڑے گا۔

---

[۶۲] رد المحتار، کتاب الوصایا، ج: ۶، ص: ۶۵۱۔

[۶۳] شرح النووی، کتاب الوصیة، ج: ۲، ص: ۳۹۔

[۶۴] تکملة فتح الملهم، بالوصیة بالثلث، ج: ۲، ص: ۱۰۲۔

اس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تم عمل کروگے اس پر تمہیں اجر ملے گا، یہاں تک کہ اپنی بیوی کے منہ میں جو لقمہ دوگے اس پر بھی اجر ملے گا، تو اس سے حضرت سعد ؓ کو اشارہ ملا کہ شاید میرا اس مرض میں انتقال نہیں ہوگا اسی لئے آپ ﷺ یہ بات ارشاد فرمارہے ہیں، لہٰذا پوچھنے لگے کہ کیا میں اپنے اصحاب کے بعد پیچھے رہوں گا یعنی میں زندہ رہوں گا یعنی اصحاب کے بعد میرا انتقال ہوگا؟

قال: إنک لن تخلف فتعمل عملا صالحاً إلا ازددت به درجة ورفعة

دونوں حال سے تسلی دی کہ اگر تم پیچھے رہ گئے تو اس سے تمہارے عمل اور درجوں میں اضافہ ہوگا، معلوم ہوا کہ جلدی مرنے کی تمنا یا دعا نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ زندگی کا ہر لمحہ اللہ رب العزت کی ایک نعمت ہے، کیا معلوم کہ آنے والے لمحات میں کسی ایسے عمل کی توفیق عطا فرمادیں جو انسان کی نجات کا ذریعہ بن جائے۔

پھر فرمایا "**لعلک أن تخلف حتی ینتفع بک اقوام**" شاید تمہیں پیچھے رکھا جائے یعنی تم زندہ رہو، بڑوں کے کلام میں شاید بھی یقین کے معنی میں ہوتا ہے اور حضرت سعد ؓ کے جملے "**اخلف بعد اصحابی**" کے جو دو محتمل معنی بیان کئے گئے تھے، ان میں سے دوسرے معنی کی ترجیح اس فقرے سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ جواب مطابق سوال اسی وقت ہوگا جب دوسرے معنی لئے جائیں۔

گویا ایک طرح سے خوشخبری دی کہ تم زندہ رہوگے یہاں تک کہ لوگوں کو تم سے نفع پہنچے "**ویضربک آخرون**" اور کچھ کو نقصان پہنچے، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن ہی کے ہاتھوں ایران فتح فرمایا جس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ حاصل ہوا اور کسریٰ کو نقصان پہنچا۔

اصل میں حضرت سعد ؓ کو زیادہ صدمہ اس بات سے ہو رہا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا انتقال مکہ میں ہو جائے جبکہ میں ہجرت کر چکا ہوں، کہیں مکہ مکرمہ میں انتقال کی وجہ سے میری ہجرت کی فضیلت میں کمی نہ رہ جائے، خواہش یہ ہے کہ دارالہجرۃ مدینہ منورہ میں انتقال ہو جائے، چنانچہ اس وقت آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: "**اللّٰھم امض لأصحابی ھجرتھم**" اے اللہ! میرے صحابہ کی ہجرت قبول فرما اور ان کی ہجرت کو باقی رکھ باطل نہ فرما "**ولا تردھم علیٰ اعقابھم**" اور ان کو پیچھے نہ رکھنا "**لکن البائس سعد بن خولة**" لیکن بے چارے سعد بن خولہ ؓ "بائس" کے معنی ہیں بیچارہ۔

حضرت سعد بن خولہ ؓ بدری مہاجر صحابیؓ ہیں، حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں ان کا انتقال ہو گیا، مدینہ منورہ نہیں جا سکے، چونکہ ان کی یہ خواہش کہ مدینہ منورہ میں جا کر انتقال ہو، پوری نہیں ہوئی اس لئے آپ ﷺ نے ان پر تھوڑا حسرت اور افسوس کا اظہار کیا "**لکن البائس سعد بن خولة**"

اگرچہ ایک آدمی ہجرت کر چکا ہو اور غیر اختیاری طور پر اس کا دارالہجرۃ سے باہر انتقال ہو تو اس سے اس کی ہجرت باطل نہیں ہوتی۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی دار ہجرت میں دفن ہوا اور جو دار ہجرت سے باہر دفن ہوا اس میں شاید کوئی تکوینی فرق ہو جس کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے بھی افسوس کا اظہار فرمایا، اگرچہ غیر اختیاری ہونے کی وجہ سے اس کو ہجرت کی فضیلت ملے گی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حقیقت میں کوئی فرق نہیں ہے اور افسوس کا اظہار اس لئے فرمایا کہ ان کی خواہش پوری نہیں ہوئی۔

مکہ اور مدینہ دونوں میں سے مدینہ منورہ میں موت کی تمنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ حشر کے دن سب سے پہلے وہاں سے حضور اقدس ﷺ اٹھیں گے اور بقیع والوں کو سب سے پہلے اٹھائیں گے ان شاء اللہ۔

مکہ مکرمہ کو بھی حدود حرم کی وجہ سے تقدس حاصل ہے لیکن مدینہ منورہ کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ وہاں نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں اور جب آپ اٹھیں گے تو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل بقیع کو ساتھ لیں گے، واللہ علم۔

(۳۷) باب ماینھی من الحلق عند المصیبة

مصیبت کے وقت سر منڈانے کی کراہت کا بیان

۱۲۹۶ ۔ وقال الحکم بن موسی: حدثنا یحیی بن حمزة، عن عبدالرحمن ابن جابر أن القاسم بن مخیمرة حدثه قال: حدثنی أبو بردة بن أبی موسی رضی اللہ عنه قال: وجع ابو موسی وجعا فغشی علیه و راسه فی حجر امرأة من اهله فلم یستطع أن یرد علیها شیئاً. فلما أفاق قال: أنا بریء ممن بریء منه محمد ﷺ. إن رسول اللہ ﷺ بریء من الصالقة والحالقة والشاقة)).

ترجمہ: ابوموسیٰ سے روایت ہے وہ بیمار پڑے تو ان پر غشی طاری ہوگئی اس حال میں کہ ان کا سر ان کے گھر کی کسی عورت کے گود میں تھا اور وہ اس کو بالکل روک نہیں سکتے تھے جب ہوش میں آئے تو کہا کہ میں اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جس سے رسول اللہ ﷺ نے بیزاری ظاہر کی، رسول اللہ ﷺ نے چیخ کر رونے والی اور گریباں چاک کرنے والی اور سر منڈاتے والی عورت سے بیزاری ظاہر کی ہے۔

"صالقة" چلانے والی، "حالقة" سر مونڈنے والی، "شاقة" گریبان پھاڑنے والی۔

سوال: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ بچہ کے رونے سے عذاب نہیں ہوتا۔

جواب: مطلب یہ ہے کہ حدیث میں بکاء کا لفظ مطلق تھا، چاہے آواز سے ہو یا بغیر آواز کے، بچہ ہو یا غیر بچہ، اس واسطے انہوں نے بچہ کے اوپر استدلال کیا۔

سوال: شہید کی شہادت کی خبر سن کر مٹھائی تقسیم کرنا کیسا ہے؟

جواب: شہید کا درجہ یقیناً بہت بڑا ہے لیکن اس کے دنیا سے جانے پر مٹھائی تقسیم کرنا مناسب نہیں ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی سنت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ حضرت جعفر ؓ کی شہادت کی خبر آئی تو مٹھائی تقسیم نہیں کی بلکہ آپ ﷺ روئے، اس لئے مٹھائی کی تقسیم کا خیال صحیح نہیں، غلو ہے۔

(۳۸) باب : لیس منا من ضرب الخدود

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو اپنے گالوں کو پیٹے

۱۲۹۷ ـ حدثنا محمد بن بشار : حدثنا عبد الرحمن : حدثنا سفيان ، عن الاعمش ، عن عبدالله بن مرة ، عن مسروق ، عن عبدالله رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال : ((ليس منا من ضرب الخدود ، وشق الجيوب ، ودعا يدعى الجاهلية)) . [راجع : ۱۲۹۴]

(۳۹) باب ماینهى من الويل ودعوى الجاهليه عند المصيبة

مصیبت کے وقت واویلا مچانے اور جاہلیت کی سی باتیں کرنے کی ممانعت کا بیان

۱۲۹۸ ـ حدثنا عمر بن حفص قال : حدثنا أبي : حدثنا العمش ، عن عبد الله بن مرة ، عن مسروق ، عن عبدالله رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ : ((ليس منا من ضرب الخدود ، وشق الجيوب ، ودعا بدعوى الجاهلية)). [راجع: ۱۲۹۴]

صالقة ، حالقة ، شاقة ، ضرب الخدود ، شق الجيوب ، اوردعوى الجاهلية کے بارے میں حکم پہلے گذر چکا ہے۔ [۶۵]

---

[۶۵] وقال النووي : الندب والنياحة ولطم الخد وشق الجيوب وخمش الوجه ونشر الشعر والدعاء بالويل والثبور ، كلها محرم باتفاق الأصحاب ، ووقع في كلام بعضهم لفظ الكراهة ؟ قلت : هذه كلها حرام عندنا ، والذى يذكره بالكراهة فمراده كراهة التحريم ، عمدة القاري ، ج : ۶ ، ص : ۲۸ .

(۴۰) باب من جلس عند المصيبة يعرف فيه الحزن

مصیبت کے وقت اس طرح بیٹھ جانے کا بیان کہ غم کے اثرات ظاہر ہوں

۱۲۹۹ - حدثنا محمد بن المثنى: حدثنا عبدالوهاب قال: سمعت يحي قال: أخبرتني عمرة قالت: سمعت عائشة رضي الله عنها قالت: لما جاء النبي ﷺ قتل ابن حارثة وجعفر وابن رواحة جلس يعرف فيه الحزن وأنا أنظر من صائر الباب. شق الباب. فأتاه رجل فقال: إن نساء جعفر، وذكر بكاء هن. فأمره أن ينهاهن. فذهب ثم أتاه الثانية لم يطعنه. فقال: ؟((انهض)). فأتاه الثالثة قال: والله غلبننا يارسول الله. فزعمت أنه قال: ((فاحث في أفواههن التراب)). فقلت: أرغم الله أنفك، لم تفعل ماأمرك رسول الله ﷺ ولم تترك رسول الله ﷺ من العناء)). [انظر: ۱۳۰۵، ۴۲۶۳] ۲۲

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس حضرت زید بن حارثہ ؓ، حضرت جعفر ؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ ؓ کی شہادت کی اطلاع آئی تو آپ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے "یعرف فیه الحزن" آپ ﷺ کے چہرہ انور پر غم کے آثار تھے۔

یہی ترجمۃ الباب ہے "من جلس عند المصيبة يعرف فيه الحزن"

"أنا انظر من صائر الباب" "شق الباب" دروازہ کی جھری سے دیکھ رہی تھی کہ "فأتاه رجل فقال: ایک شخص آیا اور اس نے کہا "إن نساء جعفر، وذكر بكاء هن" انہوں نے آکر کہا حضور آپ یہاں پر بیٹھے ہیں اور حضرت جعفر ؓ کی عورتیں رو رہی ہیں "فأمره أن ينهاهن" حضور ﷺ نے فرمایا کہ رو رہی ہیں تو ان کو منع کردو "فذهب ثم أتاه الثانية لم يطعنه، فذهب اتاه الثانية لم يطعنه" وہ گئے پھر دوبارہ آئے اور کہنے لگے کہ میں نے منع کیا تھا مگر وہ نہیں مانتیں۔

فقال: "انهض" آپ ﷺ نے فرمایا کہ روک دو "فأتاه الثالثة قال: تیسری مرتبہ پھر آئے اور کہا "والله غلبننا يارسول الله" اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم وہ ہم پر غالب آگئی ہیں "فزعمت أنه

---

۲۲ وفي صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب التشديد في النياحة، رقم: ۱۵۵۱، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب النهي عن البكاء على الميت، رقم: ۱۸۲۳، وسنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الجلوس عند المصيبة، رقم: ۲۷۱۵، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۱۷۷، ۲۵۱۶۹.

قال: فاحث في افواههن التراب" آپ ﷺ نے فرمایا ان کے منہ میں مٹی جھونک دو، اس کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ حضور ﷺ کو نوحہ کی اطلاع دی گئی، نوحہ پر نکیر کرنے کیلئے یہ فرمایا کہ مٹی جھونک دو، حقیقی مٹی جھونکنا مراد نہیں ہے بلکہ ان کو زیادہ زجر کرنے سے کنایہ ہے اور مجھے ایسا لگتا ہے واللہ اعلم کہ یہ بات دوسرے طریقہ سے کہی گئی ہے کہ بھائی اگر تمہیں اتنا ناگوار ہورہا ہے تو جا کر مٹی جھونک دو۔

یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اگلے جملہ سے بھی معلوم ہورہی ہے کہ حضرت عائشہؓ جو اس آدمی کے جا بک دستی سے آنے جانے کے سارے قصے کو دیکھ رہی تھیں، فرماتی ہیں، میں نے کہا "ارغم الله انفک، لم تفعل ما أمرک رسول الله ﷺ " اللہ تمہاری ناک کو مٹی میں ملا دے وہ کام کیوں نہیں کرتے جس کا حضور اقدس ﷺ حکم فرمارہے ہیں "ولم تترک رسول الله ﷺ من العناء" اور حضور اقدس ﷺ کو تکلیف سے کیوں نہیں بچاتے، اگر وہ اتنا رورہی ہیں کہ ان کو روکنا ضروری ہے تو زبردستی کرکے ان کو رکواتے اور اگر اتنا نہیں رورہی ہیں تو پھر بار بار حضور اقدس ﷺ کو پریشان کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ رورہی ہیں۔

یعنی اگر وہ معمولی رورہی ہیں تو حضور ﷺ کے پاس جا کر شکایت کرنے کی ضرورت نہیں، جس سے حضور اقدس ﷺ کا ذہن پریشان ہو، ویسے ہی صدمہ میں ہیں اور اگر واقعی زیادہ رورہی ہیں تو پھر بھی حضور اقدس ﷺ کو پریشان کرنا اچھی بات نہیں ہے، جا کر ان کو روک دو۔

۱۳۰۰ ۔ حدثنا عمرو بن علي : حدثنا محمد بن فضيل : حدثنا عاصم الاحول ، عن انس رضي الله عنه قال : قنت رسول الله ﷺ حزن حزنا قط اشد منه . [راجع : ۱۰۰۱]

(۴۱) باب من لم يظهر حزنه عند المصيبة

اس شخص کا بیان جس نے مصیبت کے وقت غم کو ظاہر نہ کیا

وقال محمد بن كعب القرظي: الجزع القول السيئ، والظن السيئ. وقال يعقوب عليه السلام: ﴿إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ﴾ [يوسف: ۸۶].

۱۳۰۱ ۔ حدثنا بشر بن الحكم: حدثنا سفيان بن عيينة: أخبرنا إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة أنه سمع انس بن مالک رضي الله عنه يقول: اشتكى ابن لأبي طلحة

قال:فمات وابو طلحة خارج . فلما رأت امرأته أنه قدمات هيأت شيئا ونحته في جانب البيت . فلما جاء أبوطلحة قال : كيف الغلام ؟ قالت : قد هدأت نفسه و أرجو أن يكون قد استراح . و ظن أبوطلحة أنها صادقة ، قال : فبات فلما أصبح اغتسل فلما أراد أن يخرج أعلمته أنه قدمات . فصلّى مع النبي ﷺ ثم أخبر النبي ﷺ بما كان منهما ، فقال رسول الله ﷺ : ((لعل الله أن يبارک لکما في ليلتكما)) . قال : سفيان : فقال رجل من الأنصار : فرأيت لها تسعة أولاد كلهم قد قرأ القرآن . [انظر: ۵۴۷۰] ۷۷

ترجمہ: انس بن مالک ﷺ روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ابوطلحہ ﷺ کا لڑکا بیمار پڑا اور مر گیا۔ ابوطلحہ ﷺ باہر تھے جب ان کی بیوی نے دیکھا کہ لڑکا مر چکا ہے کچھ سامان کیا اور کفن پہنا کر گھر کے ایک گوشہ میں اس کو رکھ دیا۔ جب ابوطلحہ ﷺ آئے تو پوچھا لڑکا کیسا ہے؟

بیوی نے جواب دیا اس کی طبیعت کو سکون ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ آرام میں ہے۔ ابوطلحہ ﷺ نے سمجھا کہ وہ سچی ہے۔ چنانچہ انہوں نے رات گزاری جب صبح ہوئی اور غسل کر کے باہر جانے کا ارادہ کیا تو بیوی نے انہیں بتایا کہ لڑکا مر چکا ہے۔ پھر ابوطلحہ ﷺ نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پھر حضور اکرم ﷺ سے وہ واقعہ بیان کیا جو ان دونوں کے ساتھ ہوا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم دونوں کو تمہاری ذات میں برکت عطا فرمائے گا۔

سفیان کا بیان ہے کہ ایک انصاری شخص نے کہا میں نے ان دونوں کے نو لڑکے دیکھے جو سب کے سب قاریٔ قرآن بنے۔

(۴۲) باب الصبر عند الصدمة الأولى

صبر صدمہ کے ابتدا میں معتبر ہے

وقال عمر رضي الله عنه: نعم العدلان، ونعم العلاوة ﴿الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ قَالُوْا: إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولٰئِكَ هُمُ

---

۷۷ وفي صحيح مسلم ، كتاب الآداب ، باب استحباب تحنيک المولود عند ولادته وحمله ، رقم : ۳۹۹۶ ، وكتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل أبي طلحة الانصاري ، رقم : ۴۴۹۶ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند انس بن مالک ، رقم : ۱۱۵۹۰ ، ۱۲۴۰۰ ، وباب باقي المسند السابق ، ۱۲۵۵۵ .

الْمُهْتَدُوْنَ﴾ [البقرة: ۱۵۶، ۱۵۷]. وقوله تعالى: ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ﴾ [البقرة: ۴۵].

۱۳۰۲ ـ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن ثابت قال: سمعت أنسا رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((الصبر عند الصدمة الأولى)). [راجع: ۱۲۵۲]

صبر کی فضیلت اول صدمہ کے وقت ہے اس لئے کہ مرور زمانہ کے ساتھ انسان کو صبر آ ہی جاتا ہے۔ تو صبر میں دو چیزیں ضروری ہے ایک رضا بالقضاء اور دوسرے جزع اختیاری سے احتراز۔

رضا بالقضاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ فرمایا اس کا انہیں کلی اختیار ہے۔ اور دوسرے جزع اختیاری سے احتراز یہ ہے کہ دلی صدمہ اور تکلیف صبر کے منافی نہیں ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں اشارہ ہے:

الَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ قَالُوْا: إِنَّا لِلّٰهِ وَ
إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ
مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ
وقوله تعالى: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ
وَإِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ

حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں "نعم العدلان ونعم العلاوة" اونٹ پر سفر کے دوران دائیں بائیں دو سجاوے ہوتے تھے اور وہ دونوں برابر ہوتے تھے ان کو 'عدلان' کہتے ہیں اور اگر اونٹ کے اوپر ان کے درمیان کوئی چیز رکھ دی جاتی تو "علاوہ" کہلاتی تھی۔

حضرت عمر ﷺ فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے "أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ" تو صلوٰۃ اور رحمۃ عدلان ہیں اور "وأولئک هم المهتدون" یہ علاوہ ہے۔

تو نعم العدلان، ونعم العلاوة" اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں کو خوشخبری دی ہے کہ ان پر صلوٰۃ اور رحمت ہیں، صلوٰۃ ایک عدل ہے اور "رحمة" دوسرا عدل ہے اور "وأولئک هم المهتدون" ان کے علاوہ ایک نعمت ہے۔ تو بڑا وعدہ ہے کہ دو عدل اور ایک علاوہ ملے گا۔

(۴۳) باب قول النبي ﷺ: ((إنا بک لمحزونون))

نبی ﷺ کا فرمانا کہ ہم تمہاری جدائی کے باعث غمزدہ ہیں

وقال ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي ﷺ: ((تدمع العين ويحزن القلب)).

حضرت ابن عمرؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آنکھیں رو رہی ہیں اور دل غمگین ہے۔

۱۳۰۳ ۔ حدثني الحسن بن عبدالعزيز : حدثني يحي بن حسان : حدثنا قريش هو ابن حيان ، عن ثابت ، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال : دخلنا مع رسول الله ﷺ على أبي سيف القين ، وكان ظئراً لإبراهيم فأخذ رسول الله ﷺ إبراهيم فقبله و شمه ، ثم دخلنا عليه بعد ذلك و إبراهيم يجود بنفسه . فجعلت عينا رسول الله ﷺ تذرفان . فقال له عبدالرحمن بن عوف رضي الله عنه : و أنت يارسول الله ؟ فقال : ((يا ابن عوف ، إنها رحمة)) ثم أتبعها بأخرى . فقال ﷺ : ((إن العين تدمع ، و القلب يحزن ، و لانقول إلا مايرضى ربنا وأنا بفراقك يا إبراهيم لمحزونون)) رواه موسى ، عن سليمان بن المغيرة ، عن ثابت ، عن أنس رضي الله عنه عن النبي ﷺ . [۶۸، ۶۹]

"ثم أتبعها أخرى" پھر دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا "إن العين تدمع، والقلب يحزن، ولا نقول إلا يرضى ربنا" آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، دل میں غم ہے لیکن زبان سے وہی بات کہیں گے جو اپنے پروردگار کو راضی کرنے والی ہو، یعنی کوئی شکوہ نہیں۔

(۴۴) باب البكاء عند المريض

مریض کے پاس رونے کا بیان

۱۳۰۴ ۔ حدثنا أصبغ ، عن ابن وهب قال : أخبرني عمرو ، عن سعيد بن الحارث الأنصاري ، عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما قال : اشتكى سعد بن عبادة شكوى له فأتاه النبي ﷺ يعوده مع عبدالرحمن بن عوف و سعد بن أبي وقاص و عبدالله بن مسعود رضي الله عنهم ، فلما دخل عليه فوجده في غاشية أهله فقال : ((قد قضى)) ؟ فقالوا : لا يا رسول الله . فبكى النبي ﷺ فلما رأى القوم بكاء رسول الله

---

۶۸ لا يوجد للحديث مكررات .

۶۹ وفي صحيح مسلم ، كتاب الفضائل ، باب رحمة الصبيان والعيال وتواضعه وفضل ذلك ، رقم : ۴۲۷۹ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الجنائز ، باب في البكاء على الميت ، رقم : ۲۷۱۹ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب باقي المسند السابق ، رقم : ۱۲۵۳۳ .

ﷺ بکوا، فقال: ((ألا تسمعون ؟ إن الله لا یعذب بدمع العین و لا بحزن القلب ، ولکن یعذب بهذا ۔ و أشار إلی لسانه ۔ أو یرحم ۔ وإن المیت یعذب ببکاء أهله علیه)) . و کان عمر رضي الله عنه یضرب فیه بالعصا و یرمي بالحجارة و یحثي بالتراب . ۷۰

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہؓ جو انصاری صحابی ہیں، بیمار ہوئے "شکوی له" ان کو کوئی بیماری ہوئی۔ نبی کریم ﷺ ان کے پاس عیادت کیلئے تشریف لائے، آپ ﷺ کے ہمراہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن أبي وقاصؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے۔ جب یہ حضرات آئے تو "فوجده في غاشیة أهله" دیکھا کہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس ہیں۔ "غاشیة" اصل میں مہمانوں کو کہتے ہیں، تو گھر میں مہمان بھی ہوں گے۔

فقال : قدقضی؟ آپ ﷺ نے پوچھا کیا ان کا انتقال ہوگیا؟ یعنی آپ ﷺ کو ایسا گمان ہوا۔

فقالوا: لا یارسول الله، فبکی النبي ﷺ .... ولکن یعذب بهذا ..... اویرحم" لوگوں نے بتایا نہیں یارسول اللہ۔ تو نبی کریم ﷺ روئے۔ جب لوگوں نے نبی کریم ﷺ کو روتے دیکھا تو یہ بھی رونے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم نہیں سنتے ہو کہ اللہ تعالیٰ آنسو بہانے اور دل کے غمگین ہونے سے عذاب نہیں کرتا بلکہ اس کی وجہ سے عذاب کرتا ہے یا رحم کرتا ہے یعنی زبان کی طرف اشارہ کیا۔ اور میت پر اس کے گھر والوں کے رونے کے سبب سے عذاب ہوتا ہے۔

آگے فرمایا "و کان عمر رضي الله عنه یضرب فیه بالعصا" حضرت عمرؓ جب کہیں دیکھتے کہ میت کے اہل رو رہے ہیں تو لاٹھی سے پٹائی کردیتے تھے "ویرمي بالحجارة" اور پتھر بھی ماردیتے تھے "ویحثي بالتراب" اور مٹی بھی پھینک دیتے تھے یعنی تعزیراً ایسا کرتے تھے اور مراد یہی ہے کہ جب نوحہ والی صورت ہوتی تھی نہ کہ معمولی رونے کی صورت میں۔

(۴۵) باب ماینهی من النوح والبکاء والزجر عن ذلک

نوحہ اور رونے کی ممانعت اور اس سے روکنے کا بیان

۱۳۰۶ ـ حدثنا عبدالله بن عبدالوهاب: حدثنا حماد: حدثنا أیوب، عن محمد، عن أم عطیة قالت: أخذ علینا النبي ﷺ عند البیعة أن لا ننوح، فما وفت منا امرأة غیر خمس

---

۷۰ لا یوجد للحدیث مکررات .

نسوة: أم سليم، وأمّ العلاء، وابنة أبي سبرة امرأة معاذ، وامرأتين اوابنة أبي سبرة، وامرأة معاذ، وامرأة أخرى. [أنظر: ۴۸۹۲، ۷۲۱۵] اے

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ہم نے حضور اقدس ﷺ سے بیعت کی تھی تو آپ ﷺ نے یہ عہد بھی لیا تھا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی لیکن ہم میں سے کسی بھی عورت نے اس عہد کو پورا نہیں کیا، سوائے پانچ عورتوں کے، اور ان کے نام ذکر کئے۔

یعنی جو اس وقت موجود تھیں ان میں سے یہ پانچ ایسی تھیں جو اپنے عہد پر قائم رہیں باقی قائم نہ رہ سکیں، یا تو واقعی غلطی ہوگئی ہوگی، قائم نہ رہ سکی ہوں گی یا پھر یہ سمجھی ہوں گی کہ نوحہ کرنے سے مطلق بکاء کی ممانعت ہے، اس واسطے کہہ دیا کہ کوئی بھی قائم نہیں رہ سکی، حالانکہ مطلق بکاء نہیں بلکہ نوحہ مراد تھا۔

(۴۶) باب القیام للجنازة

جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کا بیان

۱۳۰۷ ـ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان: حدثنا الزهري عن سالم، عن أبيه، عن عامر بن ربيعة عن النبي ﷺ قال: ((إذا رأيتم الجنازة فقوموا حتى تخلفكم)). قال سفيان: قال الزهري: أخبرني سالم، عن أبيه قال: أخبرنا عامر بن ربيعة عن النبي ﷺ، زاد الحميدي: ((حتى تخلفكم أو توضع)). [انظر: ۱۳۰۸] ۲ے

اے وفي صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب التشديد في النياحة، رقم: ۱۵۵۲، وسنن النسائي، كتاب البيعة، باب بيعة النساء، رقم: ۴۱۰۹، وسنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في النوح، رقم: ۲۷۲۰، ومسند أحمد، أول مسند البصريين، باب حديث أم عطية، رقم: ۱۹۸۲۱، ومن مسند القبائل، باب حديث ام عطية الانصارية اسمها نسيبة، رقم: ۲۶۰۳۵، ۲۶۰۴۲.

۲ے وفي صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب القيام للجنازة، رقم: ۱۵۹۰، وسنن الترمذي، كتاب الجنائز عن رسول الله، باب ماجاء في القيام للجنازة، رقم: ۹۲۳، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الامر بالقيام للجنازة، رقم: ۱۸۹۰، وسنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب القيام للجنازة، رقم: ۲۷۵۸، وسنن ابن ماجة، كتاب ماجاء في الجنائز، باب ماجاء في القيام للجنازة، رقم: ۱۵۳۱، ومسند أحمد، مسند المكيين، باب حديث عامر بن ربيعة، رقم: ۱۵۱۳۲، ۱۵۱۴۳.

ترجمہ: نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ، یہاں تک کہ وہ تم کو پیچھے چھوڑ دے۔

سفیان نے کہا: زہری نے بسند سالم، سالم کے والد عامر بن ربیعہ نبی کریم ﷺ سے روایت کیا اور حمیدی نے اتنا زیادہ کیا کہ یہاں تک کہ تمہیں پیچھے چھوڑ دے یا رکھ دیا جائے۔

حدیث کی تشریح

شروع میں یہ حکم تھا کہ جب تم جنازہ کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ وہ تمہیں پیچھے چھوڑ جائے۔

لیکن مسلم اور ابوداؤد میں حضرت علی ﷺ سے یہ روایت آئی ہے کہ آپ ﷺ نے بعد میں اس طریقہ کو چھوڑ دیا اور بیٹھنے لگے۔[۳]

بعض حضرات نے اس کو منسوخ سے تعبیر کیا ہے۔[۴]

لیکن حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس کے لئے منسوخ کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے متروک کا لفظ استعمال کرتا ہوں، یعنی ایک طریقہ تھا اس کو چھوڑ دیا، واجب پہلے بھی نہیں تھا اب بھی نہیں ہے، لیکن پہلے عمل کرتے تھے اب چھوڑ دیا۔[۵]

پھر اس میں کلام ہوا ہے کہ قیام للجنازۃ کی وجہ کیا تھی؟

بعض نے کہا ہے کہ موت کے خوف کی وجہ سے، بعض نے کہا کہ اس میت کے اکرام کی وجہ سے۔

جنہوں نے کہا ہے کہ اکرام کی وجہ سے تو انہوں نے اس حکم کو مؤمنین کے ساتھ مخصوص کیا ہے لیکن جنہوں نے کہا ہے ہول موت کی وجہ سے تو انہوں نے کہا وہ عام ہے چاہے مؤمن ہو چاہے غیر مؤمن ہو! یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ آگے حدیث میں ہے کہ جب ایک شخص نے پوچھا کہ کیا یہودی کیلئے بھی کھڑے ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ آدمی نہیں ہے، معلوم ہوا کہ یہ قیام ہولِ موت کی وجہ سے ہے۔[۶]

---

[۳] عمدۃ القاری، ج: ۶، ص: ۱۴۸۔

[۴، ۵، ۶] لم اختلفوا فی الامر المذکور فی الحدیث، فقیل: للوجوب، وان القیام للجنازۃ اذا مرت واجب وقیل للندب والاستحباب، والیہ ذھب ابن حزم. وقیل: کان واجباً ثم نسخ علی ما ذکرنا، واختار النووی علی أنہ للاستحباب، والیہ ذھب المتولی من الشافعیۃ. وقال النووی: والحدیث لیس بمنسوخ ولا تصح دعوی النسخ فی مثل ھذا، لان النسخ انما یکون اذا تعذر الجمع بین الاحادیث ولم یتعذر. قلت: ورد التصریح بالنسخ فی حدیث علی رضی اللہ عنہ المذکور، وتکلم الشافعی رضی اللہ تعالی عنہ، .... (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر) ....

(۴۷) باب : متى يقعد اذا قام للجنازة ؟

جب جنازہ دیکھ کر کھڑا ہو تو کب بیٹھے

۱۳۰۸ ۔ حدثنا قتيبه بن سعيد ، حدثنا الليث ، عن نافع ، عن ابن عمر رضى الله عنهما ، عن عامر بن ربيعة رضى الله عنه عن النبى ﷺ قال : ((اذا رأى احدكم جنازة ، فان لم يكن ماشياً معها فليقم حتى يخلفها أو تخلفه ، أو توضع من قبل ان تخلفه)) . [راجع : ۱۳۰۷]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص جنازہ دیکھے اگر اس کے ساتھ نہ جانے والا ہو تو کھڑا ہو جائے ۔ یہاں تک کہ وہ جنازہ اس سے آگے بڑھ جائے یا اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھے یا رکھ دیا جائے ۔

۱۳۰۹ ۔ حدثنا أحمد بن يونس : حدثنا ابن أبي ذئب ، عن سعيد المقبري ، عن أبيه قال : كنا في جنازة فأخذ أبو هريرة رضي الله عنه بيد مروان فجلسا قبل أن توضع ، فجاء أبو سعيد رضي الله عنه فأخذ بيد مروان فقال : قم ، فوالله لقد علم هذا أن النبي ﷺ نهانا عن ذلك . فقال أبو هريرة : صدق . [أنظر : ۱۳۱۰]

.... ﴿ گزشتہ سے پیوستہ ﴾ .... على حديث عامر بن ربيعة باحتمالات حكاه عنه البيهقي والحازمي ، فقال : وهذا لايعدو ان يكون منسوخاً . وان يكون النبي ﷺ قام لها لعلة ، وقد رواها بعض المحدثين انها كانت جنازة يهودى ، فقام لها كراهة أن تطوله . قال : وايهما كان فقد جاء عن النبى ﷺ تركه بعد فعله ، قال : والحجة في ذلك في الآخر من امره ان كان الاول واجباً فالآخر من امره ناسخ ، وان كان الاول استحباباً فالآخر من امره هو الاستحباب وان كان مباحاً فلابأس بالقيام والقعود . قال : والقعود أحب الى لانه الآخر من فعله ، ثم الامر بالقيام للجنازة في حديث الباب وغيره عام في جنازة المسلم وغيره من اهل الكتاب ، وقد ورد في حديث ابى موسى الأشعرى التصريح بذلك فيما رواه عبدالله بن احمد في (زياداته على المسند) والطحاوى من رواية ليث عن ابى بردة بن ابى موسى عن أبيه عن النبي ﷺ قال : ((اذا مرت بكم جنازة فان كان مسلماً أو يهودياً أو نصرانياً فقوموا لها ، فانه ليس يقوم لها ولكن يقوم لمن معها من الملائكة)) . وقال شيخنا زين الدين ، رحمه الله : في حديث أبي موسى هذا التخصيص بجنازة المسلم واهل الكتاب ، والعلة المذكورة فيه تقتضي عدم تخصيصه بهم ، بل بجميع بنى آدم ، وان كانوا كفاراً غير اهل كتاب ، لان الملائكة مع كل نفس ، عمدة القارى ، ج ۲ ، ص : ۱۳۹ ۔ ۱۳۸ .

مروان جنازہ کے رکھے جانے سے پہلے بیٹھ گئے تھے، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ تو جنازہ کے رکھے جانے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے اس واسطے انہوں نے منع فرمایا اور حدیث میں اسی طرح آیا ہے اور ایسا ہی کرنا چاہیئے۔

(۴۸) باب من تبع جنازة فلا يقعد حتى توضع عن مناكب الرجال، فان قعد امر بالقيام

جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے، تو جب تک جنازہ لوگوں کے کاندھوں سے نہ اتارا جائے نہ بیٹھے اور اگر بیٹھ جائے تو اسے کھڑا ہونے کا حکم دیا جائے

۱۳۱۰ - حدثنا مسلم، حدثنا هشام: حدثنا يحيى، عن ابى سلمة، عن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه عن النبى ﷺ قال: ((اذا رأيتم الجنازة فقوموا فمن تبعها فلا يقعد حتى توضع)). [راجع: ۱۳۰۹]

یعنی جو شخص جنازہ کے ساتھ جائے اور وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک کہ جنازہ نہ رکھ دیا جائے۔

(۴۹) باب من قام لجنازة يهودى

یہودی کے جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کا بیان

۱۳۱۱ - حدثنا معاذ بن فضالة: حدثنا هشام، عن يحيى، عن عبيدالله بن مقسم، عن جابر بن عبدالله رضى الله عنهما قال: مر بنا جنازة فقام النبى ﷺ فقمنا فقلنا: يارسول الله انها جنازة يهودى، قال: ((اذا رأيتم الجنازة فقوموا)). [۷۷]

۱۳۱۲ - حدثنا آدم قال: حدثنا شعبة قال: حدثنا عمرو بن مرة قال: سمعت عبدالرحمن ابن أبي ليلى قال: كان سهل بن حنيف وقيس بن سعد قاعدين بالقادسية،

---

[۷۷] وفى صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب القيام للجنازة، رقم: ۱۵۹۳، وسنن النسائى، كتاب الجنائز، باب القيام لجنازة أهل الشرك، رقم: ۱۸۹۶، وسنن أبى داؤد، كتاب الجنائز، باب القيام للجنازة، رقم: ۲۷۲۰، ومسند احمد، باقى مسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبدالله، رقم: ۱۳۹۰۲، ۱۴۰۰۰، ۱۴۰۶۴، ۱۴۲۸۳.

فمروا عليهما بجنازة فقاما، فقيل لهما: إنها من أهل الأرض، أي من أهل الذمة. فقالا: إن النبي ﷺ مرت به جنازة فقام، فقيل له: إنها جنازة يهودي، فقال: ((أليست نفسا؟)).

پہلی حدیث میں مطلق جنازہ فرمایا اور اس حدیث میں "أليست نفسا؟" فرمایا یعنی جب یہودی کا جنازہ گزرا اور آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ یہودی کا جنازہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا وہ جاندار نہیں ہے؟ یعنی جاندار تو ہے اس واسطے کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں۔

۱۳۱۳ - وقال أبو حمزة، عن الأعمش، عن عمرو، عن ابن أبي ليلى قال: كنت مع قيس وسهل رضي الله عنهما فقالا: كنا مع النبي ﷺ، وقال زكريا، عن الشعبي، عن ابن أبي ليلى: كان أبو مسعود وقيس يقومان للجنازة. ۸ے

كان أبو مسعود وقيس يقومان للجنازة۔ یہاں دو صحابی کا عمل کا ذکر ہے، یعنی ابو مسعود اور قیس جنازہ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

(۵۰) باب حمل الرجال الجنازة دون النساء

جنازہ عورتوں کو نہیں بلکہ مردوں کو اٹھانا چاہیئے

۱۳۱۴ - حدثنا عبد العزيز بن عبدالله: حدثنا الليث، عن سعيد المقبري، عن أبيه: أنه سمع أبا سعيد الخدري ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال: ((إذا وضعت الجنازة واحتملها الرجال على أعناقهم فإن كانت صالحة قالت: قدموني. وإن كانت غير صالحة قالت: يا ويلها أين تذهبون بها؟ يسمع صوتها كل شيء إلا الإنسان. ولو سمعه صعق)). [أنظر: ۱۳۱۶، ۱۳۸۰] ۹ے

حضرت ابو سعید الخدری ﷺ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب جنازہ رکھ دیا جاتا ہے اور لوگ اس کو اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر وہ جنازہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے "قدموني" مجھے جلدی لے

۸ے وفي صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب القيام للجنازة، رقم: ۱۵۹۲، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب القيام لجنازة اهل الشرك، رقم: ۱۸۹۵.

۹ے وفي سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب السرعة بالجنازة، رقم: ۱۸۸۳، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند ابي سعيد خدري، رقم: ۱۰۹۳۵، ۱۱۱۲۷.

جاؤ اور اگر نیک نہیں ہوتا ہے تو کہتا ہے "یا ویلها أین تذهبون بها" ارے بھائی تمہارا بُرا ہو، مجھے کہاں لے جا رہے ہو، اور یہ آواز سوائے انسان کے ہر چیز سنتی ہے۔

یعنی جنازہ حقیقتاً یہ کہتا ہے "قدمونی" اور "یا ویلها أین تذهبون" اور اس کے یہ الفاظ ہر چیز سنتی ہے سوائے انسان کے، صرف انسان نہیں سنتا "ولو سمعه صعق" اگر انسان بھی سُن لے تو بے ہوش ہو جائے کہ مُردہ بول پڑا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نہیں سنواتے، جیسے عذاب قبر اور مخلوق کو سنایا جاتا ہے لیکن انسان نہیں سنتا۔

(۵۱) باب السرعة بالجنازة

جنازہ میں جلدی کرنے کا بیان

وقال أنس: أنتم مشيعون، فامش بين يديها وخلفها وعن يمينها وعن شمالها وقال غيره: قريبا منها.

انس ﷺ نے کہا تم جنازہ کے ساتھ چل رہے ہو تو تم اس کے آگے، اس کے پیچھے، اور اس کے دائیں اور بائیں بھی چلو اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی اس کے قریب قریب بیان کیا۔

۱۳۱۵ - حدثنا علي بن عبد الله: حدثنا سفيان قال: حفظناه من الزهري، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((أسرعوا بالجنازة فإن تك صالحة فخير تقدمونها إليه، وإن تك سوى ذلك فشر تضعونه عن رقابكم)). [۸۰]

فرماتے ہیں جنازہ کو جلدی لے جاؤ۔ حضرت انس ﷺ نے اس کی یہ تفصیل بیان فرمائی ہے کہ "أنتم مشيعون" تم جنازہ کے ساتھ جانے والے ہو۔

تشییع کا معنی ہے کسی جانے والے کے ساتھ ساتھ دیر تک چلنا، تو فرماتے ہیں سامنے چلو، پیچھے چلو، دائیں چلو، بائیں چلو اور دوسرے لوگوں نے کہا جنازہ کے قریب چلو۔ مقصد یہ ہے کہ لوگ پھیل جائیں اور جلدی جلدی لے کر جائیں۔

---

[۸۰] وفي صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الاسراع بالجنازة، رقم: ۱۵۶۸، وسنن الترمذي، كتاب الجنائز عن رسول الله، باب ماجاء في الاسراع بالجنازة، رقم: ۹۳۶، وسنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب الاسراع بالجنازة، رقم: ۲۷۶۷، وسنن ابن ماجة، كتاب ماجاء في الجنائز، باب ماجاء في شهود الجنائز، رقم: ۱۴۶۷، وموطأ مالك، كتاب الجنائز، باب ان عائشة قالت قال رسول الله ﷺ مامن نبي يموت حتى يخير الخ، رقم: ۵۱۲.

جنازہ کے کس طرف چلنا افضل ہے

اس سے شافعیہ نے استدلال کیا ہے کہ جنازہ کے آگے پیچھے ہر طرف چل سکتے ہیں بلکہ آگے چلنا افضل ہے

حنفیہ کہتے ہیں جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے کیونکہ اتباع الجنائز کے الفاظ حدیث میں آئے ہیں اور اتباع کے معنی ہیں پیچھے چلنا۔

طحاوی نے روایت نقل کی ہے کہ ایک جنازہ جا رہا تھا جس میں حضرات شیخین آگے چل رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پیچھے چل رہے تھے۔ کسی نے جا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ تو آگے جا رہے ہیں اور آپ پیچھے جا رہے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "**فضل المشي خلف الجنازة أمامها كفضل المكتوبة على التطوع**" پیچھے چلنے کی فضیلت آگے چلنے کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے فرض کی فضیلت نفل پر، "**وانهما ليعلمان بذالك**" اور حضرات شیخین اس مسئلہ کو جانتے ہیں" **ولكنهما سهلان يريد ان أن يسهلا على الناس**" لیکن وہ نرم خو ہیں چاہتے ہیں کہ لوگوں کیلئے آسانی پیدا کریں کہ اگر ہم یہاں رہیں گے تو سارا ہجوم بھی یہاں رہے گا اس واسطے وہ آگے بڑھ گئے، ورنہ وہ جانتے ہیں کہ پیچھے چلنے کی فضیلت زیادہ ہے۔ [81]

نیز ابوداؤد و ترمذی میں روایت ہے: "**الجنازة متبوعة وليست تابعة ليس منها من تقدمها**"

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جنازہ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہر طرف چلنا باتفاق جائز ہے البتہ افضلیت میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ کسی بھی جانب چلنے کو دوسرے جانب چلنے پر کوئی فضیلت نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی اسی طرف میلان ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ پیدل چلنے والے کے لئے جنازہ کے آگے چلنا اور سوار کے لئے جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ مطلقاً جنازہ کے آگے چلنا افضل ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ مطلقاً جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے۔ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔ [82]

---

[81] عمدة القاری، ج: ۶، ص: ۱۱۔

[82] وذهب ابراهيم النخعي وسفيان الثوري والأوزاعي وسويد بن غفلة ومسروق وأبو قلابة وأبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد واسحاق وأهل الظاهر الى أن المشي خلف الجنازة أفضل، ويروى ذلك عن علي بن ابي طالب وعبدالله بن مسعود وأبي الدرداء، وأبي أمامة وعمرو بن العاص، عمدة القاری، ج: ۶، ص: ۱۱-۱۰۔

باب قول الميت وهو على الجنازة : قدموني

میت کا جب وہ جنازہ پر ہو، یہ کہنے کا بیان کہ مجھے جلدی لے چلو

۱۳۱۶ ۔ حدثنا عبدالله بن يوسف : حدثنا الليث قال : حدثنا سعيد ، عن أبيه أنه سمع أبا سعيد الخدري رضي الله عنه قال : كان النبي ﷺ يقول :((اذا وضعت الجنازة فاحتملها الرجال على أعناقهم ، فان كانت صالحة قالت : قدموني ، وان كانت غير ذلك قالت لاهلها : يا ويلها اين يذهبون بها ؟ يسمع صوتها كل شيء الا الانسان ، و لو سمع الانسان لصعق)) . [راجع : ۱۳۱۴]

یعنی میت جب مؤمن ہوتا ہے تو کہتا ہے "قدموني، قدموني" اور جب کافر ہوتا ہے تو کہتا ہے "ياويلها أين تذهبون به" .

یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ: "ان المؤمن اذا وضع على سريره قال : قدموني قدموني ، فان الكافر اذا وضع على سيره قال : ياويله أين تذهبون به" . [۸۳]

(۵۳) باب من صف صفين أو ثلاثة على الجنازة خلف الإمام

امام کے پیچھے جنازہ پر دو یا تین صفیں بنانے کا بیان

۱۳۱۷ ۔ حدثنا مسدد، عن أبي عوانة ، عن قتادة ، عن عطاء، عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ صلّى على النجاشي فكنت في الصف الثاني أو الثالث . [انظر : ۱۳۲۰، ۱۳۳۴، ۳۸۷۷، ۳۸۷۸، ۳۸۷۹] [۸۴]

ترجمہ: جابر بن عبداللہ ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ نے نجاشی پر نماز جنازہ

---

[۸۳] عمدة القاري ، ج : ۶، ص : ۱۵۷ .

[۸۴] وفي صحيح مسلم ، كتاب الجنائز ، باب في التكبير على الجنازة ، رقم : ۱۵۸۴ ، وسنن النسائي ، كتاب الجنائز، باب الصفوف على الجنازة ، رقم : ۱۹۲۸ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند جابر بن عبدالله ، رقم : ۱۳۶۳۵ ، ۱۳۹۱۱ ، ۱۴۲۹۹ ، ۱۴۳۴۴ ، باب باقي المسند السابق ، ۱۴۷۵۳ .

پڑھی، تو میں دوسری یا تیسری صف میں تھا۔

غائبانہ نماز جنازہ اور اختلاف ائمہ

یہاں تمام روایات نجاشی پر نماز جنازہ پڑھنے کے بارے میں آئی ہیں۔ ان سے امام شافعی رحمہ اللہ نے صلوٰۃ علی الغائب کے جواز پر استدلال فرمایا ہے، یعنی امام شافعیؒ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے۔ ۸۵

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جس جگہ میت کا انتقال ہوا ہے وہاں اگر کوئی جنازہ پڑھنے والا موجود نہ ہوتو غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے، علامہ رویانی رحمہ اللہ نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ ۸۶

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس کو اس صورت کے ساتھ مخصوص کیا ہے کہ جب جنازہ جہت قبلہ میں ہوتو جائز ہے اور اگر میت جس پر نماز جنازہ پڑھی جارہی ہے جہت قبلہ میں نہ ہوتو پھر جائز نہیں۔

حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں صلوٰۃ علی الغائب مشروع نہیں، نماز جنازہ صرف حاضر کے اوپر پڑھی جائے گی غائب کے اوپر مشروع نہیں ہے۔

حنفیہ کی دلیل

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں بے شمار صحابۂ کرامؓ مدینہ منورہ سے باہر شہید ہوئے یا وفات پائے لیکن کسی بھی موقع پر حضور اقدس ﷺ کا ان پر نماز جنازہ پڑھنا ثابت نہیں، اگر مشروع ہوتی تو آنحضرت ﷺ ان صحابۂ کرامؓ کو اپنی نماز جنازہ سے محروم نہ فرماتے جیسے اس جھاڑو دینے والی عورت کی نماز جنازہ اس کی قبر پر پڑھی، اتنا اہتمام فرمایا تو دوسرے لوگوں کی بھی غائبانہ نماز جنازہ ضرور پڑھتے لیکن پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک صحیح روایت ہے، ایک ضعیف ہے اور ایک بہت ہی ضعیف ہے۔

صحیح روایت تو نجاشی پر نماز جنازہ پڑھنے کی ہے۔

---

۸۵ واستدل بهذا الحديث الشافعي وغيره في مشروعية الصلاة على الغائب، قالوا: هو سنة في حق من كان غائباً عن بلد الميت اذا كان في بلدوفاته قد اسقطوا فرض الصلاة عليه. قال شيخنا زين الدين: واليه ذهب الشافعي، عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۱۲۳.

۸۶ ولم قال الخطابي: لايصلي على الغائب الا اذا وقع موته بارض ليس بها من يصلي عليه، استحسنه الروياني من الشافعية، وبه ترجم أبو داؤد في السنن "الصلاة على المسلم يليه أهل الشرك" ببلد آخر، معالم السنن، ج: ۱، ص: ۲۷۰، وفتح القدير، ج: ۳، ص: ۱۸۸.

نجاشی ۔ نجاشی حبشہ کے بادشاہوں کا لقب ہے، یہاں نجاشی سے اصحمہ مراد ہے جو عہد نبوی میں حبشہ کے بادشاہ تھے اور نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے۔ ۸۷

نجاشی کی ایک یہ خصوصیت بھی تھی کہ وہ دیارِ غیر میں واحد مسلمان تھے ان کا انتقال ہوا، کسی نے ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی، آپ ﷺ نے چاہا کہ ان کا اکرام کیا جائے، تو ہوسکتا ہے اس اکرام کیلئے خصوصیت سے نماز پڑھی گئی ہو لیکن دوسروں کے لئے یہ حکم نہیں ہوسکتا کہ فلاں کا انتقال ہوگیا اب ہر جگہ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جائے، اگر یہ مشروع ہوتا تو نبی کریم ﷺ کی اتنی طویل حیات طیبہ میں دوسرے صحابۂ کرام ﷺ کے ساتھ بھی ایسے واقعات پیش آئے ہیں کسی کی تو نماز جنازہ غائبانہ پڑھی ہوتی۔ ۸۸

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور نجاشی کے درمیان جتنے حجابات تھے وہ سب دور کردیئے گئے تھے جس کی وجہ سے نجاشی کا جنازہ آپ ﷺ کو سامنے نظر آنے لگا تھا چنانچہ امام واحدی رحمہ اللہ کی اسباب النزول میں یہ روایت ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے بطور معجزہ جنازہ حاضر کردیا گیا تھا اور آپ ﷺ نے اس پر نماز پڑھی۔ ۸۹

اور ضعیف روایت یہ ہے کہ جب آپ ﷺ تبوک تشریف لے گئے تھے وہاں آپ کو اطلاع ملی تھی کہ حضرت معاویہ بن معاویہ المزنی ﷺ کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوگیا ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو ان کی نماز جنازہ پڑھ لیں، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

حضرت معاویہ بن معاویہ المزنی ﷺ کے واقعہ کی سند اگرچہ متکلم فیہ ہے لیکن اگر ثابت ہوجائے تو اس میں یہ صراحت ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر کہا کہ اگر آپ پڑھنا چاہیں تو میں ابھی اس کا انتظام

---

۸۷ سیر اعلام النبلاء، ۸۵۔ اخبار النجاشی، ج: ۱، ص: ۴۲۸، مؤسسة الرسالة، بیروت، ۱۴۱۳ھ.

۸۸ قلت: النجاشي رجل مسلم قد آمن برسول الله ﷺ وصدقه على نبوته الا أنه كان يكتم ايمانه، والمسلم اذا مات وجب على المسلمين أن يصلوا عليه الا انه كان بين ظهراني أهل الكفر ولم يكن بحضرته من يقوم بحقه في الصلاة عليه فلزم رسول الله ان يفعل ذلك اذ هو نبيه ووليه احق الناس به فهذا والله أعلم هو السبب الذي دعاه الى الصلاة عليه بظهر الغيب، معالم السنن، ج: ۱، ص: ۲۷۰.

۸۹ قال: كشف للنبي ﷺ عن سرير النجاشي حتى رآه وصلى عليه، ويدل على ذلك ان النبي ﷺ لم يصل عليهم الا غائباً غيره، وقد مات من الصحابة خلق كثير وهم غائبون عنه وسمع بهم فلم يصل عليهم الا غائباً واحداً، عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۱۶۳، وفتح الباري، ج: ۳، ص: ۱۸۸، شرح سنن ابن ماجه، رقم: ۱۵۳۴، ج: ۱، ص: ۱۱۰، قديمي كتب خانه، كراچي.

کردیتا ہوں اور انتظام یہ کیا کہ پر مارا تو راستہ کے جتنے ٹیلے اور حائلات تھے سب ختم ہوگئے اور جنازہ سامنے نظر آنے لگا۔ پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔ ۹۰

اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو یہ بھی ان کی خصوصیت پر محمول ہے۔ ۹۱

تیسری بہت ہی ضعیف روایت ہے کہ جب موتہ میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، چونکہ یہ بہت ضعیف روایت ہے اس پر تو کچھ کہنا ہی نہیں ہے۔

تو جتنے بھی ایسے واقعات ہیں ان سب میں جنازہ کو بطور معجزہ آپ کے سامنے حاضر کیا گیا اور ظاہر ہے کہ یہ بات آپ ﷺ کے بعد کسی کو حاصل نہیں ہو سکتی، اس واسطے یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔

(۵۴) باب الصفوف علی الجنازة

جنازہ کے لئے صفوں کا بیان

۱۳۱۸ - حدثنا مسدد: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا معمر، عن الزهري، عن سعيد، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: نعى النبي ﷺ الى أصحابه النجاشي ثم تقدم فصفوا خلفه فكبر اربعاً. [راجع: ۱۲۴۵]

نعى النبي ﷺ الى أصحابه النجاشي

نبی کریم ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو موت کی خبر سنائی۔

نعي - موت کی اطلاع دینا، نعي القوم - یعنی قوم کو میت کے دفن کے لئے بلانا۔

۱۳۱۹ - حدثنا مسلم: حدثنا شعبة: حدثنا الشيباني، عن الشعبي قال: اخبرني من شهد النبي ﷺ أتى على قبر منبوذ فصفهم وكبر اربعاً، قلت يا أبا عمرو: من حدثك؟ قال: ابن عباس. [راجع: ۸۵۷]

---

۹۰ عن انس بن مالک قال: نزل جبرئيل على النبي ﷺ فقال: يامحمد: مات معاوية بن معاوية المزني، اتحب ان تصلي عليه؟ قال: نعم، فضرب بجناحيه، فلم يبق اكمة ولا شجرة الا تضعضعت، فرفع سريره حتى نظر اليه، فصلى عليه وخلفه صفان من الملائكة، كل صف سبعون الف ملك، عمدة القاری، ج: ۶، ص: ۱۲۳، سنن البيهقي الكبرى، رقم: ۶۸۲۳، ج: ۴، ص: ۵۱، مكتبة دار الباز، مكة المكرمة، ۱۴۱۴ھ.

۹۱ مجمع الزوائد، باب الصلاة على الغائب، ج: ۳، ص: ۳۸.

ترجمہ: شعبی سے روایت ہے کہ مجھ سے ایک شخص نے بیان کیا جس نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے ایک منبوذ یعنی گراپڑا بچہ کی قبر کے پاس صفیں قائم کیں اور چار تکبیریں کہیں میں نے کہا تم سے کس نے بیان کیا انہوں نے بیان کیا ابن عباس نے۔

المنبوذ ۔ کا معنی وہ بچہ جو راستہ میں پھینک دیا گیا ہو۔ [۹۲]

(۵۵) باب صفوف الصبیان مع الرجال فی الجنائز

جنازے میں مردوں کے ساتھ بچوں کے صف قائم کرنے کا بیان

۱۳۲۱ ۔ حدثنا موسی بن اسماعیل : حدثنا عبدالواحد : حدثنا الشیبانی ، عن عامر ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما : أن رسول اللہ ﷺ مرّ بقبر قد دفن لیلاً فقال : ((متی دفن ہذا؟)) فقالوا : البارحۃ ، قال : ((أفلا آذنتمونی ؟)) قالوا : دفناہ فی ظلمۃ اللیل فکرھنا أن نوقظک ، فقام فصففنا خلفہ . قال ابن عباس : وأنا فیہم فصلی علیہ . [راجع : ۸۵۷]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ایک قبر کے پاس سے گذرے جو رات کو دفن کیا گیا تھا آپ ﷺ نے فرمایا یہ کب دفن کیا گیا؟ لوگوں نے کہا کہ کل رات، آپ نے فرمایا پھر مجھے اطلاع کیوں نہ دی؟ لوگوں نے کہا کہ ہم نے اسے رات کی تاریکی میں دفن کیا، اس لئے ہم نے آپ کو جگانا ناپسند کیا۔

قال ابن عباس : وأنا فیہم فصلی علیہ

ابن عباسؓ نے بیان کیا میں بھی انہیں میں تھا، چنانچہ آپ نے اس پر نماز پڑھی۔

(۵۶) باب سنۃ الصلاۃ علی الجنائز

جنازہ پر نماز کے طریقہ کا بیان

وقال النبی ﷺ : ((من صلّی علی الجنازۃ)) . وقال : ((صلّوا علی صاحبکم)) . وقال : ((صلّوا علی النجاشی)) ، سماہا صلاۃ لیس فیہا رکوع ولا سجود ولا یتکلم فیہا . وفیہا تکبیر و تسلیم . وکان ابن عمر لایصلّی إلا طاہراً لایصلّی عند طلوع الشمس ولا غروبہا .

---

۹۲ المنجد ، ص : ۹۸۹ .

ويرفع يديه. وقال الحسن: أدركت الناس وأحقهم على جنائزهم من رضوه لفرائضهم. وإذا أحدث يوم العيد أو عند الجنازة يطلب الماء ولا يتيمم. وإذا انتهى إلى الجنازة وهم يصلّون يدخل معهم بتكبيرة. وقال ابن المسيب: يكبر بالليل والنهار والسفر والحضر أربعا. وقال أنس رضي الله عنه: تكبيرة الواحدة استفتاح الصلاة. وقال: ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا ﴾ [التوبة: ۸۴] وفيه صفوف وإمام.

تشریح

من صلّى على الجنازة، صلّوا على صاحبكم "اور "**صلّوا على النجاشي**" ان تمام حدیثوں میں "سماها صلاة" آپ ﷺ نے جنازہ کی نماز کو صلوٰۃ قرار دیا۔

اس سے امام شعبی رحمہ اللہ پر رد کرنا چاہ رہے ہیں جن کا مذہب یہ ہے کہ نماز جنازہ کیلئے طہارۃ شرط نہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے ان تمام احادیث میں نماز جنازہ پر صلوٰۃ کا اطلاق کیا ہے اس لئے جو احکام صلوٰۃ کے ہیں وہ اس پر بھی جاری ہوں گے "لاتقبل صلوٰة بغير طهور" اس کے بارے میں بھی کہا گیا ہے۔ [۹۳]

"ليس فيها ركوع ولا سجود ولا يتكلم فيها"

اس میں رکوع سجدہ بھی نہیں ہے، بات چیت بھی نہیں ہے "**وفيها تكبير وتسليم**" اور اس میں تکبیر اور سلام ہے۔

"وكان ابن عمر لا يصلي إلا طاهراً" حضرت ابن عمر ﷺ بغیر طہارت کے نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے "ولا يصلي عند طلوع الشمس ولا غروبها" طلوع اور غروب کے وقت بھی نہیں پڑھتے تھے اور حنفیہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ عین طلوع اور غروب کے وقت نہیں پڑھنا چاہئے، مؤخر کرنا چاہئے، "ثلاثة أوقات نهانا رسول الله ﷺ أن نصلي فيها او نقبر فيها موتانا" حضرت عقبہ بن عامر ﷺ کی حدیث ہے جس میں فرمایا کہ بعینہٖ طلوع اور غروب کے وقت نہ پڑھا جائے۔

نماز جنازہ میں رفع یدین کا مسئلہ

"**ويرفع يديه**" فرماتے ہیں اس میں ہاتھ بھی اٹھائے گا۔

---

۹۳ وقال ابن بطال: كان غرض البخاري بهذا الرد على الشعبي، فانه اجاز الصلاة على الجنازة بغير طهارة، قال: لانه دعاء ليس فيها ركوع ولا سجود. قال: والفقهاء مجمعون من السلف والخلف على خلاف قوله. انتهى. عمدة القاري، ج: ٦، ص: ١٢٠.

حنفیہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کی صرف پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھائے گا۔

شافعیہ کہتے ہیں ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھائے گا، حنابلہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ ۹۴

لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ وہ صرف پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے، حالانکہ رفع یدین کے مسئلہ میں شافعیہ کے مسلک کا دارومدار حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی احادیث پر ہے اور یہاں ان کی روایت یہ ہے کہ وہ صرف پہلی تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔ علامہ عینیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی وہ روایات نقل کی ہیں۔ لہٰذا حنفیہ کہتے ہیں کہ صرف اول تکبیر پر ہاتھ اٹھائے گا جبکہ شافعیہ کہتے ہیں ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھائے گا۔ ۹۵

نماز جنازہ کی امامت کا حقدار

"وقال الحسن: ادركت الناس واحقهم على جنائزهم من رضوه لفرائضهم"

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو اس حالت میں پایا کہ وہ کہتے تھے کہ ان کی نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جس پر لوگ فرائض پڑھانے کے لئے راضی ہوں، یعنی امام الحی جس کے پیچھے یا اپنی حیات میں مردہ نمازیں پڑھتا رہا تھا نماز جنازہ بھی اسی سے پڑھانی چاہئے۔

---

۹۴ مسألة قال: و يرفع يديه في كل تكبيرة ـ اجمع أهل العلم على ان المصلي على الجنائز يرفع يديه في أول تكبيرة يكبرها وكان ابن عمر يرفع يديه في كل تكبيرة.

وبه قال: سالم و عمر بن عبد العزيز و عطاء و قيس بن أبي حازم و الزهري و اسحاق و ابن المنذر و الأوزاعي و الشافعي.

وقال مالك و الثوري و أبوحنيفة لايرفع يديه الا في الأولى لان كل تكبيرة مقام ركعة و لا ترفع الأيدي في جميع الركعات، المغني، ج: ٢، ص: ١٨٣، دارالفكر، بيروت، ١٤٠٥ هـ. و الأم، ج: ١، ص: ٢٧١، والمجموع، ج: ٥، ص: ١٨٣.

۹۵ وفي ((المبسوط)) أن ابن عمر وعلياً، رضي الله عنهما وعن ابن عباس عنده مثله بسند فيه الحجاج بن نصير. وفي الاحرام، وحكاه ابن حزم عن ابن مسعود وابن عمر، ثم قال: لم يأت بالرفع فيما عدا الأولى نص ولا اجماع. وحكي في (المصنف) عن النخعي والحسن بن صالح: أن الرفع في الأولى فقط، وحكى ابن المنذر الاجماع الى الرفع في أول تكبيرة، عمدة القاري، ج: ٦، ص: ١٢٠، والمبسوط للسرخسي، ج: ٢، ص: ٦٥.

نماز جنازہ کے لئے بوقت عذر تیمّم کرسکتا ہے

"وإذا أحدث يوم العيد أو عند الجنازة يطلب الماء ولا يتيمم" اگر عید کے دن یا جنازہ کے پاس کسی کو حدث ہو جائے تو وہ پانی طلب کرے، تیمم نہ کرے۔

اس سے حنفیہ کی تردید کرنا مقصود ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اگر آدمی جنازہ میں جارہا ہے اور محدث ہے تو اس کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر اس کو یہ خیال ہے کہ میں وضو کرنے جاؤں گا تو جنازہ کی نماز میں شامل نہ ہوسکوں گا تو جلدی سے تیمم کرسکتا ہے۔

اس کی دلیل ایک مرفوع حدیث ہے جو کامل ابن عدی میں آئی ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس عنہما سے مروی ہے کہ "إذا فجأتک جنازة وانت علي غير وضوء فتيمم" لیکن اس کا مرفوع ہونا تو مشکوک ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے موقوفاً ثابت ہے، جیسے ابن ابی شیبہ نے مصنف میں روایت کیا ہے، اسی بنا پر حنفی کہتے ہیں کہ فوراً تیمم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے۔ ۹۶

نماز عید کے لئے تیمّم کرسکتا ہے

عید کے بارے میں بھی حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ویسے تو پانی سے طہارۃ حاصل کرکے پڑھنی چاہیئے اور امام کے لئے تو ہر حال میں ضروری ہے کہ وضو کرے، کیونکہ جماعت اس کا انتظار کرلے گی، لیکن مقتدی کا حکم یہ ہے کہ فرض کریں عین موقع پر کسی کو حدث لاحق ہوگیا اور اندیشہ ہے کہ اگر وضو کرنے جاؤں گا تو نماز نہیں ملے گی، اس صورت میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں، تیمم کرلے۔ صاحبین کہتے ہیں کہ وضو ہی واجب ہے۔ ۹۷

بعض حضرات نے اس کو اختلاف زمانہ پر محمول کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے زمانہ میں عیدگاہ دور ہوتی تھی، وضو کرنا آسان نہیں تھا اور صاحبین رحمہما اللہ کے دور میں عیدگاہ قریب تھی۔ وضو کرنے میں کوئی

---

۹۶ عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۱۷۰، ومصنف ابن أبي شيبة، ج: ۲، ص: ۴۹۸، مكتبة الرشد، الرياض، ۱۴۰۹ھ.

۹۷ واما التيمم لصلاة العيد فعلى التفصيل عندنا، وهو انه ان كان قبل الشروع في صلاة العيد لا يجوز للامام، لأنه ينتظر، وأما المقتدي فان كان الماء قريباً بحيث لو توضأ لا يخاف الفوت لايجوز، والافيجوز، فلو أحدث احدهما بعد الشروع بالتيمم يتيمم. وان كان الشروع بالوضوء وخاف ذهاب الوقت لو توضأ، فكذلك عند أبي حنيفة خلافاً لهما، عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۱۷۲، والمبسوط للسرخسي، ج: ۲، ص: ۳۰، دار المعرفة، بيروت، ۱۴۰۶ھ.

دشواری نہیں تھی۔ ۹۸

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے اسلئے وہ فرماتے ہیں کہ ہر حال میں پانی طلب کرے۔

"إذا انتهى إلى الجنازة وهم يصلون يدخل معهم بتكبيرة" کوئی شخص جنازہ کی نماز کے پاس پہنچے اور لوگ نماز پڑھ رہے ہوں تو ایک مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر ان کے ساتھ داخل ہو جائے اور ان کا مسلک یہ ہے کہ جو تکبیریں چھوٹ گئیں ہیں ان کی قضا نہیں ہے۔

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی کی ایک یا دو تکبیریں نکل گئیں تو وہ آتے ہی تکبیر نہ کہے بلکہ امام کی تکبیر کا انتظار کرے جب ہی تکبیر کہے تو یہ بھی تکبیر کہہ کر شامل ہو جائے اور امام کی فراغت کے بعد چھوٹی ہوئی تکبیریں کہے اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک آتے ہی تکبیر کہہ دے۔ ۹۹

وقال ابن المسيّب :"يكبر بالليل والنهار والسفر والحضر اربعا"

ابن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں رات ہو یا دن، سفر ہو یا حضر، تکبیریں چار ہی کہنی ہیں اور یہی جمہور ائمہ کا مذہب ہے۔

وقال أنس ﷺ :"تكبيرة الواحدة استفتاح الصلوٰة"

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک تکبیر افتتاح صلوٰۃ کی ہوگی باقی تین جنازہ کی ہوں گی۔

وقال :"ولا تصلّ على احد منهم مات أبداً" اس میں پھر وہی اشارہ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو نماز قرار دے رہے ہیں "ولا تصلّ" تو نماز کی جو شرائط ہیں طہارت وغیرہ وہ اس میں بھی پائی جائیں گی۔

"وفيه صفوف وامام" اور اس میں صفیں بھی ہوتی ہیں اور امام بھی ہوتا ہے۔ چونکہ اس کے احکام نماز جیسے ہیں لہٰذا طہارت بھی شرط ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف جو کسی نے یہ منسوب کر دیا ہے کہ ان کے نزدیک نماز جنازہ بغیر طہارت کے بھی جائز ہے، یہ نسبت بالکل غلط ہے، البتہ ان کے نزدیک سجدۂ تلاوت کے بارے میں

---

۹۸ فمن المشايخ من قال : هذا اختلاف عصر و زمان ، ففي زمن ابي حنيفة كانت الجبانة بعيدة من الكوفة ، وفي زمنها كانوا يصلون في جبانة قريبة ، عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۱۷۲ .

۹۹ وعندنا لو كبر الإمام تكبيرة أو تكبيرتين لايكبر الآتي حتى يكبر الامام تكبيرة اخرى عند ابي حنيفة ومحمد ، ثم اذا كبر الامام يكبر معه ، فاذا فرغ الامام كبر هذا الآتي مافاته قبل أن ترفع الجنازة . وقال ابو يوسف : يكبر حين يحضر ، وبه قال الشافعي واحمد في رواية ، وعن أحمد مخير ، قولهما هو قول الثوري والحارث بن يزيد ، وبه قال مالك واسحاق واحمد في رواية . وعمدة القاري ، ج: ۶، ص: ۱۷۲ ، والبحر الرائق ، ج: ۲، ص: ۱۹۹ ، دارالمعرفة ، بيروت .

احتمال ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے وہ بغیر طہارت کے جائز ہے اور شاید "فیہ صفوف وامام" کہہ کر سجدۂ تلاوت سے احتراز کرنا چاہتے ہیں کیونکہ سجدۂ تلاوت میں نہ صفیں ہوتی ہیں، نہ امام ہوتا ہے، لہٰذا وہ من کل الوجوہ صلوٰۃ کے مشابہ نہیں ہے، اس لئے اگر وہ بغیر طہارت کے جائز ہو تو اس سے نماز جنازہ پر قیاس کرنا درست نہ ہوگا کیونکہ یہ قیاس مع الفارق ہوگا۔

سوال: غرق اور حرق کی صورت میں جب میت نہ ملے تو نماز جنازہ کیسے پڑھیں؟

جواب: اگر نہ ملے تو مجبوری ہے اس لئے نہ پڑھیں۔

۱۳۲۲ ۔ حدثنا سليمان بن حرب قال : حدثنا شعبة ، عن الشيباني ، عن الشعبي قال : اخبرني من مر مع نبيكم ﷺ على قبر منبوذ فأمنا فصففنا خلفه فقلنا : ياأباعمرو ومن حدثك ؟ قال : ابن عباس رضي الله عنهما . [راجع : ۸۵۷]

فأمنا فصففنا ۔ یعنی امامت اور صفوں کی برابری نماز جنازہ کی سنت میں سے ہے۔ اس طرح ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ہوگئی۔

(۵۷) باب فضل اتباع الجنائز

جنازہ کے پیچھے چلنے کی فضیلت کا بیان

وقال زيد ثابت رضي الله عنه: إذا صليت فقد قضيت الذي عليك. وقال حميد بن هلال: ماعلمنا على الجنازة إذنا، ولكن من صلى ثم رجع فله قيراط.

زید بن ثابت نے کہا کہ جب تو نے نماز پڑھ لی تو تو نے پوری کر لی وہ چیز جو تجھ پر واجب ہے۔

اور حمید بن ہلال نے کہا کہ ہم جنازہ سے واپسی کے لئے اجازت کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے، لیکن جس نے نماز پڑھی اور پھر واپس ہوا تو اس کے لئے ایک قیراط ہے۔

۱۳۲۳ ۔ حدثنا أبو النعمان: حدثنا جرير بن حازم قال: سمعت نافعاً يقول: حدث ابن عمر : أن أبا هريرة رضي الله عنهم يقول : من تبع جنازة فله قيراط ، فقال : أكثر أبو هريرة علينا. [راجع: ۴۷]

۱۳۲۴ ۔ فصدقت . يعني عائشة . أباهريرة و قالت : سمعت رسول الله ﷺ يقوله . فقال ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما: لقد فرطنا في قراريط كثيرة. فرطت:

ضیعت من امر اللہ۔ [۱۰۰]

روایتِ باب کا مطلب

پہلا مطلب اس کا یہ ہے "ما علمنا علی الجنازۃ إذنا" یعنی جنازہ میں شامل ہونے کی اجازت کے بارے میں ہمیں علم نہیں ہے کہ یہ اجازت ضروری ہے یعنی اہل میت سے اجازت لی جائے کہ ہم آپ کے جنازہ میں شامل ہو جائیں، یہ اجازت ضروری نہیں ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز جنازہ پڑھ کر دفن میں شریک ہوئے بغیر اگر کوئی شخص جانا چاہتا ہو تو کیا اہل میت سے اجازت ضروری ہے۔

حنفیہ کی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ اگر دفن سے پہلے جانا ہو تو اہل میت سے اجازت لے کر جانا چاہئے۔

اس کی تردید کرنا مقصود ہے کہ فرمایا "من صلی ثم رجع فلہ قیراط" جو نماز پڑھے اور لوٹ جائے اس کو ایک قیراط ملے گا اور یہ ضروری نہیں قرار دیا کہ اجازت لے کر جانا ہوگا۔

حنفیہ کی کتابوں میں جو لکھا ہے وہ کوئی شرط نہیں ہے نہ واجب ہے بلکہ آداب میں سے ہے کہ جس شخص کے پاس آپ تعزیت کیلئے گئے ہیں، وہ آپ کا جاننے والا ہے اگر آپ جنازہ پڑھ کر بغیر اطلاع کئے کھسک گئے تو وہ یہی سمجھے گا کہ یہ تجہیز وتکفین تک شریک رہا ہے وہ خواہ مخواہ احسان مند رہے گا اور غلط فہمی میں مبتلا ہوگا، اس لئے ادب یہ ہے کہ اطلاع دیدیں کہ میں جا رہا ہوں، کوئی حرام وحلال کا مسئلہ نہیں ہے کہ اس کیلئے دلائل کی ضرورت ہو۔

البتہ اگر کسی اجنبی کا جنازہ ہے جس میں آپ شریک ہوگئے اور جانتے ہی نہیں ہیں کہ کس کا جنازہ ہے، اس کا اہل کون ہے، وہاں اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔

لقد فرطنا فی قراریط کثیرۃ الخ۔

جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث پہلی بار سنی یعنی اس سے پہلے معلوم نہیں تھی تو فرمایا کہ "لقد فرطنا فی قراریط کثیرۃ" یعنی ہم نے کتنی قیراط ضائع کر دی ہیں! پہلے ہمیں حدیث نہیں ملی تھی اس واسطے اتنا اہتمام نہیں تھا کہ جنازہ کے پیچھے جائیں اور نماز پڑھیں اور تدفین میں بھی شریک رہیں، تو ہم نے

---

[۱۰۰] جری دأب البخاری انہ یفسر الکلمۃ الغریبۃ من الحدیث اذا وافقت کلمۃ من القرآن، و ھذا اشارۃ الی ماورد فی القرآن: ﴿ یٰحَسْرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطْتُ فِیْ جَنْۢبِ اللّٰهِ ﴾ [الزمر: ۵۶] و معناہ: ضیعت من أمر اللہ، عمدۃ القاری، ج: ۶، ص: ۱۷۷۔

کتنے قیراط ضائع کر دئے باوجود اس کے کہ نماز جنازہ میں شریک ہونے کا موقع تھا مگر ہم شریک نہیں ہوئے۔[۱۰]

فضیلت معلوم ہونے کے بعد صحابۂ کرام ﷺ نے جنازہ کی نماز میں کوتاہی کرنی چھوڑ دی اور فرمایا پہلے ہمیں یہ حدیثیں نہیں پہنچی تھیں کہ نماز جنازہ کی اتنی فضیلت ہے، اگر پہلے معلوم ہوتیں تو بہت قیراط جمع کر لیتے، ہمارے بہت قیراط ضائع ہوگئے۔

یہ صحابۂ کرام ﷺ کی فضائل اعمال کی حرص تھی کہ جس جگہ سے بھی کوئی نیکی مل رہی ہو، اس کو حاصل کرنے کی فکر کرتے۔

(۵۸) باب من انتظر حتی تدفن

دفن کئے جانے تک انتظار کا بیان

۱۳۲۵۔ حدثنا عبداللہ بن مسلمة قال : قرأت علی ابن أبی ذئب ، عن سعید بن سعید المقری ، عن أبیه أنه سأل أبا ہریرة ﷺ قال : سمعت النبی ﷺ . ح [راجع : ۴۷]

حدثنا احمد بن شبیب بن سعید قال : حدثنی أبی : حدثنا یونس : قال ابن شهاب ح وحدثنی عبدالرحمن الاعرج أن أبا ہریرة رضی اللہ عنه قال : قال رسول اللہ ﷺ : ((من شهد الجنازة حتی یصلّی فله قیراط ومن شهد حتی تدفن کان له قیراطان)). قیل : وما القیراطان ؟ قال : ((مثل الجبلین العظیمین)).

ترجمہ: سعید بن ابوسعید مقبری اپنے والد ابوسعید مقبری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو ہریرہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا۔

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جنازہ میں شریک ہو یہاں تک کہ نماز پڑھ لے تو اس کے لئے ایک قیراط ہے اور دفن کئے جانے تک حاضر رہے تو اس کے لئے دو قیراط ہیں پوچھا گیا دو قیراط کیا ہیں؟ کہا دو بڑے پہاڑوں کی طرح ہیں۔

(۵۹) باب صلاة الصبیان مع الناس علی الجنائز

جنازے پر لوگوں کے ساتھ بچوں کے نماز پڑھنے کا بیان

۱۳۲۶۔ حدثنا یعقوب بن ابراهیم : حدثنا یحیی بن أبی بکیر : حدثنا زائدة :

---

[۱۰] سنن الترمذی ، کتاب الجنائز عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی فضل الصلاة علی الجنازة ، رقم : ۹۶۱.

حدثنا أبو اسحاق الشيباني، عن عامر، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: أتى رسول الله ﷺ قبراً فقالوا: هذا دفن أو دفنت البارحة. قال: ابن عباس رضي الله عنهما: فصففنا خلفه ثم صلى عليها. [۱۰۲]

(۶۰) باب الصلاة على الجنائز بالمصلّى والمسجد

مصلی اور مسجد میں جنازے پر نماز پڑھنے کا بیان

۱۳۲۷ ـ حدثنا يحي بن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن سعيد بن المسيّب وأبي سلمة: أنهما حدثاه عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: نعى لنا رسول الله ﷺ النجاشي صاحب الحبشة اليوم الذي مات فيه، قال: ((استغفروا لأخيكم)). [راجع: ۱۲۴۵]

۱۳۲۸ ـ وعن ابن شهاب قال: حدثني سعيد بن المسيّب أن أبا هريرة رضي الله عنه قال: أن النبي ﷺ صف بهم بالمصلّى فكبر عليه أربعاً. [راجع: ۱۲۴۵]

۱۳۲۹ ـ حدثنا إبراهيم بن المنذر: حدثنا أبو ضمرة قال: حدثنا موسى بن عقبة، عن نافع، عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما: أن اليهود جاؤا إلى النبي ﷺ برجل منهم وامرأة زنيا، فأمر بهما فرجما قريباً من موضع الجنائز عند المسجد. [انظر: ۳۶۳۵، ۴۵۵۶، ۶۸۱۹، ۶۸۴۱، ۷۳۳۲، ۷۵۴۳] [۱۰۳]

ترجمہ: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہود نبی ﷺ کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت لے کر آئے جنہوں نے زنا کیا تھا، آپ نے ان دونوں کے رجم کرنے کا حکم دیا تو مسجد کے پاس نماز جنازہ پڑھنے کی قریب ان دونوں کو سنگسار کیا گیا۔

---

[۱۰۲] و أفاد بهذا الباب مشروعية صلاة الصبيان على الموتى، كما ذكرنا. فان قلت: هذا كان يستفاد من ذلك الباب. قلت: نعم لكن ضمناً وهنا ذكره قصداً ونصاً، كما ذكره العيني في عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۱۸۱.

[۱۰۳] وفي صحيح مسلم، كتاب الحدود، باب رجم اليهود اهل الذمة في الزنا، رقم: ۳۲۱۱، وسنن أبي داود، كتاب الحدود، باب في رجم اليهوديين، رقم: ۳۸۵۶، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۲۲۹، وموطأ مالك، كتاب الحدود، باب ماجاء في الرجم، رقم: ۱۲۸۸، و سنن الدارمي، كتاب الحدود، باب في الحكم بين اهل الكتاب اذا تحاكموا الى حكام المسلمين، رقم: ۲۲۱۸.

مقصد امام بخاریؒ

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے نجاشی پر مصلّی یعنی عیدگاہ میں نماز پڑھی۔

مسجد میں نماز جنازہ کا حکم

ترجمۃ الباب میں فرمایا ہے "باب الصلاۃ علی الجنائز بالمصلی والمسجد" حالانکہ مسجد کا ذکر حدیث میں نہیں ہے۔

بعض لوگوں نے کہا کہ مسجد کا ذکر انہوں نے قیاس کے ذریعہ سمجھا کیونکہ جب عیدگاہ میں نماز پڑھی تو عیدگاہ بھی ایک طرح کی مسجد ہوتی ہے، لہٰذا مسجد میں بھی پڑھنا جائز ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس سے اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے مصلّی میں تو نماز پڑھی ہے، لیکن مسجد نبوی میں پڑھنا کہیں ثابت نہیں ہے، لہٰذا مسجد میں نہیں پڑھنی چاہئے، دونوں احتمال ہیں۔

دراصل یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے:

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، بشرطیکہ مسجد کے آلودہ ہونے کا خطرہ نہ ہو۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مسلک

امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ مسجد میں عدم جواز کے قائل ہیں۔

حنفیہ میں سے شیخ ابن الہمامؒ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ مکروہ تنزیہی ہے۔ [۱۰۴]

علامہ قاسم ابن قطلوبغاؒ نے مسجد میں جنازہ پڑھنے کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ [۱۰۵]

بعض کہتے ہیں کہ یہ اساءت ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اساءت مکروہ تحریمی اور تنزیہی کے درمیان ایک درجہ ہے، مکروہ تنزیہی سے زیادہ اور تحریمی سے کم ہے۔ بہرحال مسجد میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔

---

۱۰۴ ولا یصلی علی میت فی مسجد جماعۃ، شرح فتح القدیر، ج: ۲، ص: ۱۲۸، دار الفکر، بیروت۔

۱۰۵ البحر الرائق، ج: ۲، ص: ۲۰۲ ـ ۲۰۱، دار المعرفۃ، بیروت۔

امام شافعیؒ وامام احمدؒ کا استدلال

امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اس واقعہ سے استدلال فرماتے ہیں جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے سہیل بن بیضاء اور ان کے بھائی پر مسجد میں نماز پڑھی تھی۔

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کی وفات ہوئی تو حضرت عائشہؓ نے ان کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھنے کی فرمائش کی جس پر لوگوں نے اعتراض کیا۔ اس موقع پر حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تمہیں کیا پتہ ہے نبی کریم ﷺ نے سہیل بن بیضاء اور ان کے بھائی پر مسجد میں نماز پڑھی تھی۔

حنفیہؒ و مالکیہؒ کا استدلال

پہلی دلیل: حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال بخاری کی احادیث باب سے ہے جو حضرت ابو ہریرۃ ؓ اور حضرت ابن عمر ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد کے باہر جنازہ کے لئے مخصوص جگہ بنائی تھی، اس سے صاف واضح ہے کہ اگر مسجد میں نماز جنازہ جائز ہوتی تو مسجد کے باہر جنازہ کی جگہ بنانے کی کوئی ضرورت نہ تھی، خاص طور پر مسجد نبوی کہ جس میں نماز پڑھنے کا ثواب دوسری جگہ کی بنسبت ایک ہزار گنا زیادہ ہوتا ہے اس کو چھوڑ کر مسجد سے باہر جگہ بنانا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا مکروہ تھا، ورنہ باہر جگہ نہ بناتے، یہاں تک کہ نجاشی پر بھی مسجد نبوی میں نہیں پڑھی بلکہ عیدگاہ میں جا کر پڑھی ہے۔

اور یہ کہنا کہ مصلّی کا بھی وہی حکم ہے جو مسجد کا ہے یہ اس لئے درست نہیں ہے کہ تمام فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ مصلّی اور مسجد کے احکام مختلف ہوتے ہیں، اس لئے مصلّی میں پڑھنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں پڑھنا درست نہیں تھا۔

دوسری دلیل: حنفیہ کی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جو ابو داؤد کے اندر حضرت ابو ہریرۃ ؓ سے مروی ہے "من صلّی علی جنازة فی المسجد فلاشیئی علیه" جو جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھے اس کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔ [۱۰۲]

اتفاق سے ابو داؤد کے موجودہ نسخوں میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں "من صلی علی الجنازة فی المسجد فلاشیئی علیه" جس کے معنی بالکل غلط ہو جاتے ہیں کہ اس کے اوپر کچھ وبال نہیں، اس واسطے شافعیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ یہ تو ہماری دلیل ہے۔

لیکن محققین نے "فلاشیئی له" والی حدیث کو ترجیح دی ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ابن ماجہ میں یہی

---

[۱۰۲] سنن أبی داؤد، کتاب الجنائز، رقم: ۳۱۹۱، ج: ۳، ص: ۲۰۷، دار الفکر، بیروت۔

حدیث آئی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں "فلیس لہ شیء" ابن ماجہ کی حدیث کی تائید کی وجہ سے "فلاشیئی لہ" والی روایت زیادہ صحیح ہے اور اسی سے حنفیہ اور مالکیہ کا استدلال ہے۔ [۱۰۷]

جہاں تک حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ کے واقعہ کا تعلق ہے اس کے بارے میں حنفیہ کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا استدلال احادیث کلیہ کے مقابلہ میں منقوض ہے اس لئے حنفیہ کہتے ہیں کہ وہاں کوئی عذر ہوسکتا ہے جس کی وجہ سے مسجد میں نماز جنازہ پڑھی، کیونکہ عادت تو پتہ چل گئی کہ یہی تھی کہ مسجد سے باہر پڑھتے تھے، جب ایک واقعہ میں مسجد میں پڑھی تو اس سے خود بخود نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ کچھ سبب پیش آیا ہوگا، جس کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھی، مثلاً بارش تھی یا کیچڑ وغیرہ کی وجہ سے۔ حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ اگر اس قسم کا کوئی عذر پیش آجائے تو مسجد میں جائز ہے۔

اس ایک واقعہ کو کسی عذر پر محمول کرلینا اہون ہے بنسبت اس کے کہ جو ساری زندگی کا معمول ہے اس کے بارے میں بحث کی جائے کہ یہ افضل تھا یا وہ افضل ہے۔ [۱۰۸]

---

[۱۰۷] واما بالنظر الی مطلق حدیث أبی هريرة رضی الله عنه : ((من صلی علی جنازة فی المسجد فلا شیء له)) ، فالمنع مطلق . وقول ابن بزيزة ليس فيه صيغة النهی ... الی آخره مردود أيضاً ، لأن اثبات منع شیء غير مقتصر علی الصيغة، و تعليله با لاحتمال غير مفيد لدعواه ، واما صلاته ﷺ علی سهيل فلا ننكرها ، غير أن حديث أبی هريرة الذی رواه أبو داؤد عنه انه قال : قال رسول الله ﷺ : ((من صلی علی جنازة فی المسجد لا شیء له)) ، وأخرجه ابن ماجه أيضاً و لفظه : ((فليس له شیء)) و قال الخطيب : المحفوظ : ((فلاشیء له)) ويروی : ((فلاشیء عليه)) و روی : ((فلا أجر له)) ، فقد نسخ حديث عائشة رضی الله عنها ، بيانه ان حديث عائشة اخبار عن فعل رسول الله ﷺ فی حال الاباحة التی لم يتقدمها نهی ، وحديث أبی هريرة أخبار عن نهی رسول الله ﷺ الذی قد تقدمته الاباحة ، فصار حديث أبی هريرة ناسخاً ، و يؤيده انكار الصحابة علی عائشة ، رضی الله عنها ، لأنهم قد كانوا علموا فی ذلک خلاف ماعلمت ، ولو لا ذلک ما انكروا ذلک عنها ، عمدة القاری ، ج : ۷، ص : ۱۲۲ ، وسنن ابن ماجه ، باب ماجاء فی الصلاة علی الجنائز فی المسجد ، رقم : ۱۵۱۷ ، ج: ۱ ، ص: ۴۸۹، دار الفكر ، بيروت .

[۱۰۸] عند المسجد ، يكون بمعنی : فی ، أو تقول . قوله : باب الصلاة علی الجنائز بالمصلی والمسجد ، يحتمل وجهين احدهما : الاثبات ، والآخر : النفی ، ولعل غرض البخاری النفی بان لايصلی عليها فی المسجد بدليل تعيين رسول الله ﷺ موضع الجنازة عند المسجد ، ولو جاز فيه لما عينه فی خارجه ، وبهذا يدفع كلام ابن بطال : ليس فيه ۔ أی : فی حديث ابن عمر ۔ دليل علی الصلاة فی المسجد ، انما الدليل فی حديث عائشة : صلی رسول الله ﷺ علی سهيل بن بيضاء فی المسجد . قلت : لو كان اسناده علی شرطه لأخرجه فی صحيحه . عمدة القاری ، ج: ۶ ، ص: ۱۸۲ .

پھر حنفیہ کے درمیان اس میں کلام ہوا ہے کہ اگر جنازہ مسجد سے باہر ہو اور مصلی اندر ہوں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

بعض حضرات کہتے ہیں جنازہ باہر ہو اور مقتدی مسجد کے اندر ہوں تو یہ صورت جائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی ناجائز ہے، تو دونوں ہی قول ہیں۔ ۱۰۹

---

۱۰۹ ولا في مسجد لحديث أبي داؤد مرفوعاً من صلى على ميت في المسجد فلا اجر له وفي رواية فلاشيء له اطلقه فشمل ما اذا كان الميت والقوم في المسجد أو كان الميت خارج المسجد والقوم في المسجد أو كان الامام مع بعض القوم خارج المسجد والقوم الباقون في المسجد أو الميت في المسجد والامام والقوم خارج المسجد، وهو المختار خلافاً لما أورده النسفي كذا في الخلاصة .

وهذا الاطلاق في الكراهة بناء على ان المسجد انما بني للصلاة المكتوبة وتوابعها من النوافل و الذكر وتدريس العلم .

وقيل لا يكره اذا كان الميت خارج المسجد وهو مبني على ان الكراهة لاحتمال تلويث المسجد،

الأول هو الاوفق لاطلاق الحديث كذا في فتح القدير فما في غاية البيان والعناية من ان الميت وبعض القوم اذا كانا خارج المسجد والباقون فيه لا كراهة اتفاقاً ممنوع.

وقد يقال ان الحديث يحتمل ثلاثة اشياء ان يكون الظرف وهو قوله في مسجد ظرفاً للصلاة والميت وحينئذ فللكراهة شرطان كون الصلاة في المسجد وكون الميت فيه فاذا فقد احدهما فلا كراهة .

الثاني ان يكون ظرفاً للصلاة فقط فلايكره اذا كان الميت في المسجد والقوم كلهم خارجه .

الثالث أن يكون ظرفاً فقط وحينئذ حيث كان خارجه فلاكراهة وما اختاروه كما نقلناه لم يوافق واحداً من الاحتمالات الثلاثة لانهم قالوا بالكراهة اذا وجد احدهما في المسجد المصلي او الميت كما قال في المجتبى وتكره سواء كان الميت والقوم في المسجد او احدهما .

ولعل وجهه انه لما لم يكن دليل على واحد من الاحتمالات بعينه قالوا بالكراهة بوجود احدهما ايا كان وظاهر كلام المصنف ان الكراهة تحريمية لانه عطفه على ما لايجوز من الصلاة راكبا وهي احدى الروايتين مع ان فيه ايهاما لان في المعطوف عليه لم تصح الصلاة اصلاً وفي المعطوف هنا صحيحة والاخرى انها تنزيهية ورجحه في فتح القدير بان الحديث ليس مصروف ولا قرن الفعل بوعيد بظني بل سلب الاجر وسلب الاجر لا يستلزم ثبوت استحقاق العقاب لجواز الاباحة .

......﴿بقیہ اگلے صفحہ پر﴾......

اس کا انحصار اسی حدیث پر ہے کہ **"من صلى على الجنازة في المسجد فلاشيئ له يافليس له شئ"**۔

منشأ اختلاف

اب جن لوگوں نے "في المسجد" جار مجرور کا تعلق صلّي سے کیا "من صلى في المسجد على الجنازة" تو انہوں نے کہا کہ جنازہ خواہ اندر ہو یا باہر ہو صلوٰۃ فی المسجد منع ہے۔

جن لوگوں نے في المسجد کا تعلق جنازہ سے کیا یعنی "من صلى على جنازة كائنة في المسجد، موجودة في المسجد" تو انہوں نے کہا کہ مسجد میں جنازہ ہوگا تو ناجائز ہوگا اور مسجد سے باہر ہوگا تو جائز ہوگا، اس اختلاف کا مدار في المسجد کے جار مجرور کے متعلق پر ہے کہ متعلق "صلّي" ہے یا "جنازة" ہے۔امام ابن ہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ اگر فعل ایسا ہے جس کا حسی اثر مفعول تک پہنچتا ہے تو اس میں جب ظرف آئے گا وہ فعل کا ہوگا مفعول کا نہیں ہوگا۔بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جن کا حسی اثر مفعول تک پہنچتا ہے۔

اور اگر فعل ایسا ہے جس کا حسی اثر مفعول تک نہیں پہنچتا تو وہاں اگر ظرف آئے گا تو وہ مفعول کا ظرف ہوگا۔مثال کے طور پر ایک شخص نے قسم کھائی کہ "والله لا اضرب زيدا في المسجد" اب اگر یوں کہیں کہ "في المسجد" کا تعلق "لا اضرب" سے ہے تو زید چاہے مسجد میں ہو چاہے باہر ہو، یعنی ضارب مسجد میں کھڑا ہے اور زید مسجد سے باہر اور یہ مسجد کے کنارہ پر کھڑا ہو کر باہر کھڑے ہوئے زید کو مار رہا ہے تو کہتے ہیں کہ اس صورت میں وہ حانث ہو جائے گا کیونکہ "في المسجد" کا تعلق "لا اضرب" فعل سے ہے، ضارب کا مسجد میں موجود ہونا چاہئے مضروب مسجد میں موجود ہو یا نہ ہو اس سے بحث نہیں ہے۔

اور اگر فعل کا اثر کسی مفعول کی طرف متعدی ہو رہا ہو تو اس صورت میں فاعل ومفعول دونوں کا ظرف میں ہونا ضروری ہے، ظرف دونوں کا ہوگا اور اگر اثر نہیں پہنچ رہا ہے تو پھر صرف فاعل کا مسجد میں ہونا کافی ہے

...... ﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾...... ثم قرر تقريراً حاصله انه لاخلاف بيننا وبين الشافعي على هذه الرواية لانه يقول بالجواز في المسجد لكن الافضل خارجه وهو معنى كراهة تنزيه وبه يحصل الجمع بين الاحاديث اه .

لكن تترجح كراهة التحريم بالرواية الاخرى التي رواها الطيالسي كما في الفتاوى القاسمية من صلى على ميت في المسجد فلا صلاة له ، فمن أراد تفصيله فليراجع : البحر الرائق ، ج : ۲، ص : ۲۰۲ - ۲۰۱ ، دار المعرفة ، بيروت ، و الدر المختار ، الصلاة على الجنائز في المسجد ، ج: ۲، ص: ۲۲۵ ، دار الفكر ، بيروت ، ۱۳۸۶ هـ.

مفعول کا ظرف میں ہونا ضروری نہیں ہے، اگر کہا "لا اضرب زيداً في المسجد" اور اس طرح کہا کہ زید تو باہر کھڑا تھا اور خود اندر سے مارا تو حانث نہیں ہوگا۔

اور اگر کہا "لا اشتم زيداً في المسجد" زید کو مسجد میں گالی نہیں دوں گا، اب زید مسجد میں نہیں ہے اور یہ مسجد میں کھڑا ہو کر زید کو گالیاں دے رہا ہے تو حانث ہوگا۔

تو یہ قاعدہ بیان کیا کہ اگر فاعل کا حسی اثر مفعول تک منتقل ہو رہا ہو تب تو مفعول کا ظرف میں پایا جانا ضروری ہے اور جہاں اثر متعدی نہیں ہو رہا ہو وہاں ظرف صرف فعل کا ہوتا ہے، اس لئے صرف فاعل اور فعل کا پایا جانا کافی ہے، مفعول کا ہونا ضروری نہیں۔

اسی طرح صلوۃ جنازہ ہے کیا اس کا حسی اثر میت کے اوپر منتقل اور متعدی ہوتا ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا حسی اثر میت پر منتقل نہیں ہوتا، لہٰذا یہ دوسری قسم میں داخل ہو گیا۔ اب اس کا تعلق فعل سے ہوا اور فعلِ صلاۃ مسجد میں ممنوع، چاہے جنازہ موجود ہو یا نہ ہو، اس سے پتہ چلا کہ اس حدیث کی بنیاد پر راجح قول یہ ہوا کہ جنازہ مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر تو دونوں صورتوں میں مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں، یہ حنفیہ کا مسلک ہے، البتہ عذر کی حالت میں جائز ہے۔

عذر کیا ہے؟ مثلاً بارش ہے، کیچڑ ہے آدمی اتنے زیادہ ہیں کہ مسجد کے باہر کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جس میں سب کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھ سکیں تو ایسی حالت میں حنفیہ کے نزدیک بھی مسجد میں نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے اور جب ایسی عذر کی صورت ہو تو یہ ہے کہ جنازہ مسجد سے باہر رکھا جائے کہ بعض حنفیہ کے قول پر بھی درست ہو جائے۔

(۶۱) باب مايكره من اتخاذ المساجد على القبور

قبروں پر مسجدیں بنانے کی کراہت کا بیان

ولما مات الحسن بن الحسن بن علي رضي الله عنهم ضربت امرأته القبة على قبره سنة ثم رفعت. فسمعوا صائحاً يقول: ألا هل وجدوا ما فقدوا؟ فأجابه آخر: بل يئسوا فانقلبوا.

" ولما مات الحسن الخ " جب حضرت حسن بن حسن بن علی کا انتقال ہوا تو ان کی اہلیہ نے ان کی قبر پر سال بھر کیلئے ایک قبہ بنالیا، قبہ سے مراد گنبد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد خیمہ ہے اور خیمہ بنا کر وہ اسی میں رہنے لگیں، وہیں نماز پڑھتی رہیں، وہیں تلاوت کرتی رہیں، سال بھر ایسا ہی رہا "ثم رفعت" بعد میں وہ قبہ

وہاں سے ہٹالیا، جب ہٹایا تو کوئی غیبی آواز آئی جس کا کہنے والا معلوم نہ تھا، کہنے والے نے کہا ''ألا هــل وجـدوا ما فقدوا؟'' کیا انہوں نے جس کو گم کیا تھا اس کو پالیا یعنی یہاں جو خیمہ لگایا تھا وہ کسی کی تلاش میں لگایا تھا کیا اس کو پالیا جس کی وجہ سے قبہ ہٹالیا ''فـاجـابـه آخـر بـل يـئسوا فانقلبوا'' تو دوسری غیبی آواز نے اس کا جواب دیا کہ نہیں بلکہ مایوس ہو گئے اور واپس چلے گئے، گویا کسی فرشتے یا جن کی آواز سے یہ سبق دیا گیا کہ یہ قبہ لگانا بیکار ہے کیونکہ مآل کار تمہارے اس عمل سے تمہارا جانے والا واپس نہیں آسکتا۔

۱۳۳۰ ۔ حدثنا عبيدالله بن موسى، عن شيبان، عن هلال هو الوزان، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها عن النبي ﷺ قال في مرضه الذي مات فيه: ((لعن الله اليهود والنصارى، اتخذوا قبور انبيائهم مسجداً)). قالت: ولولا ذلک لابرز قبره غيراني اخشي ان يتخذ مسجداً. [راجع: ۴۳۵]

بعض لوگوں نے ''لعن الله اليهود والنصارى، اتخذوا قبور انبيائهم مساجد'' سے عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر استدلال کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی فوت ہو گئے ہیں جبھی تو نصاریٰ نے ان کی قبر کو مسجد بنایا ہوگا یہ استدلال حماقت ہے اور اس حماقت کا کوئی جواب نہیں کہ زمین سے آسمان پر کوئی استدلال کرے تو اس کا کوئی علاج نہیں، باقی یہ کہ اس میں انبیاء کا ذکر ہے تو عیسائی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانتے ہی نہیں وہ تو عیسیٰ کو علیہ السلام خدا مانتے ہیں ان سے دوسرے انبیاء مراد ہیں'' اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد کے اندر عیسیٰ علیہ السلام داخل ہی نہیں ہوتے۔

قالت: ولولا ذلک لابرز قبره غيراني اخشي ان يتخذ مسجداً

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ حضور اکرم ﷺ کی قبر کے اوپر مسجد بنالیں گے تو آپ کی قبر کھلی ہوتی لیکن ہم نے اس کو اس لئے بند کر کے رکھا تا کہ لوگ اس کو مسجد نہ بنالیں۔

(۶۲) باب الصلاة على النفساء إذا ماتت في نفاسها

نفاس والی عورت پر نماز پڑھنے کا بیان جب کہ وہ حالتِ نفاس پر مرجائے

۱۳۳۱ ۔ حدثنا مسدد: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا حسين: حدثنا عبد الله بن بريدة قال، عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال: صليت وراء النبي ﷺ على امراة ماتت في نفسها فقام عليها وسطها. [راجع: ۳۳۲]

صليت وراء النبي ﷺ على امراة ماتت في نفسها

اس سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ نے نفاس کی حالت میں عورت پر نماز جنازہ پڑھی ہے، تو معلوم ہوا کہ نفاس کی حالت میں جو عورت مر جائے اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

اس میں وجہ اشتباہ یہ کہ جس کی وجہ سے مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ اگر کوئی عورت حالت نفاس میں ہے اور حالت نفاس میں وہ طاہرہ نہیں ہے تو ایک ایسی عورت کے سامنے کھڑے ہونا جو طاہرہ نہیں ہے اسکو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا گویا نجاست کے سامنے نماز پڑھنے کے مرادف ہے، تو اس شبہ کو دور کر دیا کہ نہیں، نماز پڑھی جاسکتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی ہے۔

(۶۳) باب أین یقوم من المرأة والرجل؟

عورت اور مرد کے جنازہ میں کہاں کھڑا ہو؟

۱۳۳۲ ۔ حدثنا عمران بن میسرة حدثنا عبد الوارث ، حدثنا حسین ، عن ابن بریدة قال : حدثنا سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ قال : صلیت وراء النبی ﷺ علی امرأة ماتت فی نفاسها فقام علیها وسطها . [راجع : ۳۳۲]

یہاں اگرچہ عورت کی نماز جنازہ پڑھاتے ہوئے بیچ میں کھڑے ہونے کا ذکر ہے شاید اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہو کہ جو عورت کا حکم ہے وہی مرد کا حکم ہے، تو یہ مسئلہ حنفیہ سے قریب ہوگا جو یہ کہتے ہیں کہ میت کے سینے کے سامنے کھڑا ہونا چاہیے، چاہے مرد ہو چاہے عورت۔

امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک مرد ہے تو سر کے سامنے کھڑا ہو اور عورت ہے تو وسط میں کھڑا ہو، امام شافعیؒ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ترمذی شریف میں آئی ہے کہ حضرت انس ﷺ نے مرد کی نماز جنازہ پڑھائی تو سر کے سامنے کھڑے ہوئے اور عورت کی نماز جنازہ پڑھائی تو بیچ میں کھڑے ہوئے تو کسی نے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ آپ ﷺ نے عورت کی نماز جنازہ اس طرح پڑھائی ہو اور مرد کی اس طرح؟ تو آپ نے کہا کہ جی ہاں، یہ امام شافعی کی دلیل ہے جو کہ قابل استدلال ہے۔ [۱۱]

حنفیہ کا موقف بعض آثار صحابہ پر مبنی ہے، یہ کوئی لمبا چوڑا معاملہ نہیں ہے کہ اس میں مجادلہ کیا جائے، اب لوگوں نے کہا کہ وسْط ہے (سین ساکن کے ساتھ) یا وسَط ہے (سین مفتوح کے ساتھ) اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ "اذا تحرک سکن وإذا سکن تحرک" یعنی وسَط (بفتح السین) کے معنی ہیں بالکل درمیان دونوں

[۱۱] سنن الترمذی ، کتاب الجنائز عن رسول اللہ ، باب ماجاء أین یقوم الامام من الرجل والمرأة ، رقم : ۹۵۶ .

جانب سے ناپو تو برابر ہو اور وسط (بسکون السین) کے معنی ہیں درمیانی حصہ خواہ بالکل درمیان نہ بھی ہو۔ تو کہتے ہیں کہ یہاں وَسَط بفتح السین نہیں ہے بلکہ وسط بسکون السین ہے اب وسط میں سینہ بھی آجاتا ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ اگر وسَط پڑھیں تو امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال تام ہے لیکن اگر وسْط پڑھیں تو اگر آدمی سینے کے سامنے کھڑا ہو تو بھی وسط کہا جائے گا کہ نہیں کہا جائے گا؟ تو پھر یہ روایت حنفیہ کے خلاف نہیں ہوگی، اس حد تک تو بات ٹھیک ہے۔

لیکن بعض روایتوں میں وسَط کے بجائے تعبیر آگئی ہے "عند عجیزتها" کہ ان کے کولہوں کے سامنے کھڑے ہوں تو ایسی صورت میں یہ تاویل نہیں چل سکتی۔ تو حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ خود حنفیہ کی ایک روایت اس کے مطابق ہے کہ عورت کے وسط میں کھڑا ہونا چاہئے، لہٰذا یہ روایت چونکہ اس حدیث سے مؤید ہے اس لئے اس کے اوپر عمل کیا جا سکتا ہے۔ [۱۱]

(۶۴) باب التکبیر علی الجنازة اربعاً

جنازہ کی چار تکبیروں کا بیان

"وقال حمید : صلی بنا أنس فکبر ثلاثاً، ثم سلم فقیل له : فاستقبل القبلة ثم کبر الرابعة ثم سلم".

حمید نے کہا کہ ہم کو انس ﷺ نے نماز پڑھائی تو تین تکبیریں کہیں پھر سلام پھیرا ان سے کہا گیا تو قبلہ کی طرف منہ کیا پھر چوتھی تکبیر کہی اور سلام پھیرا۔

---

[۱۱] فقام علیها وسطها، اشارة لما فی الحدیث ((فقام وسطها)) والسنة فیها عندنا أن یقوم الامام حذاء الصدر من الرجل و المرأة کلیهما وما ذهب الیه الامام الشافعی رحمه الله هو روایة عن امامنا أیضاً علی أن لفظ الوسط لایتعین فی القیام بحذاء العجیزة لأن الساکن منه متحرک و المتحرک ساکن و لایتعین فیه واحد منهما وانما یکون دلیلاً لهم لو کان متحرکاً ((وسطها)) فهو للوسط الحقیقی ولایکون الاواحداً بخلاف ما اذا کان ساکنا أی ((وسْطاً)) فانه یصدق علی الوسط الاضافی فهو متعدد وهو معنی کونه متحرکاً ولعله راعی مافی أبی داؤد أن أنساً رضی الله عنه صلی علی جنازة فقیل له یا أبا حمزة هکذا کان رسول الله ﷺ یصلی علی الجنازة کصلاتک علیها قال ((نعم)) فعبره بلفظ السنة ثم عند أبی داؤد، ج: ۲، ص: ۹۹، قام عند عجیزتها فاندفع التأویل المذکور ولاحاجة الی الجواب فانه أیضاً روایة عن امامنا الأعظم رحمة الله تعالیٰ، فیض الباری علی صحیح البخاری، ج: ۱، ص: ۳۶۲۔

۱۳۳۳ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف : أخبرنا مالک ، عن ابن شهاب ، عن سعید بن المسیب ، عن ابی هریرة رضی الله عنه ، ان رسول الله ﷺ نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فیه وخرج بهم الی المصلی فصف بهم وکبر علیه اربع تکبیرات . [راجع : ۱۲۴۵]

نماز جنازہ میں چار تکبیروں پر اجماع صحابہ

وخرج بهم الی المصلی فصف بهم وکبر علیه اربع تکبیرات

اربع تکبیرات ۔ اس بات پر چاروں ائمہ متفق ہیں کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں ہوں گی۔

شروع میں صحابۂ کرام ﷺ کا کچھ اختلاف تھا بعد میں صحابۂ کرام ﷺ کا اجماع ہوگیا اور اجماع میں یہ طے ہوگیا کہ اب چار ہی تکبیریں ہوگی، کیونکہ حضور اکرم ﷺ سے پانچ بھی ثابت ہیں اور اس سے زائد بھی ثابت ہیں۔

طحاوی میں روایت ہے کہ صحابہ ﷺ کے اجماع میں چار تکبیریں طے ہوگئیں کہ حضور اکرم ﷺ کا آخری عمل چار تکبیریں تھا اور اسی پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ [۱۲]

---

[۱۲] والجواب عن الاحادیث التی فیها التکبیر علی الجنازة بأکثر من أربع : أنها منسوخة ، وقال الطحاوی باسناده عن ابراهیم قال : قبض رسول الله ﷺ والناس مختلفون فی التکبیر علی الجنازة ، لا تشاء أن تسمع رجلاً یقول : سمعت رسول الله ﷺ یکبر سبعاً ، وآخر یقول : سمعت رسول الله ﷺ یکبر خمساً ، وآخر یقول : سمعت رسول الله ﷺ یکبر اربعاً الاسمعته ، فاختلفوا فی ذلک ، فکانوا علی ذلک حتی قبض ابو بکر ، رضی الله تعالی عنه ، فلما ولی عمر ، رضی الله تعالی عنه ، ورأی اختلاف الناس فی ذلک شق علیه جداً ، فأرسل الی رجال من أصحاب رسول الله ﷺ فقال : انکم معاشر اصحاب رسول الله ﷺ ، متی تختلفون علی الناس یختلفون من بعدکم ، ومتی تجتمعون علی أمر یجتمع الناس علیه ، فانظروا أمرا تجتمعون علیه ، فکانما أیقظهم فقالوا : نعم مارأیت یا أمیر المؤمنین فأشر علینا ، فقال عمر ، رضی الله تعالی عنه : بل أشیروا علی ، فانما أنا بشر مثلکم ، فتراجعوا الامر بینهم فاجمعوا أمرهم علی أن یجعلوا التکبیر علی الجنائز مثل التکبیر فی الأضحی والفطر أربع تکبیرات ، فأجمع أمرهم علی ذلک ، فهذا عمر رضی الله تعالی عنه قد رد الامر فی ذلک الی اربع تکبیرات بمشورة أصحاب رسول الله ﷺ بذلک ، وهم حضروا من فعل رسول الله ﷺ ..... مارواه حذیفة وزید بن أرقم ، فکانوا مافعلوا ، فمن ذلک عندهم هو أولی مما قد کانوا فذلک نسخ لما کانوا قد عملوا لأنهم مامونون علی قد فعلوا ، کما کانوا مامونین علی ما قد رووا ، طحاوی ج : ۱ ، ص : ۳۹۵ ، وعمدة القاری ، ج : ۶ ، ص : ۱۶۱ .

چوتھی تکبیر کے بعد قبل السلام ہاتھ چھوڑنا چاہیئے

قاعدے کا تقاضا یہ ہے کہ جس وقت چوتھی تکبیر ہو جائے تو سلام سے پہلے ہی ہاتھ چھوڑ دیں، اگرچہ جائز یہ بھی ہے کہ سلام کے بعد چھوڑیں کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ایسا قیام جس میں قرأۃ نہ ہو اس میں ارسالِ یدین مسنون ہے، اسی واسطے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبل السّلام چھوڑ دینا بہتر ہے باقی اگر سلام تک بھی ہاتھ باندھے رکھے تو کوئی گناہ نہیں اور نہ یہ ایسی چیز ہے جس پر نکیر کی جائے، پھر جنازہ کا اصل رکن تکبیرات ہیں نہ کہ دعائیں اور یہ حکم امام کے لئے بھی ہے اور مقتدی کے لئے بھی۔

دعائیں تو مسنون ہیں اگر دعائیں نہ پڑھے اور خاموش کھڑا رہے تو بھی چار تکبیریں کہنے سے نماز جنازہ ہو جائے گی۔

۱۳۳۴ـ حدثنا محمد بن سنان: حدثنا سليم بن حيان: حدثنا سعيد بن ميناء، عن جابر رضي الله عنه: ان النبي ﷺ صلى على اصحمة النجاشي فكبر اربعاً. وقال يزيد بن هارون وعبد الصمد عن سليم: اصحمة. [راجع: ۱۳۱۷]

أصحمة النجاشي ـ یہ اصحمہ نجاشی حبشہ کے بادشاہوں کا لقب ہے جو عہد نبوی میں حبشہ کے بادشاہ تھے۔

(۶۵) باب قراءة فاتحة الكتاب على الجنازة

جنازہ پر سورۂ فاتحہ پڑھنے کا بیان

۱۳۳۵ـ حدثنا محمد بن بشار قال: حدثنا غندر قال: حدثنا شعبة، عن سعيد، عن طلحة قال: صليت خلف ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما.

حدثنا محمد بن كثير قال: أخبرنا سفيان، عن سعد بن إبراهيم عن طلحة بن عبدالله بن عوف قال: صليت خلف ابن عباس جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب، قال: لتعلموا أنها سنة. [۱۳]

---

[۱۳] وفي سنن الترمذي، كتاب الجنائز عن رسول الله، باب ماجاء في القراءة على الجنازة بفاتحة، رقم: ۹۴۷، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الدعا، رقم: ۱۹۶۱، وسنن ابي داؤد، كتاب الجنائز، باب مايقرأ على الجنازة، رقم: ۲۷۸۳.

نماز جنازہ میں قراءۃ الفاتحہ کا حکم

حضرت عبداللہ بن عوف ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباسؓ کے پیچھے نمازِ جنازہ پڑھی تو انہوں نے فاتحۃ الکتاب کی تلاوت کی اور فرمایا کہ "لتعلموا أنها سنة" تاکہ تمہیں پتہ چل جائے کہ یہ سنت ہے۔

شوافع وحنابلہ کا مسلک ودلیل

یہ حدیث امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کی دلیل ہے جو جنازے میں فاتحہ پڑھنے کو مسنون کہتے ہیں۔[۱۴]

پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا واجب ہے یا نہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ واجب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مسنون۔ [۱۵]

حنفیہ و مالکیہ کا مسلک ودلیل

مالکیہ اور حنفیہ جنازے میں فاتحۃ الکتاب کو مسنون نہیں مانتے اگرچہ جائز کہتے ہیں، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنازہ میں فاتحہ پڑھنے کا ہمارے شہر میں معمول نہیں۔ [۱۶]

دلیل میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کا اثر پیش کرتے ہیں کہ وہ بغیر فاتحہ کے نماز جنازہ پڑھتے تھے یعنی نماز جنازہ میں قرأت فاتحہ کے قائل نہیں تھے اور یہی قول حضرت عمر ﷺ، حضرت علی ﷺ، عبداللہ بن عمر ﷺ

---

[۱۴] المغني، مسألة قال والصلاة عليه يكبر ويقرأ الحمد، ج:۲، ص:۱۸۰، دار الفكر، بيروت، ۱۴۰۵ھ.

[۱۵] ماحكاه الترمذي عن الشافعي من أن القراءة بعد التكبيرة الاولى، هل هو على سبيل الوجوب أو على سبيل الاستحباب؟ حكى الروياني وغيره عن نص الشافعي أنه: لو أخر قراءة الفاتحة الى التكبيرة الثانية جاز، وهذا يدل على أن المراد الاستحباب دون الوجوب، وحكى ابن الرفعة و البندنيجي و القاضي حسين و امام الحرمين و الغزالي و المتولي تعين القراءة عقيب التكبيرة الأولى، واختلف المسألة كلام النووي، فجزم في (البيان) بوجوب قراءتها في التكبيرة الاولى، وخالف ذلك في (الروضة) فقال: أنه يجوز تأخيرها الى التكبيرة الثانية. وقال في (شرح المهذب) فان قرأ الفاتحة بعد التكبيرة أخرى غير الأولى جاز، وكذا قال في (المنهاج)، كذا ذكره العلامة بدر الدين العيني رحمه الله في العمدة، ج:۶، ص:۱۹۳.

[۱۶] وقال مالك: قراءة الفاتحة ليست معمولاً بها في بلدنا في صلاة الجنازة، المدونة الكبرى، ج:۱، ص:۱۷۴، دار صادر، بيروت.

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی اثر منقول ہے۔ ۱۱۷

باقی حدیث میں بات بالکل صریح ہے، اس کی جتنی تاویلات کی گئی ہیں سب کمزور ہیں، حدیث میں بات بالکل واضح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرما رہے ہیں کہ میں نے اس لئے پڑھی ہے تاکہ تمہیں پتہ چل جائے کہ یہ سنت ہے اور صحابی جب کسی عمل کو سنت کہے تو وہ حدیث مرفوع ہوتی ہے اور اس لئے اس کی جو تاویلات کی گئی ہیں وہ سب کمزور ہیں اور یہ حدیث بہت سی احادیث مرفوعہ سے مؤید ہے۔

قول فیصل

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری میں نبی کریم ﷺ سے فاتحۃ الکتاب پڑھنے پر سات آٹھ صحابہ سے مرفوع حدیث روایت کی ہے، تو صحیح بات یہ ہے کہ فاتحۃ الکتاب پڑھنا احادیث مرفوعہ سے ثابت ہے اور جو بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ دعاء کی نیت سے پڑھ لے تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے اس کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ۱۱۸

لہٰذا اس معاملہ میں یقیناً شافعیہ اور حنابلہ کا مذہب قوی ہے کہ سورۃ الفاتحہ نماز جنازہ میں پڑھنی چاہیے، البتہ واجب نہیں ہے۔ ۱۱۹

سورۃ الفاتحہ کب پڑھی جائے

سوال: نماز جنازہ میں سورۃ الفاتحہ کب پڑھنی چاہیے؟

جواب: جواب یہ ہے کہ پہلی تکبیر میں ثناء کے بعد پڑھنی چاہیے، البتہ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ مروجہ ثناء جو ہم پڑھتے ہیں یعنی سبحانک اللّٰھم وبحمدک الخ تو اس کا پڑھنا کسی روایت سے ثابت نہیں۔

---

۱۱۷ ونقل عن أبي هريرة وابن عمر: ليس فيها قراءة، وهو قول مالك والكوفيين. قلت: وليس في صلاة الجنازة قراءة القرآن عندنا. وقال ابن بطال: وممن كان لايقرأ في الصلاة على الجنازة وينكر: عمر بن الخطاب وعلي بن أبي طالب وابن عمر و ابوهريرة، ومن التابعين: عطاء وطاوس وسعيد بن المسيب وابن سيرين وسعيد بن جبير والشعبي والحكم، وقال ابن المنذر: وبه قال مجاهد وحماد والثوري، عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۱۹۱.

۱۱۸ تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں: عمدۃ القاری، ج: ۶، ص: ۱۹۳-۱۹۱.

۱۱۹ کتب فتاوی میں حنفیہ کی تائید کے لئے یہاں تک ذکر ہے: ولا يقرأ فيها القرآن ولو قرأ الفاتحة بنية الدعاء فلابأس به وإن قرأها بنية القرآن لايجوز لأنها محل الدعاء دون القراءة، كذا في محيط السرخسي، الفتاوى العالمگيرية، باب الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة على الميت، ج: ۱، ص: ۱۶۴.

البتہ روایت میں صلاۃ الجنازۃ کے بارے میں فرمایا گیا "هو الثناء والدعاء للميت" تو اس سے اصطلاحی ثناء کو ترجیح دے دی گئی ہے اس ثناء پر جو نماز کے اندر ہے، ورنہ ثناء تو کسی طرح بھی ہو سکتی ہے تو اس کو پڑھنے میں تو حرج نہیں لیکن کسی حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ ثابت نہیں۔ سبحانک اللّٰھم الخ یہ ثناء ہے لیکن ثناء کی اصطلاح تو بعد میں ہوئی کہ لوگ اس کو ثناء کہنے لگے اور نمازِ جنازہ میں تو مطلق ثناء تھی کہ کسی طرح آدمی ثناء کرلے لیکن ترجیح یہ دے دی گئی ہے کہ پنج وقتہ نماز میں جو ثناء پڑھی جاتی ہے وہی اس میں بھی پڑھی جائے۔ اس طرح استنباط کیا گیا ہے اور یہ صحیح ہے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن سورۃ الفاتحہ کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ یہ ثابت نہیں اس لئے نمازِ جنازہ میں اس کو پڑھ لینا چاہیے۔

جنازہ میں تکبیرِ اولیٰ کے بعد حمد ہے خواہ الحمد للہ کے ساتھ ہو یا ثناء وغیرہ کے ساتھ ہو۔ نمازِ جنازہ میں ثناء کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے: بعض حضرات نے کہا ہے کہ ثناء "الحمد لله" کے ذریعہ ہوگی اور بعض حضرات نے کہا ثناء "سبحانک الله" کے ذریعہ ہوگی۔ ثناء کا ثبوت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مأخوذ ہے: **أنه سأل أبا هريرة كيف نصلي على الجنازة؟ فقال أبو هريرة: "أنا لعمر الله اخبرك اتبعها من اهلها، فاذا وضعت كبرت، و حمدت الله، وصليت على نبيه"** [۲۰]

تعاملِ ائمہ

اصل میں بات یہ ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ تعاملِ اہلِ مدینہ پر عمل کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعاملِ اہلِ کوفہ پر عمل کرتے ہیں، تو ایسا لگتا ہے کہ مدینہ اور کوفہ میں سورۃ الفاتحہ پڑھنے کا تعامل نہیں تھا، اس لئے انہوں نے یہ موقف اختیار فرمایا۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ سورۃ الفاتحہ واجب نہیں کیونکہ اگر واجب

---

[۲۰] قال في المبسوط: اختلف المشايخ في الثناء، قال بعضهم: بحمد الله. كما في ظاهر الرواية، وقال بعضهم: يقول: سبحانك اللهم وبحمدك كما في سائر الصلوات، وهو رواية الحسن عن الامام كذا في "الدراية". ولا يقرأ الفاتحة الا على وجه الثناء. ومثله في "العناية" (۲: ۱۹۳، ۱۹۳). وفي الجوهر النقي: ومذهب الحنفية أن القراءة في صلاة الجنازة لاتجب ولا تكره. ذكره القدوري في "التجريد". و فيه: وقال ابن بطال في "شرح البخاري": اختلف في قراءة الفاتحة على الجنازة، فقرأ بها قوم على ظاهر حديث ابن عباس، وبه قال الشافعي، وكان عمر، وابنه، وعلي، ابو هريرة ينكرونه و به قال أبو حنيفة، ومالك. وقال الطحاوي: من قرأها من الصحابة يحتمل أن يكون على وجه الدعاء لا التلاوة، أعلاء السنن، ج: ۸، ص: ۲۵۵، و موطأ مالك، كتاب الجنائز، باب مايقول المصلي على الجنازة، رقم: ۵۳۵، دار أحياء التراث العربي، مصر.

ہوتا تو اہل مدینہ اور اہل کوفہ میں بھی اس کا تعامل ہوتا اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس کو ترک نہ فرماتے تو واجب تو نہیں لیکن سنت ہونے کا انکار کرنا بھی زیادتی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے کوئی ایسی روایت نہیں ہے جس میں انہوں نے کہا ہو کہ یہ سنت نہیں ہے، پڑھتے نہیں تھے ان کا عمل نہیں تھا، گویا واجب ہونے کی نفی ہوئی، متأخرین حنفیہ نے فرمایا کہ فاتحہ دعا کے طور پر پڑھے تو ٹھیک ہے تلاوت کے طور پر پڑھے تو ٹھیک نہیں، یہ متأخرین کا قول ہے۔ [۱۲]

نیت زبان سے کرنا ضروری نہیں

سوال: کیا جنازے میں زبان سے نیت کرنا ضروری ہے؟

جواب: نیت کے بارے میں پہلے تو یہ سمجھیں کہ نیت زبان سے نہیں ہوتی بلکہ دل سے ہوتی ہے، یہ جو ہمارے ہاں مشہور ہو گیا ہے کہ فلاں نماز کی نیت کے الفاظ یہ ہیں یہ تو محض جاہلوں کو نیت کا تعین کرانے کیلئے مقرر کیے گئے ہیں لیکن جس طرح اب اس کو نماز کا ضروری حصہ سمجھنے لگے ہیں تو اب یہ قابل ترک ہیں، نیت صرف اتنی ہونی چاہیے کہ نمازِ جنازہ ہو رہی ہے، دل میں خیال ہے کہ میں نمازِ جنازہ کیلئے جا رہا ہوں تو نیت ہو گئی، الفاظ مخصوصہ پڑھنے کی حاجت نہیں، اب لوگ یہ سمجھنے لگے کہ نیت کے الفاظ بھی نماز کا لازمی حصہ ہے یہاں تک کہ نماز ہو رہی ہے اور امام رکوع میں چلا گیا اور یہ کھڑا نیت کر رہا ہے کہ میں نیت کرتا ہوں چار رکعت نماز کی پیچھے اس امام کے منہ میرا قبلہ شریف کی طرف وغیرہ وغیرہ پوری گردان کرتا ہے یہاں تک کہ رکوع بھی ختم ہو جاتا ہے، اس کا کوئی جواز نہیں، نیت محض قلب کے اندر ارادہ پیدا ہونے سے ہو جاتی ہے، اب تو حالت یہ ہو گئی ہے کہ لوگ باقاعدہ پوچھتے ہیں کہ صلاۃ التسبیح کی نیت کیسے ہوتی ہے، نمازِ حاجت کی نیت کیسے ہوتی ہے، تو اس کیلئے ہر ایک کے الفاظ وحی کے ذریعے نہیں آئے، لہٰذا یہ سب بے اصل بات ہے۔

(۶۶) باب الصلاة علی القبر بعد ما یدفن

دفن کیے جانے کے بعد قبر پر نماز پڑھنے کا بیان

۱۳۳۷۔ حدثنا محمد بن الفضل قال: حدثنا حماد بن زید، عن ثابت، عن أبي رافع

---

[۱۲] وفي المحیط والتجنیس: ولو قرأ الفاتحة بنیة الدعا فلابأس به، وان قرأها بنیة القراءة لایجوز، لأنها محل الدعاء دون القراءة، فتاوی عالمگیریة، باب الجنائز، الفصل الخامس في الصلاة علی المیت، ج: ۱، ص: ۱۶۴، البحر الرائق، ج: ۲، ص: ۱۹۷.

عن أبي هريرة رضي الله عنه: أن اسود رجلا أو مرأة كان يقم المسجد فمات ولم يعلم النبي ﷺ بموته. فذكره ذات يوم فقال عليه الصلوٰة والسلام: ((مافعل ذٰلك الإنسان؟)) قالوا: مات يا رسول الله. قال: ((أفلا آذنتموني؟)) فقالوا: إنه كان كذا وكذا قصته قال: فحقروا شانه. قال: ((فدلوني على قبره)). فأتى قبره فصلى عليه. [راجع: ۴۵۸]

فأتى قبره فصلى عليه

قبر پر نماز جنازہ میں اختلاف ائمہ

"**فصلّى عليه**" اس سے امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال فرمایا ہے کہ قبر پر نمازِ جنازہ جائز ہے، چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک ایک ماہ کی گنجائش ہے۔

جبکہ حنفیہ کے ہاں صرف اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ میت کو نمازِ جنازہ پڑھے بغیر دفن کر دیا ہو یا اس کے ولی نے نماز نہ پڑھی ہو تو اب ولی کو اجازت ہے کہ قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھ لے بشرطیکہ ابھی اتنی ہی مدت گزری ہو کہ اس مُردے کے پھولنے یا پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو، اس کی عام طور پر سے مدت تین دن مقرر کی گئی ہے اس کے بعد نہیں۔

حدیث باب حنفیہ کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی خصوصیت ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے دوسری حدیث میں فرمایا:

"**إن هذه القبور مملوئة ظلمة على أهلها وان الله عز وجل ينورها بصلاتي عليهم**" [۱۲۲، ۱۲۳]

"کہ یہ قبریں ظلمت سے بھری ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ میری نماز کی برکت سے ان میں نور پیدا فرما دیتے ہیں" تو یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی خصوصیت ہے باقی لوگوں کو اس کی اجازت مطلقاً نہیں، لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں۔ [۱۲۴]

---

[۱۲۲] والمسئلة فيها عندنا انه لو دفن بدون الصلاة يصلى على قبره مالم يتفسخ، وعينه المشائخ بثلاثة أيام وان لم يكن الولي حاضراً فله أن يصلي عليه وان كان قد صلى عليه مرة الخ، واما في الحديث الباب فادعى الحنفية أن النبي ﷺ كان فلا بأس باعادته، والحاصل أن الصلاة بمحضر النبي لا تصح بدونه مالم توجد قرينة الاجازة من جانبه ... ولنا أيضاً أن نعدها من خصائصه ﷺ، على ماجاء في رواية مسلم وأحمد في مسنده، فيض الباري، ج: ۲، ص: ۵۸، ۵۷.

[۱۲۳] صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر، رقم: ۱۵۸۸، ومسند احمد، باقي مسند المكثرين، رقم: ۸۶۲۶.

[۱۲۴] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: عمدۃ القاری، ج: ۶، ص: ۱۹۸، ۱۶۷۔

(۶۷) باب المیت یسمع خفق النعال

مردہ جوتوں کی آواز سنتا ہے

۱۳۳۸ ۔ حدثنا عیاش: حدثنا الأعلی: حدثنا سعید ح وقال لي خلیفة: حدثنا ابن زریع: حدثنا سعید، عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((العبد إذا وضع في قبره وتولي وذهب أصحابه حتی إنه لیسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان فأقعداه فیقولان له ماکنت تقول في هذا الرجل محمد ﷺ؟ فیقول: أشهد أنه عبد الله ورسوله. فیقال: انظر إلی مقعدک من النار أبدلک الله به مقعدا من الجنة)). قال النبي ﷺ: ((فیراهما جمیعا. و أما الکافر أو المنافق فیقول: لا أدري، کنت أقول مایقول الناس. فیقال لا دریت ولا تلیت ثم یضرب بمطرقة من حدید ضربة بین أذنیه فیصیح صیحة یسمعها من یلیه إلا الثقلین)). [أنظر: ۱۳۷۴] [۴۵]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بندہ جب اپنی قبر پر رکھا جاتا ہے اور اس کو دفن کر کے پیٹھ پھیر لی جاتی ہے اور اس کے ساتھی رخصت ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ جوتوں کی آواز کو سنتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھا کر کہتے ہیں، کہ اس شخص یعنی محمد ﷺ کے متعلق تو کیا کہتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ تو اس سے کہا جاتا ہے اپنے جہنم کے ٹھکانے کی طرف دیکھ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں تجھے جنت کا ٹھکانہ عطا کیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان دونوں چیزوں یعنی جنت وجہنم کو دیکھے گا اور کافر یا منافق کہے گا کہ میں نہیں جانتا میں تو وہی کہتا تھا جو لوگ کہتے تھے تو کہا جائے گا تو نے نہ جانا اور نہ سمجھا۔

پھر لوہے کے ہتوڑے سے اس کے دونوں کانوں کے درمیان مارا جائے گا، تو وہ چیخ مارے گا اور اس چیخ کو جن وانس کے سوا اس کے آس پاس کی چیزیں سنتی ہیں۔

---

[۴۵] وفی صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها، باب عرض مقعد المیت من الجنة او عذاب القبر والتعوذ منه، رقم: ۵۱۱۵، وسنن النسائي، کتاب الجنائز، باب مسألة الکافر، رقم: ۲۰۲۳، وسنن أبي داؤد، کتاب السنة، باب في المسألة في القبر وعذاب القبر، رقم: ۴۱۲۶، ومسند أحمد، باقي مسند المکثرین، باب مسند انس بن مالک، رقم: ۱۱۸۲۳، ۱۲۹۲۳.

تشریح

یہ حدیث پہلے بھی گذر چکی ہیں، اس میں دو باتیں قابلِ ذکر ہیں:

ایک تو یہ کہ " ما کنت تقول في هذا الرجل محمد ﷺ " اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ قبر میں نبی کریم ﷺ کی شبیہ دکھائی جاتی ہے لیکن ایسی کوئی روایت نہیں ہے اور کوئی ضروری بھی نہیں کہ شبیہ دکھائی جائے بلکہ ماحضر في الذهن کے حساب سے هذا الرجل کہہ دینا بھی درست ہے۔

دوسرے اس میں لا دریت ولا تلیت (تلیت اصل میں تلوت ہے محض دریت سے مشاکلت پیدا کرنے کے لئے تلوت کی واو کو یا سے بدل کر تلیت کردیا) کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو تمہیں پتہ ہے کہ کیا ہونا چاہئے اور نہ تم نے کسی کی تقلید کی، تلا یتلو کے معنی کسی کے پیچھے جانا یعنی نہ تو خود تمہیں علم تھا اور نہ کسی کی تقلید پر ایمان اور اعمالِ صالحہ کو اختیار کیا یا یوں کہہ دو کہ لا تلوت یہ تلاوۃ سے ماخوذ ہے یعنی تم نے کلمۂ طیبہ کی تلاوت نہیں کی۔

مسئلہ سماع موتی

سوال: کیا اس سے سماع موتی ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: سماع موتی کے مسئلہ میں فضول قیل وقال کی ضرورت نہیں یہ ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ قبر اور آخرت میں ہم سے پوچھا جائے کہ یہ بتاؤ کہ مُردے سنتے ہیں یا نہیں اور جب تک یہ نہیں بتاؤ گے تو تمہیں جنت میں داخلہ نہیں ملے گا یہ ایسا مسئلہ تو نہیں لیکن اس میں ایک علمی تحقیق ضرور ہے۔ اس میں ہمارے علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ جس معنی میں اللہ تعالیٰ نے سماع کرنے کا کہا ہے اور حضور اکرم ﷺ نے جس معنی میں کہا ہے اس معنی میں سماع ہے اور جس معنی میں نہیں کہا اس معنی میں نہیں ہے اتنا ایمان کافی ہے، تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔ بس صحیح مسلک یہ ہے کہ جس معنی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "إنک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء" اس معنی میں نفی ہے اور جس معنی میں جہاں سماع کا اثبات ہے اس معنی میں اثبات ہے ثم لکل علمها إلی الله یہ اگر کوئی ایمان رکھے تو اس کے ایمان کیلئے کافی ہے، اس سے آگے کی حاجت نہیں۔ باقی اس میں لمبی چوڑی تفصیلات کو اضاعتِ وقت سمجھتا ہوں اور کچھ نہیں، لیکن فی نفسہٖ بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ سماع موتی کے منکر تھے کہ مُردے نہیں سنتے سوائے ان مخصوص مقامات کے جہاں پر سماع مذکور ہے جیسے یہ خفق نعال اور قلیب بدر وغیرہ وغیرہ، یہ بات اگرچہ مشہور ہے لیکن بعد کے لوگوں نے یہ تشریح کی ہے کہ صرف یہ بات نہیں بلکہ حضور اکرم ﷺ سے اتنی کثرت سے سماع کی احادیث مروی ہیں کہ اس میں راجح یہ ہے کہ

وہ سماع کے قائل تھے اگر چہ اس میں بحث کی ہے کہ سماع کے قائل تھے یا نہیں واللہ اعلم لیکن موجودہ زیادہ تر حضرات کا خیال یہ ہے کہ سماع موتی کا اثبات کرتے ہیں، البتہ جہاں نفی آئی ہے تو وہ نفی کو دوسرے معنی پر محمول کرتے ہیں اگر کبھی اس مسئلہ کی تفصیل دیکھنی ہو تو میرے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) قدس اللہ سرہ کا اس موضوع پر ایک بہترین رسالہ ہے جس کا نام تکمیل الحبور بسماع اہل قبور جو احکام القرآن کے اندر چھپا ہوا ہے اس میں بڑے ہی اعتدال وانصاف کے ساتھ اس مسئلہ کا بیان ہوا ہے، لہٰذا اس تفصیل کو کبھی وہاں دیکھ لینا، زیادہ لمبی چوڑی بحثیں کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔

(۶۸) باب من أحب الدفن في الأرض المقدسة أو نحوها

اس شخص کا بیان جو ارض مقدسہ یا اس کے علاوہ جگہوں میں دفن ہونا پسند کرے

۱۳۳۹ ـ حدثنا محمود: حدثنا عبدالرزاق قال: أخبرنا معمر، عن ابن طاوس، عن ابيه، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: أرسل ملك الموت إلى موسى عليهما السلام فلما جاءه صكه فرجع إلى ربه فقال: أرسلتني إلى عبد لا يزيد الموت. فرد الله عز وجل عليه عينه وقال: ارجع فقل له يضع يده على متن ثور، فله بكل ماغطت به يده بكل شعرة سنة. قال: أي رب، ثم ماذا؟ قال: ثم الموت. قال: فالآن، فسأل الله أن يدنيه من الأرض المقدسة رمية بحجر) قال: قال رسول الله ﷺ: ((فلو كنت ثم لأريتكم قبره إلى جانب الطريق عند الكثيب الأحمر)). [۲۶]

تشریح

حضرت ابو ہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا گیا جب وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ایسا تھپڑ مارا کہ ملک الموت کی آنکھ پھوڑ دی تو وہ اللہ تعالیٰ کے پاس گئے اور جا کر عرض کیا" أرسلتني إلى عبد لا يريد الموت " کہ آپ نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو

---

[۲۶] وفي صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل موسى، رقم: ۴۳۷۴، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب نوع آخر، رقم: ۲۰۶۳، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۷۳۲۶ وباب باقي المسند السابق، ۷۸۲۵، ۸۲۲۲، ۱۰۴۸۴.

مرنا ہی نہیں چاہتا " فرد اللہ عز وجل علیہ عینہ " اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ واپس دلوادی "وقال ارجع" اور فرمایا کہ دوبارہ ان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو " یضع یدہ علی متن ثور " تو جتنے بال ان کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے تو ہر بال کے عوض ان کو ایک سال کی زندگی دے دی گئی "فلہ بکل ما غطت بہ یدہ بکل شعرۃ سنۃ" جب وہ گئے اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم کو اتنی عمر دی جاتی ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اے پروردگار! اس کے بعد کیا ہوگا، کہا کہ ثم الموت پھر موت آئے گی۔ قال فالآن انہوں نے کہا کہ جب بعد میں آنی ہی آنی ہے تو پھر ابھی کیوں نہ آئے۔

" فسأل اللہ ان یدنیہ من الأرض المقدسۃ رمیۃ بحجر " دعا یہ فرمائی کہ مجھے ارض مقدس کے قریب کر دیا جائے کیونکہ اس وقت وادی تیہ میں تھے اور ان کا انتقال بھی وادی تیہ ہی میں ہوا ہے جو آج کل " سینا " کہلاتی ہے تو آپ نے درخواست کی کہ اے اللہ! مجھے ارض مقدسہ کے قریب کر دیا جائے رمیۃ بحجر اتنا قریب چلا جاؤں کہ پتھر وہاں گر سکے۔ قال رسول اللہ ﷺ فلو کنت ثم اگر میں وہاں ہوتا تو لأریتکم قبرہ میں موسیٰ کی قبر تم کو دکھاتا إلی جانب الطریق عند الکثیب الأحمر جو سرخ ٹیلے کے پاس راستے کے قریب ہے، حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو بطور وحی آپ علیہ السلام کی قبر دکھائی گئی ہوگی کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے اور ویسے بھی آپ وہاں سے گزرے ہیں، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

یہاں جو یہ واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت آئے اور انہوں نے ملک الموت کو تھپڑ مار کر ان کی آنکھ پھوڑ دی، اس کے اوپر معتزلہ، جہمیہ اور منکرین حدیث نے سخت اعتراضات کئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں یہ حدیث غلط ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا، اس واسطے کہہ دیا کہ وہ یہ حدیث مانتے ہی نہیں، ایک تو یہ کہ فرشتے کی آنکھ کیسے پھوڑی، فرشتہ کوئی جسمانی چیز تو ہوتی نہیں کہ اس کی آنکھ پھوڑ دی جائے، پھر یہ کہ ملک الموت آیا تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وقت مقدر ہو چکا تھا پھر تو موسیٰ علیہ السلام کو طاقت ہی نہیں ہونی چاہیے تھی کہ آنکھ پھوڑ کر اس کو واپس بھیج دیتے اور اپنا وقت ٹلواتے، اس لئے کہ " لن یؤخر اللہ نفساً إذا جاء اجلھا " یا ابھی وقت نہیں آیا تھا جب وقت نہیں آیا تھا تو ملک الموت وقت سے پہلے کیوں آگیا، تو اس لئے یہ جتنی بات ہے کوئی بھی عقل میں آنے والی نہیں اور نہ یہ اصول کے مطابق ہے، اس لئے بہت سے لوگوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ یہ حدیث غلط ہے، لیکن حقیقت میں حدیث کو غلط کہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

صورتحال یہ ہے کہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ ملک الموت آیا اور دوسری روایت میں آتا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ "أجب ربک" اپنے پروردگار کی دعوت کا جواب دو یعنی اللہ میاں کے پاس چلو یہ معنی ہیں "أجب ربک" کے تو روایات میں آتا ہے کہ آدمی کی شکل میں آیا تھا اور اچانک آیا تھا جبکہ انبیائے کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب ان کی موت کا وقت آتا ہے تو ملک الموت پہلے جا کر

ان سے پوچھتا ہے اور اجازت لیتا ہے یہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اکرام ہے اور اللہ کی سنت ہے۔ حضور اکرم ﷺ سے بھی پوچھا گیا جس پر آپ نے کہا "اللّٰھم بالرفیق الاعلیٰ"

تو اس وقت ملک الموت بتقدیر الٰہی اطلاع دیئے بغیر ویسے ہی پہنچ گئے اور انسانی شکل میں آئے تو ایک دم سے اچانک موسیٰ علیہ السلام کے گھر میں ایک اجنبی آدمی داخل ہو گیا اور کہتا ہے کہ اللہ میاں کے پاس چلو تو مطلب اس کا یہ ہوا کہ میں تمہیں قتل کروں گا اس لئے کہ جب ایک انسان کی شکل میں کوئی آدمی اچانک آتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ میاں کے پاس چلو تو مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں مارنے آیا ہوں، اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے اس کو جو مارا تو وہ درحقیقت اپنے دفاع میں مارا۔

رہا یہ کہ فرشتے کی آنکھ کیسے پھوٹی؟

امداد الفتاویٰ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ درحقیقت قاعدہ یہ ہے کہ جن مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے مختلف شکلیں اختیار کرنے کی طاقت عطا فرمائی ہے تو وہ جس وقت جس شکل میں ہوتے ہیں طاقت بھی ان کی اسی شکل کے مطابق ہوتی ہے، لہٰذا اگر جن چیونٹی کی شکل میں آجائے تو اس میں طاقت بھی چیونٹی جیسی ہوگی، اس وقت اگر ہاتھ سے مارو تو مرجائے گا تو جس وقت جیسی طاقت میں ہوتا ہے طاقت بھی اسی حالت کے مطابق ہوتی ہے۔ تو فرشتہ جب آدمی کی شکل میں آیا تو اس میں آدمی جیسی طاقت ہے، آدمی جیسے اعضاء ہیں اور جب آدمی کی آنکھ پھوٹ سکتی ہے تو اس کی بھی پھوٹ سکتی ہے اس میں کوئی قباحت نہیں۔ [۱۲۷]

---

[۱۲۷] چنانچہ امداد الفتاویٰ میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

اشکالات کا جواب معروض ہے:

(۱) اس کی کوئی دلیل نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کو پہچانا تھا، ممکن ہے کہ بشری شکل میں آئے ہوں، جس کو یہ سمجھا ہو کہ کوئی آدمی ہے جو جان لینے کی دھمکی دیتا ہے، آپ نے مدافعت کے طور پر تھپڑ مارا جس میں آنکھ پھوڑنے کا قصد نہ تھا مگر اتفاق سے ایسا ہو گیا اور ملک الموت کو اس کا علم نہ ہوا ہو کہ انہوں نے پہچانا نہیں ورنہ کہہ دیتے کہ میں ملک الموت ہوں یا یہ سمجھا ہو کہ یہ اس کہنے سے بھی یقین نہ کریں گے، کیونکہ اس وقت تک حق تعالیٰ نے ان کے ملک الموت ہونے کا علم ضروری پیدا نہ کیا تھا، اس لئے بجائے ان سے گفتگو کرنے کے خدا تعالیٰ سے عرض کیا اور آنکھ کے ماؤف ہونے پر بھی اشکال نہیں ہوسکتا، کیونکہ جس شکل میں تمثل ہوتا ہے اس کے کل یا بعض خواص اس میں پیدا ہو جاتے ہیں اس وقت ان کی آنکھ اتنی ہی قوت تھی جس قدر بشری آنکھ میں ہوتی ہے، دوبارہ جو تشریف لائے یا تو ملکی شکل میں آئے ہوں یا بشری شکل میں ہوں، مگر حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام میں ان کے فرشتہ ہونے کا علم ضروری پیدا کر دیا ہو، اور بعض حالات میں انبیاء کا فرشتوں کا نہ پہچاننا کچھ مستبعد نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا ملائکہ کا نہ پہچاننا اور کھانا پیش کرنا یا اپنی قوم سے اندیشہ کرنا قرآن مجید میں مذکور ہے، باقی اجل مسمی سے تقدیم یا تاخیر کچھ لازم نہیں آتی۔

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر﴾

رہا یہ سوال کہ دو حال سے خالی نہیں، تو موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا وقت آچکا تھا یا نہیں آیا تھا اگر وقت آچکا تھا تو ٹلا کیسے اور اگر نہیں آیا تھا تو ملک الموت کیسے آئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں یہ بات تھی اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہی یہ تھا کہ ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس دو مرتبہ جائیں، پہلی مرتبہ جب بھیجا گیا تو اس وقت وقت مقدر نہیں آیا تھا اس وقت مقدر ہی یہ تھا کہ ایسا ہو، وقت مقدر بعد میں آنے والا تھا جس کا ذکر بعد میں آیا اس واسطے اشکال کی کوئی بات نہیں۔

رہا یہ سوال کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ جب قبض روح کا مقصد نہ تھا تو ملک الموت کو بھیجا کیوں گیا؟ اور آنکھ

.... ﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾ .... چنانچہ وقت موت کا وہی مقرر تھا جس میں وفات ہوگئی، اگر اول ہی بار میں موسیٰ علیہ السلام آمادہ ہو جاتے تب بھی اتنی ہی دیر لگتی جتنی اب اس مراجعت میں لگی، رہا وعدہ تطویل حیاۃ کا یہ تقدیر معلق کے طور پر ہے، جس کی ایک شق حق تعالیٰ کے علم میں مبرم ہوتی ہے۔ اور وہ تقدیر معلق قضیہ شرطیہ ہوتا ہے جس کے صدق کے لئے وقوع مقدم اور تالی کا ضروری نہیں، صرف دونوں میں علاقہ ملازمت کا کافی ہے جیسے حدیث میں ہے "لو کان بعدی نبیاً لکان عمر" مگر معلوم الٰہی تھا کہ نہ مقدم واقع ہوگا نہ تالی۔

اب سب اشکالات مذکورہ نمبر اول مرتفع ہو گئے، اور "الموت جسر" کا اشکال بھی رفع ہو گیا، چنانچہ جب ان کو معلوم ہو گیا کہ پیام حق ہے تو اسکو "جسر" سمجھ کر راضی ہو گئے، رہا یہ کہ یہ کیوں پوچھا کہ "ثم مہ" اس میں اس پر تنبیہ فرمانا تھا کہ تطویل عمر کوئی مطلوب چیز نہیں، البتہ اگر دوام و خلود ہوتا تو سمجھا جاتا کہ مثل ملائکہ کے میرے لئے بھی قرب خاص موت پر موقوف نہیں تو اس کی طلب مفید تھی۔

(۲) ملائکہ اگر اپنی صورت اصلیہ میں بھی ہوں تب بھی نصوص سے ان کا مادی ہونا ثابت ہے، گو مادہ لطیف ہو، چنانچہ اسی حالت میں ان کا "تحیز" ان کی حرکت و سکون سب کچھ قطعیات سے ثابت ہے، پس جو اشکال تجرد کے ساتھ خاص ہے وہ تو مرتفع ہے، باقی جو اشکال لطافت مادہ کی صورت میں ہے وہ بھی بظاہر اس وقت واقع ہے جب ملک الموت اپنی اصلی شکل میں ہوں، اور یہ ثابت نہیں بلکہ احتمال ہے کہ بشری شکل میں تھے۔ اور اوپر مذکور ہوا ہے کہ جس شکل میں تمثل ہوتا ہے اس کے کل یا بعض خواص اس وقت ظاہر ہوتے ہیں اور نظر غائر کرکے بعد اس تقریر پر بھی یہ اشکال واقع نہیں، کیونکہ یہ خاصیت کہ تفرق کے بعد فوراً التیام ہو جائے لوازم ذات سے نہیں محض جعل جاعل سے ہے، اگر بطور خرق عادت کے کسی حکمت سے کہ اس کی تعیین ہمارے ذمہ نہیں، یہ خاصیت متخلف ہو جاوے تو کوئی وجہ امتناع کی نہیں، جیسے بخاری و مسلم میں حدیث خضر میں مرفوعاً "فاضطرب الحوت فی المکتل حتی خرج من المکتل فسقط فی البحر قال وامسک اللہ عنہ جریۃ الماء حتی کان مثل الطاق" بلکہ خود قرآن مجید میں "فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم" میں تفریق ماء کے بعد اس کا عدم التیام ایک وقت محدود تک مذکور ہے۔

اور ملائکہ کے آنکھ کان وغیرہ ہونے کی نفی نہ کسی دلیل نقلی سے ثابت نہ دلیل عقلی سے، بلکہ ظاہراً جب ان کے لئے سمع، بصر تکلم ثابت ہے تو ان جوارح کا ثبوت بھی غالب ہے اور اگر غالب بھی نہ ہو تو محتمل تو ضرور ہے اور مانع کے لئے احتمال کافی ہے، غرض عقلی یا نقلی اشکال تو واقعہ پر کچھ نہ رہا۔ اب صرف استبعاد کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے، سو اہل ملل و نحل اجمالاً اس سے زیادہ مستبعدات کے قائل ہو جاتے ہیں، تو اس قائل کا ہونا بھی لازم ہے۔

جواب کے بعض اہم اجزا علامہ نوویؒ نے بھی ذکر کئے ہیں، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: امداد الفتاویٰ، ج: ۵، ص: ۱۲۶۔۱۲۳۔

کیوں چھوڑ وائی گئی اور یہ ایسا کیوں ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو کارخانۂ قدرت کے حکموں میں دخل اندازی والی بات ہے کہ کیوں اللہ میاں نے یہ کیا اور کیوں یوں کیا، تو ہر کیوں کا جواب انسان کے پاس موجود نہیں، اگر کوئی پوچھے کہ تمہاری ناک یہاں کیوں لگی ہے پیچھے کیوں نہیں لگی؟ کان دو کیوں ہیں تین کیوں نہیں؟ تو ہر کیوں کا جواب موجود نہیں ہوتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت وہی جانتا ہے، ہوسکتا ہے کہ انبیاء کی عظمت بمقابلہ ملائکہ ظاہر کرنا مقصود ہو اور نہ جانے کیا کیا حکمتیں ہوسکتیں ہیں، تو ان حکمتوں میں دخل اندازی کی ضرورت نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کیا حکمت تھی۔

البتہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے جو استدلال کیا ہے وہ یہ ہے کہ کوئی شخص اگر یہ چاہے کہ میں ارض مقدسہ میں دفن ہوں أو نحوھا یا اس جیسی زمین میں کہ وہ مقدس ہونے میں منصوص تو نہ ہو لیکن یہ خیال ہو کہ یہاں بزرگ زیادہ مدفون ہیں، وہاں پر میں بھی دفن ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے ارض مقدسہ میں مدفون ہونے کی تمنا فرمائی، لہٰذا اگر بزرگوں کے پاس دفن ہونے کی تمنا کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ کوئی شرک نہیں کہ فلاں بزرگ کے پاس مجھے دفن کیا جائے۔

سوال: اگر کوئی شخص کسی دوسری جگہ دفن کرنے کی وصیت کرے تو کیا یہ معتبر ہے یا نہیں؟

جواب: یہ وصیت معتبر نہیں، کیونکہ میت کو دوسری جگہ لے جانا مکروہ تحریمی ہے، اس لئے یہ وصیت بھی معتبر نہیں۔

(۶۹) باب الدفن باللیل

رات کو دفن کرنے کا بیان

"ودفن ابو بکر رضی اللہ عنہ لیلاً".

۱۳۴۰ - حدثنا عثمان بن أبی شیبة: حدثنا جریر، عن الشیبانی، عن الشعبی، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: صلی النبی ﷺ علی رجل بعد ما دفن بلیلة، قام هو واصحابه، وکان سأل عنه فقال: ((من هذا؟)) فقالوا: فلان دفن البارحة، فصلوا علیه.

[راجع: ۸۵۷]

حدیث باب سے معلوم ہوا کہ میت کو رات کو دفنانا جائز ہے۔ کیونکہ اگر میت کو رات میں دفن کرنے میں کوئی کراہت ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس پر ضرور نکیر فرماتے۔

(۷۰) باب بناء المسجد على القبر

قبر پر مسجد بنانے کا بیان

۱۳۴۱ ـ حدثنا اسماعيل قال : حدثني مالک ، عن هشام ، عن أبيه ، عن عائشة رضي الله عنها قالت : لما اشتكى النبي ﷺ ذكرت بعض نسائه كنيسة رأينها بأرض الحبشة يقال لها : مارية . وكانت أم سلمة و ام حبيبة رضي الله عنهما أتتا أرض الحبشة فذكرتا من حسنها وتصاوير فيها ، فرفع راسه فقال : ((أولئک اذا مات منهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجداً ثم صوروا فيه تلک الصورة ، أولئک شرار الخلق عند الله)) . [راجع : ۴۲۷]

ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار پڑے تو آپ ﷺ کی بعض بیویوں نے ملک حبشہ کے ایک گرجا کا تذکرہ کیا جسے ماریہ کہا جاتا تھا۔ ام سلمہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہما حبشہ گئی تھیں تو ان دونوں نے اس گرجا کی خوبصورتی اور ان تصویروں کا حال بیان کیا جو اس گرجا میں تھیں۔

آپ ﷺ نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ یہ لوگ وہ ہیں کہ جب ان کا کوئی مرد صالح مر جاتا تھا تو یہ اس قبر پر مسجد بنا لیتے تھے پھر اس کی تصویریں بنا لیتے تھے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی بدترین مخلوق ہیں۔

(۷۱) باب من يدخل القبر المرأة

عورت کی قبر میں کون اترے

۱۳۴۲ ـ حدثنا محمد بن سنان قال : حدثنا فليح بن سليمان : حدثنا هلال بن علي ، عن أنس رضي الله عنه قال : شهدنا بنت رسول الله ﷺ ورسول الله ﷺ جالس على القبر ، فرأيت عينيه تدمعان ، فقال : ((هل فيكم من أحد لم يقارف الليلة ؟)) فقال أبو طلحة : أنا ، قال: ((فانزل في قبرها)) ، فنزل في قبرها فقبرها .

قال ابن المبارک : قال فليح : أراه يعني الذنب . قال أبو عبدالله : ﴿ لِيَقْتَرِفُوا﴾ [الانعام : ۱۱۳] ليكتسبوا . [راجع: ۱۲۸۵]

عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے کہ فلیح نے کہا کہ "لم یقارف" کا مطلب میرے خیال میں یہ ہے کہ گناہ نہ کیا ہو اور ابو عبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ قرآن میں "لِيَقْتَرِفُوا" کے معنی "لیکتسبوا" ہے۔

(۷۲) باب الصلاة على الشهيد

شہید پر نماز پڑھنے کا بیان [۲۸]

۱۳۴۳ ـ حدثنا عبداللہ بن یوسف: حدثنا اللیث قال: حدثنی ابن شهاب، عن عبدالرحمن بن کعب بن مالک، عن جابر بن عبداللہ قال: کان النبی ﷺ یجمع بین الرجلین من قتلیٰ أحد فی ثوب واحد، ثم یقول: ((أیهما أکثر أخذاً للقرآن؟)) فإذا أشیر له إلی أحدهما قدمه فی اللحد وقال: ((أنا شهید علی هؤلاء یوم القیامة)). وأمر بدفنهم فی دمائهم ولم یغسلوا ولم یصل علیهم. [انظر: ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۵۳، ۴۰۷۹] [۲۹، ۳۰]

---

[۲۸] هذا باب في بيان حكم الصلاة على الشهيد، وإنما لم يفسر الحكم وأطلق الترجمة لأنه ذكر في الباب حديثين: أحدهما: يدل على نفيها، وهو حديث جابر. والآخر: يدل على إثباتها، وهو حديث عقبة. ومن هنا وقع الاختلاف بين العلماء، فذهب الشافعي ومالك وإسحاق في رواية: إلى أن الشهيد لا يصلى عليه كما لا يغسل. وإليه ذهب أهل الظاهر، واحتجوا في ذلك بحديث جابر المذكور في الباب، وذهب ابن أبي ليلى والحسن بن حي وعبيد الله بن الحسن وسليمان بن موسى وسعيد بن عبدالعزيز والأوزاعي والثوري وأبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد وأحمد في رواية، وإسحاق في رواية: إلى أنه يصلى عليه، وهو قول أهل الحجاز أيضاً، واحتجوا على ذلك بحديث عقبة، رضي الله تعالى عنه، على ما نذكره. عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۲۱۰.

[۲۹] وفي سنن الترمذي، كتاب الجنائز عن رسول الله، باب ما جاء في ترك الصلاة الشهيد، رقم: ۹۵۷، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب ترك الصلاة عليهم، رقم: ۱۹۲۹، وسنن أبي داود، كتاب الجنائز، باب في الشهيد يغسل، رقم: ۲۷۳۱، وسنن ابن ماجة، كتاب ما جاء في الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على الشهداء، رقم: ۱۵۰۳، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبدالله، رقم: ۱۳۶۷۳.

[۳۰] مطابقته للترجمة من حيث أن بعمومها يدل على نفي الصلاة على الشهيد.

شہید کی نماز جنازہ کا مسئلہ

مسئلہ یہ ہے کہ شہید کے اوپر نماز پڑھی جائے گی یا نہیں؟

اس بارے میں فقہا کا اختلاف ہے۔

امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق رحمہم اللہ کا بھی یہی مسلک ہے کہ جس طرح شہید کو غسل نہیں دیا جاتا اسی طرح اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔

جبکہ احناف (امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ) سفیان ثوری، امام اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، حسن بن حی، عبداللہ بن الحسن، سلیمان بن موسیٰ سعید بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ شہید کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی۔

اختلاف کی بنیاد

اس میں اختلاف کی بنیاد شہدائے احد پر حضور اکرم ﷺ کی نماز پڑھنے کے مسئلہ سے ہے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے شہدائے احد پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جیسے یہاں ہے کہ **لم یصل علیھم**۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال ان روایتوں سے ہے جن میں شہدائے احد پر نماز پڑھنا منقول ہے، ایک تو اسی باب کی دوسری حدیث ہے جو عقبہ بن عامر کی روایت ہے:

۱۳۴۴ - حدثنا عبداللہ بن یوسف : حدثنا اللیث : قال: حدثنی یزید بن أبی حبیب ، عن أبی الخیر ، عن عقبة بن عامر : أن النبیا خرج یوماً فصلی علی أھل احد صلا تہ علی المیت . ثم انصرف الی المنبر فقال : ((انی فرط لکم وأنا شھید علیکم . وانی واللہ لأنظر الی حوضی الآن . وانی أعطیت مفاتیح خزائن الأرض ۔ أومفاتیح الأرض ۔ وإنی و اللہ ما أخاف علیکم أن تشرکوا بعدی . و لکن أخاف علیکم أن تنافسوا فیھا)).

[۳۵۹۶، ۴۰۴۲، ۴۰۸۵، ۶۴۲۶، ۶۵۹۰] [۱۳۱، ۱۳۲]

---

[۱۳۱] وفی صحیح مسلم ، کتاب الفضائل ، باب اثبات حوض نبینا وصفاتہ، رقم : ۴۲۴۸ ، وسنن النسائی ، کتاب الجنائز ، باب الصلاة علی الشھداء ، رقم : ۱۹۲۸ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الجنائز ، باب المیت یصلی علی قبرہ بعد حین، رقم : ۲۸۰۶ ، ومسند أحمد ، مسند الشامیین ، باب حدیث عقبة بن عامر الجھنی عن النبی ، رقم : ۱۶۷۰۵، ۱۶۷۵۶، ۱۶۷۹۱.

[۱۳۲] مطابقتہ للترجمة من حیث انھا تحتمل مشروعیة الصلاة علی الشھید من جھة عمومھا.

"أن النبي صلى الله عليه وسلم خرج يوماً فصلّى على أهل أحدٍ صلاته على الميت ثم انصرف الى المنبر" کہ ایک مرتبہ آپ نکلے اور اہلِ احد پر آپ نے نماز پڑھی **"صلاته على الميت"** یعنی نماز جنازہ۔ یہ احد کی بات نہیں بلکہ حضور ﷺ کے وصال سے کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ آپ ﷺ نکلے اور آپ نے شہدائے احد پر نماز پڑھی۔

اس سے بعض حضرات نے یہ کہا کہ چونکہ اس وقت آپ نے شہدائے احد پر نماز جنازہ نہیں پڑھی تھی کیونکہ اس وقت تک یہ حکم ہی نہیں آیا تھا۔ اس لئے بعد میں اس کی تلافی کر کے نماز پڑھی، تو معلوم ہوا کہ اب نماز نہ پڑھنے کا حکم منسوخ ہو گیا اور اب نماز پڑھی جائے گی۔

بعض حنفیہ نے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور یہ کہا کہ درحقیقت یہ کہنا بالکل درست نہیں کہ آپ نے شروع میں ہی شہدائے احد پر نماز نہیں پڑھی تھی، کیونکہ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے شروع میں ہی شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھی تھی۔

چنانچہ حنفیہ کے دلائل مندرجہ ذیل احادیث ہیں:

ا۔ حضرت عقبہ بن عامر ﷺ کی یہی حدیث باب ہے: **"عن عقبة بن عامر: أن النبي ﷺ خرج يوماً فصلى على أهل أحد صلاته على الميت. ثم انصرف الى المنبر"** جس کے بارے میں علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: **"مطابقته للترجمة من حيث انها تحتمل مشروعية الصلاة على الشهيد من جهة عمومها"** [۳۳]

۲۔ طحاوی میں ابو مالک غفاری ﷺ روایت ہے، اسی طرح سنن ابن ماجہ، مستدرک حاکم، سنن کبریٰ بیہقی، سنن دارقطنی، مسند احمد، مصنف عبدالرزاق اور معجم طبرانی میں روایت آئی ہے: **"كان قتلى احد يؤتى بتسعة وعاشرهم حمزة فيصلي عليهم رسول الله ﷺ، ثم يحملون. ثم يؤتى بتسعة فيصلي عليهم وحمزة مكانه، حتى صلى عليهم رسول الله ﷺ"** [۳۴]

۳۔ امام طحاوی رحمہ اللہ نے روایت ذکر کی ہے کہ حضرت شداد بن الهاد ﷺ سے ایک قصہ مروی ہے

---

[۳۳] ولنا معاشر الحنفية ان نرجح مذهبنا بأمور، الأول: ان حديث عقبة الآتي ذكره مثبت وكذا غيره من الصلاة على الشهيد، وحديث جابر نافٍ والمثبت أولى. الثاني: أن جابراً كان مشغولاً بقتل أبيه وعمه، على مايجيء، فذهب الى المدينة ليدبر حملهم، فلما سمع المنادى بأن القتلى تدفن في مصارعهم سرع لدفنهم، فدل على انه لم يكن حاضراً حين الصلاة، عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۲۱۴۔

[۳۴] شرح معاني الآثار، باب الصلاة على الشهداء ج: ۱، ص: ۲۴۳، وعمدة القاري، ج: ۶، ص: ۲۱۴-۲۱۳.

جس میں انہوں نے ایک دیہاتی کے آنحضرت ﷺ کی خدمت حاضر ہونے، اسلام لانے اور غزوہ میں شریک ہوکر شہید ہونے کا ذکر کیا ہے اس میں وہ فرماتے ہیں " ثم کفنه النبی ﷺ فی جبة النبی صلی الله علیه واله وسلم ثم قدمه فصلی علیه الخ " [۱۳۵]

ان احادیث کا حاصل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہر شہدائے احد میں سے ہر ایک پر الگ الگ نماز نہیں پڑھی تھی بلکہ دس دس شہداء پر اکٹھی نماز پڑھی تھی، البتہ ہر دس شہداء میں حضرت حمزہ ﷺ شامل تھے تو جن حضرات نے نماز کی نفی کی ہے اس سے مراد صلاۃ انفرادیہ نفی ہے کہ انفرادی طور پر ایک کی علیحدہ نماز نہیں پڑھی گئی اور یہی بات قرین قیاس بھی معلوم ہوتی ہے اور اس طرح تمام روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے، ورنہ اگر اس کو اختیار کیا جائے تو ان حدیثوں کا کچھ مطلب نہیں نکلتا۔ جہاں یہ ہے کہ دس دس شہداء لائے جاتے تھے باقاعدہ تشریح کر کے کہا جا رہا ہے کہ دس دس بار بار لائے جاتے تھے اور آپ ﷺ نے ان پر نماز پڑھی تو یہ بات کوئی اپنی طرف سے گھڑ کر تو کہہ نہیں سکتا۔

اس واسطے وہ احادیث بھی سند کے اعتبار سے قابل استدلال احادیث ہیں، لہٰذا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ یوں تطبیق دی جائے۔ رہا آپ کا آخر عمر میں جا کر شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھنا تو اس کے بارے میں علمائے کرام نے فرمایا کہ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ دنیا سے تشریف لے جانے والے تھے تو جس طرح آپ نے زندوں کو الوداع کہا اسی طرح شہداء کو بھی الوداع کہنے کے لئے آپ نے نماز جنازہ پڑھی، یہ شہدائے احد کا خاص اکرام اور ان کی ہی خصوصیت تھی۔ [۱۳۶]

فقال: ((انی فرط لکم وانا شهید علیکم. وانی والله لأنظر الی حوضی الآن. وانی أعطیت مفاتیح خزائن الأرض أومفاتیح الأرض. وإني و الله ما أخاف علیکم أن تشرکوق بعیدی. و لکن أخاف علیکم أن تنافسوا فیها)).

ترجمہ: اور فرمایا میں تمہارا آگے جانے والا ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں۔ واللہ میں اپنے حوض کی طرف ابھی دیکھ رہا ہوں اور زمین کے خزانے کی کنجیاں دیا گیا ہوں یا یہ فرمایا کہ زمین کی کنجیاں مجھے دی گئی ہیں اور بخدا

---

[۱۳۵] شرح معانی الآثار، باب الصلاۃ علی الشهداء، ج: ۱، ص: ۲۴۳۔

[۱۳۶] قال الخطابی: فیه أنه ﷺ قد صلی علی أهل احد بعد مدة، فدل علی أن الشهید یصلی علیه کما یصلی علی من مات حتف أنفه، والیه ذهب أبو حنیفة، وأول خبر فی ترک الصلاة علیهم یوم أحد علی معنی اشتغاله عنهم وقلة فراغه ذلک، وکان یوماً صعباً علی المسلمین، فعذروا بترک الصلاة علیهم، عمدة القاری، ج: ۶، ص: ۲۱۶۔

مجھے اس کا خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو، لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم حصول دنیا میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگو گے۔ یعنی مجھے تمہارے اوپر شرک کا اندیشہ تو نہیں ہے لیکن اندیشہ یہ ہے کہ دنیا کے اندر ایک دوسرے سے مسابقت کرنے کی وجہ سے گمراہ نہ ہو جاؤ۔

(۷۳) باب دفن الرجلین والثلاثة فی قبر

ایک قبر میں دو یا تین آدمیوں کے دفن کرنے کا بیان

۱۳۴۵ـ حدثنا سعید بن سلیمان : حدثنا اللیث : حدثنا ابن شهاب ، عن عبدالرحمن بن کعب ان جابر بن عبدالله رضی الله عنهما أخبره : أن النبی ﷺ كان يجمع بين الرجلين من قتلى أحد . [راجع : ۱۳۴۳]

یعنی حضور اکرم ﷺ احد کے شہداء میں سے دو آدمی کو ایک قبر میں جمع کرتے تھے۔

(۷۴) باب من لم یر غسل الشهداء

اس شخص کا بیان جس کے نزدیک شہداء کا غسل جائز نہیں

۱۳۴۶ـ حدثنا أبو الولید : حدثنا لیث ، عن ابن شهاب ، عن عبدالرحمن بن کعب ، عن جابر قال : قال النبی ﷺ : ((ادفنوهم فی دمائهم)) یعنی یوم أحد ولم یغسلهم [راجع : ۱۳۴۳]

یہ حدیث پہلے بھی گذر چکی ہے یہاں تبویب کی وجہ سے دوبارہ اعادہ کیا گیا۔

(۷۵) باب من یقدم فی اللحد

لحد میں پہلے کون رکھا جائے

وسمی اللحد لانه فی ناحیة ، وكل جائر ملحد ، ﴿مُلْتَحَداً﴾ [الكهف : ۲۷]معدلاً ، ولو كان مستقيماً كان ضريحاً.

وسمی اللحد لانه فی ناحیة۔ لحد اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایک کنارے سے ہٹی ہوئی ہوتی ہے۔

وکل جائر ملحد ۔ ہر ظالم کو ملحد کہتے ہیں۔

مُلْتَحَداً معدلاً۔ ملتحد معدل سے مراد ہے ہٹنے کی جگہ۔ جیسے قرآن کریم میں مذکور ہے:

وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُوْنِهِ مُلْتَحَداً۔[الجن: ۲۲]

یعنی اور نہ پاؤں گا اس کے سوائے کہیں سرک رہنے کو جگہ

ولو كان مستقيماً كان ضريحاً۔ اور اگر قبر سیدھی ہو تو اسے ضریح کہتے ہیں۔

۱۳۴۸، ۱۳۴۷ - حدثنا ابن مقاتل: أخبرنا عبدالله: أخبرنا الليث بن سعد قال: حدثني ابن شهاب، عن عبدالرحمن بن كعب بن مالك، عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ كان يجمع بين الرجلين من قتلى أحد في ثوب واحد، ثم يقول: ((أيهم أكثر أخذاً للقرآن؟)) فاذا أشير له الى أحدهما قدمه في اللحد، وقال: ((أنا شهيد على هؤلاء)) وأمر بدفنهم بدمائهم، ولم يصل عليهم ولم يغسلهم.

قال ابن المبارك: وأخبرنا الأوزاعي، عن الزهري، عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما قال: كان رسول الله ﷺ يقول لقتلى أحد: ((أي هؤلاء أكثر أخذاً للقرآن؟)) فاذا أشير له الى رجل قدمه في اللحد قبل صاحبه. وقال جابر: فكفن أبي وعمي في نمرة واحدة. [راجع: ۱۳۴۳]

وقال سليمان بن كثير: حدثني الزهري حدثني من سمع جابراً رضي الله عنه.

مفہوم

شہداء احد میں سے دو آدمیوں کو ایک کپڑے میں رکھتے تھے پھر کہتے تھے کہ ان میں سے کس کو قرآن کا علم زیادہ ہے؟ جب کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو اس کو لحد میں پہلے رکھتے تھے۔

ان روایات مختلفہ میں تطبیق یوں دی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت حمزہ ؓ پر تو انفراداً اور مستقلاً نماز جنازہ پڑھی باقی صحابہ ؓ پر اجتماعی طور پر پڑھی نہ کہ انفراداً اور مستقلاً، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

(۷۶) باب الاذخر والحشيش في القبر

قبر میں اذخر یا گھاس ڈالنے کا بیان

۱۳۴۹ - حدثنا محمد بن عبدالله بن حوشب قال: حدثنا عبد الوهاب قال: حدثنا خالد، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال: ((حرم الله عز وجل مكة فلم تحل لأحد قبلي ولا لأحد بعدي، أحلت لي ساعة من نهار، لايختلى

خلاها ، ولا یعضد شجرها ، ولا ینفر صیدها ، ولا تلتقط لقطتها الا لمعروف)) .

فقال العباس رضی اللہ عنہ : الا الاذخر لصاغتنا وقبورنا . فقال : ((الا الاذخر)) .

وقال أبو هريرة رضی اللہ عنہ عن النبي ﷺ : ((لقبورنا وبيوتنا)) .

وقال أبان بن صالح ، عن الحسن بن مسلم عن صفية بنت شيبة : سمعت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثله .

وقال مجاهد ، عن طاؤس ، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما : لقينهم وبيوتهم .

[أنظر : ۱۵۸۷، ۱۸۳۳، ۱۸۳۴، ۲۰۹۰، ۲۴۳۳، ۲۷۸۳، ۲۸۲۵، ۳۰۷۷، ۳۱۸۹، ۴۳۱۳] [۱۳۷]

ترجمہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرام قرار دیا ہے، مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہوگا۔ میرے لئے دن کے ایک تھوڑے حصہ میں حلال کیا گیا اس کی تر گھاس نہ اکھاڑی جائے گی اور نہ اس کا درخت کاٹا جائے گا اور نہ اس کا شکار بھگایا جائے گا اور نہ یہاں کی گری پڑی چیز اٹھائی جائے گی مگر اعلان کرنے والے کے لئے جائز ہے۔ عباس نے کہا مگر اذخر کہ ہمارے سناروں کے لئے اور ہماری قبروں کے لئے حلال کر دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سوا اذخر کے۔

اور ابو ہریرہ نے نبی ﷺ سے روایت کیا ہماری قبروں اور ہمارے گھروں کے لئے۔

---

[۱۳۷] وفی صحیح مسلم ، کتاب الحج ، باب تحریم مکة وصیدها ، وخلاها وشجرها ولقطتها الا لمنشد علی الدوام ، رقم: ۲۴۱۲ ، وکتاب الأمارة ، باب المبایعة بعد فتح مکة علی الاسلام والجهاد والخیر ، رقم : ۳۴۶۷ ، وسنن الترمذی ، کتاب السیر عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی الهجرة ، رقم : ۱۵۱۶ ، وسنن النسائی ، کتاب مناسک الحج ، باب تحریم القتال فیه ، رقم : ۲۸۴۶ ، وکتاب البیعة ، باب ذکر الاختلاف فی انقطاع الهجرة ، رقم : ۴۱۰۰ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب المناسک ، باب تحریم حرم مکة ، رقم : ۱۷۲۵ ، وکتاب الجهاد ، باب فی الهجرة هل انقطعت ، رقم : ۲۱۲۱ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب الجهاد ، باب الخروج فی النفیر ، رقم : ۲۷۶۳ ، ومسند أحمد ، ومن مسند بنی هاشم ، باب بدایة مسند عبداللہ بن العباس ، رقم : ۱۸۸۷ ، ۲۱۹۶ ، ۲۳۲۵ ، ۲۷۳۶ ، ۲۷۷۱ ، ۳۰۸۷ ، ۳۱۸۳ ، وسنن الدارمی ، کتاب السیر ، باب لاهجرة بعد الفتح ، رقم : ۲۴۰۰ .

(۷۷) باب: هل يخرج الميت من القبر واللحد لعلة؟

کیا میت کو کسی عذر کی بناء پر قبر یا لحد سے نکالا جاسکتا ہے؟

۱۳۵۰ ۔ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان: قال عمرو: سمعت جابر بن عبدالله رضي الله عنهما قال: أتى رسول الله ﷺ عبدالله بن أبي بعد ما ادخل حفرته فأمر به فأخرج فوضعه على ركبتيه و نفث عليه من ريقه و ألبسه قميصه، فالله اعلم. و كان كسا عباسا قميصا، قال سفيان: و قال أبو هارون: و كان على رسول الله ﷺ قميصان، فقال له ابن عبدالله: يا رسول الله ألبس أبي قميصك الذي يلي جلدك. قال سفيان: فيرون أن النبي ﷺ ألبس عبدالله قميصه مكافاة لما صنع. [۱۳۸]

دفنانے کے بعد میت کو بوقت ضرورت نکالنا جائز ہے

اسی سے امام بخاری رحمہ اللہ علیہ یہ استدلال فرمانا چاہتے ہیں کہ کسی میت کو اگر قبر میں رکھ دیا گیا ہو تو کسی حاجت اور ضرورت کے تحت اس کو نکال بھی سکتے ہیں جیسا کہ عبداللہ بن ابی کو قبر میں رکھ دیا گیا تھا، نبی کریم ﷺ نے قبر سے نکلوا کر اپنا لعاب مبارک اس کے اوپر ڈالا۔

تو امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت کے تحت ایسا کر سکتے ہیں یہ تو دفن سے پہلے تھا اور پھر آگے حدیث نقل کی ہے جس میں حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ میرے والد عبداللہ کو دوسرے شہداء احد کی طرح حضرت عمرو بن جموح کے ساتھ ملا کر قبر میں دفن کر دیا تھا لیکن میں اول اس بات پر راضی نہ تھا کہ دونوں ایک ہی قبر میں ہوں تو میں نے بعد میں قبر مبارک کھود کر ان کی لاش نکالی اور ان کو دوسری قبر میں دفن کیا اور ظاہر ہے کہ یہ معاملہ جو ہوا وہ تب ہوا جب کہ وہ صحیح سالم نکلے ہوں تو جب یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ہوا اور آپ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی تو معلوم ہوا کہ کسی ضرورت سے قبر کھودنے کی بھی اجازت ہے۔

حنفیہ یہ کہتے ہیں قبر کھودنے کی اجازت اس وقت ہے جبکہ واقعی کوئی ضرورت ہو اور میت کے پھولنے

---

[۱۳۸] وفي صحيح مسلم، كتاب صفات المنافقين و أحكامهم، باب، رقم: ۴۹۷۷، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب اخراج الميت من اللحد بعد ان يوضع فيه، رقم: ۱۹۹۳، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبدالله، رقم: ۱۴۴۵۷، ۱۳۵۴۴.

پھٹنے کے نتیجے میں اس کی بے حرمتی اور بو پھیلنے کا اندیشہ نہ ہو اور یہاں حضرت جابر کے والد حضرت عبداللہ ﷺ شہید تھے اور ظاہر یہی تھا کہ ان کے اجساد محفوظ ہوں گے اس لئے حضرت جابر ﷺ نے ان کو نکالا اور جب نکالے گئے تو بالکل ترو تازہ تھے۔ [۱۳۹]

والبسه قميصه ،فالله اعلم. وكان كسا عباسا قميصا

عبداللہ بن ابی نے حضرت عباس ﷺ کو قمیص دی تھی جبکہ ان کے اوپر کوئی قمیص نہیں آ رہی تھی، کیونکہ وہ طویل القامت تھے اور عبداللہ بن ابی بھی طویل القامت تھے اور اتنا طویل القامت تھا کہ جب جنازہ میں رکھا تو پاؤں پھر بھی باہر تھے، بہر حال چونکہ انہوں نے حضرت عباس کو قمیص دی تھی اس لئے اس کے بدلے میں حضور ﷺ نے ان کو اپنی قمیص مبارک دی۔

۱۳۵۱۔ حدثنا مسدد: أخبرنا بشر بن المفضل: حدثنا حسين المعلم، عن عطاء، عن جابر رضي الله عنه قال: لما حضر أحد دعاني أبي من الليل فقال: ما أراني إلا مقتولا في أول من يقتل من أصحاب النبي ﷺ، وإني لا اترك بعدي اعز علي منك، غير نفس رسول الله ﷺ. وإن علي دينا فاقض واستوص بأخواتك خيرا. فأصبحنا فكان أول قتيل ودفن معه آخر في قبر، ثم لم تطب نفسي أن أتركه مع الآخر فاستخرجته بعد ستة أشهر فإذا هو كيوم وضعته هنية غير أذنه. [انظر: ۱۳۵۲]

۱۳۵۲۔ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سعيد بن عامر، عن شعبة عن ابن أبي نجيح عن عطاء، عن جابر رضي الله عنه، قال: دفن مع أبي رجل فلم تطب نفسي حتى أخرجته فجعلته في قبر على حدة. [راجع: ۱۳۵۱] [۱۴۰]

تشریح

حضرت جابر ﷺ فرماتے ہیں کہ جب احد کا دن آیا تو میرے والد نے مجھے رات کے وقت بلایا اور مجھ

---

[۱۳۹] البحر الرائق، ج: ۲، ص: ۱۸۷، والمجموع، ج: ۵، ص: ۲۶۲، وحاشية ابن عابدين، ج: ۲، ص: ۲۳۸.

[۱۴۰] وفي سنن الترمذي، كتاب الجنائز عن رسول الله، باب ماجاء في ترك الصلاة على الشهداء، رقم: ۹۵۷، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب ترك الصلاة عليهم، رقم: ۱۹۲۹، وسنن ابن ماجة، كتاب ماجاء في الجنائز، باب ماجاء في الصلاة على الشهداء ودفنهم، رقم: ۱۵۰۳، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبدالله، رقم: ۱۳۶۷۴.

سے فرمایا "ما أراني إلا مقتولا في أول من يقتل الخ" یعنی میرا گمان ہے کہ میں اس جنگ میں پہلے قتل ہونے والوں میں قتل ہو جاؤں گا اور اس گمان کی وجہ دوسری روایت میں آتی ہے کہ انہوں نے خواب میں ایک بدری صحابی کو دیکھا جو بدر میں شہید ہو چکے تھے اور وہ خواب میں ان سے کہہ رہے تھے کہ تم ہمارے پاس آنے والے ہو، انہوں نے حضور ﷺ سے خواب ذکر کیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ هذه شهادة تو اس وجہ سے ان کو یقین ہو گیا کہ یہ شہید ہونے والے ہیں، پھر مزید حضرت جابر ﷺ سے فرمایا:

" وإني لاأترك بعدي أعز علي منك، غير نفس رسول الله ﷺ " کہ میں اپنے بعد کسی کو چھوڑ کر نہیں جا رہا جو مجھ پر زیادہ عزیز ہو بنسبت نبی کریم ﷺ کے یعنی آپ کے سوا اور کوئی مجھے اتنا عزیز نہیں جتنے تم ہو "وإن علي دينا فاقض" کہ مجھ پر کچھ قرضہ ہے وہ ادا کر دینا "واستوص أخواتك خيرا" اور میری اپنی بہنوں کے بارے میں وصیت قبول کرنا اچھائی کی یعنی اپنی بہنوں کے ساتھ اچھائی کا معاملہ کرنا میں اس کی وصیت کرتا ہوں اور پھر دیکھو انہوں نے باپ کی وصیت پر عمل کیا کہ بہنوں کی خاطر ایک ثیبہ سے نکاح کیا۔

فأصبحنا فكان أول قتيل صبح کو وہ سب سے پہلے قتیل تھے ودفنته معه آخر ایک ہی قبر میں ان کے ساتھ ایک دوسرے صحابی بھی دفن ہوئے "ثم لم تطب نفسي" پھر میرا دل مطمئن نہ ہوا کہ میں ان کو ایک قبر میں دوسرے کے ساتھ چھوڑوں" فاستخرجته بعد ستة أشهر " چھ مہینے کے بعد میں نے ان کو نکالا "فإذا هو كيوم وضعته" وہ ایسے لگتے تھے جیسے آج ہی رکھے گئے ہوں۔ آگے لفظ ہے " هنية " اور اصل روایت میں یوں ہے " غير هنية في أذنه" یعنی سوائے ایک معمولی سے نشان کے جو کان کے اندر تھا۔ زمین سے متصل رہنے کی وجہ سے کان میں نشان پڑ گیا تھا تو اصل عبارت تھی " غير هنية في أذنه" یہ نسخے میں کہیں آگے پیچھے ہو گیا ہوگا کیونکہ "هنية في أذنه" کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔

(۷۸) باب اللحد والشق في القبر

قبر میں لحد اور شق کا بیان

۱۳۵۳ ـ حدثنا عبدان: أخبرنا عبدالله: أخبرنا الليث بن سعد قال: حدثني ابن شهاب، عن عبدالرحمن بن كعب بن مالك، عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما قال: كان النبي ﷺ يجمع بين رجلين من قتلى أحد ثم يقول: ((أيهم أكثر أخذاً للقرآن ؟)) فإذا أشير له الى أحدهما قدمه في اللحد، فقال: ((أنا شهيد على هؤلاء يوم القيامة)). فأمر بدفنهم بدمائهم ولم يغسلهم. [راجع: ۱۳۴۳]

(۷۹) باب: إذا اسلم الصبي فمات، هل يصلى عليه؟ وهل يعرض على الصبي الإسلام؟

جب بچہ اسلام لے آئے اور مرجائے تو کیا اس پر نماز پڑھی جائیگی؟ اور کیا بچہ پر اسلام پیش کیا جا سکتا ہے؟

وقال الحسن وشريح وإبراهيم وقتادة: إذا اسلم أحدهما فالولد مع المسلم. وكان إبن عباس رضي الله عنهما مع أمه من المستضعفين، ولم يكن مع أبيه على دين قومه. وقال: الإسلام يعلو ولا يعلى.

وقال الحسن وشريح وإبراهيم وقتادة: إذا اسلم أحدهما فالولد مع المسلم

اور حسن شریح ابراہیم اور قتادہ نے فرمایا دونوں میں سے ایک یعنی ماں باپ میں سے مسلمان ہوں تو لڑکا مسلمان کے ساتھ ہوگا۔

وكان إبن عباس رضي الله عنهما مع أمه من المستضعفين، ولم يكن مع أبيه على دين قومه. وقال: الإسلام يعلو ولا يعلى.

اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کمزوری میں اپنی ماں کے ساتھ تھے اور اپنے والد کے ساتھ اپنی قوم کے دین پر نہ تھے اور فرمایا کہ اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔

۱۳۵۴ ـ حدثنا عبدان: أخبرنا عبدالله، عن يونس، عن الزهري قال: أخبرني سالم بن عبدالله أن ابن عمر رضي الله عنهما أخبره: أن عمر انطلق مع النبي ﷺ في رهط قبل ابن صياد حتى وجدوه يلعب مع الصبيان عند أطم بني مغالة، وقد قارب ابن صياد الحلم فلم يشعر حتى ضرب النبي ﷺ بيده ثم قال لإبن صياد: ((أتشهد أني رسول الله؟)) فنظر إليه صياد فقال: اشهد أنک رسول الأميين، فقال ابن صياد للنبي ﷺ: أتشهد أني رسول الله؟ فرفضه، وقال: ((آمنت بالله و برسوله)). فقال له: ((ماذا ترى؟)) قال ابن صياد: يأتيني صادق وكاذب. فقال النبي ﷺ: ((خلط عليک الأمر)) ثم قال له النبي ﷺ: ((إني قد خبأت لک خبيئا))، فقال ابن صياد: هو الدخ، فقال: اخسأ، فلن تعدو قدرک.

فقال عمر رضي الله عنه : دعني يارسول الله أضرب عنقه ، فقال النبي ﷺ : ((إن يكنه فلن تسلط عليه ، وإن لم يكنه فلا خير لك في قتله)). [انظر : ۳۰۵۵، ۶۱۷۳، ۶۶۱۸] [۳۱]

ترجمہ: عبد اللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ عمر ﷺ نبی کریم ﷺ کے ہمراہ ابن صیاد کی طرف چلے اور لوگ بھی ساتھ تھے ان لوگوں نے ابن صیاد کو بنی مغالہ کے ٹیلوں کے پاس بچوں کے ساتھ کھیلتا ہوا پایا، ابن صیاد جوانی کے قریب تھا ابن صیاد کو حضور ﷺ کے آنے کی خبر نہ ہوئی یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے اپنا ہاتھ مارا پھر ابن صیاد سے فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپ ﷺ کی طرف ابن صیاد نے دیکھا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ امیوں کے رسول ہیں، تو آپ ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا اور فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا پھر آپ نے اس سے فرمایا تو دیکھتا کیا؟ ابن صیاد نے کہا میرے پاس سچا اور جھوٹا آتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا تجھ پر امر مشتبہ کر دیا گیا، اس سے آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک بات اپنے دل میں چھپائی ہے تو بتا کہ کیا؟ ابن صیاد نے کہا کہ وہ "دخ" ہے آپ نے فرمایا کہ تو ذلیل وخوار ہو، تو حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا ہے۔

عمر ﷺ نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اڑا دوں، نبی کریم ﷺ فرمایا اگر یہ وہی دجال ہے تو تمہیں اس پر قدرت نہ ہوگی اور اگر وہ نہیں ہے تو اس کے قتل کرنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

۱۳۵۵ - وقال سالم : سمعت ابن عمر رضي الله عنهما يقول: انطلق بعد ذلك رسول الله و أبي بن كعب إلى النخل التي فيها ابن صياد وهو يختل أن يسمع من ابن صياد شيئا قبل أن يراه ابن صياد فرآه النبي وهو مضطجع ، يعني في قطيفة له فيها رمزة أو زمرة ، فرأت أم ابن صياد رسول الله وهو يتقي بجذوع النخل فقالت لابن صياد : ياصاف . وهو اسم ابن صياد . هذا محمد ، فثار ابن صياد ، فقال النبي : ((لو تركته بين)). وقال شعيب زمزمة . فرفصه وقال إسحاق الكلبي وعقيل : رمرمة . وقال معمر : رمزة . [أنظر : ۲۶۳۸، ۳۰۳۳، ۳۰۵۶]

سالم نے بیان کیا کہ میں نے ابن عمر کو فرماتے ہوئے سنا کہ اس کے بعد نبی ﷺ ابی بن کعب اس درخت کے پاس گئے جہاں ابن صیاد تھا آپ ﷺ یہ خیال کر رہے تھے کہ ابن صیاد سے قبل اس کے کہ وہ آپ کو دیکھے کچھ سنیں، نبی ﷺ نے اس کو دیکھا اس حال میں وہ لیٹا ہوا تھا چادر میں لپٹا ہوا تھا اور اس سے کچھ آواز آرہی تھی۔

---

[۳۱] وفي صحيح مسلم ، كتاب الفتن و أشراط الساعة ، باب ذكر ابن صياد ، رقم : ۵۲۱۵ ، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبد الله بن عمر الخطاب ، رقم : ۳۵۱۳، ۳۷۳۶، وباب باقي المسند السابق ، ۵۳۹۳، ۵۶۲۰، ۵۸۲۶، ۵۹۰۹، ۶۰۳۰، ۶۰۶۵، ۶۰۷۶، ۶۱۳۷.

ابن صیاد کی ماں نے رسول اللہ کو دیکھ لیا حالانکہ آپ درختوں کی آڑ سے ہو کر آرہے تھے اس نے ابن صیاد سے کہا اے صاف جو ابن صیاد کا نام تھا یہ محمد ﷺ آرہے ہیں اب صیاد اٹھ بیٹھا۔ تو رسول اللہ نے فرمایا اگر وہ چھوڑ دیتی تو معاملہ کھل جاتا۔

مقصد بخاری

اس حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ ابن صیاد سے جا کر کہا" أتشهد أني رسول الله" تو گویا اسلام لانے کی دعوت دی اور ترجمۃ الباب قائم کیا وهل يعرض على الصبيّ السلام تو معلوم ہوا کہ صبی پر اسلام پیش کیا جائے گا، بس امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی مقصد ہے۔

۱۳۵۶ - حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا حماد وهو ابن زيد، عن ثابت، عن أنس رضي الله عنه قال: كان غلام يهودي يخدم النبي ﷺ فمرض فأتاه النبي ﷺ يعوده، فقعد عند رأسه فقال له: ((أسلم)) فنظر إلى أبيه وهو عنده فقال له: أطع أبا القاسم ﷺ فأسلم فخرج النبي ﷺ وهو يقول: ((الحمد لله الذي أنقذه من النار)). [أنظر: ۵۶۵۷] [۴۲]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار پڑا، تو اس کے پاس نبی کریم ﷺ عیادت کے لئے تشریف لے گئے، آپ ﷺ اس کے سر کے پاس بیٹھے اور فرمایا کہ اسلام لے آ۔ اس نے اپنے ماں باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس کھڑا تھا، اس نے اپنے بیٹے سے کہا ابوالقاسم محمد ﷺ کا کہا مان اور وہ اسلام لے آیا۔ تو حضور اکرم ﷺ یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے اللہ کا شکر ہے جس نے اس کو آگ سے نجات دی۔

یہ ترجمۃ الباب "اذا سلم الصبی فمات" اور "هل يعرض على الصبي الاسلام" سے مناسبت ظاہر ہے۔

۱۳۵۷ - حدثنا علي بن عبد الله: حدثنا سفيان قال: قال عبيد الله: سمعت ابن عباس رضي الله عنهما يقول: كنت أنا وأمي من المستضعفين، أنا من الولدان وأمي من النساء [أنظر: ۴۵۸۷، ۴۵۹۷] [۴۳]

---

[۴۲] وفي سنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في عيادة ذمي، رقم: ۲۶۹۱، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين باب مسند أنس بن مالك، رقم: ۱۲۳۳۰، ۱۲۸۹۶، ۱۳۲۳۹، ۱۳۳۶۶۔

[۴۳] انفرد به البخاري۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور میری والدہ مکہ میں تھے تو والد تو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور والدہ مسلمان ہوگئی تھیں اور یہ خود نابالغ بچے تھے لیکن والدہ کے ہم مذہب سمجھا جاتا تھا تو امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا کہ "إذا أسلم احدهما" کہ اگر والدین میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو بچہ خیر الابوین کے تابع ہوگا، اس سے استدلال کیا" وکان إبن عباس رضی اللہ عنہما مع أمه من المستضعفين، ولم يكن مع أبيه على دين قومه. وقال: الإسلام يعلو ولا يعلى" کہ عبداللہ ابن عباس کا شمار اپنی مستضعفین میں والدہ کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ اپنے والد کے ساتھ جو کہ پرانے دین پر تھے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "الاسلام یعلوا و لایعلی" کہ اسلام غالب رہتا ہے مغلوب نہیں ہوتا۔

۱۳۵۸ ـ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب: قال ابن شهاب: يصلي على كل مؤلود متوفى وإن كان لغية من أجل أنه ولد على فطرة الإسلام، يدعي أبوه الإسلام أو أبوه خاصة. وإن كانت أمه على غير الإسلام إذا استهل صارخا صلي عليه ولا يصلى على من لا يستهل من أجل انه سقط، فإن أبا هريرة رضي الله عنه كان يحدث: قال النبي ﷺ: ((مامن مولود إلا يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه. كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء، هل تحسون فيها من جدعاء؟)) ثم يقول أبو هريرة رضي الله عنه ﴿فِطْرَتَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ [الروم: ۳۰] الآية. [انظر: ۱۳۵۹، ۱۳۵۸، ۴۷۷۵، ۶۵۹۹] [۱۴۴]

۱۳۵۹ ـ حدثنا عبدان: أخبرنا عبدالله: أخبرنا يونس، عن الزهري قال: أخبرني أبو سلمة بن عبدالرحمن: أن أباهريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((مامن مولد الا يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أوينصرانه أو يمجسانه، كما تنتج

---

[۱۴۴] وفي صحيح مسلم، كتاب القدر، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة وحكم موت اطفال الكفار واطفال المسلمين، رقم: ۴۸۰۳، وسنن الترمذي، كتاب القدر عن رسول الله، باب ماجاء كل مولود يولد على الفطرة، رقم: ۲۰۶۴، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب اولاد المشركين، رقم: ۱۹۲۳، وسنن ابي داؤد، كتاب السنة، باب في ذراري المشركين، رقم: ۴۰۹۱، ومسند احمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۸۸۴، ۷۰۲۳، ۷۱۳۲، ۷۲۰۸، ۷۳۱۶، ۷۳۸۷، ۷۶۶۳، ۷۸۳۲، ۸۲۰۶، ۸۷۳۹، ۸۹۳۹، ۹۴۱۱، ۹۷۰۳، ۹۸۵۱، ۱۰۳۰۳، وموطأ مالك، كتاب الجنائز، باب ان عائشة قالت قال رسول الله ما من نبي يموت حتى يخير، رقم: ۵۰۷.

البهيمة بهيمة جمعاء ، هل تحسون فيها من جدعاء ؟)) ثم يقول أبو هريرة رضی اللہ عنہ : ﴿ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ﴾ . [الروم : ۳۰] .راجع : ۱۳۵۸]

حضرت ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "يصلى على كل مولود متوفى" مسلمانوں میں جو بچہ انتقال ہوں تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائیگی "وإن كان لغية" چاہے وہ بچہ گناہ کا ہو مطلب یہ ہے کہ ولد الزنا ہو۔

"من أجل أنه ولد على فطرة الإسلام ، يدعي أبوه الإسلام أو أبوه خاصة" ماں باپ چونکہ اسلام کے مدعی ہیں چاہے اعمال کتنے ہی خراب ہوں بچہ پھر بھی مسلمان ہی سمجھا جائے گا "وإن كانت أمه على غير الإسلام" اگر ماں مسلمان نہ ہو "إذا استهل ..." اگر آواز نہ نکلے ویسے ہی گر جائے یعنی مرا ہوا پیدا ہو۔

فإن أبا هريرة رضي الله عنه كان يحدث : قال النبي ﷺ :((ما من مولود إلا يولد على الفطرة ، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه. كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء)) کمال صنعت ہے جیسے کوئی چوپایہ اپنا بچہ جنتی ہے تو وہ جمع ہوتا ہے یعنی اس کے تمام اعضاء صحیح سالم ہوتے ہیں۔

"تنتج" ہمیشہ مجہول استعمال ہوتا ہے اور اس کے معنی معروف کے ہوتے ہیں یعنی جننا۔

هل تحسون فيها من جدعاء ؟ کیا تمہیں ایسا احساس ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی کا کان کٹا ہوا ہے؟ لیکن بعد میں یہ مشرکین ان کا کان کاٹ کر سائبہ بنا کر بتوں کے نام چھوڑ دیتے ہیں۔

اسی طرح انسانوں کا بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو وہ فطرت پر ہوتا ہے بعد میں والدین اس کو غلط راستہ پر لے جاتے ہیں، کبھی وہ یہودی بنا دیتے ہیں، کبھی نصرانی اور کبھی مجوسی بنا دیتے ہیں۔

بعض لوگ میت کو زمین کے حوالے کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ زمین کے پاس بطور امانت ہے، اس کی کوئی اصل نہیں جیسا کہ عرض کیا کہ جب ایک جگہ میت کو دفن کر دیا تو اب بلا وجہ وہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے، اس لئے امانتاً دفن کرنے کا تصور بالکل غلط ہے۔

(۸۰) باب : اذا قال المشرك عند الموت : لا اله الا الله

جب مشرک موت کے قریب لا الہ الا اللہ کہے

۱۳۶۰ ۔ حدثنا اسحاق : أخبرنا يعقوب بن ابراهيم قال حدثني أبي عن صالح ، عن

ابن شهاب قال : أخبرني سعيد بن المسيب عن أبيه أنه لما حضرت أبا طالب الوفاة جاءه رسول الله ﷺ فوجد عنده أبا جهل بن هشام وعبدالله بن ابی أميه ابن المغيرة ، قال رسول الله ﷺ لأبي طالب : ((ياعم ، قل : لا اله الا الله ، كلمة اشهد لک بها عند الله)) .

فقال أبو جهل وعبد الله بن ابی امية : يا أبا طالب ، أ ترغب عن ملة عبدالمطلب؟ لم يزل رسول الله ﷺ يعرضها عليه ويعودان بتلک المقالة حتى قال أبو طالب آخر ما كلمهم هو على ملة عبد المطلب ، وابى أن يقول : لا اله الا الله . فقال رسول الله ﷺ : ((اما والله لأستغفرنّ لک مالم انه عنک)) فانزل الله تعالى فيه الآية [التوبة : ۱۱۳] [أنظر : ۳۸۸۴، ۴۶۷۵، ۴۷۷۲، ۶۶۸۱] [۱۳۵]

ترجمہ: سعید بن مسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب آیا تو ان کے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو ان کے پاس ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن امیہ بن مغیرہ کو دیکھا ،رسول اللہ ﷺ نے ابو طالب سے کہا اے میرے چچا! آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے، میں اللہ کے نزدیک اس کلمہ کی شہادت دونگا۔

ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا اے ابوطالب کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟ رسول اللہ ﷺ ابو طالب کے سامنے اس کلمہ کو پیش کرتے رہے اور یہ دونوں پھر وہی بات کہتے۔ یہاں تک ابوطالب نے اپنی آخری گفتگو میں جو کہا وہ یہ کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں اور لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخدا میں تمہارے لئے دعا مغفرت کرتا رہوں گا جب تک کہ میں اس سے روکا نہ جاؤں تو اللہ تعالی نے یہ آیت ما کان للنبی آخر تک نازل فرمائی۔

(۸۱) باب الجريدة على القبر

قبر پر شاخ لگانے کا بیان

و أوصى بريدة الأسلمي أن يجعل في قبره جريدتان. ورأى ابن عمر رضي الله

[۱۳۵] وفي صحيح مسلم ، كتاب الايمان ، باب الدليل على صحة الاسلام من حضرة الموت مالم يشرع، رقم : ۳۵، وسنن النسائي ، كتاب الجنائز ، باب النهي عن الاشعار للمشركين ، رقم : ۲۰۰۸ ، ومسند أحمد ، باقي مسند الأنصار، باب حديث المسيب بن حزن ، رقم : ۲۲۵۶۲.

عنهما فسطاطا على قبر عبدالرحمن فقال: انزعه يا غلام فإنما يظله عمله. وقال خارجة بن زيد: رأيتني ونحن شبان في زمن عثمان رضي الله عنه وأن أشدنا وثبة الذي يثب قبر عثمان بن مظعون حتى يجاوزه. وقال عثمان بن حكيم: أخذ بيدي خارجة فأجلسني على قبر وأخبرني عن عمه يزيد بن ثابت قال: إنما كره ذلك لمن أحدث عليه. وقال نافع: كان ابن عمر رضي الله عنهما يجلس على القبور.

۱۳۶۱ ـ حدثنا يحي قال: حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن مجاهد، عن طاؤس، عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي ﷺ: أنه مر بقبرين يعذبان فقال: ((إنهما ليعذبان وما يعذبان في كبير. أما أحدهما فكان لا يستتر من البول وأما الآخر فكان يمشي بالنميمة)) ثم أخذ جريدة رطبة فشقها بنصفين ثم غرز في كل قبر واحدة، فقالوا: يا رسول الله لم صنعت هذا؟ فقال: ((لعله أن يخفف عنهما مالم ييبسا)). [راجع: ۲۱۶]

عذاب قبر کی تخفیف

حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے، پھر آپ ﷺ نے ایک تر شاخ لے کر اس کے دو ٹکڑے کئے اور ہر قبر کے پاس ایک ٹکڑا گاڑ دیا اور فرمایا شاید اللہ تعالیٰ ان مردوں کے عذاب میں تخفیف کریں جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں۔ [۱۳۶]

قبر پر شاخ گاڑنے کا مسئلہ

اس سے یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ قبر پر شاخ گاڑنا جائز ہے یا نہیں؟

اس کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ "باب الجريدة على القبر" باب قائم کیا۔

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

بعض حضرات نے نبی کریم ﷺ کے اس عمل کی بنیاد پر یہ کہا کہ ہر قبر پر شاخ گاڑنی چاہئے اور یہ شاخ کا گاڑنا بالخاصہ تخفیف عذاب میں مؤثر ہوتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی عذاب میں تخفیف ہوگی۔

اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جتنی نباتات ہیں سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں "وان من شیئ

---

[۱۳۶] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج: ۲، ص: ۳۲۳۔

الا يسبح بحمده" تو وہ شاخ بھی جب تک تر رہے گی تسبیح کرتی رہے گی اور جب قبر پر تسبیح کی جاتی رہے گی، صاحب قبر کو اس کا نفع پہنچتا رہے گا اور اس کا عذاب ہلکا کر دیا جائے گا۔

دوسرے بعض حضرات کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ حضور اقدس ﷺ کی خصوصیت تھی، تخفیف عذاب کا سبب درحقیقت وہ شاخ نہیں تھی بلکہ وہ دستِ مبارک تھا جس سے وہ شاخ گاڑی گئی، تو تخفیف عذاب آپ ﷺ کے دست مبارک کی برکت کی وجہ سے ہوئی ورنہ اس شاخ میں کیا رکھا تھا اور شاید نبی کریم ﷺ کو بطریق وحی بتلایا گیا تھا، لہٰذا یہ حضور اقدس ﷺ کی خصوصیت تھی کسی اور کیے لئے اس کی گنجائش نہیں۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر یہ عام حکم ہوتا کہ شاخ گاڑ دو اور عذاب میں تخفیف کر دو، تو صحابہ کرام ﷺ کے عہد مبارک میں کوئی بھی قبر شاخ سے خالی نہ ہوتی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ پورے ذخیرۂ احادیث میں اس ایک واقعہ کے علاوہ کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے قبر پر شاخ گاڑی ہو، بلکہ بعد میں ایک صحابی حضرت سعد بن معاذ ﷺ کے بارے میں یہاں تک فرمایا کہ قبر نے ان کو اس طرح دبایا ہے کہ ان کی پسلیاں ادھر سے اُدھر ہو گئیں، لیکن پھر بھی شاخ نہیں گاڑی، تو کسی اور صحابیؓ کی قبر پر شاخ نہ گاڑنا اور صحابہ کرام ﷺ کا اس طریقہ پر عمل نہ کرنا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کوئی یہ عام حکم نہیں تھا۔ صرف ایک حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ میرا انتقال ہو جائے تو میری قبر پر شاخ گاڑ دینا اور وہ وصیت بھی گویا ایک احتمال کے طور پر تھی کہ نبی کریم ﷺ نے ایک

عمل فرمایا تھا، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی اتباع کی برکت سے مجھے بھی فائدہ پہنچا دیں، یہ کوئی یقینی بات نہیں تھی اور نہ کوئی عام قاعدہ تھا اور محققین کے نزدیک یہی دوسرا موقف راجح ہے۔

اس موقف کی دلیل بہت پختہ ہے کہ اگر عام قاعدہ ہوتا تو ہر ایک قبر پر شاخ گاڑی ہونی چاہئے تھی، جو کہیں ثابت نہیں ہے۔

میرے والد ماجد صاحب قدس اللہ سرہ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ ایک بڑے اصول کی بات فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے "دیکھو جو چیز حدیث میں جس درجہ پر ثابت ہے کوئی اُسی درجہ پر عمل کرلے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے، لیکن اس کو عام قاعدہ یا معمول زندگی بنا لینا درست نہیں"۔

شاخ گاڑنا ساری عمر میں ایک مرتبہ ثابت ہے آپ بھی ایک مرتبہ کہیں گاڑ دیں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ گاڑی تھی، محض اس عمل کے اتباع کی نیت سے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے ان شاء اللہ، لیکن یہ بات یقینی نہیں ہے کہ وہ شاخ مؤثر بھی ضرور ہو گی، البتہ اس کو عام قاعدہ بنا لینا درست نہیں، حضور اقدس ﷺ سے شب برأت میں قبرستان جانا ترمذی کی روایت میں منقول ہے، لیکن ساری عمر میں ایک ہی مرتبہ منقول ہے۔ آپ بھی ایک مرتبہ یا دو مرتبہ چلے جائیں، لیکن اس کو معمول بنا لینا کہ جب بھی شب برأت آئے جوق در جوق قبرستان

جانا اور اس کو مستقل طور پر شب برأت کی سنت قرار دینا ، یہ درست نہیں ۔ تو جو عمل جس درجہ میں ثابت ہے اسی درجہ اس پر عمل کیا جائے۔

قبروں پر پھول ڈالنے اور چادر چڑھانے کا حکم

اب غور کریں کہ جب شاخ کا یہ حکم ہے تو جو پھول ڈالے جاتے ہیں یا پھولوں کی چادر چڑھائی جاتی ہے اس کی تو قرآن وسنت میں کوئی اصل ہی نہیں ہے ۔ اگرچہ علامہ شامیؒ نے لکھ دیا ہے کہ جب شاخ لگانا جائز ہے اس کی تسبیح کی وجہ سے تو تروتازہ پھول بطریق اولی جائز ہوں گے ، لہٰذا انہوں نے لکھ دیا کہ قبروں پر پھول چڑھانا جائز ہے اور عالمگیری میں بھی یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ پھول چڑھانا درست ہے ۔ اسی کو لے کر بریلوی حضرات استدلال کرتے ہیں لیکن خوب سمجھ لیں کہ یہ علامہ شامیؒ اور ان حضرات کا تفرد ہے ، قرآن وسنت میں کہیں بھی پھولوں کا ذکر نہیں ہے اور جرید پر پھولوں کو قیاس کرنا خلاف قیاس چیز پر قیاس کرنا ہے ، کیونکہ اگر کسی نے مستقل قاعدہ کے مطابق جریدہ لگانے کا کہا بھی ہے تو یہ ایک امرِ خلاف قیاس ہے اور اس خلافِ قیاس چیز پر دوسری چیز کو قیاس کرنا درست نہیں ہے ۔ بالخصوص جس سے لوگوں میں بدعات پھیل رہی ہوں ، عقیدہ فاسد ہو رہا ہو تو پھر منع کرنا چاہیے۔

علامہ شامیؒ شام کے بزرگ تھے اس لئے بعض جگہ بدعات کے معاملے میں قدرے نرمی اختیار فرمائی ہے اور اچھے اچھے بڑے بڑے علماء میں ایسے ہوا ہے ، لیکن **الحق احق أن یقال** ، لہٰذا اس میں ان کی اتباع نہیں کرنی چاہیے ۔ یہ بھی سمجھ لیں کہ زمان ومکان کے اعتبار سے بدعت کے حکم میں بھی فرق ہوتا رہتا ہے ، کیونکہ عموماً بدعت ایسی چیز ہوتی ہے جو اصلاً مباح ہوتی ہے یعنی اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہوتی ، لیکن وہ اس وقت بدعت بن جاتی ہے جب اس مباح کو واجب ، فرض یا سنت کا درجہ دے کر دین کا حصہ بنا دیا جائے ، اب وہ بدعت بن گئی۔

بعض لوگ بعض مقامات پر اس مباح پر عمل کرتے ہیں لیکن سنیت ، وجوب یا فرضیت کا اعتقاد نہیں رکھتے ، مباح طور پر ہی کرتے ہیں تو اب اس جگہ کے علماء اس کو بدعت نہیں کہیں گے کیونکہ لوگ اس کو دین کا حصہ نہیں سمجھ رہے ہیں اور بعض مقامات پر لوگ اُسی مباح کو سنت سمجھ کر یا فرض و وجوب کا درجہ دے کر دین کا حصہ بنا دیں تو اب اس جگہ اور اس زمانہ کے علماء اس کو بدعت قرار دیں گے ۔ تو بدعت کا حکم بھی زمان ومکان کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ اگر کچی قبر کے اردگرد چاردیواری بنادی جائے تا کہ کتے وغیرہ اندر نہ آسکیں تو یہ جائز ہے ، لیکن اگر کوئی اس کو دفن کی سنت قرار دے تو پھر یہ بدعت بن جائے گی ۔ ہم جو بڑے آرام سے اس

کو جائز کہہ رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے عرف میں کوئی بھی اس کو فرض، واجب یا سنت نہیں سمجھتا، اس لئے ہم کہتے ہیں کہ جائز ہے۔

تو ہوسکتا ہے علامہ شامیؒ نے اجازت دی یا فتاویٰ عالمگیری میں جو پھول ڈالنے کی اجازت ہے وہ انہوں نے اپنے ماحول کے حساب سے دی ہو کہ اس وقت لوگ اس کو سنت نہ سمجھتے ہوں بلکہ محض مباح سمجھ کر پھول ڈال دیتے ہوں، لیکن ہمارے دور میں قبروں پر پھولوں کی چادر چڑھانا ایسا لازم ہوگیا ہے کہ اس کے بغیر قبر کی زیارت ممکن ہی نہیں، واجب اور فرض سے بھی اس کو اعلیٰ درجہ دے دیا ہے اور اس کے ساتھ عقائد فاسدہ بھی لگ گئے ہیں اگر فلاں کی قبر پر چادر چڑھائے گا تو بیٹا پیدا ہوگا، روزگار مل جائے گا، قرضہ ادا ہو جائے گا اور نذریں مانی جاتی ہیں کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو پیرانِ پیر کی قبر پر چادر چڑھاؤں گا یا چڑھاؤں گی، تو یہ زبردست فساد پھیل گیا ہے جس کی وجہ سے منع کیا گیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا:

" وأوصىٰ بريدة الأسلمي أن يجعل في قبره جريدتان "

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ میری قبر پر دو شاخیں رکھ دینا۔ یہ وصیت انہوں نے کوئی فرض یا واجب سمجھ کر نہیں کی بلکہ علیٰ سبیل الاحتمال کی ہے، ٹھیک ہے آپ بھی کبھی کر دیں، لیکن عام اصول بنانا درست نہیں۔

"ورأى ابن عمر رضي الله عنهما فسطاطاً على قبر عبدالرحمن فقال: انزعه ياغلام فانما يظلله عمله"

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کی قبر پر ایک خیمہ لگا ہوا دیکھا تو فرمایا **"انزعه ياغلام"** اس خیمہ کو ہٹا دو **"فانما يظلله عمله"** حضرت عبدالرحمٰنؓ پر سایہ کرنے والی چیز ان کا عمل ہے یہ خیمہ نہیں۔ اس سے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ اگر یہ خیمہ اس غرض سے لگایا جا رہا ہے کہ مردہ پر دھوپ نہ پڑے تو یہ حماقت ہے اور جائز نہیں ہے، لیکن اگر خیمہ اس نیت سے لگا رہے ہیں کہ جو لوگ زیارت قبر کے لئے آئیں ان کو دھوپ میں نہ کھڑا ہونا پڑے اور ان کے لئے آسانی ہو جائے تو پھر جائز ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو فسطاط والا مسئلہ ذکر کیا ہے اس کا ترجمۃ الباب سے تعلق اس طرح بنتا ہے کہ جس طرح جرید کا لگانا مردے کیلئے نافع نہیں ہے بلکہ اصل چیز اس کا عمل ہے ایسے ہی قبر پر فسطاط لگانا بھی مردے کے لئے نافع نہیں، بلکہ نافع اس کا عمل ہے۔

فانما يظلله عمله ۔ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ قبر پر جو کام بھی کیا جائے اس سے مردے کو نہ نقصان پہنچتا ہے نہ نفع، چاہے شاخ گاڑیں، چھلانگ لگائیں یا بیٹھیں، نفع و نقصان پہنچانے والی چیز اس کے اپنے اعمال ہیں۔

"وقال خارجة بن زيد رأيتني ونحن شبان في زمن عثمان رضي الله عنه وأن أشدنا وثبة الذي يثب قبر عثمان بن مظعون حتى يجاوزه"

حضرت خارجہ بن زیدؒ تابعی ہیں، وہ فرماتے ہیں رایتنی ونحن شبان .... میں نے اپنے آپ کو حضرت عثمان ؓ کے زمانے میں دیکھا جب ہم جوان لوگ تھے وان اشدنا وثبة اور ہم میں سب سے زیادہ زبردست جمپ لگانے والا وہ ہوتا تھا جو حضرت عثمان بن مظعون ؓ کی قبر پر چھلانگ لگائے، یعنی جب ہم جمپ لگانے کا مقابلہ کرتے تھے کہ کون زیادہ بڑی جمپ لگاتا ہے جو جمپ لگالیتا تو وہ بہت اچھا جمپ لگانے والا سمجھا جاتا تھا۔ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون ؓ کی قبر بہت اونچی تھی، اتنی اونچی کہ بچے چھلانگ لگانے کا مقابلہ کرتے تھے۔

قبر کو پھلانگنا جائز ہے یا نہیں

پہلا مسئلہ جس کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ اس کو لائے ہیں وہ یہ ہے کہ قبر کے اوپر سے پھلانگنا ناجائز نہیں، حرام نہیں، کیونکہ خارجہ بن زیدؒ تابعی صحابہ کرام ؓ کی موجودگی میں قبر کو پھلانگ رہے ہیں لیکن کسی نے منع نہیں کیا۔ معلوم ہوا کہ پھلانگنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ یہ پھلانگنا کسی حاجت کے تحت ہونا چاہیئے، اگر بغیر کسی حاجت کے ہو تو کم از کم خلاف اولیٰ ہوگا۔

قبر کی اونچائی کتنی ہونی چاہیئے

دوسرا مسئلہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ ان کی قبر بہت اونچی تھی جبکہ مسنون یہ ہے کہ قبر ایک بالشت سے زیادہ اونچی نہ ہونی چاہیئے۔ [۱۴۷]

اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں:

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ایسا لگتا ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون ؓ کی قبر کسی پانی کے کنارے تھی جہاں سیلاب آجایا کرتا تھا جس کی وجہ سے قبر کی ایک جانب نیچے گرتی رہی، یہاں تک کہ نشیب پیدا ہوگیا، تو اصلاً قبر ایک بالشت تھی لیکن سیلاب کی وجہ سے مٹی ہٹنے سے اس کی ایک جانب خالی ہوگئی اور وہ اونچی نظر آنے لگی اور لوگوں نے اس کو پانی سے بچانے کیلئے دیوار بھی کھڑی کردی، اس لئے پھلانگتے۔، مراد ہے جو آدمی نشیب میں کھڑا ہوگا وہ پھلانگے گا۔

---

۱۴۷ بدائع الصنائع، ج: ۱، ص: ۳۲۰، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۹۸۲ء۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ سارا اشکال اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ اس چھلانگ کو ہائی جمپ سمجھا جا رہا ہے جبکہ اس سے لانگ جمپ مراد ہے، یعنی یہ چھلانگ قبر کے عرض سے نہیں ہوتی تھی بلکہ طول میں ہوتی تھی۔ اونچائی وہی ایک بالشت ہوتی تھی تو جو طول میں چھلانگ لگالیتا اس کو ماہر سمجھا جاتا تھا۔

جلوس علی القبر کی ممانعت کی وجہ

"وقال عثمان بن حكيم: أخذ بيدي خارجة فأجلسني على قبر وأخبرني عن عمه يزيد بن ثابت قال: إنما كره ذلك لمن أحدث عليه. وقال نافع: كان ابن عمر رضي الله عنهما يجلس على القبور"

عثمان بن حکیم کہتے ہیں کہ خارجہ بن زید نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے لے جا کر ایک قبر پر بٹھا دیا اور اپنے چچا یزید بن ثابت سے مجھے یہ قول سنایا کہ انہوں نے فرمایا "إنما كره ذلك لمن احدث عليه" قبر پر اس کے لئے بیٹھنا مکروہ ہے جو اس پر بیٹھ کر حدث کرے یعنی " جلوس على القبر " کی ممانعت مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس شخص کے لئے ہے جو اس پر بیٹھ کر حدث لاحق کرے، پیشاب، پاخانہ کرے یا ریح خارج کرے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے۔

یعنی مطلقاً جلوس على القبر ممنوع نہیں ہے بلکہ اس وقت منع ہے جب حدث لاحق کیا جائے، تو جتنی حدیثیں جلوس على القبر کی ممانعت کی روایت کی ہیں، وہ سب اسی پر محمول ہیں۔

البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بعض مرتبہ مطلقاً جلوس على القبر کے بارے میں لفظ " كره" منقول ہے۔ اس واسطے علماء کرام جیسے امام طحاویؒ، علامہ ابن ہمامؒ نے دونوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ اگر جلوس علی القبر بغرض حدث ہو تب تو مکروہ تحریمی ہے اور اگر بغیر نیت حدث کے ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ عام حالات میں مکروہ تنزیہی اور حدث کی صورت میں مکروہ تحریمی ہے۔ [۱۳۸]

وقال نافع: كان ابن عمر ﷺ يجلس على القبور. نافع کہتے ہیں کہ ابن عمرؓ قبر پر بیٹھ جایا

---

۱۳۸ فثبت بذلک أن الجلوس المنهي عنه في الآثار الأول هو هذا الجلوس، يعني: للغائط والبول. فأما الجلوس بغير ذلک فلم يدخل في ذلک النهي، وهذا قول أبي حنيفة وأبي يوسف ومحمد، رحمهم الله تعالى. قلت: فعلى هذا ما ذكره أصحابنا في كتبهم من أن وطء القبور حرام، وكذا النوم عليها، ليس كما ينبغي. فإن الطحاوي هو أعلم الناس بمذاهب العلماء، ولاسيما بمذهب أبي حنيفة. عمدة القاري، ج: ٦، ص: ٢٥٣.

کرتے تھے۔

سوال: کتبہ لگانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: علامت کے لئے لگانا جائز ہے، مقصد یہ ہو کہ پہچانی جائے کہ یہ کس کی قبر ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پر پتھر لگایا اور فرمایا "**اتعلم بھا قبر اخی**" البتہ اس میں قرآن کریم کی آیات وغیرہ نہ لکھنی چاہئیں کیونکہ بے حرمتی کا اندیشہ ہوتا ہے۔ [۱۴۹]

سوال: حیلۂ اسقاط کا کیا حکم ہے؟

جواب: حیلہ اسقاط کی کوئی اصل نہیں ہے، بلاشبہ فقہاء کے کلام (قاضی خان، شامی، عالمگیری) میں دور واسقاط کی صورتیں مذکور ہیں لیکن وہ جن شرائط کے ساتھ مذکور ہیں عوام نہ ان شرائط کو جانتے ہیں، نہ ان کی کوئی رعایت کی جاتی ہے بلکہ فوت شدہ فرائض وواجبات سے متعلقہ تمام احکام شرعیہ کو نظرانداز کر کے اس رسم کو تمام فرائض وواجبات سے سبکدوشی کا ایک آسان نسخہ بنا لیا گیا جو چند پیسوں میں حاصل ہو جاتا ہے، پھر کسی کو کیا ضرورت پڑی کہ عمر بھر نماز روزہ کی محنت اٹھائے۔

درحقیقت حیلہ اسقاط یا دور بعض فقہائے کرام نے ایسے شخص کے لئے تجویز فرمایا تھا جس کے کچھ نماز روزے وغیرہ اتفاقاً فوت ہوگئے، قضاء کرنے کا موقع نہیں ملا اور موت کے وقت وصیت کی لیکن اس کے ترکہ میں اتنا مال نہیں جس سے تمام فوت شدہ نماز روزہ وغیرہ کا فدیہ ادا کیا جاسکے، یہ نہیں کہ اس کے ترکہ میں مال موجود ہو اس کو تو وارث بانٹ کھائیں ادت تھوڑے سے پیسے لے کر حیلہ حوالہ کر کے خدا وخلق کو فریب دے، درمختار، شامی وغیرہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

نیز اس حیلہ کے التزام سے عوام الناس اور جہلاء کی یہ جرأت بھی بڑھ سکتی ہے کہ تمام عمر نہ نماز پڑھیں، نہ روزہ رکھیں، نہ حج کریں، نہ زکوٰۃ دیں، مرنے کے بعد چند پیسوں کے خرچ سے یہ سارے مفاد حاصل ہو جائیں گے، جو سارے دین کی بنیاد منہدم کر دینے کے مترادف ہے۔ [۱۵۰]

سوال: پرانی قبر میں نئی میت دفن کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: فقہاء نے لکھا ہے کہ مردہ مٹی ہوگیا ہو تو پھر اس قبر میں دوسرے مردہ کو دفن کیا جاسکتا ہے۔

سوال: قبر کے قریب قرآن کریم لے کر تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے لیکن اس میں اس کا اہتمام کیا جائے کہ قرآن کریم کی بے حرمتی نہ ہو۔

---

[۱۴۹] سنن البیهقی الکبری، باب اعلام القبر بصخرۃ أو علامۃ ما کانت، رقم: ۶۵۳۵، ج:۳، ص: ۴۱۲۔

[۱۵۰] مسئلہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: حیلہ اسقاط کی شرعی حیثیت، جواہر الفقہ، ج:۱، ص:۳۸۷۔

سوال: قبر کے اندر اینٹوں کی چار دیواری بنانا یا مردے کے نیچے سمنٹ کا فرش بنانا کیسا ہے؟

جواب: عام حالات میں جائز نہیں ہے، لیکن جہاں اندیشہ ہو کہ مٹی نرم ہے اور گر جائے گی تو وہاں اس طرح کرنا جائز ہے۔

(۸۲) باب موعظة المحدث عند القبر وقعود اصحابه حوله

قبر کے پاس محدث کا نصیحت کرنا اور ساتھیوں کا اس کے چاروں طرف بیٹھنا

﴿ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الأَجْدَاثِ ﴾ [المعارج: ۴۳] الاجداث: القبور. ﴿ بُعْثِرَتْ ﴾ [الانفطار: ۴] اثيرت. بعثرت حوضي جعلت أسفله أعلاه. الايفاض: الاسراع. وقرأ الأعمش ﴿ الى نَصْبٍ يُوفِضُونَ ﴾ [المعارج: ۴۳] الى شيء منصوب يستبقون اليه. والنصب واحد. والنصب مصدر. ﴿ يَوْمُ الخُرُوجِ ﴾ [ق: ۴۲] من قبورهم ﴿ يَنْسِلُونَ ﴾ [يس: ۵۱] يخرجون.

۱۳۶۲ ـ حدثنا عثمان قال: حدثنا جرير، عن منصور، عن سعد بن عبيدة عن ابى عبدالرحمن، عن علي رضي الله عنه قال: كنا في جنازة في بقيع الغرقد فأتانا النبي ﷺ فقعد وقعدنا حوله معه مخصرة فنكس فجعل ينكت بمخصرته، ثم قال: ((ما منكم من أحد، ما من نفس منفوسة الا كتب مكانها من الجنة والنار، والا قد كتبت شقية أو سعيدة)). فقال رجل: يارسول الله: افلا نتكل على كتابنا وندع العمل؟ فمن كان منا من أهل السعادة فسيصير الى عمل أهل السعادة. وأما من كان منا من أهل الشقاوة فسيصير الى عمل أهل الشقاوة. قال: ((أما أهل السعادة فييسرون لعمل السعادة، وأما أهل الشقاوة فييسرون لعمل الشقاوة)). ثم قرأ: ﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ﴾ [الليل: ۵] الآية.
[أنظر: ۴۹۴۵، ۴۹۴۶، ۴۹۴۷، ۴۹۴۸، ۶۲۱۷، ۶۶۰۵، ۷۵۵۲] [۵۱]

---

[۵۱] وفي صحيح مسلم، كتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن امه وكتابة رزقه وأجله، رقم: ۴۷۸۶، وسنن الترمذي، كتاب القدر عن رسول الله، باب ماجاء في الشقاء والسعادة، رقم: ۲۰۶۲، وكتاب تفسير القرآن عن رسول الله، باب ومن سورة والليل اذا يغشى، رقم: ۳۲۶۷، وسنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في القدر، رقم: ۴۰۷۳، وسنن ابن ماجه، كتاب المقدمة، باب في القدر، رقم: ۷۵، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب ومن مسند علي بن أبي طالب، رقم: ۵۸۷، ۱۰۱۵، ۱۰۵۵، ۱۱۲۰، ۱۲۷۸.

ترجمہ

علی ﷺ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ ہم بقیع غرقد میں ایک جنازہ میں شریک تھے۔ ہمارے پاس حضور ﷺ تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو ہم بھی آپ کے اردگرد بیٹھ گئے اور آپ ﷺ کے پاس ایک چھڑی تھی، آپ اسے زمین پر مارنے لگے اور فرمانے لگے کہ تم میں سے ہر ذی روح کے لئے اس کی جگہ جنت یا جہنم لکھ دی ہے اور نیک بخت یا بد بخت ہونا لکھا جا چکا ہے۔

تو ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! پھر ہم اپنے لکھے پر بھروسہ نہ کریں اور عمل چھوڑ دیں؟ ہم میں سے جو شخص اہل سعادت میں ہوگا وہ اہل سعادت کے کام کریگا اور جو شخص بد بختوں میں سے ہوگا وہ بد بختوں کے عمل کی طرز پر جائے گا۔

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا نیک بخت لوگ نیک بختی کے عمل کے لئے آسان کیے جائیں گے اور بد بخت لوگ بد بختی کے عمل کے لئے آسان کئے جائیں گے پھر آپ ﷺ نے آیت فاما من اعطی واتقی آخر تک پڑھی۔

(۸۳) باب ماجاء في قاتل النفس

خودکشی کرنے والے کا بیان

۱۳۶۳۔ حدثنا مسدد: حدثنا يزيد بن زريع: حدثنا خالد، عن أبي قلابة، عن ثابت بن الضحاك رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((من خلف بملة غير الإسلام كاذبا متعمدا فهو كما قال، ومن قتل نفسه بحديدة عذب به في نار جهنم)). [أنظر:] ۱۵۲

۱۵۲ وفي صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب غلظ تحريم قتل الانسان نفسه وان من قتل نفسه، رقم: ۱۵۹، وسنن الترمذي، كتاب النذور والأيمان من رسول الله، باب ماجاء في كراهية الحلف بغير ملة والاسلام، رقم: ۱۴۶۳، وسنن النسائي، كتاب الأيمان والنذور، باب الحلف بملة الاسلام، رقم: ۳۷۱۰، وسنن أبي داؤد، كتاب الأيمان والنذور، باب ماجاء في الحلف بالبراءة وبملة غير الاسلام، رقم: ۲۸۳۵، وسنن ابن ماجة، كتاب الكفارات، باب من حلف بملة غير الاسلام، رقم: ۲۰۸۹، ومسند أحمد، اول مسند المدنيين أجمعين، باب حديث ثابت بن ضحاك الأنصاري، رقم: ۱۵۷۹۰، ۱۵۷۹۷.

تشریح

آپ ﷺ نے فرمایا جس نے اسلام کے علاوہ کسی اور ملت کی جھوٹی قسم اور جان بوجھ کر اٹھائے تو وہ ایسا ہی ہو جائے گا جیسے اس نے کہا مثلاً کوئی شخص یہ کہے اگر میں نے ماضی میں فلاں کام کیا ہو تو میں یہودی یا نصرانی ہوں اور جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے، جھوٹی قسم کھا رہا ہے تو حدیث میں فرمایا کہ وہ ایسا ہی ہو جائے گا جیسا اس نے کہا اور جس نے اپنی جان کو کسی لوہے سے قتل کیا تو جہنم کی آگ میں اسی لوہے سے عذاب دیا جائے گا۔

اب حدیث کے ظاہری معنی کے مطابق ایسا شخص یہودی یا نصرانی ہو جائے گا۔ اب اس پر یہ اشکال ہوگا کہ ایسا شخص اگر چہ سخت گنہگار ضرور ہے مگر اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاتا جبکہ حدیث کی رو سے کافر ہو جانا چاہیے۔

اس کے جواب میں لوگوں نے حدیث کی مختلف تاویلیں کی ہیں:

بعض نے کہا کہ **فھو کما قال** کا مطلب ہے **فھو کاذب**، لہٰذا اس سے تکفیر لازم نہیں آتی۔

بعض نے کہا کہ **فھو کما قال** کے معنی اگر چہ وہی ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہوگا مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اسلام سے خارج ہو گیا، اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا یہ کام یہودیوں والا اور نصرانیوں والا ہے، جیسا کہ فرمایا **"من حمل علینا السلاح فلیس منا"** اور اگر کوئی شخص واقعۃً یہودی یا نصرانی بننے کے قصد سے کہے تو پھر اس کے مرتد ہونے میں کیا شک ہے۔

اسی طرح فرمایا **"لیس منا من شق الجیوب"** تو حاصل یہ ہے کہ یہ کام مسلمانوں کے کرنے کا نہیں ہے، کافروں کے کرنے کا کہا، ایسا ہی یہ بھی ہے کہ یہ کام یہودیوں اور نصرانیوں کے کرنے کا ہے۔

تیسری توجیہ بعض حضرات نے یہ کی ہے کہ **متعمداً** کے معنی ہیں جانتے بوجھتے ہیں، اگر کوئی شخص یہ جانتا ہے کہ میرا یہ عمل مجھے یہودیت میں داخل کر دے گا اور اسلام سے خارج کر دے گا اور پھر بھی وہ راضی ہو کر یہ کہتا ہے تو پھر وہ یہودی ہو جائے گا۔[۱۵۳]

---

۱۵۳ احتج بالحدیث المذکور أبو حنیفة وأصحابه علی أن الحالف بالیمین المذکور ینعقد یمینه وعلیه الکفارة، لأن اللہ تعالیٰ أوجب علی المظاهر الکفارة، وهو منکر من القول وزور، والحلف بهذه الأشیاء منکر وزور، وقال النووی: لا ینعقد بهذه الأشیاء یمین، وعلیه أن یستغفر اللہ ویوحده ولا کفارة علیه سواء فعله أم لا. وقال: هذا مذهب الشافعی ومالک وجمهور العلماء، واحتجوا بقوله ﷺ: ((من حلف فقال باللات والعزی فلیقل: لا اله الا اللہ))، ولم یذکر فی الحدیث کفارة، قلنا: لا یلزم من عدم ذکرها فیه نفی وجوب الکفارة، عمدة القاری، ج: ۶، ص: ۲۶۲.

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس برے انجام سے محفوظ رکھے، آمین تو یہ تین توجیہات ہیں۔

آگے فرمایا:

" ومن قتل نفسه بحديدة " جو شخص اپنے آپ کو لوہے کی چیز سے قتل کرے "عُذّب به في نار جهنم" اُسے جہنم کی آگ میں اسی لوہے کی چیز سے عذاب دیا جائے گا۔

مسئلہ: اس حدیث سے امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ استدلال کرتے ہیں کہ خودکشی کر کے مرنے والے کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، البتہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ [۱۵۴]

۱۳۶۴ ـ وقال حجاج بن منهال : حدثنا جرير بن حازم ، عن الحسن : حدثنا جندب رضي الله عنه في هذا المسجد فما نسينا وما نخاف أن يكذب جندب على النبي ﷺ قال :((كان برجل جراح ،فقتل نفسه فقال الله عزوجل: بدرني عبدي بنفسه ، حرمت عليه الجنة)) .[أنظر : ۳۴۶۳]

۱۳۶۵ ـ حدثنا أبو اليمان : أخبرنا شعيب : حدثنا أبو الزناد ، عن الأعرج ، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال : النبي ﷺ : ((الذي يخنق نفسه يخنقها في النار ، والذي يطعنها يطعنها في النار)) . [أنظر : ۵۷۷۸] [۱۵۵]

---

[۱۵۴] أجمع الفقهاء وأهل السنة على انه من قتل نفسه أنه لايخرج بذلك من الاسلام ، وانه يصلى عليه واثمه عليه ، كما قال مالك، ولم يكره الصلاة عليه الا عمر بن عبدالعزيز والأوزاعي ، والصواب قول الجماعة ، لان النبي ﷺ سن الصلاة على المسلمين و يستثن منهم أحداً فيصلى على جميعهم قلت : قال أبو يوسف: لايصلى على قاتل نفسهم لانه ظالم لنفسه فليلحق بالباغي وقاطع الطريق ، وعند أبي حنيفة ومحمد : يصلى عليه لان دمه هدر كما لو مات حتفه . كذا ذكر العلامة بدرالدين العينيؒ في العمدة ، ج : ۲ ، ص : ۲۶۲-۲۶۳ ، و نصب الراية ، ج : ۳ ، ص : ۳۲۲ ، والمغني ، ج :۲، ص : ۲۱۸ ، دارالفكر ،بيروت،۱۴۰۵ھ.

[۱۵۵] وفي صحيح مسلم ، كتاب الايمان ، باب غلظ القتل الانسان نفسه وأن من قتله نفسه ، رقم : ۱۵۸ ، وسنن الترمذي ، كتاب الطب عن رسول الله ، باب ماجاء فيمن قتل نفسه بسم أو غيره ، رقم : ۱۹۶۶ ، و سنن النسائي ، كتاب الجنائز ، باب ترك الصلاة على من قتل نفسه ، رقم : ۱۹۳۹ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب الطب ، باب في الادوية المكروهة ، رقم : ۳۳۷۴، وسنن ابن ماجه ، كتاب الطب ، باب النهي عن الدوية الخبيث ، رقم : ۳۴۵۱، ومسند احمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أبي هريرة ، رقم : ۷۱۳۶، ۹۲۳۵، ۹۸۰۵، ۹۹۴۴، وسنن الدارمي ، كتاب الديات ، باب التشديد على من قتل نفسه ، رقم : ۲۲۵۶.

حضرت حسن کہتے ہیں کہ حضرت جندب ﷺ نے ہمیں اس مسجد میں حدیث سنائی اور ہم نہیں بھولے "وماتخاف ان یکذب جندب علی نبی کریم ﷺ" اور ہمیں ہرگز اندیشہ نہیں ہے کہ جندب نبی کریم ﷺ کے بارے میں جھوٹ بول سکتے ہیں، تو انہوں نے یہ حدیث سنائی "کان برجل جراح" ایک آدمی کو کچھ زخم لگ گئے تھے یعنی وہ زخمی ہوگیا تھا "فقتل نفسه" اس نے تنگ آکر اپنے آپ کو قتل کرڈالا "فقال اللہ عزوجل: بدرنی عبدی بنفسه" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے اپنی جان کے بارے میں جلدی کی، میری طرف سے ابھی منظور نہیں تھی، اس کے مرنے میں میری رضا نہیں تھی، میری رضا کے برخلاف اس نے اپنے آپ کو قتل کردیا، "حرمت علیه الجنة" میں نے اس پر جنت حرام کردی۔

مشیت اور رضا میں فرق

اگرچہ مشیت تھی لیکن رضا نہیں تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر دنیا میں کوئی کام نہیں ہوسکتا، یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ تو نہیں چاہ رہے تھے، اللہ کی مشیت تو نہیں تھی لیکن اس نے اپنے آپ کو مارلیا۔ یہ فرق ہمیشہ یاد رکھیں کہ مشیت اور چیز ہے، رضا اور چیز ہے۔ دنیا میں جتنے گناہ کے کام ہوتے ہیں سارے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتے ہیں، اللہ کی مشیت کے بغیر گناہ کا کام بھی نہیں ہوسکتا، لیکن وہ اللہ کی رضا سے نہیں ہوتے۔ شیطان جو پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوا، لوگ شیطان کے پیروکار ہورہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہورہے ہیں۔ شراب پی رہے ہیں، زنا کررہے ہیں، یہ سب کام اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہورہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی رضا صرف اعمالِ صالحہ میں ہوتی ہے، عمل غیر صالح کے ساتھ رضا نہیں ہے۔

MERCY KILLING کا حکم

اسی حدیث سے ایک سوال کا حکم معلوم ہوگیا جو آج کل بہت کثرت سے اٹھایا جارہا ہے جس کو آج کل کی اصطلاح میں (*MERCY KILLING*) کہتے ہیں یعنی رحم کھا کر، ترس کھا کر ماردینا۔ بعض اوقات کسی شخص کی بیماری اس درجہ تک پہنچ جاتی ہے اور وہ اس قدر اذیت میں ہوتا ہے کہ اس کی تکلیف دیکھی نہیں جاتی اور اس اذیت کا مداوا، علاج کسی انسان کے پاس نہیں ہوتا۔

آج کل کی سائنس کہتی ہے کہ اس شخص کے حق میں بہتر یہی ہے کہ اس کو آسان طریقہ سے ماردیں یعنی کوئی ایسا انجکشن لگادیا جائے جس سے وہ بآسانی مرجائے کیونکہ اس کے صحت یاب ہونے کی اب کوئی توقع نہیں ہے، اس کیلئے باقاعدہ تحریک چل رہی ہے کہ اس کو باقاعدہ قانونی شکل دی جائے یعنی ڈاکٹر کو یہ اختیار دیا جائے کہ جب وہ کسی ایسے مریض کو دیکھے تو اس کو موت کے حوالے کردے۔

اس حدیث مبارک سے اس کا حکم معلوم ہوگیا کہ یہ صاحب زخمی تھے اور زخم کی تکلیف برداشت نہیں کر پا رہے تھے، لہٰذا انہوں نے اپنے آپ کو قتل کر دیا، تو اس کو حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بادرنی عبدی بنفسه"۔

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ترس کھا کر اس کو موت دے دی جائے، تو ارے بھائی! تم خدا کے اختیارات لے کر تو دنیا میں نہیں آئے ہو، تمہیں کیا پتہ ہے کہ تم اس کی اذیت کو ناقابل برداشت کہہ رہے ہو اور کہہ رہے ہو کہ وہ دیکھی نہیں جارہی ہے۔ اس اذیت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کو کتنے درجات عطا فرما رہے ہیں اور کیسے اس کے گناہوں کی مغفرت ہورہی ہے اور کیسے وہ آخرت کے درجات اور منازل طے کر رہا ہے، تمہیں اس کی کیا خبر؟ پھر بے شک تم یہ دیکھ رہے ہو کہ اس کے بچنے کی کوئی توقع نہیں ہے لیکن کتنے ہی ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ اس تکلیف کے بعد لوگ بچ گئے اور وہ تکلیف ختم ہوگئی اور کیا تمہیں اس وقت کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہے کہ جلدی سے موت کے گھاٹ اتار کر اس کے لمحات زندگی کو ختم کر دیا جائے، جبکہ یہ لمحات کتنے قیمتی ہیں، ہوسکتا ہے کوئی ایک جملہ اس کے منہ سے ایسا نکل جائے جو اس کا بیڑہ پار کردے اور گناہوں سے اس کی مغفرت ہوجائے۔ اس سے پہلے اگر جہنم میں جانے والا تھا اس جملہ کی بدولت اللہ تعالیٰ اس کو جنت سے سرفراز فرمادیں، تو تم کون ہو یہ فیصلہ کرنے والے؟

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ جو رحمٰن و رحیم ہیں ان سے تو رحم نہیں آرہا ہے اور تمہیں اس پر رحم آگیا، تو یہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی ہے۔

(۸۴) باب مایکره من الصلاة علی المنافقین والاستغفار للمشرکین

منافقین پر نماز پڑھنے اور مشرکین کے لئے دعاءِ مغفرت کرنے کی کراہت کا بیان

رواه ابن عمر رضی اللہ عنهما عن النبی ﷺ۔

۱۳۶۶ ـ حدثنا یحیی بن بکیر قال: حدثنی اللیث، عن عقیل، عن ابن شهاب، عبیداللہ بن عبداللہ، عن ابن عباس، عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنهم أنه قال: لما مات عبداللہ بن أبی بن سلول دعی له رسول اللہ ﷺ لیصلی علیه. فلما قام رسول اللہ ﷺ وثبت الیه فقلت: یارسول اللہ أتصلی علی ابن أبی؟ وقد قال یوم کذا وکذا: کذا وکذا، أعدد علیه قوله. فتبسم رسول اللہ ﷺ وقال: ((أخر عنی یا عمر))، فلما أکثرت علیه قال: ((انی خیرت فاخترت لو أعلم أنی لو زدت علی السبعین یغفر له

لزدت عليها)) قال : فصلى عليه رسول الله ﷺ ثم انصرف فلم يمكث الا يسراً حتى نزلت الآيتان من براءة [۸۰]

﴿ وَلا تُصَلِّ عَلى اَحَدٍ مِنْهُمْ ماتَ اَبَداً ﴾

الى قوله

﴿ وَهُم فَاسِقُونَ ﴾

قال: فعجبت بعد من جرأتي على رسول الله ﷺ يومئذ ، والله ورسوله أعلم)) .

[انظر: ۴۶۷۱]. ۱۵۶

وَلا تُصَلِّ عَلى اَحَدٍ مِنْهُمْ ماتَ اَبَداً الى قوله وَهُم فَاسِقُونَ قال: فعجبت بعد من جرأتي على رسول الله ﷺ يومئذ ، والله ورسوله أعلم))

اس آیت کے نزول کے بعد منافقین کا جنازہ پڑھنا قطعاً ممنوع ہوگیا اس نزول آیت سے حضور ﷺ نے کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق ﷺ احتیاطاً ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھتے تھے جس کی نماز میں حضرت حذیفہ ﷺ شریک نہ ہوں، کیونکہ ان کو آنحضرت ﷺ نے بہت سے منافقین نام بنام علم کرادیا تھا اسی ان لقب" صاحب سر رسول اللہ ﷺ" ہوا۔ "فعجبت بعد من جرأتي على رسول الله ﷺ يومئذ" کا یہی مطلب ہے۔ ۱۵۷

(۸۵) باب ثناء الناس على الميت

میت پر لوگوں کی تعریف کرنے کا بیان

۱۳۶۷۔ حدثنا آدم: حدثنا شعبة: حدثنا عبدالعزيز بن صهيب قال: سمعت أنس بن مالک رضي الله عنه يقول: مر بجنازة فأثنوا عليها خيراً ، فقال النبي ﷺ: ((وجبت)). ثم مروا بأخرى فأثنوا عليها شراً ، فقال ((وجبت)). فقال عمر بن الخطاب رضي الله عنه:

۱۵۶ وفي سنن الترمذي ، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله ، باب ومن سورة التوبة ، رقم : ۳۰۲۲، وسنن النسائي ، كتاب الجنائز ، باب الصلاة على المنافقين ، رقم : ۱۹۳۰ ، ومسند احمد ، مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب اول مسند عمر بن الخطاب ، رقم : ۹۱ .

۱۵۷ مزید تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں: عمدة القاري ، ج : ۶، ص: ۲۲۶ .

ما وجبت؟ قال: ((هذا أثنيتم عليه خيرا فوجبت له الجنة، وهذا أثنيتم عليه شرا فوجبت له النار، أنتم شهداء الله في الأرض)). [انظر: ۲۶۴۲] [۱۵۸]

تشریح

ایک جنازہ گزرا، لوگوں نے اس کی تعریف کی تو حضور ﷺ نے فرمایا "وجبت" پھر دوسرا جنازہ گزرا، لوگوں نے اس کی برائی کی تو حضور ﷺ فرمایا "وجبت" حضرت عمرؓ نے پوچھا "ما وجبت؟" حضور ﷺ نے فرمایا "هذا اثنيتم" عليه خيرًا فوجبت له الجنة" پہلے جنازہ پر تم نے اچھی تعریف کی تھی "وجبت له الجنة" اور جس کیلئے برائی کی تھی "فوجبت له النار" کیونکہ "انتم شهداء الله في الأرض" زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو، لیکن فقہاء کرام اور علماء کرام نے فرمایا کہ اس سے مراد صلحاء اور متقین کا قول ہے کہ ان کا قول گویا اس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص مقبول ہے یا غیر مقبول، ہما شما اگر اپنی دوستی یا دشمنی میں کسی کی اچھائی یا برائی کہہ دیں اور اس سے اس کے جنت یا دوزخ میں جانے کے فیصلے ہونے لگیں، یہ مراد نہیں ہے۔

یہاں تو صحابۂ کرام ؓ تھے ان کو خطاب ہو رہا ہے "انتم شهداء الله في الارض" صحابہ ؓ کہہ رہے ہیں وہ بڑا اچھا آدمی تھا، اس کا مطلب ہے اس کے اعمال اچھے تھے، تو جنت واجب ہوگئی اور جس کے بارے میں صحابہؓ کہہ رہے ہیں کہ برے کام کرتا تھا تو اس پر جہنم واجب ہوگئی، تو یہ ہر ایک کا کام نہیں ہے۔

۱۳۶۸ ۔ حدثنا عفان بن مسلم: هو الصفار: حدثنا داؤد بن الفرات، عن عبدالله بن بريدة عن أبي الاسود قال: قدمت المدينة وقد وقع بها مرض فجلست الى عمر ابن الخطاب رضي الله عنه فمرت بهم جنازة فأثني على صاحبها خيراً. فقال عمر رضي الله عنه: وجبت ثم مر باخرى فأثني على صاحبها خيراً فقال عمر رضي الله عنه: وجبت ثم مر بالثالثة فأثني على صاحبها شراً، فقال: وجبت. فقال ابو الأسود: فقلت: وما وجبت يا أمير المؤمنين؟ قال: قلت كما قال النبي ﷺ: ((أيما مسلم شهد له أربعة بخير أدخله الله

---

۱۵۸ وفي صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب فيمن يثني عليه خير أوشر من الموتى، رقم: ۱۵۷۸، وسنن الترمذي، كتاب الجنائز عن رسول الله، باب ماجاء في الثناء الحسن على الميت، رقم: ۹۷۸، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الثناء، رقم: ۱۹۰۶، وسنن ابن ماجة، كتاب ماجاء في الجنائز، باب ماجاء في الثناء على الميت، رقم: ۱۴۸۰، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أنس بن مالك، رقم: ۱۲۳۷۲، ۱۲۴۷۰، وباب باقي المسند السابق، رقم: ۱۲۵۶۶.

الجنة)) فقالنا: وثلاثة ؟ قال: ((ثلاثة)). فقلنا: وأثنان ؟ قال: ((وأثنان))، ثم لم نسأله عن الواحد. [أنظر: ۲۶۴۳] ۱۵۹

" قال: قلت كما قال النبي ﷺ: ((أيما مسلم شهد له أربعة بخير أدخله الله الجنة)) فقالنا: وثلاثة ؟ قال: ((ثلاثة)). فقلنا: وأثنان ؟ قال: ((وأثنان))، ثم لم نسأله عن الواحد"

میں نے وہی کہا جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس مسلمان کے لئے چار مسلمان اچھی شہادت دیں اللہ اس کو جنت میں داخل کردے گا۔ ہم نے کہا اور تین تو آپ ﷺ نے فرمایا تین بھی، ہم نے کہا اور دو تو آپ ﷺ نے فرمایا دو بھی۔ پھر ہم نے ایک کے متعلق نہ پوچھا۔

(۸۶) باب ماجاء في عذاب القبر

عذاب قبر کے متعلق جو حدیثیں منقول ہیں ان کا بیان

وقوله تعالى: ﴿ وَلَوْ تَرَى إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ ﴾ [الانعام: ۹۳] قال ابو عبدالله: الهون هو الهون. والهون: الرفق. وقوله جل ذكره: ﴿ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴾ [التوبة: ۱۰۱] وقوله تعالى: ﴿ وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ، النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾ [المؤمن: ۴۵-۴۶]

۱۳۶۹۔ حدثنا حفص بن عمر: حدثنا شعبة، عن علقمة بن مرثد، عن سعد بن عبيدة عن البراء بن عازب رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال: ((اذا أقعد المؤمن في قبره أتي ثم شهد أن لا اله الا الله، وأن محمداً رسول الله، فذلك قوله ـ ﴿ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ﴾ [ابراهيم: ۲۷])).

حدثنا محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة بهذا، وزاد، ﴿ يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ

---

۱۵۹ وفي سنن الترمذي، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله، باب ماجاء في الثناء الحسن على الميت، رقم: ۹۷۹، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الثناء، رقم: ۱۹۰۸، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب أول مسند عمر بن الخطاب، رقم: ۱۳۳، ۱۹۹، ۳۰۱، ۳۶۶.

آمَنُوا﴾ نزلت فی عذاب القبر . [۶۰]

ترجمہ: براء بن عازب جناب نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب مؤمن اپنے قبر میں بٹھلایا جاتا ہے تو اس کے پاس فرشتہ بھیجا جاتا ہے، پھر وہ گواہی دیتا ہے کہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پس یہی ہے اللہ تعالیٰ کا کہنا **يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ.** شعبہ نے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس زیادتی کے ساتھ کہ '' **يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا** '' عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ [۶۱]

۱۳۷۰ ـ حدثنا علي بن عبد الله : حدثنا يعقوب بن إبراهيم : حدثني أبي ، عن صالح : حدثني نافع أن ابن عمر رضي الله عنهما أخبره قال : أطلع النبي ﷺ على أهل القليب فقال : ((وجدتم ما وعدكم ربكم حقاً ؟)) فقيل له : أتدعو أمواتاً فقال : ((ما أنتم بأسمع منهم ولكن لا يجيبون)) . [أنظر : ۳۹۸۰ ، ۴۰۲۶] [۶۲]

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اس کنویں میں جھانکا جہاں بدر کے مقتول مشرکین پڑے تھے آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے ٹھیک ٹھیک اس چیز کو پالیا جو تمہارے رب تم سے وعدہ کیا تھا؟ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کیا آپ مردوں کو پکارتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو لیکن وہ جواب نہیں دیتے ہیں۔

۱۳۷۱ ـ حدثنا عبد الله بن محمد : حدثنا سفيان ، عن هشام بن عروة ، عن أبيه ، عن عائشة رضي الله عنها قالت : إنما قال النبي ﷺ : ((إنهم ليعلمون الآن أن

---

[۶۰] وفي صحيح مسلم ، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها ، باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه وإثبات ، رقم : ۵۱۱۷ ، وسنن الترمذي ، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله ، باب ومن سورة ابراهيم ، رقم : ۳۰۴۵ ، وسنن أبي داؤد ، كتاب السنة ، باب في المسئلة في القبر وعذاب القبر ، رقم : ۴۱۲۵ .

[۶۱] یعنی حق تعالیٰ توحید و ایمان کی باتوں سے مؤمنین کو دنیا آخرت میں مظبوط و ثابت قدم رکھتا ہے، رہی قبر کی منزل جو دنیا و آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر یا ادھر جس طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔ غرض یہ ہے کہ مؤمنین دنیا کی زندگی سے لے کر حشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مظبوط اور ثابت قدم رہیں گے۔ دنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں کتنا ہی سخت امتحان ہو، قبر میں نکیرین سے سوال و جواب ہو، محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو، ہر موقع پر یہی کلمہ توحید ان کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا۔ تفسیر عثمانی سورہ ابراہیم، آیت: ۲۷، ف ۴، ص: ۳۴۳۔

[۶۲] وفي صحيح مسلم ، كتاب الجنائز ، باب الميت يعذب ببكاء اهله عليه ، رقم : ۱۵۴۷ ، وسنن النسائي ، كتاب الجنائز ، باب أرواح المؤمنين ، رقم : ۲۰۴۹ ، ومسند احمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب ، رقم : ۴۶۳۲ ، ۵۸۷۰ .

ماکنت أقول لهم حق)). وقد قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ﴾ [النمل: ۸۰] [انظر: ۳۹۷۹، ۳۹۸۱] [۱۲۳]

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا وہ اب جان لیں گے کہ جو میں کہتا تھا وہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم مُردوں کو سنا نہیں سکتے۔

یہاں پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ "إنما قال النبی ﷺ: إنهم ليعلمون الآن ان ماكنت أقول لهم حق"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حدیث قلیب کی تاویل فرمائی کہ قلیب بدر پر آپ ﷺ نے ان سے خطاب فرمایا تھا "وجدتم ما وعد ربكم حقا؟ جب سوال ہوا کہ آپ ﷺ تو مردوں سے بات کر رہے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا "ما كنتم باسمع منهم" تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو، یعنی جتنا تم سُن رہے ہو، اتنا یہ بھی سُن رہے ہیں۔

اب اس سے یہ پتہ چل رہا تھا کہ مردے سنتے ہیں جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال تھا کہ مردے نہیں سُن سکتے، ان کا استدلال تھا "إنک لا تسمع الموتی الخ۔ سے لہٰذا انہوں نے اس حدیث کی تاویل کی کہ حضور ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ مردے سنتے ہیں، اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ان کو پتہ چل رہا ہے کہ میں نے ان کی زندگی میں ان سے جو کچھ کہا تھا وہ حق تھا، اگر چہ دوسرے صحابہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی اس تاویل کو قبول نہیں کیا۔

اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا ہے کہ سماع موتی کے باب میں علماء میں اختلاف ہے۔

ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ ہے کہ فی الجملہ سماع موتی ثابت ہے، لیکن انفراداً کسی کے ساتھ ہو رہا ہے کسی کے ساتھ نہیں ہو رہا ہے اس کے بارے میں توقف اختیار کرتے ہیں، جہاں نصوص سے ثابت ہے وہاں قائل ہیں اور جہاں ثبوت نہیں وہاں متوقف ہیں، نہ نفی پر جزم کرتے ہیں اور نہ اثبات پر جزم کرتے ہیں۔

۱۳۷۲۔ حدثنا عبدان أخبرني أبي عن شعبة: سمعت الأشعث، عن أبيه، عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها: أن يهودية دخلت عليها فذكرت عذاب القبر فقالت لها: أعاذك الله من عذاب القبر. فسألت عائشة رسول الله ﷺ عن عذاب القبر، فقال: ((نعم

---

۱۲۳ وفي صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب الميت يعذب ببكاء أهله عليه، رقم: ۱۵۴۷، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب روح المؤمنين، رقم: ۲۰۴۹، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۶۲۳.

عذاب القبر)). قالت عائشة رضي الله عنها: فما رأيت رسول الله ﷺ بعد صلى صلاة إلا تعوذ من عذاب القبر. وزاد غندر ((عذاب القبر حق)). [۶۴]

اس سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پتہ نہیں تھا کہ عذاب قبر بھی ہوتا ہے، یہودیہ کے بتانے پر پتہ چلا دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے اس کی شروع میں تصدیق نہیں فرمائی تھی، بعد میں جب آپ ﷺ کو علم عطا کیا گیا تو تصدیق فرمائی۔

۱۳۷۳ ۔ حدثنا يحيى بن سليمان: حدثنا ابن وهب قال: أخبرني يونس، عن ابن شهاب: أخبرني عروة بن الزبير أنه سمع أسماء بنت أبي بكر رضي الله عنهما تقول: قام رسول الله ﷺ خطيباً فذكر فتنة القبر التي يفتتن فيها المرء، فلما ذكر ذلك ضج المسلمون ضجة. [راجع: ۸۶]

حضور ﷺ نے قبر کے عذاب کا تذکرہ کیا کہ اس میں انسان کو کیا کیا تکلیفیں ہوتی ہیں تو اس ہولنا کی کو سن کر مسلمانوں کی چیخیں نکل گئیں۔

۱۳۷۴ ۔ حدثنا عياش بن الوليد: حدثنا عبد الأعلى: حدثنا سعيد، عن قتادة، عن أنس بن مالك رضي الله عنه: أنه حدثهم أن رسول الله ﷺ قال: ((ان العبد اذا وضع في قبره وتولى عنه أصحابه، وانه ليسمع قرع نعالهم، أتاه ملكان فيقعدانه فيقولان: ماكنت تقول في هذا الرجل لمحمد ﷺ؟ فأما المؤمن فيقول: أشهد أنه عبدالله ورسوله. فيقال له: أنظر الى مقعدك من النار قد أبدلك الله به مقعدا من الجنة. فيراهما جميعا)). قال قتادة: وذكر لنا أنه يفسح له في قبره. ثم رجع الى حديث أنس قال: ((وأما المنافق والكافر فيقال له: ماكنت تقول في هذا الرجل؟ فيقول لا أدرى، كنت أقول مايقوله الناس. فيقال: لادريت ولا تليت، ويضرب بمطارق من حديد ضربة فيصيح صيحة يسمعها من يليه غير الثقلين)). [راجع: ۱۳۳۸]

---

[۶۴] وفي صحيح مسلم، كتاب الكسوف، باب صلاة الكسوف، رقم: ۱۴۹۹، وسنن الترمذي، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء في صلاة الكسوف، رقم: ۵۱۴، وسنن النسائي، كتاب الكسوف، باب نوع آخر من صلاة الكسوف، رقم: ۱۴۵۳، وسنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب صلاة الكسوف، رقم: ۹۹۵، وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في صلاة الكسوف، رقم: ۱۲۵۳، ومسند احمد، باقي مسند الانصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۰۳۸، ۲۳۱۳۳، ۲۳۳۷۹، ۲۳۸۱۵، وموطأ مالک، كتاب النداء للصلاة، باب العمل في صلاة الكسوف، رقم: ۴۰۰، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب الصلاة عند الكسوف، رقم: ۱۴۸۶.

ماكنت تقول في هذا الرجل لمحمد ﷺ ؟

بعض لوگوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کی قبر میں حضور اقدس ﷺ کی صورت مبارک دکھائی جائے گی، لیکن یہ بات کسی روایت سے ثابت نہیں۔

زیادہ تر علماء نے یہ کہا کہ چونکہ ہر مسلمان کے دل میں حضور اقدس ﷺ کا تصور ہوتا ہے، لہٰذا اس تصور کی بنیاد پر سوال ہوگا کہ یہ جس کا تصور تمہارے دل میں ہے، یہ کون ہے؟ بعض لوگوں نے یہ سوال صرف مسلمانوں سے ہوگا یا منافقوں سے جو اسلام کا دعوی کرتے ہیں، لیکن جو کافر ہیں ان سے یہ سوال نہیں ہوگا۔

بعض نے کہا کہ کافروں سے بھی سوال ہوگا لیکن ہوسکتا ہے کہ وہاں حضور اقدس ﷺ کی صورت دکھائی جائے یا آپ ﷺ کا اسم گرامی بتایا جائے کہ محمد ﷺ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ یہ مختلف اقوال ہیں جس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ [۶۵]

(۸۷) باب التعوذ من عذاب القبر

عذاب قبر سے پناہ مانگنے کا بیان

۱۳۷۵ ۔ حدثنا محمد بن المثنى: أخبرنا يحي: حدثنا شعبة قال: حدثني عون ابن أبي جحيفة عن أبيه، عن البراء بن عازب، عن أبي أيوب رضي الله عنهم قال: خرج النبي ﷺ وقد وجبت الشمس، فسمع صوتا فقال: ((يهود تعذب في قبورها)). وقال النضر: أخبرنا شعبة: حدثنا عون: سمعت أبي قال: سمعت البراء عن أبي أيوب عن النبي ﷺ. [۶۶]

آپ ﷺ اس حالت میں نکلے کہ سورج غروب ہو رہا تھا تو آپ ﷺ کو ایک آواز سنائی دی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہودیوں کو ان کی قبر میں عذاب ہو رہا ہے اور یہ اس کی آواز ہے۔ عام حالات میں عذاب قبر کی آواز انسانوں کو نہیں سنائی جاتی، لیکن بعض مرتبہ عبرت کے لئے سنا دی گئی ہے۔

۱۳۷۶ ۔ حدثنا معلى: حدثنا وهيب، عن موسى بن عقبة قال: حدثني ابنة خالد

---

[۶۵] ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری، ج:۲، ص:۱۱۵، وعمدۃ القاری، ج:۹، ص:۲۸۳۔

[۶۶] وفي صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب عرض مقعد الميت من الجنة أو النار عليه وإثبات عذاب القبر والتعوذ منه، رقم: ۵۱۱۴، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب عذاب القبر، رقم: ۲۰۳۲، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۳۳۸، ۲۲۳۵۳.

ابن سعيد بن العاصي : أنها سمعت النبي ﷺ وهو يتعوذ من عذاب القبر . [أنظر : ۲۳۶۴]

۱۳۷۷ ـ حدثنا مسلم بن ابراهيم : حدثنا هشام : حدثنا يحيى ، عن عن أبي سلمة، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : كان رسول الله ﷺ يدعو : ((اللهم انى أعوذبك من عذاب القبر ، ومن عذاب النار ، ومن فتنة المحيا والممات ، ومن فتنة المسيح الدجال)) . [۱۲۸]

نبی کریم ﷺ کو قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے ہوئے سنا، یوں دعا مانگا کرتے تھے: "اللّهم انى أعوذبك من عذاب القبر ، ومن عذاب النار ، ومن فتنة المحيا والممات ، ومن فتنة المسيح الدجال" .

(۸۸) باب عذاب القبر من الغيبة والبول

غیبت اور پیشاب سے قبر کے عذاب ہونے کا بیان

۱۳۷۸ ـ حدثنا قتيبة : حدثنا جرير ، عن الاعمش ، عن مجاهد ، عن طاؤس ، عن ابن عباس رضي الله عنهما : مر النبي ﷺ على قبرين فقال : ((انهما ليعذبان وما يعذبان في كبير)) . ثم قال : ((بلى ، أما أحدهما فكان يسعى بالنميمة . وأما الآخر فكان لا يستتر من بوله)) . قال : ثم اخذ عوداً رطباً فكسره باثنتين ثم غرز كل واحد منهما على

---

[۱۲۷] وفي مسند احمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث أم خالد بنت خالد بن سعيد بن العاص ، رقم : ۲۵۸۱۰، ۲۵۸۱۲.

[۱۲۸] وفي صحيح مسلم ، كتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب مايستعاذ منه في الصلاة ، رقم : ۹۲۳ ، وسنن الترمذي ، كتاب الدعوات عن رسول الله ، باب في الاستعاذة ، رقم : ۳۵۲۸، وسنن النسائي ، كتاب الاستعاذة ، باب الاستعاذة من عذاب جهنم و شر المسيح الدجال ، رقم : ۵۴۱۰، وسنن أبي داؤد ، كتاب الصلاة ، باب مايقول بعد التشهد ، رقم : ۸۳۳، وسنن ابن ماجه ، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها ، باب مايقال بعد التشهد والصلاة على النبي ، رقم : ۸۹۹، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أبي هريرة ، رقم : ۶۹۳۹، ۷۵۳۱، ۷۹۲۳، ۸۹۸۹، ۹۰۱۸، ۹۱۰۴، ۹۳۷۸، ۹۶۵۸، ۹۶۹۰، ۹۷۹۱، ۹۸۵۹، ۱۰۳۵۰ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصلاة ، باب الدعاء بعد التشهد ، رقم : ۱۳۱۰ .

قبر ثم قال : ((لعله يخفف عنهما مالم ييبسا)) . [راجع : ٢١٦] ٦٩

(٨٩) باب الميت يعرض عليه مقعده بالغداة والعشى

میت پر صبح و شام کے وقت پیش کئے جانے بیان

١٣٧٩ ـ حدثنا اسماعيل قال : حدثني مالک ، عن نافع ، عن عبدالله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله ﷺ قال : ((ان أحدكم اذا مات عرض عليه مقعده بالغداة و العشي ، ان كان من أهل الجنة ، فمن أهل الجنة ، و ان كان من أهل النار فمن أهل النار ، فيقال : هذا مقعدک حتى يبعثک الله الى يوم القيامة)) . [أنظر : ٣٢٤٠، ٦٥١٥] ٧٠

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص مرجاتا ہے تو صبح و شام اس کے سامنے اس کا ٹھکانہ پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ اہل جنت میں سے ہے، اگر وہ اہل دوزخ میں سے ہے تو کہا جاتا ہے یہ تمہارا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ اللہ تمہیں قیامت کے دن اٹھائے گا۔

(٩٠) باب كلام الميت على الجنازة

جنازہ پر میت کے کلام کرنے کا بیان

١٣٨٠ ـ حدثنا قتيبة : حدثنا الليث ، عن سعيد ابن ابي سعيد ، عن ابيه : انه سمع

---

٦٩ وقد مر هذا الحديث في : باب من الكبائر أن لايستتر من بوله ، في كتاب الوضوء ، فانه أخرجه هناک عن عثمان عن جرير عن منصور عن مجاهد عن ابن عباس ، وهنا أخرجه عن قتيبة بن سعيد عن جرير عن سليمان الاعمش عن مجاهد عن طاوس ، عن ابن عباس ، وقد مر الكلام فيه هناک مستقصىً .

٧٠ وفي صحيح مسلم ، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها ، باب عرض مقعد الميت من الجنة او النار عليه والبات ، رقم : ٥١١٠، وسنن الترمذي ، كتاب الجنائز عن رسول الله ، باب ماجاء في عذاب القبر ، رقم : ٩٩٢، وسنن النسائي ، كتاب الجنائز ، باب وضع الجريدة على القبر ، رقم : ٢٠٤٣ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الزهد ، باب ذكر القبر والبلى ، رقم : ٤٢٦٠، ومسند احمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبدالله بن عمر بن الخطاب ، رقم : ٤٣٢٩، ٤٨٤٣، ٤٩٨٣، ٥٦٥٦، ٥٧٨٦ . وموطا مالک ، كتاب الجنائز ، باب ان عائشة قالت قال رسول الله مامن نبي يموت حتى يخير ، رقم : ٥٠٢ .

ابا سعيد الخدري رضي الله عنه يقول : قال رسول الله ﷺ : ((اذا وضعت الجنازة فاحتملها الرجال على أعناقهم فان كانت صالحة قالت : قدموني قدموني وان كانت غير صالحة قالت : ياويلها ، أين يذهبون بها ؟ يسمع صوتها كل شيء الا الا نسان ولو سمعها الانسان لصعق)) . [راجع : ۱۳۱۴]

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں میت کا کلام کرنا" قدمونی " آیا ہے اور اسی کو ترجمۃ الباب بنادیا یعنی کلام المیت علی الجنازۃ ، باقی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

(۹۱) باب ماقيل في أولاد المسلمين

مسلمانوں کے اولاد کے متعلق جو روایتیں منقول ہیں ان کا بیان

"وقال أبو هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ : ((من مات له ثلاثة من الولد لم يبلغوا الحنث كان له حجابا من النار أو دخل الجنة))" .

مسلمانوں کے بچے جنت میں ہوں گے

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب یہ بیان کرنے کے لئے قائم کیا ہے کہ مسلمانوں کے نابالغ بچے جو تکلیف کی عمر تک پہنچنے سے پہلے انتقال کر جاتے ہیں وہ ان شاء اللہ جنت میں ہوں گے۔ شروع میں اس مسئلہ میں کلام رہا ہے لیکن اب تقریباً تمام اہل علم اس پر متفق ہیں۔ [۷۱]

اور اس باب کو قائم کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک حدیث میں ہے جو مشکوٰۃ میں بھی آئی ہے کہ ایک بچے کا انتقال ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا "**عصفور من عصافير الجنة**" آپ ﷺ نے اس پر تنبیہ فرمائی۔ اس تنبیہ کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ بچوں کے بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ واقعی جنت میں جائیں گے یا نہیں۔

لیکن جمہور کا قول یہ ہے کہ حدیث عصفور پہلے کا واقعہ ہے، بعد میں وحی کے ذریعہ بتلایا گیا کہ

---

[۷۱] وقال النووي : أجمع من يعتد به من علماء المسلمين على أن من مات من أطفال المسلمين فهو من أهل الجنة ، وقال القرطبي: ينفي بعضهم الخلاف ، وكأنه عنى ابن ابي زيد ، فانه أطلق الاجماع في ذلك ، ولعله أراد اجماع من يعتد به ، وقال المازري : الخلاف في غير أولاد الأنبياء ، عليهم الصلاة والسلام ، عمدة القاري ، ج : ٦ ، ص : ٢٨٩ .

مسلمانوں کے بچے جنت میں جائیں گے، آگے احادیث آرہی ہیں ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث عصفور کے وقت بھی یہ بات طے تھی کہ مسلمانوں کے بچے جنت میں جائیں گے اور حضور ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جو تنبیہ فرمائی اس کا منشأ یہ تھا کہ کسی مسلمان کے بارے میں قطعی اور یقینی طور پر یہ کہنا کہ یہ جنت میں جائے گا، پسندیدہ نہیں، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ میں قیاس آرائی ہے۔

فی نفسہ یہ مقصود نہیں تھا کہ بچوں کا جنت میں جانا مشکوک ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

وقال أبو هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ: "من مات له ثلاثة من الولد لم يبلغوا الحنث كان له حجابا من النار أو ادخل الجنة" اگر کسی کے تین بچے مر گئے ہوں جو مکلّف نہیں تھے، بالغ نہیں تھے، تو وہ جہنم سے حجاب بن جائیں گے، بعض روایتوں میں ہے وہ والدین کو جنت میں داخل کریں گے۔ جب وہ اپنے والدین کو جنت میں داخل کریں گے تو ان کا اپنا داخلہ بطریق اولیٰ ثابت ہوتا ہے۔

اسی طرح آگے موصول حدیث ہے:

۱۳۸۱ ۔ حدثنا يعقوب بن ابراهيم : حدثنا ابن علية : حدثنا عبد العزيز بن صهيب ، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ : ((ما من الناس مسلم يموت له ثلا ثة لم يبلغوا الحنث الا أدخله الله الجنة بفضل رحمته اياهم)) . [۲۷]

۱۳۸۲ ۔ حدثنا أبو الوليد : حدثنا شعبة ، عن عدي بن ثابت : انه سمع البراء رضي الله عنه قال : لما توفي ابراهيم عليه السلام قال رسول الله ﷺ : ((ان له مرضعا في الجنة)) . [انظر : ۳۲۵۵، ۶۱۹۵]

اس میں ہے "إلا ادخله الله الجنة بفضل رحمته اياهم" ماں باپ کو اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے، ان بچوں پر اپنا فضل ورحمت نازل فرمائیں گے، تو بچوں پر فضل ورحمت نازل فرمائیں گے ظاہر ہے وہ جنت میں ہوں گے اور جب حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے جنت

---

[۲۷] وفي سنن النسائي كتاب الجنائز ، باب من يتوفى له ثلاثة ، رقم : ۱۸۵۰ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب ماجاء في الجنائز ، باب ماجاء في ثواب من اصيب بولده ، رقم : ۱۵۹۴ ، ومسند احمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند انس بن مالك ، رقم : ۱۲۰۷۷ ، رقم: ۱۳۸۲ ، وفي مسند احمد ، اول مسند الكوفيين ، باب حديث البراء بن عازب ، رقم: ۱۷۷۶۹ ، ۱۷۷۷۱ ، ۱۷۸۱۶ ، ۱۷۸۸۱ ، ۱۷۹۳۹ ، ۱۷۹۵۶ .

میں ایک دودھ پلانے والی مقرر فرمائی ہے، معلوم ہوا کہ وہ جنت میں گئے ہیں۔

(۹۲) باب ماقیل في أولاد المشركين

مشرکین کی اولاد کا بیان ۴۳

۱۳۸۳ ـ حدثنا حبان: أخبرنا عبدالله: أخبرنا شعبة، عن أبي بشر، عن سعيد ابن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهم قال: سئل رسول الله ﷺ عن أولاد المشركين؟ فقال: ((الله إذ خلقهم أعلم بما كانوا عاملين)). [انظر: ۶۵۹۷] ۴۴

۱۳۸۴ ـ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني عطاء بن يزيد الليثي: أنه سمع أبا هريرة رضي الله عنه يقول: سئل النبي ﷺ عن ذراري

---

۴۳ واحاديث هذا الباب عن ابن عباس واحد، وعن أبي هريرة اثنان، وعن سمرة واحد كحديث ابن عباس، والاول من حديثي أبي هريرة يدل على التوقف، والثاني من حديث أبي هريرة يدل على كونهم في الجنة، لكن من غير تصريح، وحديث سمرة يدل صريحاً على أنهم في الجنة، وذلك قوله: ((والشيخ في أصل الشجرة ابراهيم، عليه السلام، والصبيان حوله اولاد الناس)) وأصرح منه الذي يأتي في التعبير، وهو قوله: ((وأما الرجل الذي في الروضة فانه ابراهيم، عليه الصلوة والسلام وأما الولدان الذين حوله فكل مولود مات على الفطرة.

قال: فقال بعض المسلمين: يا رسول الله وأولاد المشركين؟ فقال رسول الله ﷺ: واولاد المشركين)).

ويؤيده مارواه أبو يعلى من حديث أنس مرفوعاً: ((سألت ربي اللاهين من ذرية البشر أن لايعذبهم فاعطانيهم)) اسناده حسن.

وروى أحمد من طريق خنساء بنت معاوية بن صريم عن عمتها قالت: ((قلت: يارسول الله من في الجنة؟ قال: النبي في الجنة، والشهيد في الجنة والمولود في الجنة والوليد في الجنة))، اسناده حسن. كذا ذكره العلامة بدرالدين العيني في العمدة، ج: ۶، ص: ۲۹۱.

۴۴ وفي صحيح مسلم، كتاب القدر، باب معنى كل مولد يولد على الفطرة وحكم موت اطفال الكفار واطفال المسلمين، رقم: ۴۸۱۰، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب اولاد المشركين، رقم: ۱۹۲۵، وسنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في ذراري المشركين، رقم: ۴۰۸۰، ومسند أحمد، ومن مسند بني هاشم، باب بداية مسند عبدالله بن عباس، رقم: ۱۷۴۸، ۲۸۷۷، ۲۹۹۹، ۳۱۹۵.

المشركين ؟ فقال : ((الله أعلم بما كانوا عاملين)) . [أنظر : ۶۵۹۸، ۶۶۰۰] ۷۵

۱۳۸۵ ـــ حدثنا آدم : حدثنا ابن أبي ذئب ، عن الزهري ، عن أبي سلمة بن عبدالرحمن، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله ﷺ :((كل مولود يولد على الفطرة فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه ، كمثل البهيمة تنتج البهيمة ، هل ترى فيها جدعاء ؟)) [راجع: ۱۳۵۸]

اولادِ مشرکین کے بارے میں اقوال

نبی کریم ﷺ سے اولادِ مشرکین کے بارے میں پوچھا گیا کہ جنت میں داخل ہوگی یا جہنم میں؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے جب ان کو پیدا کیا تو اللہ ﷻ کو خوب معلوم تھا کہ یہ کیا عمل کریں گے۔

اس حدیث کی وجہ سے بعض حضرات نے فرمایا کہ اولادِ مشرکین کے ساتھ مختلف معاملہ ہوگا، ان میں سے جن کے بارے میں علم الٰہی میں یہ بات تھی کہ اگر یہ بڑے ہوتے تو مؤمن ہوتے تو وہ جنت میں جائیں گے اور جن کے بارے میں علم الٰہی میں یہ بات تھی کہ اگر یہ بڑے ہوتے تو کفر و شرک اختیار کرتے تو وہ جہنم میں جائیں گے۔

بعض حضرات نے کہا کہ مشرکین کے تمام بچے جنت میں جائیں گے، ان کی دلیل یہ ہے **"كل مولود يولد على الفطرة فأبواه يهودانه الخ"** تو ہر ایک فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور جب تکلیف سے پہلے انتقال ہوگیا تو سمجھیں وہ مؤمن ہے۔

بعض نے کہا اولادِ مشرکین کو اہلِ جنت کا غلام بنا دیا جائے گا۔

تو مختلف اقوال ہیں اور ہر ایک کی تائید میں کوئی نہ کوئی روایت بھی ہے، کوئی ضعیف ہے، کوئی قابلِ استدلال ہے اور کوئی ناقابلِ استدلال۔

---

۷۵ وفي صحيح مسلم ، كتاب القدر ، باب معنى كل مولود يولد على الفطرة وحكم موت اطفال، رقم : ۴۸۰۳، وسنن الترمذي، كتاب القدر عن رسول الله ، باب ماجاء كل مولود يولد على الفطرة ، رقم : ۲۰۴۶، وسنن النسائي ، كتاب الجنائز ، باب اولاد المشركين ، رقم : ۱۹۲۳ ، سنن أبي داؤد ، كتاب السنة ، باب في ذراري المشركين ، رقم : ۴۰۹۱، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، مسند أبي هريرة ، رقم : ۶۸۸۴، ۷۰۲۳، ۷۱۳۲، ۷۲۰۸، ۷۳۱۲، ۷۳۸۷، ۷۴۶۳، ۷۸۳۴، ۸۴۰۶، ۸۷۳۹، ۸۹۳۹، ۹۱۱۱، ۹۷۰۳، ۹۸۵۱، ۱۰۳۰۳، موطأ مالك ، كتاب الجنائز ، باب أن عائشة قالت: قال رسول الله ما من نبي يموت حتى يخير ، رقم : ۵۰۷ .

جمہور کا اور خاص طور سے ہمارے بزرگوں کا اس بارے میں یہ موقف ہے کہ یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو عقائد سے متعلق ہو اور نہ اس کے متعلق ہم سے سوال کیا جائے گا، لہٰذا توقف اختیار کیا جائے، اس میں زیادہ کھوج کرید میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی کوئی حکم لگانے کی ضرورت ہے۔

نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں وہ کیسا عمل کرتے ، تو اللہ تعالیٰ ہی جانیں کہ وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں، جنت میں داخل کرتے ہیں یا جہنم میں، ہم کیا جانیں! [۶۷]

---

[۶۷] اختلف العلماء قديماً وحديثاً في هذه المسئلة على اقوال :

الاول : انهم في مشيئة الله تعالىٰ ، والحجة فيه ((الله اعلم بما كانوا عاملين)) .

الثاني : انهم تبع لآبائهم ، فاولاد المسلمين في الجنة واولاد الكفار في النار ، واحتجوا بقوله تعالىٰ :(رب لاتذر على الارض من الكفرين دياراً) [نوح : ۲۶]

الثالث : انهم يكونون في برزخ بين الجنة والنار لانهم لم يعملوا حسنات يدخلون بها الجنة ولا سيئات يدخلون بهاالنار .

الرابع : هم خدم اهل الجنة ، وورد فيه حديث ضعيف اخرجه ابو داؤد الطيالسي ، وابو يعلى والبزار من حديث سمرة مرفوعاً :" اولاد المشركين خدم اهل الجنة " .

الخامس : انهم يمتحنون في الآخرة بان ترفع لهم نار ، من دخلها كانت عليه بردا وسلاما ومن ابى عذب .

السادس : انهم في الجنة ، قال النووي : هو المذهب الصحيح المختار الذي صار اليه المحققون ، لقوله تعالى: ﴿وما كنا معذبين حتى نبعث رسولاً﴾ [الاسراء: ۱۵] . واذاكان لايعذب العاقل لكونه لم تبلغه الدعوة ، فلان لايعذب غير العاقل من باب الاولى .

وقال النووي ايضاً : في اطفال المشركين ثلاثة مذاهب :

قال الاكثرون : هم في النار تبعاً لآبائهم ، والثاني :توقف طائفة منهم ، والثالث :هو الصحيح۔ انهم من اهل الجنة ، لحديث ابراهيم عليه الصلوٰة والسلام حين رآه في الجنة وحوله اولاد الناس . والجواب عن حديث :((الله اعلم بما كانوا عاملين)) انه ليس فيه تصريح بانهم في النار .

وقال القاضي البيضاوي : الثواب والعقاب ليسا بالأعمال والا لزم أن تكون الذراري لا في الجنة ولا في النار ، بل الموجب لهما هو اللطف الرباني والخذلان الالهي المقدر لهم في الازل ، فالواجب فيهم التوقف ، فمنهم من سبق القضاء بانه سعيد حتى لو عاش عمل بعمل اهل الجنة ، ومنهم بالعكس . عمدة القاري ، ج : ۶، ص : ۲۹۴-۲۹۲ .

(۹۳) باب :

۱۳۸۶ ۔ موسى بن إسماعيل: حدثنا جرير بن حازم: حدثنا أبو رجاء، عن سمرة بن جندب رضي الله عنه، قال: كان النبي ﷺ إذا صلى صلاة أقبل علينا بوجهه فقال: ((من رأى منكم الليلة رؤيا؟)) قال: فإن رأى أحد قصها فيقول: ((ماشاء الله))، فسألنا يوماً فقال: ((هل رأى أحد منكم رؤيا؟)) قلنا: لا، قال: ((لكني رأيت الليلة رجلين أتياني فأخذا بيدي فأخرجاني إلى الأرض المقدسة، فإذا رجل جالس ورجل قائم، بيده. قال بعض أصحابنا عن موسى: كلوب من حديد))،: ((يدخله في شدقه حتى يبلغ قفاه، ثم يفعل بشدقه الآخر مثل ذلك ويلتئم شدقه هذا، فيعود فيصنع مثله. قلت: ماهذا؟ قالا: انطلق، فانطلقنا حتى أتينا على رجل مضطجع على قفاه، ورجل قائم على رأسه بفهر أو صخرة فيشدخ به رأسه. فإذا ضربه تدهده الحجر فانطلق إليه ليأخذه فلا يرجع إلى هذا حتى يلتئم رأسه وعاد رأسه كما هو فعاد إليه فضربه قلت: من هذا؟ قالا: انطلق، فانطلقنا إلى ثقب مثل التنور أعلاه ضيق وأسفله واسع يتوقد تحته ناراً فإذا اقترب ارتفعوا حتى كاد أن يخرجوا، فإذا خمدت رجعوا فيها. وفيها رجال ونساء عراة، فقلت: من هذا؟ قالا: انطلق، فانطلقنا حتى أتينا على نهر من دم فيه رجل، قائم على وسط النهر رجل بين يديه حجارة. فأقبل الرجل الذي في النهر، فإذا أراد أن يخرج رمى الرجل بحجر، في فيه فرده حيث كان، فجعل كلما جاء ليخرج رمى في فيه بحجر، فيرجع كما كان. فقلت: ماهذا؟ قالا: انطلق، فانطلقنا حتى انتهينا إلى روضة خضراء فيها شجرة عظيمة وفي أصلها شيخ وصبيان، وإذا رجل قريب من الشجرة بين يديه نار يوقدها فصعدا بي في الشجرة، وأدخلاني داراً لم أر قط أحسن منها. فيها رجال شيوخ وشباب ونساء وصبيان ثم أخرجاني منها فصعدا بي الشجرة فأدخلاني داراً هي أحسن وأفضل، فيها شيوخ وشباب. فقلت: طوفتماني الليلة، فأخبراني عما رأيت؟ قالا: نعم، أما الذي رأيته يشق شدقه فكذاب يحدث بالكذبة فتحمل عنه حتى تبلغ الآفاق فيصنع به ما رأيت إلى يوم القيامة. والذي رأيته يشدخ رأسه فرجل علمه الله القرآن فنام عنه بالليل ولم يعمل فيه بالنهار، يفعل به إلى يوم القيامة. والذي رأيته في الثقب فهم الزناة. والذي رأيته في النهر آكلو الربا. والشيخ في أصل الشجرة إبراهيم عليه السلام والصبيان حوله فأولاد الناس.

والذي يوقد النار مالک خازن النار والدار الأولى التي دخلت، دار عامة المؤمنين. وأما هذه الدار فدار الشهداء، وأنا جبريل وهذا ميكائيل، فارفع رأسک. فرفعت رأسي فإذا فوقي مثل السحاب، قالا: ذاک منزلک. قلت: دعاني أدخل منزلي، قالا: إنه بقي لک عمر لم تستكمله، فلو استكملت أتيت منزلک)). [راجع: ۸۴۵]

غایت احتیاط

"قال بعض اصحابنا عن موسی" یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا لفظ ہے جو محتاط انداز میں بیان کیا کہ انہوں نے موسیٰ بن اسماعیل سے یہ حدیث سنی تھی جس میں یہ لفظ نہیں تھا اس لئے فرماتے ہیں کہ ہمارے بعض ہم سبقوں نے یہ بتایا کہ ہمارے استاد موسیٰ نے "بیدہ" کے بعد "کلوب من حدید" کا لفظ استعمال کیا تھا۔

الفاظ حدیث کی تشریح

"کلوب من حدید" کے معنی ہیں آنکڑہ۔ یہ مشہور حدیث ہے جو پہلے بھی گذری ہے کہ مختلف لوگوں کو مختلف سزائیں دیتے ہوئے دیکھا، بہشتی زیور میں بھی لکھی ہوئی ہے۔

"بفهر أو صخرة" اس کا معنی پتھر ہے۔

"فإذا اقترب ارتفعوا حتى كاد أن يخرجوا" یعنی جب وہ آگ قریب آتی ہے تو جو لوگ اندر تھے، وہ ایک دم سے اوپر اٹھ جاتے یعنی تپش کی وجہ سے قریب ہو جاتے اور ایسا لگتا کہ نکل جائیں گے۔

مقصد بخاری

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو اس لئے لائے ہیں کہ اس میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس لوگوں کے بچے تھے، تو انہوں نے ناس سے تمام لوگوں کے بچے مراد لئے جن میں مشرکین کے بچے بھی شامل ہیں۔

(۹۴) باب موت يوم الاثنين.

دوشنبہ کے دن مرنے کا بیان

۱۳۸۷ ۔ حدثنا معلى بن أسد: حدثنا وهيب، عن هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: دخلت على أبي بكر رضي الله عنه فقال: في كم كفنتم

النبي ﷺ؟ قالت: في ثلاثة أثواب بيض سحولية، ليس فيها قميص ولا عمامة. وقال لها: في أي يوم في النبي ﷺ؟ قالت: يوم الاثنين. قال: فأي يوم هذا؟ قالت: يوم الاثنين. قال: أرجو فيما بيني وبين الليل، فنظر إلى ثوب عليه كان يمرض فيه، به ردع من زعفران. فقال: اغسلوا ثوبي هذا وزيدوا عليه ثوبين فكفنوني فيهما. قلت: إن هذا خلق. قال: إن الحي أحق بالجديد من الميت، إنما هو للمهلة. فلم يتوف حتى أمسى من ليلة الثلاثاء، ودفن قبل أن يصبح. [۷۷]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے مرض وفات میں داخل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پوچھا "فی کم کفنتم النبي ﷺ؟ نبی کریم ﷺ کو کتنے کپڑوں میں کفن دیا تھا؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا "في ثلاثة أثواب بيض سحولية، ليس فيها قميص ولا عمامة" تین کپڑوں میں کفن دیا تھا جو سفید اور سحولی تھے۔

سحولی ایک جگہ کا نام ہے اس کی طرف منسوب تھے یا دھوبی تھا جو دھوتا تھا اس کی طرف منسوب ہے یعنی دُھلے ہوئے کپڑے "ليس فيها قميص ولا عمامة. وقال لها: في أيّ يوم توفي النبي ﷺ؟ قالت يوم الاثنين"

قال: فأيّ يوم هذا؟ پوچھا آج کون سا دن ہے؟ قالت: يوم الاثنين، قال: أرجو فيما بيني وبين الليل" مجھے امید ہے کہ آج کی رات تک اللہ تعالیٰ مجھے اپنے پاس بلالیں گے اور میری روح قبض ہو جائے گی، یعنی اس بات کی خواہش تھی کہ اس معاملہ میں بھی حضور ﷺ کی اتباع نصیب ہو کہ جس دن آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے ہیں، اُسی دن وہ بھی دنیا سے تشریف لے جائیں۔

"فنظر إلى ثوب عليه كان يمرّض فيه" پھر آپؓ نے اپنے اس کپڑے کی طرف دیکھا جس میں آپ کی تیمارداری کی جاری تھی یعنی جو آپؓ نے بیماری میں پہنا ہوا تھا "به ردع من زعفران" اس میں زعفران کا کچھ نشان، دھبہ لگا ہوا تھا، فقال: اغسلوا ثوبي هذا وزيدوا عليه ثوبين "فرمایا میرا یہ

---

[۷۷] وفي صحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب في كفن الميت، رقم: ۱۵۶۳، وسنن الترمذي، كتاب الجنائز عن رسول الله، باب ماجاء في كفن النبي، رقم: ۹۱۷، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب كفن النبي، رقم: ۱۸۷۳، وسنن أبي داؤد، كتاب الجنائز، باب في الكفن، رقم: ۲۷۴۰، وسنن ابن ماجة، كتاب ماجاء في الجنائز، باب ماجاء في كفن النبي، رقم: ۱۴۵۸، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۲۹۹۳، ۲۳۷۴۴، وموطأ مالك، كتاب الجنائز، باب ماجاء في كفن الميت، رقم: ۴۶۷.

کپڑا دھولینا اور اس کے ساتھ دو کپڑے اور ملا لینا، "فكفنوني فيها" اور ان میں مجھے کفن دے دینا، یعنی ایک کپڑا جو پہنا ہوا ہے اور دو کپڑے مزید ملا کر ان تین کپڑوں میں مجھے کفن دے دینا۔

قلت: "ان هذا" خَلِقٌ، خَلَقٌ اور خَلِيقٌ دونوں ہو سکتے ہیں، میں نے کہا یہ تو پرانا اور بوسیدہ کپڑا ہے جو آپؐ نے پہنا ہوا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصد یہ تھا کہ یہ بوسیدہ کپڑا ہے، لہٰذا نیا کپڑا لے لیں۔

قال: أن الحيّ أحق بالجديد من الميت "فرمایا جدید کپڑے کا مردہ کے مقابلہ میں زندہ زیادہ حقدار ہے، اس لئے وہ کسی زندہ کے استعمال میں آجائے گا، مجھے اسی پرانے کپڑے میں کفن دے دینا۔

إنما هو للمهلة" اس جملہ کی ایک تشریح تو یہ کی گئی ہے کہ "مهلة" اس پیپ کو کہتے ہیں جو انسان کے بدن سے نکلتی ہے، اور منشأ یہ ہے کہ جو نئے کپڑے تم کفن میں استعمال کرو گی وہ کب تک نئے رہیں گے، بالآخر انہیں مردے کی پیپ وغیرہ لگ جائے گی اس لئے پرانا کپڑا زیادہ بہتر ہے کہ اُسے پیپ وغیرہ لگے۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ "مهلة" کا مطلب مہلت ہے اور إنما هو کی نسبت ثوب جدید کی طرف ہوگی، مطلب یہ ہوگا کہ جس کو دنیا میں رہنے کی مہلت ملے وہ نیا کپڑا پہنے اور جو دنیا سے جا رہا ہو اس کو نیا کپڑا پہننے کی حاجت نہیں۔

فلم يتوف حتى امسى من ليلة الثلاثاء ودفن قبل أن يصبح "اگرچہ خواہش یہ تھی کہ پیر کے دن انتقال ہو، لیکن "ليلة الثلاثاء" میں انتقال ہوا اور صبح سے پہلے دفن کئے گئے۔

(۹۵) باب موت الفجأة البغتة

اچانک موت کا بیان

۱۳۸۸ـ حدثنا سعيد بن أبي مريم: حدثنا محمد بن جعفر قال: أخبرني هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها: أن رجلا قال للنبي ﷺ: ((إن أمي افتلتت نفسها وأظنها لو تكلمت تصدقت، فهل لها أجر إن تصدقت عنها؟ قال: ((نعم)) . [انظر: ۲۷۶۰] ۷۸؎

۷۸؎ وفي صحيح مسلم، كتاب الزكوٰة، باب وصول ثواب الصدقة عن الميت اليه، رقم: ۱۶۷۲، وكتاب الوصية، باب وصول ثواب الصدقات الى الميت، رقم: ۳۰۸۲، وسنن النسائي، كتاب الوصايا، باب اذا مات الفجأة هل يستحب لاهله ان يتصدقوا عنه، رقم: ۳۵۸۹، وسنن أبي داؤد، كتاب الوصايا، باب ماجاء فيمن مات عن غير وصية يتصدق عنه، رقم: ۲۴۹۵، وسنن ابن ماجة كتاب الوصايا، باب من مات ولم يوص هل يتصدق عنه، رقم: ۲۷۰۸، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۱۱۷، وموطأ مالك، كتاب الأقضية، باب صدقة الحي عن الميت، رقم: ۱۲۵۵.

ترجمہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں اچانک مر گئی اور میرا گمان ہے کہ اگر گفتگو کرتی تو خیرات کرتی۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا اس کو اجر ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔

تشریح

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے، کہا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا ہے "افتلتت نفسها" اچانک ان کی جان چلی گئی "واظنها لو تکلمت تصدقت" اور میرا گمان یہ ہے کہ اگر ان کو بولنے کا موقع ملتا تو وہ صدقہ کی وصیت کرتیں۔

"فهل لها اجر ان تصدقت عنها؟" اگر چہ انہوں نے وصیت نہیں کی اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو اجر ملے گا؟ "قال: نعم" حضور اقدس ﷺ نے فرمایا، ہاں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اس حدیث کو لا کر باب قائم کیا ہے "باب موت الفجأة البغتة" اس میں نبی کریم ﷺ نے ان کی فجاءۃ موت پر کسی افسوس کا اظہار نہیں فرمایا۔

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر شخص کو اچانک موت آجائے تو اس کے بارے میں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں تھا یا اس کے اجر میں کوئی کمی واقع ہوگی، یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ حضور اقدس ﷺ سے ایک دعا منقول ہے:

"اَللّٰهم انی اعوذبک من موت الفجاءة . ومن لدغ الهية ومن السبع ومن الغرق ومن الحرق ومن ان اخر علی شیء ومن القتل عند فرار الزحف . [۹۷]

یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں موت فجأۃ یعنی ناگہانی موت سے۔

اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ موت فجأۃ ہر حال میں بری چیز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ یہ ترجمۃ الباب قائم کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ ہر حال میں بری چیز نہیں ہے بلکہ بری اس وقت ہوتی ہے جب آدمی کے ذمہ کچھ

---

۹۷ ترجمہ: اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں موت فجأۃ یعنی ناگہانی موت سے اور سانپ کے کاٹنے سے اور درندوں سے اور ڈوبنے سے اور جل جانے سے اور اس سے کہ گر پڑوں کسی چیز پر اور مارے جانے سے لشکر کے بھاگنے کے وقت۔

حقوق باقی ہوں اور وہ ادا نہ کر پایا ہو اور پھر قتل اس کے کہ وہ حقوق ادا کر سکے یا کچھ وصیت کر سکے اچانک اس کی موت آجائے، یہ بری بات ہے اور پناہ مانگنے کے لائق ہے اور جہاں حضور ﷺ نے پناہ مانگی ہے، اس سے بھی یہی موت فجأۃ مراد ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص حقوق ادا کر چکا ہے اور کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی وجہ سے اس کو وصیت کرنے کی ضرورت پیش آئے اور پھر اچانک اس کی وفات ہو جاتی ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں اور نہ ہی اجر میں کمی کا کوئی شائبہ ہے۔

ایصال ثواب کا ثبوت

اسی حدیث سے ایصال ثواب کا ثبوت بھی ملتا ہے، کیونکہ رسول کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم ان کی طرف سے صدقہ کرو گے تو ان کو ثواب ملے گا، لہٰذا ایصال ثواب ثابت ہوا۔ بعض معتزلہ اور ملاحدہ نے جو یہ کہا ہے کہ ایصال ثواب کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس حدیث سے ان کی تردید ہوتی ہے۔

وہ لوگ قرآن کریم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں **"لیس للانسان إلا ماسعی"** انسان کو کچھ نہیں ملے گا سوائے اس کے جو اس نے خود سعی کی ہو، وہ کہتے ہیں ایصال ثواب میں خود اپنی سعی نہیں ہے بلکہ دوسرے کا عمل ہے، اس کا ثواب کیسے مل جائے گا؟ یہ آیت قرآنی کے خلاف ہے۔

جمہور امت نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ حضرت گنگوہیؒ نے اس جواب کو پسند فرمایا ہے کہ سعی سے مراد سعی ایمانی ہے یعنی ایمان ہر ایک کا اپنا ایمان معتبر ہے، ایمان دوسرے کی طرف نہیں منتقل ہوتا، تو سعی سے مراد ایمان کی سعی ہے۔

بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اگر مرنے والے کا دوست، رشتہ دار اس کو ایصال ثواب کر رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مرنے والے نے زندگی میں اس کے ساتھ عمدہ سلوک کیا یا محبت رکھی، تو بالواسطہ وہ میت کا ہی عمل ہے، جس کے نتیجے میں اس کو ایصال ثواب کرنے کا تقاضا پیدا ہوا، لہٰذا یہ میت کی ہی سعی ہوئی جو **"لیس للانسان إلا ماسعی"** کے خلاف نہیں ہے۔

تیسرا جواب علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے دیا ہے، وہ بھی بڑا دل کو لگنے والا جواب ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہے **"لیس للانسان إلا ماسعی"** اس میں لام استحقاق کا ہے۔ یعنی کسی انسان کو استحقاق نہیں ہے مگر اس عمل کے ثواب کا جو اس نے خود کیا ہو البتہ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو اپنے فضل وکرم سے عطا فرما دیں تو وہ اس کے منافی نہیں اور ایصال ثواب کے ذریعہ میت کو جو ثواب ملتا ہے وہ اس کا استحقاق نہیں ہوتا لیکن نصوص سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے فضل وکرم سے عطا فرما دیتے ہیں، لہٰذا یہ **"لیس للانسان**

الاما سعیٰ'' کے منافی نہیں ہے۔

اس میں کلام ہوا کہ ایصال ثواب صرف عبادت مالی سے ہوتا ہے یا عبادت بدنی سے بھی ہوتا ہے؟

ایک شخص کی دعا اور صدقہ کا ثواب دوسرے شخص کو پہونچنا نصوص شرعیہ سے ثابت اور تمام امت کے نزدیک اجماعی مسئلہ ہے۔

صرف اس مسئلہ میں امام شافعی رحمہ اللہ کا اختلاف ہے کہ تلاوت قرآن کا ثواب کسی دوسرے کو بخشا اور پہنچایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

امام شافعیؒ اس کا انکار کرتے ہیں اور آیت مذکورہ یعنی **وان لیس للانسان الاما سعی** کا مفہوم عام لے کر اس سے استدلال فرماتے ہیں۔

جمہور ائمہؒ اور امام اعظمؒ کے نزدیک جس طرح دعا اور صدقہ کا ثواب دوسرے کو پہونچایا جاسکتا ہے اسی طرح تلاوت قرآن اور ہر نفلی عبادت کا ثواب دوسرے شخص کو بخشا جاسکتا ہے اور وہ اس کو ملے گا۔

قرطبی نے اپنے تفسیر میں فرمایا کہ احادیث کثیرہ اس پر شاہد ہیں کہ مؤمن کو دوسرے شخص کی طرف سے عمل صالح کا ثواب پہنچتا ہے۔

تفسیر مظہری میں اس جگہ ان احادیث کو جمع کردیا ہے جن سے ایصال ثواب کا فائدہ دوسرے کو پہونچنا ثابت ہوتا ہے۔ [۸۰]

(۹۶) باب ماجاء في قبر النبي ﷺ، وأبي بكر وعمر رضي الله عنهما،

"قول الله عز و جل ﴿فأقبره﴾ [عبس: ۲۱]. أقبرت الرجل: إذا جعلت له قبراً. و قبرته: دفنته. ﴿كفاتا﴾ [المرسلات: ۲۵]: يكونون فيها أحياء و يدفنون فيها أمواتا".

یہ مسئلہ سمجھ لینا چاہئے کہ نبی ﷺ اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی قبریں کس ترتیب سے ہیں۔ بیچ میں بعض آیات قرآنی کی تشریح کردی۔

"**فاقبره، اقبرت الرجل: إذا جعلت له قبراً**" افعال سے اس کے معنی ہیں قبر بنانا "**وقبرته اى دفنته**" اس کے معنی ہیں دفن کرنا۔

(**كفاتا**) **ألم نجعل الأرض كفاتا أحياء و امواتا**" کفات کے معنی ہیں جمع ہونے کی جگہ۔

[۸۰] عمدة القاري، ج: ۶، ص: ۳۰۵، وتفسير معارف القرآن، ج: ۸، ص: ۲۱۹.

(۱) کفت یکفت کے معنی ہیں جمع کرنا، اسی سے کفاتا ہے اور زمین میں بھی احیاء اور اموات دونوں جمع ہوتے ہیں "یکونون فیها احیاء ویدفنون فیها امواتا"۔

امام بخاری رحمہ اللہ ایک جگہ سے دوسری جگہ ادنیٰ مناسبت سے منتقل ہو جاتے ہیں۔ قبر کا ذکر چل رہا تھا کہ تم اس میں دفن کئے جاتے ہو، اس سے دفن کی طرف منتقل ہو گئے اور کفاتا میں بھی یہی مذکور ہے کہ وہ لوگوں کو مرنے کے بعد جمع کرے گی، اس واسطے ذکر کیا۔

١٣٨٩ ۔ حدثنا إسماعيل: حدثني سليمان، عن هشام. ح وحدثني محمد بن حرب: حدثنا أبو مروان يحي بن أبي زكريا، عن هشام، عن عروة، عن عائشة قالت: إن كان رسول الله ﷺ ليتعذر في مرضه: (أين أنا اليوم؟ أين أنا غداً؟) استبطاء ليوم عائشة. فلما كان يومي قبضه الله بين سحري ونحري، ودفن في بيتي. [راجع: ٨٩٠]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مرض وفات میں معذرت کے طور پر فرماتے ہیں کہ آج میں کہاں ہوں، کل کہاں ہونگا۔ حضرت عائشہؓ کے باری کے دن کو بہت دور سمجھتے تھے، جب میری باری کا دن آیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اٹھا لیا اس حال میں کہ آپ ﷺ میرے پہلو اور سینے کے بیچ میں تھے اور میرے گھر میں دفن ہوئے۔

"لیتعذر فی مرضه" یعنی عذر تلاش کر رہے تھے کہ کوئی ایسا عذر ہو جائے کہ قیام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ہو جائے، تو بار بار پوچھتے تھے کہ کل کہاں ہوں گا؟ کس کے گھر کی باری ہے؟ چنانچہ تمام ازواجؓ نے حضرت عائشہؓ کے گھر میں تیمارداری کا فیصلہ کیا۔

١٣٩٠ ۔ حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا أبو عوانة، عن هلال، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ في مرضه الذي لم يقم منه: ((لعن الله اليهود والنصارى، اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد)). لولا ذلك أبرز قبره غير أنه خشي أو خُشي أن يتخذ مسجداً. وعن هلال قال: كناني عروة بن الزبير ولم يولد لي. [راجع: ٤٣٥]

حدثنا محمد بن مقاتل: أخبرنا عبدالله: أخبرنا أبو بكر بن عياش: عن سفيان التمار: أنه حدثه أنه رأى قبر النبي ﷺ مسنما.

حدثنا فروة: حدثنا علي هشام بن عروة، عن أبيه: لما سقط عليهم الحائط في زمان الوليد بن عبد الملك أخذوا في بنائه فبدت لهم قدم ففزعوا وظنوا أنها قدم النبي ﷺ، فما وجدوا أحداً يعلم ذلك حتى قال لهم عروة: لا والله، ما هي قدم النبي ﷺ، ما هي إلا قدم

عمر رضي الله عنه.

" کناني عروة بن الزبير ولم يولد لي " یہ بیچ میں جملہ معترضہ کے طور پر ہلال کا قول نقل کیا کہ عروہ بن الزبیر ﷺ نے میری کنیت رکھی تھی جبکہ میری کوئی اولاد نہیں تھی یعنی کنیت تو اولاد والے کی ہوتی ہے۔ یہ جملہ بتانے کے لئے کہا کہ ہلال کا عروہ سے سماع ثابت ہے کیونکہ یہ روایت ہلال، عروہ سے روایت کر رہے ہیں، تو بتادیا کہ ان کا عروہ سے سماع ہے اور ملاقات ثابت ہے۔

حدثنا محمد بن مقاتل: أخبرنا عبدالله: أخبرنا أبوبكر بن عياش: عن سفيان التمار: أنه حدثه أنه رأى قبر النبي ﷺ مسنما.

قبر کو ہان نما بنانا سنت ہے

سفیان تمار کہتے ہیں کہ انہوں نے خود نبی کریم ﷺ کی قبر مبارک کو مسنم دیکھا یعنی کوہان کی شکل میں دیکھا۔

اس سے پتہ چلا کہ قبر کا کوہان کی شکل میں ہونا مسنون ہے۔

بعض حضرات مسطح اور مربع کہتے ہیں، یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قبر کا اتنا بلند ہونا جس سے کوہان بنایا جا سکے سنت ہے، خلاف سنت نہیں۔

سلفی حضرات یہ کہتے ہیں کہ قبر کو بالکل زمین کے برابر ہونا چاہئے اور ابو الہیاج اسدی کی روایت جو ابو داؤد اور ترمذی میں آئی ہے اس سے استدلال کرتے ہیں کہ فرمایا "أن لا أدع قبراً مشرفا الا سويته ولا تمثالاً الا طمسته" میں تمہیں اس کام کے لئے بھیجتا ہوں جس کے لئے نبی کریم ﷺ نے مجھے بھیجا کہ جو تصویر نظر آئے اس کو مٹا دو اور جو کوئی قبر بلند نظر آئے اس کو برابر کر دو۔ کہتے ہیں "سويته" کے معنی ہیں "سويته بالارض" زمین کے برابر کر دو، معلوم ہوا زمین کے برابر کرنا چاہیے۔ [81]

لیکن جمہور کا کہنا یہ ہے کہ سویتہ کے معنی ہمیشہ برابر کرنے کے نہیں ہوتے ہیں "ونفس وما سوّاها" اب اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ناک بھی اتنی بڑی جتنے ہاتھ اور کان بھی اتنے بڑے جتنے پاؤں۔ بلکہ تسویہ کے معنی ہیں اعتدال کے ساتھ بنایا کہ ہر چیز کا حق ادا کر دیا، قاعدہ کے مطابق بنایا۔ تو "قبر النبي ﷺ مسنما" کے یہ معنی ہوئے کہ جو قبر زیادہ بلند ہے اس کو قاعدہ میں لے آؤ اور قاعدہ ایک شبر کا ہے جو یہاں سفیان کی عبارت سے پتہ چل رہا ہے کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک مسنم تھی۔ [82]

اسی طرح حدیث میں آیا ہے کہ قبروں کو نہ روندو، اسی طرح قبروں پر بیٹھنے سے اور نماز پڑھنے سے منع فرمایا گیا، ان احکامات پر عمل تب ہو سکتا ہے جب قبر کا علم ہو، اگر قبر بالکل زمین سے برابر ہو تو پھر کیسے پتہ چلے

گا کہ یہ قبر ہے، اس لئے یہ خیال بالکل غلط ہے کہ قبر بالکل زمین کے برابر ہونی چاہئے۔ ۱۸۳؎

ابوداؤد میں ایک روایت آئی ہے، جو قاسم بن محمد کی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ مجھے قبور مبارکہ کی زیارت کرایئے، کہتے ہیں کہ ''**کشفت لی عن ثلاثة قبور**'' حضرت عائشہؓ نے کپڑا کھول کر مجھے تین قبریں دکھائیں جو نہ تو زمین سے ملی ہوئی تھیں اور نہ بہت بلند تھیں بلکہ درمیانی تھیں، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بالکل زمین کے برابر نہ تھیں۔ ۱۸۴؎

حدثنا فروة : حدثنا علي هشام بن عروة ، عن أبيه : لما سقط عليهم الحائط في زمان الوليد بنعبد الملک أخذوا في بنائه فبدت لهم قدم ففزعوا وظنوا أنها قدم النبي ﷺ، فما وجدوا أحداً يعلم ذلک حتى قال لهم عروة : لا والله، ما هي قدم النبي ﷺ، ما هي الا قدم

۱۸۱؎ ، ۱۸۲؎ ، ۱۸۳؎ وقال الليث : حدثني يزيد بن أبي حبيب أنه يستحب ان تسنم القبور ولا ترفع ولا يكون عليها تراب كثير ، وهو قول الكوفيين والثوري ومالک وأحمد ، واختاره جماعة من الشافعية منهم المزني : أن القبور تسنم لأنها امنع من الجلوس عليها ، وقال أشهب وابن حبيب : أحب الي ان يسنم القبر ، وأن يرفع فلاباس . وقال طاوس : كان يعجبهم أن يرفع القبر شيئا حتى يعلم أنه قبر .

وادعى القاضي حسين احمد اتفاق اصحاب الشافعي على التسنيم ، ورد عليه بأن جماعة من قدماء الشافعية استحبوا التسطيح ، كما نص عليه الشافعي ، وبه جزم الماوردي وآخرون . وفي (التوضيح) : وقال الشافعي : تسطح القبور ولا تبنى ولا ترفع وتكون على وجه الارض نحواً من شبر . قال : وبلغنا أن النبي ﷺ سطح قبر ابنه ابراهيم ، عليه السلام ، ووضع عليه الحصباء ورش عليه الماء ، وأن مقبرة الانصار والمهاجرين مسطحة قبورهم ، وروي عن مالک مثله واحتج الشافعي أيضا بما روى الترمذي عن أبي الهياج الاسدي ، واسمه حيان . قال لي علي : الا ابعثک على ما بعثني عليه رسول الله ﷺ : ((أن لا ادع قبراً مشرفا الاسويته ، ولا تمثالاً الا طمسته)). فمن أراد التفصيل فليراجع ، سنن الترمذي ، (۵۶) باب ماجاء في تسوية القبور ، رقم : ۱۰۴۹ ، ج : ۳ ، ص : ۳۶۶ ، دار احياء التراث العربي ، بيروت ، وسنن ابي داؤد ، (۷۲) باب في تسوية القبر ، رقم : ۳۲۱۸ ، ج : ۳ ، ص : ۲۱۵ ، دار الفكر ، وعمدة القاري ، ج : ۶ ، ص : ۳۰۸ .

۱۸۴؎ وبما روى أبو داؤد عن القاسم بن محمد قال : دخلت على عائشة رضي الله تعالىٰ عنها ، فقلت : يا أماه اكشفي لي قبر رسول الله ﷺ ، فكشفت لي عن ثلاثة قبور لا مشرفة ولا لاطئة مبطوحة ببطحاء العرصة الحمراء ، رأيت رسول الله ﷺ مقدماً ، وابابكر راسه بين كتفي النبي ﷺ وعمراً راسه عند رجلي النبي ﷺ . عمدة القاري ، ج : ۶ ، ص : ۳۰۹ ، وسنن أبي داؤد (۷۲) باب في تسوية القبر ، رقم : ۳۲۱۹ ، ج : ۳ ، ص : ۲۱۵ ، دار الفكر .

عمر رضي الله عنه.

حضرت عروۃ اپنے والد حضرت زبیر ﷜ سے روایت کرتے ہیں کہ "لما سقط الحائط في زمان الوليد بن عبد الملك" یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جب ولید بن عبدالملک کے زمانہ میں مسجد نبوی (على صاحبها الف الف تحية) کی توسیع کا ارادہ کیا گیا، حضرت عائشہؓ کے حجرۂ مبارکہ کے برابر میں جہت قبلہ ہے اور جہت مشرق میں ازواج مطہرات کے حجرات تھے، جن میں ازواج مطہرات رہتی تھیں۔

جب مسجد کی توسیع کا ارادہ کیا گیا تو ان حجرات کو منہدم کیا گیا اور مسجد میں شامل کیا گیا، تو اس وقت کی بات ہے کہ ان پر کسی عمل کے دوران دیوار گر گئی۔

"اخذوا في بنائه" اس کو بنانا شروع کیا "فبدت لهم قدم" جب کھدائی وغیرہ کی تو زمین سے ایک قدم ظاہر ہو گیا "ففزعوا" لوگ گھبرائے "وظنوا إنها قدم النبي ﷺ" اور گمان ہوا کہ کہیں یہ سرکار دو عالم ﷺ کا قدم مبارک نہ ہو، لہٰذا گھبرا گئے کہ یہ کیا ہو گیا کہ ہماری کھدائی کے نتیجے میں سرکار دو عالم ﷺ کے جسد اطہر کا کچھ حصہ باہر آ گیا۔

"فما وجدوا أحداً يعلم ذالك" اور کوئی ایسا آدمی موجود نہیں تھا جو یہ بتا سکے کہ یہ کس کا قدم ہے؟

"حتى قال لهم عروة : لا والله ما هي قدم النبي ﷺ" یہاں تک کہ حضرت عروۃ بن زبیرؒ نے کہا "لا والله ما هي قدم النبي ﷺ. ماهي إلا قدم عمر رضي الله عنه: بلکہ یہ حضرت عمر﷜ کا پاؤں ہے، ان کے حلیے سے انہوں نے پہچانا۔

آگے دوسری روایت ہے:

١٣٩١ - وعن هشام، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها أنها أوصت عبدالله ابن الزبير: لا تدفني معهم وادفني مع صواحبي بالبقيع. لا أزكى به أبداً. [انظر: ٧٣٢٧] ١٨٥

عائشہ صدیقہؓ کی تواضع وانکساری

عن عائشة رضي الله عنها أنها أوصت عبدالله ابن الزبير.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زبیر ﷜ کو وصیت کی کہ مجھے ان کے ساتھ یعنی حضور اقدس ﷺ اور شیخین کے ساتھ دفن نہ کرنا بلکہ میرے سوکنوں کے ساتھ بقیع میں دفن کرنا، حالانکہ قبر کی جگہ خالی تھی لیکن

١٨٥ انفرد به البخاري.

پھر بھی حضرت عائشہؓ نے وہاں دفن کرنے سے منع فرمایا اور یہ کہا کہ "وادفني مع صواحبي بالبقيع" مجھے اپنی دوساتھنیں یعنی دوسری ازواج مطہرات جو بقیع میں مدفون ہیں ان کے ساتھ بقیع میں دفن کرنا اس لئے کہ "لا ازکی به احدا" میں نہیں چاہتی کہ اس دفن کی وجہ سے میرا تزکیہ کیا جائے یعنی کل کو کوئی یہ کہے کہ دیکھو حضرت عائشہؓ کی کتنی فضیلت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور شیخین کے برابر میں مدفون ہے۔ تو اس کے ذریعہ میرا تزکیہ کیا جائے، یہ مجھے پسند نہیں بلکہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ جو معاملہ فرمائیں وہ میرے عمل کی بنیاد پر فرمائیں۔

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تواضع تھی اور ساتھ اس بات کی طرف اشارہ کرنا تھا کہ انسان کا اصل مدار اس کے اعمال پر ہے، کسی بزرگ کے قریب دفن ہو جانا اس وقت تک مفید نہیں جب تک ایمان اور عمل صالح نہ ہو، یہ ٹھیک ہے کہ جس کو ایمان اور عمل صالح کا کچھ حصہ نصیب ہے وہ یہ تمنا کرے کہ میں یہاں دفن ہو جاؤں جیسا کہ آگے حدیث میں آرہا ہے کہ حضرت فاروق اعظم ﷺ نے باقاعدہ درخواست کی کہ مجھے یہاں دفن کیا جائے، لیکن تنہا اس پر تکیہ کر لینا درست نہیں اور جیسا کہ اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ جب حضرت عمر ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے اس جگہ دفن ہونے کی درخواست کی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ یہاں پر میں دفن ہوں لیکن میں اپنے اوپر آپ کو ترجیح دیتی ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی خواہش تھی لیکن بعد میں رائے تبدیل ہو گئی۔

۱۳۹۲ - حدثنا قتيبة: حدثنا جرير بن عبدالحميد: حدثنا حصين بن عبدالرحمن، عن عمرو بن ميمون الأودي قال: رأيت عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: يا عبدالله بن عمر، اذهب إلى أم المؤمنين عائشة رضي الله عنها فقل: يقرأ عمر بن الخطاب عليك السلام، ثم سلها أن أدفن مع صاحبي، قالت: كنت أريده لنفسي فلأوثرنه اليوم على نفسي، فلما أقبل قال له: لديك؟ قال أذنت لك يا أمير المؤمنين. قال: ما كان شيء أهم إلي من ذلك المضجع. فإذا قبضت فاحملوني ثم سلموا، ثم قل: يستأذن عمر بن الخطاب، فإن أذنت لي فادفنوني وإلا فردوني إلى مقابر المسلمين. إني لا أعلم أحدا أحق بهذا الأمر من هؤلاء النفر الذين توفي رسول الله ﷺ وهو عنهم راض. فمن استخلفوا بعدي فهو الخليفة فاسمعوا له وأطيعوا. فسمى عثمان وعليا وطلحة والزبير، وعبدالرحمن بن عوف وسعد بن أبي وقاص. وولج عليه شاب من الأنصار فقال: أبشر يا أمير المؤمنين ببشرى الله، كان لك من القدم في الإسلام ما قد علمت، ثم استخلفت فعدلت، ثم الشهادة بعد هذا كله. فقال: ليتني يا ابن أخي وذلك كفافا لا علي ولا لي. أوصي الخليفة من بعدي بالمهاجرين الأولين خيرا: أن يعرف لهم حقهم، وأن يحفظ لهم حرمتهم. وأوصيه بالأنصار خيرا، الذين

تبوّؤا الدار والإیمان أن یقبل من محسنهم ویعفی عن مسیئهم. وأوصیه بذمة اللہ وذمة رسوله ﷺ أن یوفی لهم بعهدهم وأن یقاتل من ورائهم، وأن لا یکلفوا فوق طاقتهم. [انظر: ۳۰۵۲، ۳۱۶۲، ۳۷۰۰، ۴۸۸۸، ۷۲۰۷] [۸۶]

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وصیت

یہاں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عمل پر ذرا غور کریں کہ شروع میں پیغام بھیجا کہ جا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھیں "أن أدفن مع صاحبیّ. قالت: انہوں نے کہا" کنت أریده لنفسی فلا وثرنه الیوم علیٰ نفسی" یعنی میں اب اپنے اوپر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ترجیح دوں گی۔ "فلما أقبل" جب وہ پیغام دینے والا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آیا تو "قال له: اس سے پوچھا "مالدیک؟" یعنی کیا جواب ملا؟ "قال: أذنت لک یا أمیر المؤمنین. قال: ماکان شيء أهم إلیّ من ذالک المضجع" میرے نزدیک اس سے اہم بات کوئی نہیں تھی کہ مجھے وہاں دفن ہونے کی جگہ مل جائے۔

لیکن "فإذا قبضت" جب میرا انتقال ہو جائے "فاحملونی" تو مجھے اٹھا کر لے جانا "ثم سلّموا" اور دوبارہ سلام کرنا "ثم قل: یستأذن عمر بن الخطاب" اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہنا کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اجازت چاہتے ہیں "فإن أذنت لي فادفنوني وإلا فردوني إلیٰ مقابر المسلمین" اگر اس وقت اجازت دے دیں تب تو مجھے وہاں دفن کر دینا، ورنہ مجھے مسلمان کے عام مقابر میں لے جانا۔

یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی احتیاط ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رعب کی وجہ سے یا مروّت کی وجہ سے پہلے اجازت دے دی ہو، اس لئے فرمایا کہ دفن سے پہلے دوبارہ اجازت لے لینا، اگر اجازت دے دیں تو ٹھیک ہے ورنہ مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کر دینا۔

یہاں تک تو دفن کا واقعہ تھا، اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وصیت شروع فرمائی، فرمایا "إني لا أعلم أحداً أحق بهذا الأمر" هذا الأمر سے خلافت مراد ہے۔

"من هؤلاء النفر الذین توفي رسول اللہ ﷺ وهو عنهم راض" میں خلافت کا حق داران چند لوگوں کے سوا نہیں سمجھتا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حالت میں وفات پائی کہ ان سے راضی تھے۔

"فمن استخلفوا بعدی فهو الخلیفة" جس کو یہ لوگ خلیفہ بنا دیں وہی خلیفہ ہوگا اور چھ آدمیوں کا نام لیا "فاسمعوا له وأطیعوا" جس کو یہ خلیفہ بنا دیں اس کی اطاعت میں کام کرو "فسمّی

---

[۸۶] انفرد به البخاري.

عثمان وعليا وطلحة والزبير، وعبدالرحمن بن عوف وسعد بن أبي وقاص " ان چھ آدمیوں کے نام لئے کہ یہ وہ ہیں جن سے آنحضرت ﷺ آخروقت تک راضی تھے، میں خلافت ان کے سپرد کرتا ہوں یہ جس کو خلیفہ بنادیں وہ خلیفہ بن جائے۔

"وولج عليه شاب من الأنصار فقال: انصار کے ایک نوجوان آئے اور آکر عرض کیا "ابشر ياامير المؤمنين ببشرى الله، كان لك من القدم في الإسلام ماقدعلمت" آپ یہ خوش خبری قبول کیجئے کہ آپ کو اسلام میں قدامت حاصل ہے وہ قدامت جو آپ کو معلوم ہے یعنی آپ قدیم سے مسلمان ہوئے۔

ثم استخلفت فعدلت" پھر آپ ﷺ کو خلیفہ بنایا گیا آپ نے عدل سے کام لیا "ثم الشهادة بعد هذا كله" یہ ساری فضیلتیں حاصل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کا مرتبہ بھی عطا فرمایا "فقال: ليتني يا ابن اخي وذالك كفافا لا علىّ ولا لي " اس کے جواب میں حضرت عمر ﷺ نے فرمایا: کاش اے میرے بھتیجے یہ معاملہ برابر سرابر ہو جائے یعنی نہ میرے اوپر کوئی حق رہے اور نہ میرا کوئی حق رہے۔ مطلب یہ ہے کہ نہ مجھے عذاب ہو اور نہ ثواب ہو، برابر سرابر چھوٹ جاؤں تو بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم سمجھتا ہوں۔

اندازہ لگایئے کہ آخروقت کیا فرما رہے ہیں ان تمام باتوں کے باوجود جو وہ اپنے کانوں سے سن چکے ہیں کہ " عمر في الجنة " اور " لوكان بعدي نبي لكان عمربن خطاب" پھر بھی یہ کہہ رہے ہیں کہا گر اس عالم میں برابر سرابر بھی چھوٹ جاؤں تو میں اللہ کا فضل سمجھوں گا۔ اس واسطے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ کوئی بھی انسان اپنے عمل کے بل بوتے پر نجات نہیں پا سکتا، کوئی کتنا ہی عمل کرے وہ بارگاہ الٰہی میں کوئی استحقاق نہیں رکھتا۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ اگر برابر سرابر چھوٹ جاؤں تو بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے، چہ جائیکہ ثواب ملے۔

"أوصى الخليفة من بعدي بالمهاجرين الاولين خيراً" میرے بعد جو خلیفہ بنے میں اُسے مہاجرین اولین کا خاص طور پر خیال رکھنے کی وصیت کرتا ہوں "خیراً" ان کی بھلائی کی وصیت کرتا ہوں "أن يعرف لهم حقهم وان يحفظ لهم حرمتهم، واوصيه بالأنصار خيراً" اور انصار کیلئے بھی خیر کی وصیت کرتا ہوں "الذين تبوّؤا الدار والايمان" جن کو قرآن نے "الذين تبوؤا الدار والايمان" فرمایا یعنی انہوں نے مہاجرین اور ایمان والوں کو ٹھکانہ دیا، "أن يقبل من محسنهم ويعفى من مسيئهم" اور میں وصیت کرتا ہوں کہ ان کے جو اچھے عمل کرنے والے ہیں ان کو قبول کریں اور جو بُرے عمل کرنے والے ہیں ان سے درگزر کریں۔

وأوصيه بذمة الله وذمة رسوله " اور میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی

ذمہ داری کو پورا کرے "أن یوفی لھم بعھد ھم" جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذمہ میں ہیں یعنی ذمی اور مستأمن ان کے عہد کو پورا کرے "وأن یقاتل من ورائھم" اور ان کی حفاظت کے لئے قتال کرے "وإن لایکلفوا فوق طاقتھم" اور ان کو کسی ایسے عمل کا مکلف نہ کیا جائے جو ان کی طاقت سے ماوراء ہو یا تو اس سے مراد اہل ذمہ ہیں اور یا پھر وہ سارے لوگ مراد ہیں، جن کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ذمہ داری لی ہو۔

سوال: روضۂ اقدس میں جو جگہ خالی ہے، کیا اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دفن ہوں گے؟

جواب: جی ہاں، یہ بات صحیح ہے، جو جگہ خالی ہے اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دفن ہوں گے۔

(۹۷) باب ماینھی من سب الأموات

مردوں کو برا بھلا کہنے کی ممانعت کا بیان

۱۳۹۳۔ حدثنا آدم: حدثنا شعبة، عن الأعمش، عن مجاهد، عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال النبي ﷺ: ((لا تسبوا الأموات فإنهم قد أفضوا إلى ما قدموا)).

ورواه عبدالله بن عبدالقدوس ومحمد بن أنس عن الأعمش. تابعه علي بن الجعد وابن عرعرة وابن أبي عدي عن شعبة. [انظر: ۶۵۱۶] ۸۷

جو دنیا سے جا چکے ہیں ان کو برا بھلا مت کہو، اس واسطے کہ وہ اس عمل تک پہنچ گئے ہیں جو انہوں نے آگے بھیجا ہے، اب ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ تم خواہ مخواہ ان کی برائی کر کے اپنے آپ کو کیوں غیبت میں مبتلا کرتے ہو۔ اس واسطے فرمایا "لا تسبوا الاموات فانھم قد افضوا الی ماقدموا"

اس سے کافر نہیں بلکہ مسلمان مراد ہے، کیونکہ کفر کی برائی کی جاسکتی ہے، جیسا کہ اگلا باب ہے۔

(۹۸) باب ذکر شرار الموتی

مردوں کی برائی کا بیان

۱۳۹۴۔ حدثنا عمر بن حفص: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش: حدثني عمرو بن مرة، عن

---

۸۷ وفي سنن النسائي، كتاب الجنائز، باب النهي عن سب الأموات، رقم: ۱۹۱۰، وسنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في النهي عن سب الموتى، رقم: ۴۲۵۳، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب باقي المسند السابق، رقم: ۲۴۲۹۶، وسنن الدارمي، كتاب السير، باب في النهي عن سب الأموات، رقم: ۲۳۹۹.

سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال أبو لهب لعنة الله للنبي ﷺ: تباً لك سائر اليوم. فنزلت ﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ ﴾ .۱۸۸

[انظر: ۳۵۲۵، ۳۵۲۶، ۴۷۷۰، ۴۸۰۱، ۴۹۷۱، ۴۹۷۲، ۴۹۷۳] ۱۸۹

اب یہ "تبت يدا أبي لهب و تب" پڑھی جائے گی۔

اس سے یہ استدلال کر رہے ہیں کہ ابولہب کی برائی کرنا اور اس پر تب کہنا جائز ہے۔

---

۱۸۸ ابولہب (جس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب ہے) آنحضرت ﷺ کا حقیقی چچا تھا، لیکن اپنی کفر و شقاوت کی وجہ سے حضور ﷺ کا شدید ترین دشمن تھا۔ جب آپ ﷺ کسی مجمع میں پیغام حق سناتے یہ بدبخت پتھر پھینکتا جاتی کہ آپ کے پائے مبارک لہولہان ہو جاتے اور زبان سے کہتا لوگو! اس کی بات مت سنو، یہ شخص (معاذ اللہ) جھوٹا بے دین ہے، کبھی کہتا محمد ہم سے ان چیزوں کا وعدہ کرتے ہیں جو مرنے کے بعد ملیں گی، ہم کو تو وہ چیز ہوتی نظر نہیں آتی، پھر دونوں ہاتھوں سے خطاب کر کے کہتا " تبا لكما ما ارى فيكما شيئا مما يقول محمد" ﷺ (تم دونوں ٹوٹ جاؤ کہ میں تمہارے اندر اس میں سے کوئی چیز نہیں دیکھتا جو محمد ﷺ بیان کرتا ہے)۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر سب کو پکارا، آپ کی آواز پر تمام لوگ جمع ہو گئے آپ ﷺ نے نہایت مؤثر پیرایہ میں اسلام کی دعوت دی، ابولہب بھی موجود تھا کہنے لگا " تبا لك سائر اليوم الهذا جمعتنا " (یعنی تو برباد ہو جائے کیا ہم کو اسی بات کے لئے جمع کیا تھا) اور روح المعانی میں بعض سے نقل کیا ہے کہ اس نے ہاتھوں میں پتھر اٹھایا آپ کی طرف پھینکے، غرض اس کی شقاوت اور حق سے عداوت انتہاء کو پہنچ چکی تھی، اس پر جب اللہ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تو کہتا کہ اگر سچ مچ یہ بات ہونے والی ہے تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے، ان سب کو فدیہ میں دے کر عذاب سے چھوٹ جاؤں گا، اس کی بیوی ام جمیل کو بھی پیغمبر ﷺ سے بہت ضد تھی، جو دشمنی کی آگ ابولہب بھڑکاتا تھا، یہ عورت گویا لکڑیاں ڈال کر اس کو اور تیز کرتی تھی۔

سورۂ ہذا (لہب) میں دونوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا ہے کہ مرد ہو یا عورت، اپنا ہو یا بیگانہ، بڑا ہو یا چھوٹا جو حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخرکار ذلیل اور تباہ و برباد ہو کر رہے گا۔ پیغمبر کی قرابت قریبہ بھی اس کو تباہی سے نہ بچا سکے گی۔ یہ ابولہب کیا ہاتھ جھٹک کر باتیں بناتا اور اپنی قوت بازو پر مغرور ہو کر خدا کے مقدس و معصوم رسول کی طرف دست درازی کرتا ہے! سمجھ لے کہ اب اس کے ہاتھ ٹوٹ چکے۔ اس کی سب کوششیں حق کے دبانے کی برباد ہو چکیں اس کی سرداری ہمیشہ کے لئے مٹ گئی، اس کے اعمال اکارت ہوئے اس کا زور ٹوٹ گیا، اور وہ خود تباہی کے گڑھے میں پہنچ چکا۔

کہتے ہیں غزوۂ بدر سے سات روز بعد اس کے زہریلے قسم کا ایک دانہ نکلا اور مرض لگ جانے کے خوف سے سب گھر والوں نے الگ ڈال دیا، وہیں مر گیا اور تین روز تک لاش یوں ہی پڑی رہی، کسی نے نہ اٹھائی، جب سڑنے لگی، اس وقت حبشی مزدوروں سے اٹھوا کر دبوائی، انہوں نے ایک گڑھا کھود کر اس کو ایک لکڑی سے اندر دھکا دیا اور پتھر سے بھر دیئے، یہ تو دنیا کی رسوائی اور بربادی تھی۔ ولعذاب الآخرة اكبر و كانوا يعلمون . تفسیر عثمانی، سورۃ اللھب، ف ۱، ص: ۸۰۶۔

۱۸۹ وفي صحيح مسلم ، كتاب الإيمان ، باب في قوله تعالى وانذر عشيرتك الاقربين، رقم: ۳۰۷ ، وسنن الترمذي، كتاب تفسير القرآن عن رسول الله ، باب ومن سورة تبت يداء، رقم: ۳۲۸۶ ، ومسند أحمد ، ومن مسند بني هاشم ، باب بداية مسند عبدالله بن العباس، رقم: ۲۴۱۳ ، ۲۶۶۴ .

معلوم ہوا کہ جو شرار موتی ہیں اور کفار ہیں ان کی برائی کرنے میں کوئی حرج نہیں، ان کے کفر اور برے کاموں کا ذکر کر سکتے ہیں لیکن ظاہر ہے اس کو مشغلہ بنالینا پسندیدہ نہیں، البتہ اگر ان کا ذکر آجائے تو ان کے برے کاموں پر ان کی بُرائی کی جاسکتی ہے۔

دوسرا نسخہ ہے "قال حدثنا الأعمش" اس صورت میں عمرو بن حفص براہِ راست استاذ ہوں گے۔

☆☆☆☆☆

اللهم اختم لنا بالخير

كمل بعون الله تعالىٰ الجزء الرابع من "انعام الباري" ويليه إن شاء الله تعالىٰ الجزء الخامس: أوّله كتاب الزكاة، رقم الحديث: ١٣٩٥.

نسأل الله الإعانة والتوفيق لإتمامه والصلوٰة والسلام على خير خلقه سيدنا ومولانا محمد خاتم النبيين وامام المرسلين وقائد الغر المحجلين وعلى آله وأصحابه أجمعين وعلى كل من تبعهم باحسان الى يوم الدين.

آمين ثم آمين يا رب العالمين.

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

کے گرانقدر اور زندگی کا نچوڑ اہم موضوعات کیسٹوں کی شکل میں

☆ درس بخاری شریف (مکمل)	۳۰۰ کیسٹوں میں
☆ کتاب البیوع درس بخاری شریف عصر حاضر کے جدید مسائل (معاملات) پر سیر حاصل بحث	
☆ **اصول الفتاء للعلماء والمتخصصین**	۲ کیسٹوں میں
☆ دورۂ اقتصادیات	۲۰ کیسٹوں میں
☆ دورۂ اسلامی بینکاری	۵ کیسٹوں میں
☆ دورۂ اسلامی سیاست	۱۵ کیسٹوں میں
☆ تقریب تکملہ فتح الملہم	۱ عدد
☆ علماء اور دینی مدارس (بموقع ختم بخاری ۱۴۱۵ھ)	۱ عدد
☆ جہاد اور تبلیغ کا دائرہ کار	
☆ افتتاح بخاری شریف کے موقع پر تقریر دل پذیر	
☆ زائرین حرمین کے لئے ہدایات	
☆ زکوۃ کی فضیلت واہمیت	
☆ والدین کے ساتھ حسن سلوک	۳ کیسٹوں میں
☆ امت مسلمہ کی بیداری	

☆ جوش وغضب، حرص طعام، حسد، کینہ اور بغض، دنیائے مذموم، فاستبقوا الخیرات، عشق عقلی وعشق طبعی، حب جاہ وغیرہ اصلاحی بیانات اور ہر سال کا ماہ رمضان المبارک کا بیان۔

☆ اصلاحی بیانات۔ بمقام جامعہ دارالعلوم کراچی، تسلسل نمبر ۱ تا ۳۰۰ کیسٹوں میں ۱۴۳۰ھ تک۔

تصانیف

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

☆ انعام الباری دروس بخاری شریف ۷ جلد
☆ اسلام اور جدید معیشت وتجارت
☆ اندلس میں چند روز
☆ اسلام اور سیاست حاضرہ
☆ اسلام اور جدت پسندی
☆ اصلاح معاشرہ
☆ اصلاحی خطبات
☆ اصلاحی مواعظ
☆ اصلاحی مجالس
☆ احکام اعتکاف
☆ اکابر دیوبند کیا تھے؟
☆ آسان نیکیاں
☆ بائبل سے قرآن تک
☆ بائبل کیا ہے؟
☆ پُرنور دعائیں
☆ تراشے
☆ تقلید کی شرعی حیثیت
☆ جہانِ دیدہ (بیس ملکوں کا سفرنامہ)
☆ حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق
☆ حجیت حدیث
☆ حضور ﷺ نے فرمایا (انتخاب حدیث)
☆ حکیم الامت کے سیاسی افکار
☆ درس ترمذی
☆ دنیا مرے آگے (سفرنامہ)
☆ دینی مدارس کا نصاب ونظام
☆ ذکر وفکر
☆ ضبط ولادت
☆ عیسائیت کیا ہے؟
☆ علوم القرآن
☆ عدالتی فیصلے
☆ فرد کی اصلاح
☆ فقہی مقالات
☆ تاثر حضرت عارفیؒ
☆ میرے والد میرے شیخ
☆ ملکیت زمین اور اس کی تحدید
☆ نشری تقریریں
☆ نقوش رفتگاں
☆ نفاذ شریعت اور اس کے مسائل
☆ نمازیں سنت کے مطابق پڑھئے
☆ ہمارے عائلی مسائل
☆ ہمارا معاشی نظام
☆ ہمارا تعلیمی نظام
☆ تکملہ فتح الملہم (شرح صحیح مسلم)
☆ ماھی النصرانیۃ؟
☆ نظرۃ عابرۃ حول التعلیم الاسلامی
☆ احکام الذبائح
☆ بحوث فی قضایا فقہیۃ المعاصرہ
☆ An Introduction to Islamic Finance
☆ The Historic Judgement on Interest
☆ The Rules of I'tikaf
☆ The Language of the Friday Khutbah
☆ Discourses on the Islamic way of life
☆ Easy good Deeds
☆ Sayings of Muhammad ﷺ
☆ The Legal Status of following a Madhab
☆ Perform Salah Correctly
☆ Contemporary Fatawa
☆ The Authority of Sunnah

فقہ المعاملات ﴿انعام الباری جلد ۶، ۷﴾ کی خصوصیات واہمیت

از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی

معاملات کے میدان میں دین سے دوری کی وجہ

معاملات کے میدان میں دین سے دوری کی وجہ یہ تھی کہ چند سو سالوں سے مسلمانوں پر غیر ملکی اور غیر مسلم سیاسی اقتدار مسلط رہا اور اس غیر مسلم سیاسی اقتدار نے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ اس بات کی تو اجازت دی کہ وہ اپنے عقائد پر قائم رہیں اور مسجدوں میں عبادات انجام دیتے رہیں، اپنی انفرادی زندگی میں عبادات کا اہتمام کریں لیکن زندگی میں تجارت (Business) و معیشت (Economy) کے جو عام کام ہیں وہ سارے کے سارے ان کے اپنے قوانین کے تحت چلائے گئے اور دین کے معاملات کے احکام کو زندگی سے خارج کر دیا گیا، چنانچہ مسجد و مدرسہ میں تو دین کا تذکرہ ہے لیکن بازاروں میں، حکومت کے ایوانوں میں اور انصاف کی عدالتوں میں دین کا ذکر اور اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔

یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا جب سے مسلمانوں کا سیاسی اقتدار ختم ہوا اور غیر مسلموں نے اقتدار پر قبضہ کیا۔ چونکہ اسلام کے جو معاملات سے متعلق احکام ہیں وہ عمل میں نہیں آرہے تھے اور ان کا عملی چلن دنیا میں نہیں رہا اس لئے لوگوں کے دلوں میں ان کی اہمیت گھٹ گئی اور ان پر بحث و مباحثہ اور ان کے اندر تحقیق و استنباط کا میدان بھی بہت محدود ہو کر رہ گیا۔ لیکن اس وقت اللہ ﷻ کے فضل و کرم سے سارے عالم میں ایک شعور پیدا ہو رہا ہے اور وہ شعور یہ ہے کہ جس طرح ہم اپنی عبادتیں شریعت کے مطابق انجام دینا چاہتے ہیں اسی طرح اپنے معاملات کو بھی شریعت کے سانچے میں ڈھالیں، یہ قدرت کی طرف سے ایک شعور ہے جو ساری دنیا کے مسلمانوں میں رفتہ رفتہ پیدا ہونا شروع ہوا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض ایسے لوگ جن کی ظاہری شکل و صورت اور ظاہری وضع قطع کو دیکھ کر دور دور تک یہ گمان بھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ متدین ہوں گے لیکن اللہ ﷻ نے ان کے دل میں حرام مال کی نفرت اور حلال مال کی طرف رغبت پیدا فرما دی۔

اب وہ اس فکر میں ہیں کہ کسی طرح ہمارے معاملات شریعت کے مطابق ہو جائیں وہ اس تلاش میں ہیں کہ کوئی ہماری رہنمائی کرے، لیکن اس میدان میں رہنمائی کرنے والے کم ہو گئے۔ ان کے مزاج و مذاق کو سمجھ کر ان کے معاملات اور اصطلاحات کو سمجھ کر جواب دینے والے بہت کم ہو گئے اس وقت ضرورت تو بہت بڑی ہے لیکن اس ضرورت کو پورا کرنے والے افراد بہت کم ہیں۔

اس لئے میں عرصہ دراز سے اس فکر میں ہوں کہ دینی مدارس کے تعلیمی نصاب میں **"فقہ المعاملات"** کو خصوصی اہمیت دی جائے، یہ بہت ہی اہمیت والا باب ہے اس لئے خیال یہ ہے کہ "کتاب البیوع" سے متعلقہ جو مسائل سامنے آئیں انہیں ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا جائے تاکہ کم از کم ان سے واقفیت ہو جائے۔ بہر حال انعام الباری جلد ۶، ۷ انہی اہم ابحاث پر مشتمل ہے۔